دجال 3
kitaabghar.com
علیم الحق حقی

دجّال...... یہودیوں کی آنکھ کا تارہ جسے عیسائیوں اور مسلمانوں کو تباہ و برباد اور نیست و نابود کرنے کا مشن سونپا جائے گا

انگریزی ادب سے درآمد ایک خوفناک ناول۔ علیم الحق حقی کا شاندار اندازِ بیاں

دجّال (پارٹ ۳)

علیم الحق حقّی

(گورڈن میکگل)

علم و عرفان پبلشرز

40-الحمد مارکیٹ، اردو بازار لاہور

فون:042-7352332-7232336

نوٹ:

ادارہ علم و عرفان پبلشرز کی شائع کردہ کتب کی فہرست اس کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمایئے

☆......کتابی شکل میں ملنے کے پتے......☆

خزینہ علم وادب الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور
مشتاق بک کارنر الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور
اسلامی کتب خانہ، فضل الٰہی مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
کتاب گھر کمیٹی چوک، راولپنڈی
علی سٹیشنرز، حیدری چوک، لالہ موسیٰ
رحمٰن بک ہاؤس اُردو بازار، کراچی
احمد بک کارپوریشن اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی
مسٹر بکس سپر مارکیٹ اسلام آباد
مکتبہ ضیائیہ بوہڑ بازار، راولپنڈی
گڈ بکس شاپ صدر بازار، راولپنڈی
بختیار سنز قصہ خوانی بازار، پشاور
بنگش بکڈ پو اردو بازار، سیالکوٹ
ماڈرن بکڈ پو سیالکوٹ کینٹ
کھوکھر بکسٹال مسلم بازار، گجرات
بلال بکڈ پو، گجرات
کتاب مرکز امین پور بازار، فیصل آباد
کتب خانہ مقبول عام امین پور بازار، فیصل آباد
شریف سنز کارخانہ بازار، فیصل آباد
کارواں بک سنٹر، ملتان کینٹ
دارالکتاب کالج روڈ، لیہ
الیاس کتاب محل کچہری بازار، جڑانوالہ
ڈار برادرز تحصیل بازار، جہلم
جالندھر بکڈ پو، ڈسکہ
یونائیٹڈ بک ہاؤس، کچہری روڈ، منڈی بہاؤالدین
شمائلہ بک ایجنسی محلہ چوہدری پارک، ٹوبہ ٹیک سنگھ
میاں ندیم مین بازار، جہلم
اسلامی کتب خانہ، حافظ آباد
کارواں بک سنٹر، بہاولپور
گلیکسی بکس، خان آرکیڈ، کچہری روڈ، سرگودھا
النور بک کارنر محمدی پلازہ، میرپور آزاد کشمیر

مکتبہ قابل اردو بازار، لاہور
کتاب سرائے الحمد مارکیٹ اردو بازار، لاہور
فہیم بکڈ پو، راجپوت مارکیٹ اردو بازار، لاہور
اشرف بک ایجنسی کمیٹی چوک راولپنڈی
فضلی سنز اردو بازار، کراچی
ویلکم بک پورٹ اُردو بازار، کراچی
کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
سعید بک بنک اسلام آباد
کیپٹل بکڈ پو، اردو بازار، راولپنڈی
سعید بک بنک، پشاور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار، پشاور
حافظ بک ایجنسی اقبال روڈ، سیالکوٹ
بک سنٹر اردو بازار، سیالکوٹ
پنجاب بکڈ پو سرکلر روڈ، گجرات
سلطان بک پیلس، گجرات
فائن بکس امین پور بازار، فیصل آباد
نیو مکتبہ دانش امین پور بازار، فیصل آباد
مقبول بک ایجنسی چوک پاک گیٹ، ملتان
الکریم نیوز ایجنسی، اوکاڑہ
چوہدری بکڈ پو مین بازار، دینہ
عمر بک سنٹر جی ٹی روڈ، سرائے عالمگیر
شکیل بکڈ پو، سمندری
مسلم بک لینڈ، بینک روڈ، مظفر آباد
نیو وہاڑی کتاب گھر، جناح روڈ، وہاڑی
ہلال کاپی ہاؤس لیاقت روڈ، میاں چنوں
نیو نفیس بکڈ پو مین بازار، میانوالی
خالد کتاب محل، سیالکوٹ روڈ، اگوکی
پاکستان بکڈ پو مین بازار، جلال پور جٹاں
جہلم بک کارنر، جہلم
منور بک ڈپو گجرات

''دجال'' پارٹ 3

2001ء

چیلے چھ ہفتے سے اس عورت کی نگرانی کر رہے تھے۔ وہ گھر میں سو رہی ہوتی تو اُس کے گھر پر نظر رکھی جاتی۔ کام پر جاتے ہوئے اور کام سے واپس آتے ہوئے اس کا تعاقب کیا جاتا۔ وہ دوستوں سے ملنے جاتی، تب بھی باہر اُس کا انتظار کیا جاتا۔

اپنے لیڈر کی موت کے بعد سے ان کی تعداد مسلسل کم ہو رہی تھی۔ کچھ ایسے تھے، جنہیں اب جینا بھی گوارا نہیں تھا۔ انہوں نے خودکشی کر لی تھی۔ بہت سے ایسی مایوسی میں گھر گئے تھے کہ انہوں نے گھر سے نکلنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ لیکن پیچھا کرنے والے وہ لوگ تھے، جو انتقام کی آگ میں پھنک رہے تھے اور اسی لیے وہ مسلسل اسی پر نظر رکھے ہوئے تھے۔

جس دن وہ ڈاکٹر کے پاس گئی، دو چیلے اُس کا تعاقب کر رہے تھے۔ وہ ویٹنگ روم میں بھی اُس کے ساتھ بیٹھے رہے۔ اُس کے چہرے پر اذیت دیکھ کر انہیں طمانیت ہو رہی تھی۔ وہ یقیناً کسی بہت بڑی اذیت سے دوچار تھی۔ اور یہ بات خوش آئند تھی۔

''مس کیٹ رینالڈز۔'' استقبالیہ کلرک نے عورت کو پکارا اور دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

وہ اٹھی اور معذوروں کے سے انداز میں کراہتی لڑکھڑاتی ڈاکٹر کے کمرے کے دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوئی تو اندر ایک اجنبی چہرہ نظر آیا۔ وہ ایک جوان ڈاکٹر تھا۔ اُس کے چہرے پر تازگی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

کیٹ نے الجھن بھرے انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

''ڈاکٹر جانسن نے پریکٹس ترک کر دی ہے۔'' جوان ڈاکٹر نے وضاحت کی۔ ''آپ تشریف رکھیں نا۔''

اُس نے دروازہ بند کیا، کمرے میں گئی اور ڈاکٹر کی میز کے پہلو میں رکھے اسٹول پر بیٹھ گئی۔ ''یہاں بہت شدید..... کاٹ دینے والا چبھن دینے والا درد ہوتا ہے۔'' اس نے ناف کے نیچے پیٹ کے نچلے حصے کو ہاتھ سے دباتے ہوئے کہا۔ ''اور متحرک کا احساس بھی ہوتا ہے۔''

ڈاکٹر نے اُس کی نبض دیکھی، پھر کاؤچ کی طرف اشارہ کیا۔ ''آپ وہاں چل کر لیٹئے۔ میں تفصیل سے معائنہ کروں گا۔''

وہ جا کر کاؤچ پر دراز ہو گئی۔ ڈاکٹر اسی کا معائنہ کرتا رہا۔ پھر اُس نے اپنے پیڈ پر ایک نام اور پتا لکھا اور ورق کو پیڈ سے الگ کر کے اس کی طرف بڑھایا۔ ''یہ میرے ایک کولیگ کا پتا ہے ہارلے اسٹریٹ پر اُس کا مطب ہے۔ وہ ان معاملات کا اسپیشلسٹ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ جا کر

اسے دکھائیں۔'' اُس نے ایک لحہ توقف کیا۔ پھر بولا۔ ''جلد از جلد۔''

وہ گنگ ہو کر اسے دیکھتی رہی۔ اذیت دو چند ہو گئی تھی۔

''ویسے مجھے یقین ہے کہ آپ کے لیے پریشانی کی کوئی بات نہیں۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اذیت سے اُس کا چہرہ چٹخا جا رہا تھا۔ ''آپ مجھے وقتی طور پر کوئی دوا.....!''

''آئی ایم سوری۔'' ڈاکٹر نے تیز لہجے میں اُس کی بات کاٹ دی۔ ''اس مرحلے پر میں آپ کے لیے پین کلرز تجویز نہیں کر سکتا۔''

وہ اسے جاتے دیکھتا رہا۔ ویٹنگ روم میں موجود دونوں چیلوں نے سر اٹھا کر اُسے دیکھا۔ اُس نے دروازہ بند کیا اور فون کا ریسیور اٹھاتے ہوئے بولا ''شکاگو میں بات کراؤ میری۔''

رابطہ ملنے کے انتظار کے دوران وہ بڑی طمانیت سے مسکرا رہا۔ ''موت کے بطن سے زندگی جنم لیتی ہے۔'' اُس نے خود کلامی کی۔

وہ آپریٹنگ ٹیبل پر اوندھے منہ پڑی تھی۔ اُس کے دونوں ہاتھ دو نرسوں نے مضبوطی سے تھام رکھے تھے۔ اُس کی دونوں ٹانگیں پکڑ کر دونوں پاؤں ٹخنوں پر سے دو مختلف رکابوں میں باندھ دیے گئے تھے اُس کے پیٹ کا نچلا حصہ بالکل غبارے کی طرح پھولا ہوا تھا، اور جلد اتنی پتلی ہو گئی تھی کہ لگتا تھا، ذرا سا زور پڑنے پر بوسیدہ کپڑے کی طرح پھٹ جائے گی۔ اُس کا جسم یوں جھٹکے لے رہا تھا، جیسے اُس پر کوئی تشنجی دورہ پڑا ہو۔ وہ بری طرح ہانپ رہی تھی۔ سانس اُس کے سینے میں نہیں سما رہی تھی۔

اُس نے ملتجیانہ نظروں سے ایک نرس کو دیکھا۔

''زیادہ دیر نہیں لگے گی'' نرس نے اسے دلاسہ دیا۔

اذیت اُس کے جسم کے اندر کوڑے کی طرح لہرا رہی تھی...... وہ لہر در لہر اذیت تھی۔ اُس نے منہ کھولا۔ لیکن اذیت کی تند لہروں نے اُس کی چیخ تک کا گلا گھونٹ دیا۔

سرجن نے آلہ جراحی کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''میں ایک چھوٹا سا شگاف دینے والا ہوں۔ یوں آپ کے اوپر سے دباؤ قدرے کم ہو جائے گا۔ وہ اُس پر جھکا۔ اس بار وہ پوری قوت سے چلائی۔ نرس نے فوراً ہی اس کے منہ پر پیڈ رکھ دیا۔

''اب کلوروفارم استعمال نہیں کیا جائے گا'' سرجن سخت لہجے میں بولا ''اس کا ہوش میں رہنا ضروری ہے۔''

اس کے جسم کو مسلسل جھٹکے لگنے لگے۔

''اسے مضبوطی سے پکڑے رکھو۔ وہ آرہا ہے۔'' سرجن نے کہا۔

اُس کی کمر خم کھا گئی۔ اُس نے سر پیچھے کیا اور پوری قوت سے چلائی۔ اس چیخ میں احتجاج بھی تھا...... احتجاج، اس خوف ناک بات پر جو اُس کے ساتھ رونما ہو رہی تھی۔

پھر وہ نمٹ گئی۔ وہ جو کچھ بھی تھا، اُس کے وجود سے باہر نکل گیا۔ وہ آپریٹنگ ٹیبل پر ڈھیر ہو گئی۔ وہ ایسے تڑپ رہی تھی، جیسے پانی سے نکالی گئی مچھلی۔

سرجن نے نرس کی طرف کوئی چیز بڑھائی اور چند لمحے سر جھکا کر اس انداز میں فرش کو تکنے لگا، جیسے مصروف دعا ہو۔ پھر وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ وہ اپنے ہاتھ دھونے کے لیے بھی نہیں رکا اور باہر جانے والے کاریڈور کی طرف چل دیا۔ ایک نرس اُس کے پیچھے پیچھے دروازے کی طرف گئی۔

سرجن ایک بنچ پر بیٹھے ہوئے بوڑھے جوڑے کی طرف بڑھا۔ نرس نے وہ جانے پہچانے بے رحمانہ لفظ سنے۔ ''ہم نے وہ سب کچھ کیا، جو کر سکتے تھے۔''

بوڑھی عورت اپنے شوہر کی طرف جھکی اور اُس سے ٹک گئی۔

''ٹیومر کچھ زیادہ ہی بڑا تھا'' سرجن نے کہا۔

''نرس نے دروازہ بند کیا، پلٹی اور اپنی ساتھ نرس کے ہاتھ سے وہ بنڈل لے لیا، اُس نے بچے کو نظر بھر کر دیکھا۔ وہ لڑکا تھا، بے ساختہ اُس نے گھٹنوں کے بل جھک کر اسے تعظیم دی، اسی وقت اسے چاپ سنائی دی۔ اُس نے سر گھما کر دیکھا۔ بھاری جبڑوں والا وہ سیاہ جسیم کتا چلتا ہوا اُس کے برابر آ کھڑا ہوا۔ نرس نے بچے کو فرش پر لٹا دیا کتا جھک کر بچے کو چاٹنے لگا، جیسے اسے صاف کر رہا ہو۔

بچے کے ننھے ننھے ہاتھ کتے کی طرف بڑھے اور انہوں نے کتے کی کمر کو گرفت میں لیا۔ نرس نے مردہ عورت کی طرف دیکھا اور اپنی ساتھی نرس کو اشارہ کیا کہ وہ اس پر چادر ڈال دے۔ اس کے چہرے پر کراہت تھی۔ مگر جب اُس نے بچے کو دیکھا تو وہ بے ساختہ مسکرا دی۔

''غلط طریقے سے درست پیدائش۔ کراہت میں خوب صورتی۔'' وہ فخریہ لہجے میں بڑبڑائی۔

۞

اپارٹمنٹس میں، کالجز میں، دفاتر میں اور فیکٹریوں میں شیطان کے چیلے زیر لب اظہار مسرت کر رہے تھے۔ وہ چیلے جو مایوسی کے اتھاہ اندھیرے گڑھے میں گر چکے تھے، ایک بار پھر سے جیسے جی اٹھے تھے۔ وہ ایک نئی امید سے مالا مال ہو گئے تھے۔

وسطی اٹلی کی ایک خانقاہ میں ڈی کارلو نامی ایک پادری اپنے پلنگ پر اٹھ بیٹھا۔ اُس کا پورا جسم پسینے میں نہا رہا تھا۔ ایک ڈراؤنے خواب کی وجہ سے اُس کی آنکھ کھلی تھی۔ اور تعبیر بھی وہ فوراً ہی جان گیا تھا۔ وہ یقینی طور پر جان گیا تھا کہ وہ ناکام ہو گیا ہے اور اب حالات بدتر رخ اختیار کرنے والے ہیں۔

۞

2002ء

احسان بہت بے تاب ہو رہا تھا۔ عشا کی نماز باجماعت پڑھی جا چکی تھی اور کھانا بھی کھایا جا چکا تھا اس وقت کافی کا دور چل رہا تھا۔ موسم کیونکہ نہایت سرد تھا، اس لیے کافی زیادہ ہی اچھی لگ رہی تھی۔

احسان نے تو بے صبری سے گرم کافی ہی حلق سے اتاری تھی اور اب بیٹھا حامد کو دیکھ رہا تھا، جو مزے سے کافی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے رہا تھا۔ اس کے انداز سے ظاہر تھا کہ وہ لطف اندوز ہو رہا ہے۔ ''اب پی بھی چکو'' احسان نے جھنجھلا کر کہا۔

''میرے کافی ختم کرنے سے پروگرام شروع تو نہیں ہو جائے گا۔'' حامد پر لطف لہجے میں کہا۔

احسان کھسیا گیا تھا۔ حامد نے اُس کی بے صبری بھانپ لی تھی۔ ''مگر پروگرام کب شروع ہوگا؟''

''بس تھوڑی دیر رہ گئی ہے۔'' حامد نے گویا اسے چمکارا۔

وہ یہاں پہلی بار آیا تھا اور حامد کے توسط سے آیا تھا۔ یہ دوستوں کی سالانہ نشست کہلاتی تھی۔ دوست کیا، وہاں موجود سب لوگ ہر اعتبار

سے دینی دانش ور حنیف ارشد کے معتقد تھے۔ ان میں سے بیشتر ایسے تھے کہ ان سے اشارتاً بھی کہا جاتا تو وہ حنیف صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے۔ لیکن حنیف صاحب پیری مریدی کے قائل نہیں تھے۔

احسان حامد کے ذریعے حنیف صاحب سے متعارف ہوا تھا۔ اُس نے سی ڈی پر حنیف صاحب کے چند لیکچر دیکھے اور سنے تھے۔ اور وہ بہت متاثر ہوا تھا۔ حنیف صاحب کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ بہت پیچیدہ اور دشوار معاملات کو بیان کرتے تو نہایت آسان اور عام فہم بنا دیتے۔ یہ ان پر اور ان کے حلقے کے لوگوں پر اللہ کا فضل و کرم تھا۔

احسان لیکچرز سے متاثر ہوا تو اُس نے حامد سے حنیف صاحب کے بارے میں بات کی۔ جو کچھ بھی معلوم ہوا، وہ اور زیادہ متاثر کن تھا۔ حنیف صاحب نے عمر کا ایک بڑا حصہ انگلینڈ میں گزارا تھا۔ وہ بہت آزاد رو اور دین سے بہت دور تھے۔ لیکن پھر کوئی واقعہ ہوا، جس سے ان کی کایا پلٹ ہوگئی۔ اللہ کی رحمت ہوئی تو وہ یکسر تبدیل ہو گئے۔ اور وہ پاکستان آ گئے۔ یہاں کے اہم اخبارات میں ان کے کالم چھپنے لگے۔ ان کا موضوع ایک ہی تھا...... علاماتِ قیامت۔ اور ان کا ایک ہی مقصد تھا...... مسلمانوں کو دین کے متعلق آگاہ کرنا اور آخری دور کا احساس دلاتے ہوئے ان کو حزب اللہ کے لیے راغب کرنا۔ یوں ان کا ایک حلقہ بننے لگا۔ پھر وہ اتنا وسیع ہوا کہ وہ پریشان ہو گئے۔ انہوں نے ایک چھوٹے سے شہر کا رخ کیا اور وہاں اقامت اختیار کر لی۔ لیکن ان کے چاہنے والوں کا حلقہ سمٹا نہیں، اور وسیع ہو گیا۔ اب تو ملک کے ہر شہر سے لوگ ان کے پاس آتے تھے۔ وہ بھی تن بہ تقدیر ہو گئے۔

حنیف صاحب نے کبھی خود کو پیر نہیں کہا اور نہ ہی کسی کو مرید بنایا۔ وہ کہتے تھے، ہم دوست ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ میں ذرا زیادہ سمجھدار ہوں۔ اور کسی دوست کو مدد کی یا مشورے کی ضرورت ہو تو میں اُس کے لیے حاضر ہوں۔ یہ میرا فرض ہے۔ لیکن جاننے والے جانتے تھے کہ وہ صاحبِ علم آدمی ہیں۔

ان کے گھر مہمانوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ بیشتر دوسرے شہروں سے آنے والے لوگ تھے۔ حیف صاحب عبادت کے اوقات کے علاوہ کسی بھی وقت ملنے کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ وہاں دست بوسی کا کوئی سوال نہیں تھا۔ آنے والا اپنا مسئلہ بیان کرتا، حنیف صاحب چند لمحے سوچتے، پھر اسے پڑھنے کے لیے کوئی اسمِ ربانی یا کوئی دعا بتا دیتے۔ کوئی کتنی ہی تفصیل سے بات کرتا، کتنی ہی طویل گفتگو کرتا، ان کی پیشانی پر شکن پڑتی، نہ ہی ان کے انداز سے اکتاہٹ کا اظہار ہوتا۔ شروع میں لوگوں نے انہیں کچھ دینے کی کوشش کی۔ لیکن انہوں نے سختی سے منع کر دیا۔ لیکن ایک بار پھلوں کا ایک ٹوکرا لانے والے نے انہیں لاجواب کر دیا۔ ان کی نیائش پر وہ بولا "یہ تو تحفہ ہے، اور اللہ کو خوش کرنے کے لیے ہے۔ کیا آپ اس سے منع کرتے ہیں؟" اس کے بعد تو یہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان کا گھر پھلوں، مٹھائیوں اور اجناس سے ہر وقت بھرا رہتا۔ لیکن انہوں نے واضح کر دیا کہ یہ سب کے لیے ہے۔ جس کا جی چاہے ان سے پوچھے بغیر کچھ بھی لے جا سکتا ہے۔ یوں مادی فیض کا سلسلہ بھی جاری ہو گیا۔

اُس چھوٹے سے شہر کی قسمت جاگ اٹھی۔ وہاں رونق رہنے لگی۔ مقامی لوگ بھی ان کے گرویدہ ہو گئے۔ ان کے گھر میں کوئی ملازم نہیں تھا۔ مقامی لوگوں نے اعزاز سمجھ کر یہ ذمے داری قبول کر لی۔ انہوں نے آپس میں ذمے داریاں تقسیم کر لیں۔ ایک خود کار نظام قائم ہو گیا۔

اب ان کے پاس دنیاوی اعتبار سے بڑے لوگ بھی آنے لگے۔ ان میں وزرا تک ہوتے تھے۔ بڑی اونچی پہنچ والے، صاحب ثروت لوگ بھی کسی پریشانی سے دوچار ہوتے تو ان کی طرف رخ کرتے۔ ان کی مہربانی سے گاؤں نما اس شہر میں سڑکیں بننے لگیں اور شہر کو سہولتیں میسر آنے لگیں مگر حنیف صاحب ایک سا برتاؤ کرتے۔ ان کے لیے ایک وزیر اور مزدور میں کوئی فرق نہ تھا۔

پھر صاحب حیثیت لوگوں نے یہ سلسلہ شروع کیا، جسے دوستوں کی سالانہ نشست کا نام دیا گیا۔ ہر بار ان میں سے کوئی اپنے گھر پر اسی نشست کا اہتمام کرتا اس میں کوئی بھی شریک ہو سکتا تھا۔ کسی پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ کھانے کا اہتمام کیا جاتا اور آخر میں حنیف صاحب کا لیکچر ہوتا۔ پھر اس تقریب کی ریکارڈنگ بھی ہونے لگی۔ اس کی کیسٹیں اور سی ڈیز مخصوص دکانوں پر دستیاب ہوتیں۔ تقریب ہر بار کسی مختلف شہر میں ہوتی۔

''حضرات، اب لان میں تشریف لے چلیے۔'' صاحبِ خانہ کے اعلان نے احسان کو چونکا دیا۔

''چلو...... اب تو خوش ہو۔'' حامد نے احسان سے کہا۔

وہ بے حد وسیع و عریض لان تھا۔ موسم کی مناسبت سے بہت بڑا شامیانہ لگایا گیا تھا۔ چاروں طرف قناتیں لگائی گئی تھیں۔ نیچے دبیز قالین بچھائے گئے تھے اس کا نتیجہ ہی تھا کہ سردی کا احساس بہت حد تک کم ہو گیا تھا۔ وہاں ایک ہزار سے زائد افراد کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔

اسٹیج پر ملک کے روشن خیال صاحب علم لوگ بیٹھے تھے۔ صدارتی کرسی پر حنیف ارشد متمکن تھے ان کے چہرے پر ایسی روشنی تھی، جو عام روشنیوں سے یکسر مختلف تھی۔ ہونٹوں پر ہلکا سا بے ساختہ تبسم تھا، مگر آنکھوں میں سنجیدگی تھی۔

اسٹیج سیکرٹری نے مختصر سے تعارفی کلمات کے بعد پکارا۔ ''حضراتِ محترم...... اب آپ جناب حنیف ارشد کو سماعت فرمائیے۔''

حنیف ارشد مائیک پر آئے۔ انہوں نے اللہ کے بابرکت نام سے آغاز کرتے ہوئے حاضرین کو سلامتی اور برکت کی دعا دی۔ پھر انہوں نے لیکچر کا آغاز کیا۔ ''محترم دوستو، گزشتہ سال جب ہم ملے تھے تو اکیسویں صدی عیسوی کا آغاز ہو چکا تھا۔ آپ جانتے ہیں کہ میں نے عمر کا ایک بڑا حصہ مغرب میں گزارا ہے...... مغرب کے لوگوں کی طرح۔ میں مذہب سے بہت دور تھا۔ پھر اللہ کی عنایت ہوئی اور اس کی دی ہوئی توفیق کے تحت میں اپنی اصل کی طرف پلٹا۔ پچھلی بار میں نے آپ کو روشن خیال مغرب کے توہمات کے بارے میں بتایا تھا۔ میں نے آپ کو نوسٹرے ڈیمس کی پیش گوئیوں کے بارے میں بھی بتایا تھا۔ مبہم، اشاراتی نظموں کی شکل میں وہ پیش گوئیاں، جن کی مغرب میں اب بھی تشریح جاتی ہے۔ ان کے مطابق یہ عیسوی صدی مسلمانوں کے عروج کی صدی ہے۔ حالانکہ آثار زوال کی انتہا کے ہیں۔ لیکن توہم پرست مغرب نے اس بات کو گرہ میں باندھ لیا۔ امریکا جو روس کے زوال کے بعد اب واحد سپر پاور ہے، مغرب کا سرخیل ہے اُس نے مسلمانوں کی بیخ کنی کے لیے بیسویں صدی کی آخری دہائی میں کام شروع کر دیا تھا۔ نیو ورلڈ آرڈر کے نام سے انہوں نے دنیا کا نیا نقشہ ترتیب دیا اور اب وہ دنیا کو اس نقشے کے مطابق بنانے کے منصوبے پر عمل پیرا ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ یہی طبعاً سازشی ہیں۔ میں نے یقین سے کہا تھا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف بہت بڑی سازشیں تیار کر رہے ہیں اور 11 ستمبر 2001ء کو پہلی سازش سامنے آ گئی، جسے اب نائن الیون کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اب اسے بنیاد بنا کر دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر مسلمانوں کو ختم کرنے کی مہم کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ اور مسلمان خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں وہ اس بات سے بے خبر ہیں کہ وہ وقتِ آخر

شروع ہو گیا ہے اور انہیں بتاؤ تو بھی وہ بے پروائی سے کام لیتے ہیں۔

''محترم دوستو! یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہمارے آقا نبی کریم کو امت کا کتنا درد تھا۔ آپ نے اس آخری وقت اور اس کے فتنوں کے متعلق جس تفصیل سے بتایا، کسی پیغمبر نے نہیں بتایا۔ ذرا یہ حدیث پاک سماعت فرمائیں۔ حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: قریب ہے کہ تمہارے اوپر مختلف آفاق سے مختلف اقوام دشمنی پر متفق ہو جائیں، جس طرح بہت کھانے والے لوگ دستر خوان پر متوجہ ہو جاتے ہیں۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ، کیا یہ ہماری تعداد کی کمی کے سبب ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا، نہیں۔ بلکہ تم سیلاب کے جھاگ کی مانند ہو گے۔ تمہارے دل کمزور ہو چکے ہوں گے اور تمہارے دشمنوں کے دلوں سے رعب اٹھا لیا جائے گا۔ چونکہ تم دنیا سے محبت اور موت سے نفرت کرنے لگو گے۔

''دوستو...... غور تو کرو۔ دل پر ہاتھ رکھ کر کہو، کیا یہ ہو نہیں چکا۔ کیا یہ ہو نہیں رہا ہے۔ ہم مسلمان تعداد میں کتنے زیادہ ہیں۔ مگر ہماری حیثیت کیا ہے۔ حضورؐ نے سمندر کے جھاگ کی تشبیہ دی، جس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی اور جس میں کوئی طاقت نہیں ہوتی۔ سمندر تو بڑی بڑی بھاری چیزوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جاتا ہے۔ لیکن کثیر جھاگ معمولی پتھر سے بھی ٹکرائے تو پتھر ویسے کا ویسا ہی رہتا ہے، جھاگ ایک لمحے میں فنا ہو جاتا ہے۔ اور سوچو کیا دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ کے بہانے اقوام عالم متحد ہو کر افغانستان پر ٹوٹ نہیں پڑیں۔ صاف نظر آ رہا ہے کہ ان کا اگلا ہدف عراق ہے تو دوستو، قیامت قریب ہے...... بہت قریب۔ اور ہم بے فکر بیٹھے ہیں۔ میں اپنے آقا ﷺ کی ایک اور حدیث سناتا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تک تم دس علامات نہ دیکھ لو، قیامت نہیں آئے گی۔ دھواں، دجال، دابۃ الارض، آفتاب کا مغرب سے طلوع، عیسیٰ ابن مریم کا نزول، یاجوج ماجوج، زمین میں دھنس جانے کے تین واقعات...... ایک مشرق میں ایک مغرب میں اور ایک جزیرہ عرب میں، اور آخر میں یمن سے نکلنے والی آگ جو لوگوں کو ان کے محشر تک ہانک کر لے جائے گی۔

''تو میرے دوستو، دجال بہت بڑا فتنہ ہے۔ اور یہ قرب قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے ہے۔ اللہ نے قیامت کے وقت کے متعلق کسی کو بھی آگاہ نہیں فرمایا البتہ حضورؐ کیونکہ آخری پیغمبر تھے، اس لیے آپؐ نے قیامت کی نشانیوں اور وقت آخر کے فتنوں کے متعلق بہت تفصیل سے بیان فرمایا۔ اور کیونکہ آپ کا فرمایا ہوا ایک ایک لفظ اور آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ صحابہ کرام سے تابعین تک پہنچا اور محدثین نے امت مسلمہ کے لیے محفوظ کر لیا۔ احادیث کے مطابق فتنہ دجال اتنا سخت ہوگا کہ تاریخ انسانی میں اس سے بڑا فتنہ نہ کبھی ہوا، نہ آئندہ ہوگا۔ اسی لیے تمام انبیاء کرام اپنی اپنی امتوں کو اس سے خبردار کرتے رہے۔ لیکن اس کی جتنی تفصیلات رسول ﷺ نے بتائیں، کسی اور نبی نے نہیں بتلائیں۔ احادیث کے مطابق دجال پہلے نبوت کا اور پھر خدا ہونے کا دعوا کرے گا۔ اُس کے ساتھ غذا کا بہت بڑا ذخیرہ ہوگا۔ اُس کے اشارے پر زمین اپنے پوشیدہ خزانے اگل دے گی۔ جو اُس کے دعوے کی تصدیق کرے گا، اُس کے تمام اعمال غارت ہو جائیں گے اور وہ کافر ہو جائے گا اور جو اُس کی تکذیب کریں گے، انکے سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اور جو اُس کی بات مان لیں گے، ان کی زمینوں میں دجال کے کہنے پر بارش ہوگی، ان کی زمین نباتات اگائے گی اور ان کے مویشی فربہ ہو جائیں گے اور اُس کی بات نہ مانیں گے، ان کی زمینوں میں قحط پڑے گا اور ان کے سارے مویشی ہلاک ہو جائیں گے۔ اُس کی پیروی کرنے والوں کے سوا سب مشقت میں ہوں گے۔ اسے صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل کر سکیں گے۔

''دوستو، مشرقین احادیث میں ایک گروہ ایسا ہے، جس کے خیال میں دجال ایک طرزِ حیات یا ایک نظام ہے۔ اگر یہ تشریح درست ہے تو میرے خیال میں موجودہ عہد اور اس کا سرمایہ دارانہ نظام دجال ہے۔ اس نظام نے اور اس کی ایجادات نے پوری دنیا کو مادیت پرستی میں مبتلا کر رکھا ہے۔ لوگ ہوس میں مبتلا ہیں۔ پیسے کا حصول بنیادی اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کے لیے لوگ کھلی آنکھوں سے ایمان بیچ رہے ہیں۔ ایک طرف تو تعیشات کی فراوانی ہے اور دوسری طرف آدمی کے لیے اکل حلال نہایت دشوار ہو گیا ہے۔ پیٹ بھرنا بھی بہت بڑا مسئلہ بن گیا ہے سود معاشرے کی مالیاتی اور معاشی رگوں میں خون بن کر دوڑ رہا ہے۔ لوگ سود لے رہے ہیں اور سود کھا رہے ہیں۔ اور یاد کرو، کیا حضورؐ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہر امت کے لیے ایک فتنہ ہوتا ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: لوگوں کے اوپر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ انہیں کوئی فکر نہیں ہوگی کہ ان کے پاس مال حلال طریقے سے آیا ہے یا حرام طریقے سے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میں اپنی امت پر دو چیزوں سے ڈرتا ہوں، کہ وہ اپنی خواہشات اور مال و دولت کی پیروی کریں، اور نماز اور قرآن کی تلاوت ترک کر دیں اور اس قرآن کو منافقین سیکھ لیں اور اس کے ذریعے وہ اہلِ علم سے لڑیں۔

''تو میرے محترم دوستو، یہ ہم لوگوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ قیامت کی نشانیاں کس تیزی سے ظاہر ہو رہی ہیں۔ اور ہم بے فکر بیٹھے ہیں۔ کیا ہم آسائشات کی دوڑ میں اپنی خواہشات کی طلب میں اندھے ہو کر حرام حلال کی پہچان نہیں کھو بیٹھے۔ ہمیں حرام حلال کی فکر ہی نہیں رہ گئی۔ اب نماز اور قرآن کے بارے میں سوچو قرآن کی تلاوت تو ہم نے ترک ہی کر دی ہے۔ قرآن کو سمجھنے کے لیے پڑھنے کا تو ہم سوچتے ہی نہیں۔ اس پر ستم یہ کہ ہمارے درمیان ایسے عالم موجود ہیں، جو کہتے ہیں کہ عام آدمی قرآن کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ وہ خود سمجھنے کی کوشش کرے گا تو گمراہ ہو جائے گا۔ میرے دوستو، میرے بھائیو، یاد رکھو، فتنوں کے اس دور میں ہمارے پاس دو ہی ڈھالیں ہیں...... قرآن کو پڑھ کر سمجھنا اور اس پر عمل کرنا۔ اور نبی کریم ﷺ کی سنت مبارکہ کا اتباع۔ ان کے بغیر ہمارے لیے صرف تباہی اور ہلاکت ہے۔

''اللہ غفور الرحیم ہے، رحمت اللعالمین ہے۔ اللہ نے حضور ﷺ کی وساطت سے ہمیں فتنہ دجال سے بچانے کا سامان عطا فرمایا ہے صبح و شام سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیات تلاوت کیا کرو۔ اللہ تمہیں اس فتنے سے محفوظ فرمائے گا۔ حدیث ہے: اور جو شخص دجال پر سورہ کہف کی ابتدائی دس آیات پڑھ دے گا، وہ اُس کے فتنے سے محفوظ رہے گا حتیٰ کہ اگر دجال اسے اپنی آگ میں بھی ڈال دے تو وہ اُس پر ٹھنڈی ہو جائے گی۔ تو یہ ہے قرآن کی عظمت و برکت۔ اللہ ہمیں قرآن کی محبت اور رغبت عطا فرمائے اور سنتِ رسول کا اتباع نصیب فرمائے۔

''دجال کا تذکرہ بائبل میں بھی ہے۔ میں جب انگلینڈ میں تھا تو میں نے اس کا بہت مطالعہ کیا۔ لیکن ہم سب جانتے ہیں کہ بائبل میں اتنی تحریف ہوئی ہے۔ حقیقت اور افسانے کو جدا کرنا ناممکن ہو گیا ہے۔ اس کو تو دیو مالا بنا دیا گیا ہے۔ میں اس بارے میں تبصرہ کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ لیکن آپ کو مختصراً بتاتا ہوں۔ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق اینٹی کرائسٹ یعنی دجال کا شیطان کا نطفہ ہوگا اور مادہ گیدڑ کے پیٹ سے پیدا ہوگا۔ اُس کی نشانی تین چھکے ہوں گے۔ 666 کا یہ عدد اس کے جسم کے کسی حصے پر گدا ہوا ہوگا۔ اور اس کے ہر ماننے والے کے جسم پر بھی کہیں نہ کہیں یہ نشان اُبھر آئے گا۔ یہ تین چھکے اس بات کی نشان دہی بھی کرتے ہیں کہ وہ چھٹے مہینے کے چھٹے دن چھٹے گھنٹے میں پیدا ہوگا۔ یعنی 6 جون صبح چھ

بچے۔ اور ایسا بچہ پیدا ہوا۔ اُس کی شیطانی قوتوں کا میں عینی شاہد ہوں۔ اور میں نے اس مادہ گیدڑ کی قبر بھی دیکھی، جس نے اُسے جنم دیا تھا۔ اللہ کے بھید اللہ ہی جانتا ہے۔ کبھی وہ ایسے واقعات کے ذریعے اپنے بندوں کی آزمائش بھی کرتا ہے۔ ایک وقت ایسا تھا، جب مجھے اُس کے دجال ہونے پر یقین تھا۔ مگر جب میں نے احادیث نبوی کا مطالعہ کیا تو بات میری سمجھ میں آ گئی۔ شیطانی قوتیں تو بہت ہو سکتی ہیں اور ہوتی ہیں۔ لیکن دجال بہت مختلف معاملہ ہے۔

2000ء میں برطانیہ میں عیسائیوں کا وہ اینٹی کرائسٹ ایک عورت کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ جبکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دجال کو ابنِ مریم کے سوا کوئی قتل نہیں کر سکے گا۔ تو ثابت ہو گیا کہ وہ دجال نہیں تھا۔

''عیسائیوں سے ہمارا ایک اور اختلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہے۔ اور وہ بڑا بنیادی اختلاف ہے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کو مصلوب کر دیا گیا تھا۔ جبکہ ہمارا ایمان ہے کہ وہ زندہ ہیں اور اللہ نے انہیں آسمان پر اٹھا لیا تھا۔ یہی اختلاف آگے جا کر حضرت عیسیٰ کے نزول کے معاملے سے جا ملا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جس عمر میں آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا، دنیا میں دوبارہ نزول بھی اسی عمر میں ہوگا۔ اس کے بعد آپ دنیا میں 40 سال گزار کر وفات پائیں گے۔ جبکہ عیسائیوں کے خیال میں ان کی دوبارہ ولادت ہوگی۔ اب ایک دلچسپ بات اور بتاؤں۔ ان کے خیال کے مطابق 24 مارچ 2000ء کو برطانیہ میں خانہ بدوشوں کے ایک گھرانے میں نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ پیدا ہو چکے ہیں۔

''خیر...... اب میں اصل موضوع پر آتا ہوں۔ ضمنی بات بہت دور تک چلی گئی۔ میں بات کر رہا تھا یہودیوں کی سازشوں اور عیسائیوں کے مسلمانوں کے خلاف جارحانہ عزائم کی......''

احسان جھرجھری لے کر رہ گیا۔ وہ بے حد انہماک سے حنیف ارشد کی باتیں سن رہا تھا۔

※
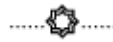
2018ء

ہیتھرو ایئر پورٹ کے پرائیویٹ لاؤنج میں وہ آدمی تقریباً ایک گھنٹے سے اکیلا تھا۔ کبھی وہ رن وے کو گھورتا اور کبھی ٹہلتا ہوا بار کی طرف جاتا۔ اسے بڑی شدت سے ڈرنک کی طلب ہو رہی تھی۔ لیکن ہر بار وہ کامیابی سے اس پر قابو پا لیتا۔ ہر چند منٹ بعد وہ اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتا۔ وقتاً فوقتاً وہ جیب میں ہاتھ ڈالتا اور کاغذ کا وہ ٹکڑا نکالتا، جس پر کچھ اعداد و شمار ٹائپ کیے ہوئے تھے، اور ان کا جائزہ لیتا۔ وہ پال بوہر سے پہلے کبھی نہیں ملا تھا۔ لیکن جانتا تھا کہ وہ بے وقوف لوگوں کو برداشت نہیں کرتا اس کے پاس جاتے ہوئے آدمی کے لیے حقائق سے پوری طرح آگاہ ہونا ضروری ہے۔

اچانک لاؤڈ اسپیکر پر ڈنگ ڈانگ کی آواز اُبھری۔ پھر اعلان ہوا۔ ''شکاگو سے آنے والا تھورن کارپوریشن کا پرائیویٹ چارٹرا بھی لمحوں میں لینڈ کرنے والا ہے۔''

جوان آدمی نے گہری سانس لی۔

''پرائیویٹ چارٹر کے پسنجر مسٹر بوہر چند منٹ میں ٹرمینل لاؤنج میں پہنچیں گے۔ شکریہ۔'' اناؤنسر نے مزید کہا۔

جوان آدمی نے اپنی ٹائی کی ناٹ درست کی۔ تھورن کارپوریشن کا چیئرمین اور سب سے بڑا اسٹاک ہولڈر مغربی دنیا کا اہم ترین اور سب سے زیادہ بااثر بزنس مین تھا۔ اور مغربی دنیا کا مطلب پوری دنیا تھا۔

پال بوہر وہ شخص تھا جس کی جدت طراز ذہانت نے تقریباً تیس سال پہلے کی ایک بڑی صنعتی کمپنی کو روئے زمین کے عظیم ترین ملٹی نیشنل کمپلیکس میں تبدیل کر دیا تھا۔ پال بوہر نے مستقبل میں جھانک کر دیکھ لیا تھا کہ آنے والے وقت میں غذائی اجناس سے زیادہ اہم تجارتی آئٹم اور کوئی نہیں ہوگا۔ اور یوں اُس نے تھورن کارپوریشن کو فرٹیلائزر اور سویا فراہم کرنے والی سب سے بڑی کارپوریشن میں تبدیل کر دیا تھا تیسری دنیا کے تمام ممالک اب تھورن کارپوریشن کے محتاج تھے۔ برسوں پہلے پال بوہر نے وہ تاریخی جملہ کہا تھا، جو کاروباری دنیا میں امر ہو گیا تھا۔ ہمارے منفعت بخش مستقبل کا انحصار اب قحط پر ہے۔

جوان آدمی کو وہ تاریخی جملہ ازبر تھا۔

اور پال بوہر ایک ہیرو تھا...... ایک دیو مالائی کردار!

جوان آدمی باہر جھانک رہا تھا۔ تھورن کارپوریشن کا چارٹر پلین لینڈ کر چکا تھا۔ پھر دروازہ کھلا اور پال بوہر نے لاؤنج میں قدم رکھا۔ اُس کے گھونگھریالے بال سفید تھے۔ اس کی کمر بالکل سیدھی تھی۔ وہ دراز قد اور خوب رو تھا۔

جوان آدمی اُس کے خیر مقدم کے لیے آگے بڑھا۔ ''مسٹر بوہر، میرا نام ہیرس ہے۔ میں لندن میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔'' کہتے کہتے اسے احساس ہوا کہ اُس کا انداز سیاحتی گائیڈز کا سا ہے۔ حالانکہ اُس کا یہ ارادہ نہیں تھا۔ لیکن مرعوب ہونے کی وجہ سے وہ گڑبڑا گیا تھا۔

''شکریہ ہیرس۔ اس زحمت میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔'' پال بوہر نے کہا۔

ہیرس کا چہرہ تمتما اٹھا۔ ''آپ کے لیے کار موجود ہے جناب۔''

''وہ تو ہونی ہی تھی۔'' پال بوہر نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ خود نما نوجوان، اُس نے جھنجلا کر سوچا۔ یہ بھی کوئی بتانے والی بات ہے۔

⁂

لیموزین روٹ M4 پر مشرق کی طرف دوڑ رہی تھی۔ ہیرس نے کھٹکا دبا کر کاک ٹیل کیبنٹ کو کھولا۔ لیکن پال بوہر نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''لیبیا کی طرف سے کیا خبر ہے؟'' پال بوہر نے پوچھا۔

''کوئی رابطہ نہیں ہوا سر۔''

''او کے۔ ان کی سہولت مزید تین ہفتوں کے لیے بڑھا دو اور شرح سود میں ڈیڑھ پوائنٹ کا اضافہ کر دو۔''

ہیرس نے پلکیں جھپکائیں۔ ''وہ اعتراض کر سکتے ہیں جناب۔''

''کریں تو کرنے دو۔ ویسے تازہ ترین واقعات کے بعد ان پر دباؤ بڑھ گیا ہے۔ اس لیے میرے خیال میں وہ ایسا نہیں کریں گے۔ برسوں پہلے نائن الیون کے بعد قذافی کے بھی کس بل نکل گئے تھے۔ اب تو وہ لائن میں آ چکے ہیں۔''

''ٹھیک ہے سر۔''

''آفس پہنچ جائیں تو مجھے جگا دینا۔''

پال بوہر نے آنکھیں بند کرلیں۔ ہیرس سوچ رہا تھا کہ کہیں اس سے زیادہ بولنے کی غلطی تو سرزد نہیں ہوگئی ہے۔

۞

تھورن کارپوریشن کا برٹش ہیڈ آفس تھیمز کے جنوبی کنارے پر صرف T کی ساخت پر تعمیر کیا گیا تھا۔ شکاگو میں ہیڈ کوارٹرز کی جو عمارت تھی، یہ وہی ڈیزائن تھا۔ بس یہ عمارت نسبتاً چھوٹی تھی۔ ٹاپ فلور پر چیئرمین کا سوئٹ تھا، جہاں سے وہ پانی کے اس طرف شہر کا نظارہ کرسکتا تھا۔ وہاں سے بینک آف انگلینڈ کی عمارت بھی نظر آتی تھی۔ ذرا سا بائیں جانب سر گھما کر دیکھنے پر ہاؤسز آف پارلیمنٹ کا نظارہ کیا جاسکتا تھا۔ یہ اُس کی عادت تھی کہ دونوں میں سے کسی ایک جگہ بھی فون کر رہا ہوتا تو وہ عمارت کو گھورتا رہتا۔

آفس پہنچتے ہی پال بوہر نے گزشتہ دو دن کے دوران موصول ہونے والے ٹیلیکس طلب کیے۔ پھر اس نے حکم دیا کہ اب ایک گھنٹے تک اُسے بالکل ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ اس دوران اس کے اسٹاف کے لوگ ملحقہ سوئٹ میں جمع ہونے لگے۔ وہ آتے، ایک دوسرے کو سر کے اشارے سے سلام کرتے۔ بات کرنے کی ضرورت ہوتی تو بہت دھیمی آواز میں بات کرتے۔ ایک گھنٹا پورا ہوتے ہوئے تمام اسٹاف وہاں آچکا تھا۔

پال بوہر کی سیکرٹری نے گھڑی میں وقت دیکھا، دروازے پر دستک دی اور پھر دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ ''ہیپی برتھ ڈے سر۔'' اُس نے کہا۔ بوہر نے سر اٹھا کر دیکھا اور مسکرایا۔ پھر اُس نے اُس کے عقب میں موجود دوسرے لوگوں کو دیکھا۔ ''شکریہ۔'' وہ اٹھ کر کھڑا ہوا اور اُس نے ان لوگوں کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔

وہ بہ اعتبار مرتبہ اندر آئے۔ سب سے آگے تین نائب صدور تھے۔ ''مبارک ہو پال۔'' انہوں نے کہا۔ ان کے پیچھے مختلف محکموں کے سربراہ تھے۔ اور ان کے پیچھے کمپنی کے ایگزیکٹیوز۔ ان کے چہرے پال بوہر کے لیے جانے پہچانے، لیکن یادداشت میں قدرے دھندلائے ہوئے تھے۔ وہ اُسے سر کہہ کر مخاطب کر رہے تھے۔

ہاتھ ملانے کے بعد وہ سب ایک طرف ہوئے۔ تب ایک نوجوان میسنجر بوائے آگے بڑھا۔ اُس کے ہاتھ میں ٹرے تھی، جس پر T شیپ کا کیک رکھا تھا۔ کیک کے گرد جلتی ہوئی موم بتیاں لگی تھی۔ اُس نے کیک کو بوہر کی میز پر رکھ دیا اور الٹے قدموں پیچھے ہٹ آیا۔ پال بوہر مسکرایا۔ اُس نے لڑکے کا شکریہ ادا کیا۔ پھر اُس نے پھونک مار کر موم بتیاں بجھائیں۔ تین بار کی کوشش کے بعد وہ کامیاب ہوا۔ اس عمل نے اسے تھکا دیا۔

سب لوگوں نے تالیاں بجائیں۔ ایک ویٹر دروازے میں نمودار ہوا۔ وہ ایک ٹرالی دھکیل رہا تھا۔

''شمپین چلے گی؟'' سیکرٹری نے پال سے پوچھا۔

''کیوں نہیں۔''

ویٹر نے بوتلوں کے کارک اڑائے۔ شراب ابلنے لگی۔ پال بوہر نے جام بھرا اور اپنے اسٹاف سے مبارک بادیں وصول کرنے لگا۔

''میں ایک بات کہوں پال۔ سچ یہ ہے کہ تم اپنی عمر جتنے ہرگز نہیں لگتے۔''

''تمہارا مطلب ہے، میں بہت بوڑھا اور تھکا ہوا لگ رہا ہوں؟''

''نہیں پال۔ بات اس کے برعکس ہے۔''

''آج رات آپ سیلی بریٹ کر رہے ہیں سر؟''

''نہیں۔''

''مجھے امید ہے سر کہ یہ سال پچھلے سال سے زیادہ کامیاب ثابت ہوگا۔''

''ہونا تو یہی چاہیے۔''

''ایسا ہی ہوگا سر۔''

پال بوہر ان لوگوں کو غور سے دیکھنے لگا۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ ان میں سے کون اُس کا جانشیں ہوگا۔ فی الحال تو ان میں ایسا کوئی جوہر قابل دکھائی نہیں دیتا تھا۔ یہاں ہی نہیں، شکاگو میں بھی ابھی تک ایسا کوئی شخص سامنے نہیں آیا تھا۔ کچھ اس میں اُس کے معیار کا بھی دخل تھا۔ اسے اپنی نیابت کے لیے ایک اور پال بوہر درکار تھا...... چالیس سالہ پال بوہر!

''ویل بہت بڑے سات اور صفر...... ستر کے نام۔''

پال بوہر نے سر گھما کر دیکھا۔ وہ ہیرس تھا۔ شمپین کے زیر اثر اُس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ اُس کا جام والا ہاتھ ٹوسٹ کرنے کے انداز میں اٹھا ہوا تھا۔

پال بوہر کا منہ بن گیا۔

''تین بیس اور دس کے نام۔'' ہیرس نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

پال بوہر کا جسم لرزنے لگا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹا۔ سیکرٹری فوراً ہی اُس کی طرف بڑھی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ اُس نے سختی سے ہیرس کا بازو تھام لیا۔

''میں نے ایسا کیا کہا؟'' ہیرس نے الجھن بھرے لہجے میں کہا۔

''اسے نکال دو یہاں سے۔'' پال بوہر کا لہجہ نرم تھا۔

سیکرٹری ہیرس کو دروازے کی طرف دھکیلنے لگی۔ وہ سب لوگ پیچھے ہٹ رہے تھے۔ ''میں نے ایسا کیا کر دیا؟'' ہیرس گھبرائے ہوئے لہجے میں احتجاج کر رہا تھا۔

پال بوہر اپنی سیٹ کی طرف بڑھا اور سیٹ پر ڈھیر ہو گیا۔ اُس نے آنکھیں موند لی تھیں۔

چند لمحے بعد اُس نے آنکھیں کھولیں تو کمرے میں سیکرٹری کے سوا کوئی موجود نہیں تھا۔ ''آئی ایم سوری مسٹر بوہر۔'' سیکرٹری نے کہا۔

بوہر نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''نہیں...... کوئی بات نہیں۔''

''میں کیا کر سکتی ہوں آپ کے لیے؟'' سیکرٹری بولی۔ ''کچھ لا کر دوں آپ کو؟''

''ہو سکے تو جینے کے لیے مزید تیس برس لا دو۔''

سیکرٹری مسکرائی اور کمرے سے نکل گئی۔ دروازہ بند کرتے ہوئے وہ حیرانی سوچ رہی تھی کہ کیا پال بوہر بھی فانی ہے۔

......۞......

وہ سوتے میں بے چین ہو رہا تھا۔ اُس کے جسم کی کیفیت تشنجی تھی اور وہ کچھ بڑبڑا بھی رہا تھا۔ ساتھ لیٹی ہوئی عورت نے خود کو کہنیوں کے بل اٹھایا اور اسے بہت غور سے دیکھا۔ اُس کے سینے پر موجود بال ایک مخصوص نشان سا بنا رہے تھے۔ اور اُس کا داہنا ہاتھ پھڑ پھڑا رہا تھا۔ عورت نے اس کا ہاتھ تھاما اور اس کی ہتھیلی کو سہلانے لگی۔ پال بوہر کا چہرہ جیسے چٹخا اور وہ کچھ بڑبڑایا۔ لیکن وہ سمجھ میں آنے والے لفظ نہیں تھے۔

عورت مسکرائی اور اُس نے پال بوہر کی چوتھی انگلی تھامی اور اسے سہلانے لگی۔ اچانک اس انگلی نے اس کی ایک انگلی کو یوں گرفت میں لے لیا، جیسے کوئی بچہ اپنے کسی بڑے کی انگلی سہارے کے لیے پکڑتا ہے۔ عورت کو اس مقام پر اُس کی انگلی کے کھردرے پن کا احساس ہوا، اس مقام پر جہاں اُس کا وہ برتھ مارک تھا۔ وہ بہت چھوٹے چھوٹے تین ہندسے تھے...... ایک دوسرے سے بہت قریب...... تقریباً ملے ہوئے۔ ایک زاویے سے دیکھنے پر وہ 9 کے تین ہندسے لگتے تھے اور دوسری طرف سے دیکھنے پر تین چھکے...... ایک اوپر اور دو اس کے نیچے...... یا یوں کہوں کہ دو کے اوپر درمیان میں ایک چھ...... جیسے کوئی سر برگر۔

عورت کو ایسا لگا، جیسے وہ برتھ مارک دہک رہا ہے، اور اُس کی آگ اس کی جلد کو جلا رہی ہے، اُس کی انگلی کے گوشت میں اتر رہی ہے۔

پال بوہر کے جسم میں پھر اینٹھن ہوئی۔ اس کا دوسرا ہاتھ یوں حرکت کر رہا تھا، جیسے وہ تیر رہا ہو۔ اور اُس کے ہونٹ ہل رہے تھے۔

''کیا کہہ رہے ہو تم؟'' عورت نے اُس پر جھکتے ہوئے سرگوشی میں پوچھا۔

''تین بیس اور ایک دس۔'' وہ بہت دھیمی سی بڑبڑاہٹ تھی۔

''شش......'' عورت نے مضبوطی سے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ جواب میں بوہر کی چوتھی انگلی نے اُس کی انگلی کو یوں گرفت میں لیا کہ سلگتا ہوا وہ برتھ مارک جیسے اُس کی جلد کے اندر اُترنے لگا۔ اُس کی چیخ نکل گئی اور اُس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔ لیکن پال بوہر کی گرفت اور سخت ہو گئی۔

''پال۔'' وہ چلائی۔

''تین بیس اور دس۔'' پال کی آواز ابھری۔ ''ارمگیڈون کے سال میں ستر برس۔''

عورت نے زور لگا کر اپنا ہاتھ چھڑایا اور کروٹ لے کر اُس سے دور ہو گئی۔ پال کے ہونٹ اب بھی ہل رہے تھے۔ لیکن کوئی آواز نہیں تھی۔

عورت نے اپنے ہاتھ کو دیکھا۔ پال بوہر کا برتھ مارک اُس کی انگلی پر منتقل ہو چکا تھا۔ یوں جیسے داغا گیا ہو۔

ایک لمحے تو وہ ساکت وصامت لیٹی اس نشان کو گھورتی رہی۔ پھر اُس نے انگلی اٹھا کر اسے چوما، اور پھر اسے چاٹنے لگی۔ وہ زبان کی نوک پر بھی ان تینوں ہندسوں کو محسوس کر سکتی تھی۔ وہ پلٹی اور اُس نے پال بوہر کے رخسار کو چوم لیا۔ پھر اُس نے دھیرے سے اُس کا شکریہ ادا کیا اور گہری طمانیت بھری نیند میں ڈوبتی گئی۔

.......۞.......

اپنے سوئٹ میں ناشتہ کرتے ہوئے پال بوہر نے بڑی توجہ اور باریک بینی سے صبح کے تمام اخبارات کا جائزہ لیا۔ فارن سیکرٹری نے عرب ممالک کے ایک گروپ اور اسرائیلوں کے درمیان جس ملاقات کا اہتمام کیا تھا، اسے سب نے دل کھول کر سراہا تھا۔ پیٹر اسٹیونسن کے سیاسی حلیفوں نے اُس کی سفارتی اہلیت کی شان میں قصیدے پڑھے تھے۔ کچھ کا کہنا تھا کہ یہ مشرق وسطیٰ کے تنازعے کو حل کرنے کی جانب ایک بہت مثبت اور موثر پیش رفت ہے۔ لیکن اس کے سیاسی مخالفین اُس کی تعریف کے معاملے میں اتنے پر جوش نہیں تھے۔ لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی وہ یہ کہنے پر مجبور تھے کہ اسٹیونسن نے ناممکن کو تقریباً ممکن کر دکھایا ہے۔

پال بوہر مسکرایا۔ پیٹر اسٹیونسن کی خراب ساکھ کے لیے یہ ستائش خاصی شفا بخش تھی۔ اس میں کوئی حرج بھی نہیں تھا کہ اسے اس معاملے میں کریڈٹ دیا جائے۔ پیٹر اسٹیونسن ایک کمزور آدمی تھا۔ اور طاقت کے دھارے میں موجود کمزور لوگ پال بوہر کو بہت اچھے لگتے تھے۔

اُس نے گھڑی میں وقت دیکھا اور ٹی وی سیٹ آن کر دیا۔ وہاں حالات حاضرہ کا پروگرام چل رہا تھا۔ فارن آفس کی جانب سے میٹنگ کا جو اعلان جاری کیا گیا تھا، انٹرویو لینے والا اُس کی تفصیلات بیان کر رہا تھا۔

''1948ء میں اسرائیلی ریاست کے قیام کے فوراً بعد سے سات دہائیوں پر محیط عرصے کے دوران مشرق وسطیٰ مسلسل بھونچال جیسی صورت حال سے دوچار رہی ہے۔ لیکن اس سے پہلے اس نے کبھی ایک مستقل بحران کی صورت اختیار نہیں کی تھی۔ فائیو ٹوینٹی کی دہشت گردی کے بعد کی بدلی ہوئی صورت حال میں دہشت گردی کے جو لاحدود امکانات سامنے آئے ہیں، اس میں تیسری عالمگیر جنگ کے خطرات بہت بڑھ گئے ہیں۔'' انٹرویور کہہ رہا تھا۔ ''اور ایسے میں مشرق وسطیٰ آتش گیر مادے کے ایک بہت بڑے ڈھیر کی صورت اختیار کر گیا ہے تل ابیب اور یروشلم میں گزشتہ دو سال میں جتنے خودکش حملے ہوئے ہیں، وہ ثابت کرتے ہیں کہ جدید ترین ٹیکنالوجی کے استعمال اور منظم احتیاط کے باوجود خودکش حملوں کو نہیں روکا جا سکتا۔ اس صورتِ حال میں کوئی خود کو کہیں بھی محفوظ نہیں سمجھ سکتا۔ عدم تحفظ ......''

پال بوہر نے جماہی لی اور اخبارات کو تہ کر کے ایک طرف رکھ دیا۔

پھر انٹرویور نے پیٹر اسٹیونسن کا نام پکارا۔ پال بوہر سنبھل کر بیٹھا اور اسکرین کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اسکرین پر فارن سیکرٹری کا مسکراتا چہرہ نظر آیا۔ وہ ٹوری تھا۔ اس کا لمبوترا چہرہ کارٹون بنانے والوں کے لیے آئیڈیل چہرہ تھا۔ صرف آر اُس سے ٹھیک سے ادا نہیں کیا جاتا تھا۔ یہ اُس کی نقل اتارنے والوں کے ایک تحفہ تھا۔

''اتحادی افواج نے بنیاد پرست ممالک کو دہشت گردی سے پاک کر دیا ہے۔'' پیٹر اسٹیونسن نے بات شروع کی۔ ''یہ سچ ہے کہ دہشت گردی کا اصل منبع پاکستان تھا۔ لیکن بعد میں وہ دہشت گردی کی جنگ میں ہمارے ساتھ رہا۔ پاکستان کی ایٹمی قوت کو سامنے رکھتے ہوئے ہم اسے بہت بڑی کامیابی قرار دے سکتے ہیں۔ یہ طے ہے کہ اب ہم پاکستان کو کبھی سر اٹھانے نہیں دیں گے۔ عراق کو بھی پوری طرح کچلا جا چکا ہے۔

''بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر امریکا اور برطانیہ دہشت گردی کر رہے ہیں۔ لیکن ہمیں ان کی کوئی پروا نہیں۔ ہم دنیا کو انسانوں کے لیے بہتر اور محفوظ مقام بنانے کے لیے کوشاں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب ہم مشرقِ وسطیٰ کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ اور یہاں ہم نے سفارتی کوششیں کی ہیں، اور ثابت کر دیا ہے کہ ہم طاقت کا استعمال صرف مجبور ہو کر کرتے ہیں۔ میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ مشرقِ وسطیٰ کے متحارب فریقوں کو مذاکرات کی میز تک لانے کے لیے مجھے کیسے کیسے مرحلوں، کیسی کیسی دشواریوں سے گزرنا پڑا ہے۔ میں اس تفصیل میں جا کر وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ آپ ان کا تصور کر سکتے ہیں۔ اب جبکہ ہماری کوششوں سے یہ ممکن ہو گیا ہے تو میں امید کرتا ہوں کہ لنکاسٹر ہاؤس کے مذاکرات میں شریک ہونے کے لیے آنے والے مثبت سوچ لے کر آئیں گے......''

پال بوہر نے پھر ایک جماہی لی۔ ''چلو نا...... اب لوگوں کو وہ بھی بتا ہی دو، جو بتانے کے لیے تم مرے جا رہے ہو۔'' اس نے خود کلامی کی۔

جو میٹنگ کرائی جا رہی تھی، اُس کی اہمیت پال بوہر سمجھتا تھا۔ وہ، اسٹیونسن، کانفرنس کے شرکا اور ان کے علاوہ چند گنے چنے افراد اور بلجیم کی وہ طوائف، جو مہینے میں دو بار فارن سیکرٹری کو اپنی خدمات پیش کرتی تھی، اس میٹنگ کی اہمیت اور افادیت سے آگاہ تھے۔

''میں اس کانفرنس میں کسی معجزے کی امید نہیں رکھتا۔ اور کسی کو بھی ایسی کوئی امید نہیں رکھنی چاہیے۔ لیکن یہ بھی نہیں کہ ایک دوسرے سے نفرت کرنے والے سامنے بیٹھ کر ایک دوسرے سے بات کریں گے، اور اس دوران انگلیاں ٹریگرز پر نہیں ہوں گی۔ یہ بھی بہت بڑی کامیابی ہے۔ میں آپ سب کی طرف سے نیک خواہشات کا متمنی ہوں۔ گڈ مارننگ۔'

''بے چارہ...... کیسا نیک پرہیزگار بنتا ہے۔'' پال بوہر نے منہ بنا کر کہا۔

ٹی وی بند کرنے کے بعد وہ چند لمحے بیٹھا کچھ سوچتا رہا۔ پھر انٹرکام کے بزر نے اسے چونکا دیا۔

''سفیر صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں جناب۔''

''ٹھیک ہے۔ بھیج دو۔''

پال بوہر نے سر گھما کر دروازے کی طرف دیکھا۔ اگلے ہی لمحے سینٹ جیمز کے دربار کے لیے امریکی سفیر فلپ برینن سوئٹ میں داخل ہوا۔ وہ 42 سالہ دراز قد خوب رو شخص تھا۔ وہ مسکراتا تو لڑکوں جیسا لگتا۔ وہ ایسا آدمی تھا جو مردوں اور عورتوں کے لیے یکساں طور پر پُرکشش تھا۔ اور ڈپلومیسی کی راہ داریوں میں اپنی اس کشش سے فائدہ اٹھانے کا ہنر اُسے خوب آتا تھا۔

پال بوہر نے اٹھ کر اُس سے ہاتھ ملایا۔ ''کافی پیو گے؟''

''ضرور۔'' فلپ نے کہا اور سر سے ٹی وی سیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ ''تم نے اسٹیونز کو سنا؟ کوئی خاص بات بتائی اُس نے؟''

''وہی پرانی تھکی ہوئی باتیں۔''

''اب وہ بھی کیا کرے۔ یہ مشرقِ وسطیٰ کا مسئلہ ہے ہی اتنا فرسودہ، گھسا پٹا اور تھکا ہوا۔''

''مذاکرات کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟'' پال بوہرنے پوچھا۔

فلپ برینن نے کندھے جھٹک دیے۔''میرا خیال ہے، وہی گھسی پٹی باتیں دہرائی جائیں گی، گولان کے بدلے مغربی کنارہ...... سینائی کے بدلے یروشلم...... ایجنڈا ترتیب دیا جائے گا، مذاکرات ہوں گے......''

''اور نتیجہ؟ ٹائیں ٹائیں فش۔''

اس پر دونوں ہنسنے لگے۔

بیس منٹ تک ان کے درمیان بین الاقوامی سیاست پر گفتگو ہوتی رہی۔ پھر فلپ برینن نے گھڑی پر نظر ڈالی اور بولا۔''اب میں چلتا ہوں۔''

پال اسے چھوڑنے دروازے تک گیا۔ دروازے پر دونوں نے ہاتھ ملائے۔''یہاں چند روز تو قیام رہے گا تمہارا؟'' فلپ نے پوچھا۔

''نہیں۔ یہ تو بس ایک فلائنگ وزٹ تھا...... اسٹاف کو چیک کرنے کے لیے جمعے کو میں واپس پہنچ چکا ہوں گا۔''

''چلو ٹھیک ہے۔ کافی کے لیے شکریہ......''

پال اب بھی اُس کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا۔''فلپ، میں نے سنا ہے، تمہارا سینیٹ کا انتخاب لڑنے کا ارادہ ہے؟''

فلپ مسکرایا۔''میرے خیال میں تو ابھی یہ بات کسی کو بھی معلوم نہیں۔''

''دیکھو فلپ، میں منہ دیکھے کی تعریف کا قائل نہیں ہوں۔ لیکن میں ان لوگوں سے متفق ہوں، جن کے خیال میں تمہارا سیاسی مستقبل بہت روشن ہے۔ میرا اپنا خیال یہی ہے کہ تم بہت آگے جاؤ گے۔''

فلپ نے سر کو اثباتی جنبش دی۔ کہا کچھ نہیں۔

''میں سمجھتا ہوں کہ تمہاری منزل وائٹ ہاؤس ہے۔''

فلپ نے پھر اثبات میں سر ہلایا۔ وہ اس امکان کو رد تو نہیں کر سکتا تھا۔

''فی الوقت تو میں اتنا ہی کہوں گا کہ ہر انتخابی مہم کو فنڈز کے ایندھن کی ضرورت ہوتی ہے۔'' پال بوہرنے کہا اور چند لمحے دانستہ توقف کی۔ پھر وہ بولا۔''اور تم جانتے ہو کہ تھورن کارپوریشن کے پاس فنڈز کی کمی نہیں۔''

''یہ جان کر خوشی ہوئی پال۔ لیکن مجھے یہاں متضاد نظر آ رہا ہے۔ میں ڈیموکریٹ ہوں۔ جبکہ تم جس صدر کو سپورٹ کر رہے ہو، وہ ری پبلکن ہے۔''

''وہ ایک کمزور آدمی ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ عہدہ صدارت اسے بڑا بنا دے گا۔''

''تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔''

فلپ نے دروازہ کھولا اور باہر قدم رکھا۔ ''ایک بار پھر کافی کے لیے شکریہ۔ جلد ہی تم سے دوبارہ ملاقات ہوگی۔''

پال بوہر اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا، پھر اُس نے دروازہ بند کرلیا۔ یہ فلپ برینن بھی عجیب آدمی تھا۔ وہ ایک چالاک اور کامیاب ڈپلو میٹ تھا۔ اس کا کوئی دشمن نہیں تھا۔ اور پال بوہر کے خیال میں وہ پاگل پن کی حد تک اپنے وقار کا خیال رکھتا تھا۔ اس کے خیال میں یہ شخص مسئلہ بن سکتا تھا۔ اس لیے اُس نے یہ احتیاطی قدم اُٹھایا تھا۔

اتنا سوچنا بہت کافی تھا۔ پال بوہر نے فلپ برینن کو اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔

.........۞.........

لیموزین اوائل شام کے ٹریفک میں آکسفورڈ جانے والی سڑک پر مغرب کی سمت رواں تھی۔ پال بوہر نے پشت گاہ سے ٹیک لگائی اور جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ نیند سے اُس کی پلکیں جھکی جا رہی تھیں۔ رات کی نیند اسے تازہ دم کرنے میں ناکام رہی تھی۔ عام حالات میں، کام کا اور تفکرات کا دباؤ کتنا ہی ہو، وہ تین یا چار گھنٹوں کی نیند میں اپنی بیٹری ری چارج کر لیتا تھا۔ لیکن پچھلے کچھ عرصے سے اچانک ہی بہت فرق پڑ گیا تھا۔ اب وہ کم وقت میں تھک جاتا تھا۔ بلکہ یوں کہا جائے کہ اسے تھکن بآسانی ہو جاتی تھی۔ اُس نے سوچا، یہ سلسلہ جاری رہا تو اسے اپنے ڈاکٹر سے رجوع کرنا پڑے گا۔ فی الوقت بہرحال اس تھکن سے لڑنے کی ضرورت نہیں تھی۔

اُس نے سوچا، سالگرہ ایسا موقع ہوتی ہے کہ آدمی حساب کتاب کرتا ہے وہ ماضی پر نظر ڈالتا ہے، دیکھتا ہے کہ اُس نے کیا کچھ حاصل کیا۔ اور پھر اسے اپنے مستقبل کے عزائم کی پڑتال کرنی ہوتی ہے کہ جو کچھ وہ چاہتا ہے، اسے کیسے حاصل کیا جائے۔ وہ ہمیشہ ایک مرتب اور منظم آدمی رہا تھا۔ یہ خوبی اسے اپنے باپ سے ورثے میں ملی تھی اس کا باپ ہمیشہ اسے بتاتا تھا کہ اُس کی پیدائش کے سلسلے میں بھی اُس نے ممکن پلاننگ کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جون میں پیدا ہوا۔ پھر اُس نے اُس کے بیسویں جنم دن تک اُس کی تعلیم کے سلسلے میں مکمل منصوبہ بندی کی تھی۔ اور وہ کہتا تھا کہ چالیس سال کے ہونے تک تم بہت کچھ حاصل کر چکے ہو گے۔

اور یہ بات درست تھی۔ جس انداز میں وہ تھورن کارپوریشن کی صدارت کے منصب تک پہنچا، اسے شان دار ہی کہا جا سکتا تھا۔ وہ آسان کام ہرگز نہیں تھا۔ اس کی راہ میں بوڑھا اور تجربہ کار بل ایتھرٹن سب سے بڑی رکاوٹ تھا۔ بل ایتھرٹن نے بھانپ لیا تھا کہ وہ خود کو تباہ کر لینے کی حد تک جاہ طلب ہے۔ اُس کی ہوس اقتدار کی کوئی حد نہیں ہے اُس کا خیال تھا کہ ترقی کی ہوس میں وہ خود کو سورج کے اس قدر قریب لے جائے گا کہ اس کے پر پرواز جل جائیں گے اور وہ منہ کے بل زمین پر آ گرے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ وہ دوسروں کو پیچھے چھوڑ کر اوپر ہی اوپر اٹھتا چلا گیا۔ اُس نے اپنے پر جلنے نہیں دیے۔

سب کچھ منصوبے کے عین مطابق ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ تھورن نسل کے آخری فرد ڈیمین تھورن کو دھوکے سے قتل کر دیا گیا۔ اس بات کو 18 برس ہو چکے تھے۔ مگر اسے یاد کر کے اب بھی وہ غصے سے بے حال ہو جاتا تھا۔

اُس کے منہ سے ہلکی سی غراہٹ نکلی اور اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ اُس نے دیکھا، ڈرائیور عقب نما آئینے میں متجسس نگاہوں سے اُسے

دیکھ رہا تھا پال بوہر نے اپنے کوٹ کی جیب سے وٹامن کی گولیوں کی بوتل نکالی، اسے کھولا اور وٹامن کی کئی گولیاں منہ میں ڈال لیں۔ اس وقت اس کے اعصاب بے حد کشیدہ ہو رہے تھے۔ لڑکے کو دوبارہ دیکھنے کے خیال سے ایک طرف اُس کے جسم میں سنسنی دوڑ رہی تھی۔ اور دوسری طرف پیٹ میں مروڑ اٹھ رہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب لڑکا سترہ سال کا ہوگا۔ لڑکپن کا فاصلہ عبور کر کے جوانی اور بلوغت کی چوکھٹ پر کھڑا ہوا لڑکا! جانے وہ کیسا ہوگا۔ چیلو نے بتایا تھا کہ وہ لمبا بھی ہوا ہے اور اُس کا وزن بھی تیزی سے بڑھا ہے۔

پال بوہر نے ڈکار لی۔ یہ معدہ...... ہاں یہ معدہ ہی میری موت کا سبب بنے گا۔ اُس نے سوچا۔ اُس نے اپنے ڈاکٹر کی بات یاد کرنے کی کوشش کی اُس نے اسٹریس کے بارے میں کچھ کہا تھا...... ذہنی دباؤ اور تناؤ۔ ڈاکٹر نے کہا تھا، ہر آدمی کے جسم میں کوئی خاص عضو ہوتا ہے، جو بیماریوں کا آسان ہدف ہوتا ہے، اور بالآخر آدمی کی تباہی کا سبب بنتا ہے۔ کچھ لوگوں کا مسئلہ دردِ سر ہوتا ہے، اور کچھ کے ساتھ فشارِ خون کا مسئلہ ہوتا ہے، جس کی وجہ سے ان کے دل پر دباؤ بڑھتا ہے۔ پال بوہر نے سمجھ لیا کہ اُس کے ساتھ مسئلہ معدے کا ہے۔ لیکن صرف لڑکے ہی میں یہ طاقت تھی۔ وہی ایسے ذہنی دباؤ کا سبب بنتا تھا، جس کی وجہ سے اُس کے پیٹ میں مروڑ اٹھتے تھے۔ ورنہ کوئی کاروباری، نہ کوئی سیاست داں، حتیٰ کہ امریکی صدر بھی اسے ایسی ٹینشن میں مبتلا نہیں کر سکتا تھا۔ یہ خصوصیت صرف اس لڑکے میں تھی۔

اُس نے لیموزین کی کھڑکی سے باہر دیکھا۔ گاڑی اب موٹروے چھوڑ کر اُس تنگ مضافاتی سڑک پر مڑ گئی تھی، جو پیری فورڈ کی طرف جاتی تھی۔ یہاں جا بجا خطرناک موڑ تھے۔ ڈرائیور نے گاڑی کی رفتار کم کر دی تھی۔ سڑک کے کنارے خودرو جھاڑیوں کا سلسلہ تھا۔ خرگوش ایک جھاڑی سے دوسری جھاڑی میں چھلانگ لگاتے نظر آ رہے تھے۔ وہاں کیڑے مکوڑوں کی بھی بہتات تھی۔ گاڑی کے ونڈ شیلڈ پر بے شمار بھنگے چپکے ہوئے تھے۔

ڈرائیور نے ونڈ شیلڈ کا وائپر چلا دیا۔

پال بوہر پھر اونگھنے لگا تھا۔ جانے کتنی دیر بعد ڈرائیور کی آواز نے اُسے چونکا دیا۔ ''ہم پہنچ گئے جناب۔''

پال بوہر نے آنکھیں کھول دیں۔ گاڑی جاگیر کے مین گیٹ کے باہر روک دی گئی تھی۔ ڈیمین کی موت کے بعد سے یہاں نقائص سے پاک سیکورٹی سسٹم متعارف کرایا گیا تھا۔ بڑے آہنی گیٹوں کو اب الیکٹرونک سسٹم کے تحت آپریٹ کیا جاتا تھا۔

ڈرائیور نے گاڑی کے ڈیش بورڈ پر لگے ایک سوئچ کو دبایا۔ گیٹ کھلنے لگا۔ آگے آدھے میل کی ڈرائیو تھی۔ دور سے پال بوہر کو اس قدیم حویلی کا مغربی ونگ نظر آ رہا تھا۔ پال بوہر جانتا تھا کہ وہاں بہترین برانڈی موجود ہوگی۔ ڈرائنگ روم کے آتش دان میں دیکھتی ہوا آگ غرا رہی ہوگی۔ اب جلد ہی وہ سکون کی گہری سانسیں لے سکے گا۔

بجریلی سڑک کے اختتام پر لیموزین رک گئی۔ دروازے پر بٹلر جارج کھڑا تھا۔ اُس نے گرم جوشی سے پال بوہر کا خیر مقدم کیا اور اُس سے اُس کا بریف کیس لیتے ہوئے کہا۔ ''خوش آمدید جناب۔ آپ کو دوبارہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اندر تشریف لے چلیے۔''

پال بوہر سیدھا ڈرائنگ روم میں گیا۔ وہاں اُس نے اپنے لیے برانڈی کا ایک جام بنایا۔ پھر وہ کمرے کا جائزہ لینے لگا۔

اس حویلی کی آرائش بے حد مہنگی تھی، اور اسے شاہ کار کہا جا سکتا تھا۔ بہت مہنگی لکڑی کی کھڑکیاں تھیں۔ ان پر بھاری مخملی پردے تھے۔

دیواروں پر پورٹریٹ آویزاں تھے۔ رابرٹ تھورن، پھر اُس کا بھائی رچرڈ تھورن، پھر اُس کا بیٹا ڈیمین تھورن۔ پال بوہر کے جسم میں......اندر گہرائی میں سردی کی ایک لہری دوڑی۔ وہ اٹھ کر آتش دان کے قریب جا بیٹھا۔ یہ اگرچہ موسم گرما تھا۔ مگر آتش دان خوب دہک رہا تھا۔ وہ آتش دان کے پاس جا کھڑا ہوا اور ہاتھ آگے بڑھا کر تاپنے لگا۔

بٹلر نے کمرے میں جھانکتے ہوئے پکارا۔ ''ڈنر بیس منٹ بعد ہو گا سر۔''

پال بوہر نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر پوچھا۔ ''وہ کیسا ہے؟''

''بالکل ٹھیک ٹھاک جناب۔''

''کیا میں اُس سے مل سکتا ہوں۔''

''جی ہاں، کیوں نہیں بشرطیکہ آپ اسے تلاش کر سکیں۔''

پال بوہر نے سر کو تفہیمی جنبش دی اور کمرے سے نکل آیا۔ اس کا جام اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ اُس نے ہال عبور کیا اور لہراتے ہوئے زینے پر قدم رکھا۔ پہلی لینڈنگ پر پہنچ کر وہ گیلری سے گزرا اور تاریک راہ داری میں داخل ہوا، جو حویلی کے مغربی حصے کی طرف جاتی تھی۔ اُس کا دل سینے میں دھڑ دھڑ کر رہا تھا اور پیٹ میں مروڑ اٹھ رہے تھے۔

لڑکے کے بیڈ روم تک پہنچ کر اُس نے دروازے پر دستک دی اور اپنی سماعت کو مرکوز کیا۔ مگر اندر کوئی آواز، کوئی آہٹ نہیں تھی۔ اُس نے دوبارہ دستک دی اور پھر دروازہ کھول کر اندر قدم رکھا۔

اس کمرے میں پلنگ سے ایک بیڈ کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ چھت اور دیواروں پر گہرا کشمشی رنگ تھا۔ پال بوہر نے پلکیں جھپکائیں اور سوئچ بورڈ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اُس نے سوئچ دبایا۔ لیکن کچھ نہیں ہوا۔ کمرے میں روشنی کے لیے کوئی بلب تھا ہی نہیں۔ وہ بیڈ کی طرف بڑھا۔ وہاں سرہانے اخبار میں چھپی ہوئی تصاویر کی ایک گڈی رکھی تھی۔ اطراف میں فریم شدہ دو بڑی تصاویر تھیں۔ دائیں جانب والے فریم میں ڈیمین تھورن کا ایک پورٹریٹ، صرف سر چہرہ اور کندھے دوسرے فریم میں ایک قبر اور لوح مزار کی تصویر تھی۔ پال بوہر نے آگے جھک کر تصویر میں موجود کتبے پر کندہ عبارت کو پڑھا۔ کتبے کے ایک حصے کو جھاڑیوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ لیکن عبارت صاف پڑھی جا رہی تھیں

کیتھلین رینالڈز

محبوب بیٹی

1949ء۔1982ء

پال بوہر نے بیڈ پر جھکتے ہوئے اخبار سے کاٹی گئی تصاویر کو دیکھا۔ ایک تصویر میں وارسا کے یہودیوں کو ان کے محلے سے گن پوائنٹ پر نکال کر ٹرکوں کی طرف دھکیلا جا رہا تھا۔ وہ ٹرک انہیں آشوٹز لے جانے والے تھے۔ ایک اور تصویر میں بے شمار قبریں نظر آ رہی تھیں۔ پھر وہاں ہٹلر، ایدی امین، مسولینی اور اسٹالن کی تصویریں تھیں۔ ہیروشیما کی تباہی کے پیش نظر میں ہیری ٹرومین کی مسکراتی ہوئی تصویر تھی۔ سگار کا دھواں منہ سے

نکالتے ہوئے چرچل کی تصویر، نوبل پرائز وصول کرتے ہوئے ہنری کسنجری تصویر۔ ایک تصویر ہڈیوں اور کھوپڑیوں کے ایک بڑے انبار کی تھی۔

اور اس گڈی پر بچکانہ تحریر میں، سرخ حروف سے صرف ایک لفظ لکھا تھا: ریہرسلز

پال بوہر نے ایک گہری سانس لی، پھر جام سے برانڈی کا ایک گھونٹ لیا اور کمرے سے نکل آیا۔ کمرے سے نکلتے ہوئے اُسے خوشی کا احساس ہو رہا تھا وہ مغربی ونگ میں اور آگے بڑھا۔ دوسری راہ داری میں کتے کو دیکھنے سے پہلے ہی بو کی وجہ سے اسے کتے کی موجودگی کا احساس ہو گیا۔ وہ آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھا۔ اس دوران وہ اُس کی زرد آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ کتے نے سر اٹھایا اور پھر اٹھ کر اُس کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ بڑے اور بھاری جبڑوں والا بے حد قد آور کتا تھا۔ اُس کی گردن اور کندھوں سے اُس کی قوت کا اندازہ ہوتا تھا۔ اُس کی سانس نہایت بدبودار تھی۔

پال بوہر کے قریب پہنچ کر کتا رک گیا۔ اُس کا سر پال بوہر کی ناف کے اوپر اُس کے پیٹ کی سطح پر تھا۔ ایک لمحہ پال بوہر اور کتا ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے۔ کتا پال بوہر کو سونگھ رہا تھا۔ اُسکا سر پنڈولم کی طرح ادھر اُدھر ہل رہا تھا۔ پھر کتے کے حلق سے ہلکی سے غراہٹ نکلی اور اُس نے ایک طرف ہٹتے ہوئے پال بوہر کو آگے جانے کا راستہ دے دیا۔ جیسے کوئی سنتری شناخت کے بعد کسی کو اندر جانے کی اجازت دے۔

پال بوہر راہ داری میں آگے بڑھ گیا۔ راہ داری کے آخر میں اسے ایک سیاہ دروازہ نظر آیا۔ اُس نے دروازے پر دستک دینے کے لیے ہاتھ اٹھا مگر فوراً ہی ارادہ بدل دیا۔ اُس نے دھکیلا تو دروازہ کھل گیا۔

وہ گول کمرا تھا۔ اُس کی دیواروں پر سیاہ پینٹ کیا گیا تھا۔ چھت کو چھ ستون سہارا دیے ہوئے تھے۔ اس میں کوئی کھڑکی نہیں تھی۔ چبوترے پر ایک اکیلی سیاہ موم بتی روشن تھی۔

لرزتی ہوئی روشنی میں کرائسٹ کا ایک قدِ آدم چوبی پتلا کیلوں کی مدد سے ایک صلیب پر گاڑا گیا تھا۔ پتلے کے دونوں ہاتھوں کو صلیب کے افقی شہتیر پر کیلوں سے ٹھوکے ہوئے تھے۔

وہ چوبی مجسمہ برہنہ تھا۔ ایک خنجر اُس کی ریڑھ کی ہڈی میں دستے تک پیوست تھا۔ لکڑی کے اس خنجر کو بھی صلیب سے مصلوب مسیح کی شکل میں تراشا گیا تھا۔

صلیب سے کوئی چھ فٹ کے فاصلے پر ایک آدمی کا حنوط شدہ جسم تھا۔ وہ بھی برہنہ تھا، اور بظاہر بغیر کسی سہارے کے کھڑا تھا۔ اُس کے دونوں ہاتھ اس طرح پھیلے ہوئے تھے کہ ہتھیلیوں کا رخ باہر کی سمت تھا۔ موم بتی کی لرزتی ہوئی روشنی اُس کی آنکھوں میں پڑ رہی تھی، جس کی وجہ سے وہ زندگی سے بھرپور لگ رہی تھیں۔ اُس کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ ٹھٹھری ہوئی تھی۔ اور وہ چوبی کرائسٹ کے چہرے کو گھورتا معلوم ہو رہا تھا۔

ایک لڑکا پادریوں والا سیاہ لبادہ پہنے حنوط شدہ لاش کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔ اور اُس نے بڑی مضبوطی سے لاش کے دونوں ہاتھوں کو تھام رکھا تھا...... اتنی قوت سے کہ اُس کے ہاتھوں کی پوریں سفید ہو گئی تھیں۔

پال بوہر نے سماعت پر زور دیا تو وہ دھیمی...... بہت دھیمی بھنبھناہٹ اُس کی سمجھ میں آنے لگی۔ ''فادر، مجھے طاقت عطا فرما اور میرے جسد میں اپنی روح کو فروغ اور بالیدگی عطا فرما۔ فادر مجھے طاقت عطا فرما اور......'' لڑکا تسلسل کے ساتھ ایک سی آواز اور لہجے میں، بغیر کسی توقف کے وہی

الفاظ دُہرائے جا رہا تھا۔ اُس کی آواز میں معمولی سا اتار چڑھاؤ بھی نہیں تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ سانس بھی نہیں لے رہا ہے۔

پال بوہر اسے گھورتا رہا۔ پھر اُس نے سر اٹھا کر ڈیمین تھورن کے مردہ چہرے کو دیکھا۔ جبلّی طور پر، اور بہت آہستہ اُس نے سینے پر الٹی صلیب کا خیالی نشان بنایا۔ پھر وہ الٹے قدموں چلتا کمرے سے نکلا اور باہر نکل کر اُس نے آہستگی سے دروازہ دوبارہ بند کر دیا۔

کتا اسے دیکھ رہا تھا۔ جب اُس کے جاتے ہوئے قدموں کی چاپیں معدوم ہوگئیں تو کتا دوبارہ رکھوالی کے لیے چوکنا ہوگیا۔

......✡......

پال بوہر ڈرائنگ روم میں اُس کا منتظر تھا۔ وہ برانڈی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتے ہوئے خالی نظروں سے ٹی وی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لیکن درحقیقت وہ کچھ بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ پھر اچانک اُس کی نظریں اٹھیں تو لڑکا دروازے میں کھڑا تھا۔ اب وہ سیاہ لبادے میں نہیں تھا۔ بلکہ شرٹ اور جینز پہنے ہوئے تھا۔ پال بوہر نے اسے غور سے دیکھا۔ چیلوں نے اسے بتایا تھا کہ وہ بڑا ہوگیا ہے۔ مگر پال بوہر کو اندازہ نہیں تھا۔ اب اس وقت اسے دیکھتے ہوئے اُس کو احساس ہوا کہ لڑکے کا قد اتنا ہو چکا ہے، جتنا ڈیمین تھورن کا تھا۔ اور وہ حیرت انگیز طور پر ڈیمین سے مشابہ تھا۔

تم تھکے تھکے لگ رہے ہو۔'' لڑکے نے کہا۔

پال بوہر کو احساس ہوا کہ لڑکے کی آواز میں گہرائی اور بھاری پن آ گیا ہے۔ ''کوئی خاص بات نہیں۔ بس عمر کا تقاضا ہے۔''

''میرا خیال ہے، اب تمہیں عورتوں کے چکر سے جان چھڑا لینی چاہیے۔''

پال بوہر مسکرایا۔ 'ٹھیک کہتے ہو۔ ایک وقت تھا کہ نسوانی قربت وجہ آفریں تھی، جوش اور تحریک پیدا کرتی تھی۔ مگر اب اس میں بے کیفی ہے، اور اس کا انجام صرف تھکن اور اضمحلال ہے۔''

اس لمحے جارج کھانے کی ڈشیں لیے کمرے میں چلا آیا۔ لڑکے نے اُس کی موجودگی کی پروا کیے بغیر پال بوہر سے کہا۔ ''تمہارے پاس میرے لیے ایک رپورٹ ہے؟''

بوہر نے اثبات میں سر ہلایا اور جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک میمو نکال لیا۔ وہ اُس نے لڑکے کی طرف بڑھایا۔ لڑکے نے میمو لیا، پلکیں جھپکائے بغیر اُسے پڑھا اور سر اٹھا کر تیز نظروں سے اُسے دیکھا۔ ''یہ لبنان ڈیفالٹ تو نہیں کریں گے؟''

بوہر نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ پوری طرح ہماری مٹھی میں ہیں۔ ہمارے سوا ان کا کوئی نہیں ہے۔''

لڑکے نے سر کو تفہیمی جنبش دی اور میمو تہہ کر کے بوہر کو واپس کر دیا۔ ''گڈ..... تو گویا معاملہ تیار ہے؟''

بوہر کا منہ بن گیا۔ یہ جملہ اسے کچھ عجیب لگا تھا۔

''میرا مطلب ہے، سب کچھ ٹھیک ہے۔'' لڑکے نے تیزی سے تصحیح کر ڈالی۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی تھی۔

''برطانوی یروشلم کے معاملے میں اپنا چھوٹا سا کیمپ ڈیوڈ بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔''

''گڈ۔'' لڑکے نے کہا اور نیپکن اٹھا کر اپنی قمیص میں اُڑس لیا۔ بٹلر نے پلیٹ میں اُس کے لیے کھانا نکال دیا تھا۔ اُس نے بٹلر کا شکریہ ادا کیا

اور سر جھکا کر کھانے میں مصروف ہو گیا۔

کھانے کے دوران رسماً اور برائے نام بھی گفتگو نہیں ہوئی۔ لڑکا بہت خوش خوراک تھا۔ اور یوں بے تابی سے کھا رہا تھا، جیسے بھوک سے بے حال ہو رہا ہو۔ درمیان میں میٹھی شراب غٹاغٹ پیتا۔

پھر نوالہ چباتے ہوئے اُس نے پال بوہر سے کہا۔ ''میں نے سنا ہے کہ اسرائیلی پارلیمنٹ میں سائمن کی مخالفت زور پکڑ رہی ہے۔''

''ہاں۔ لیکن مسئلہ سنگین نہیں ہے۔''

''وائٹ ہاؤس میں بریڈ لے معاملات سے کیسے نمٹ رہا ہے۔''

''وہ کمزور آدمی ہے۔ ہمارے مشورہ پر چلتا ہے۔''

زمبابوے میں فوجی انقلاب کب آئے گا؟''

وہ پوچھتا رہا اور پال بوہر بڑے تحمل سے اُس کے سوالوں کے جواب دیتا رہا۔ وہ تو بھول ہی گیا تھا۔ کہ لڑکا کتنا ذہین ہے اور اُس کا دماغ کتنی تیزی سے کام کرتا ہے۔ وہ بالکل اپنے باپ کی طرح تھا۔ معاملات کو تیزی سے سمجھنے اور یادداشت میں تفصیلات محفوظ کرنے کی اس میں ویسی ہی صلاحیت تھی۔ مگر وہ ڈیمین جیسی کشش سے فی الحال محروم تھا۔ لیکن پال بوہر کو یقین تھا کہ دو چار سال میں اس معاملے میں بھی وہ ڈیمین کا ہم پلہ ہو گا۔

وہ کھانے کے بعد کافی پی رہے تھے کہ بٹلر ایک چھوٹا سا رقعہ لے کر آیا۔ رقعہ پال بوہر کی طرف بڑھا کے وہ لڑکے کی طرف متوجہ ہوا۔ ''وہ عورت پھر آ گئی ہے سر۔''

لڑکے نے جماہی لی۔ پال بوہر رقعہ پڑھنے لگا۔ پھر اُس نے لڑکے سے کہا۔ ''وہ کہتی ہے کہ وہ تمہاری دائی ہے۔''

جارج نے کندھے جھٹک دیے۔ ''پچھلے ایک ہفتے سے وہ ہر روز یہاں آ رہی ہے۔ بہت پریشان کرتی ہے۔''

''وہ آخری بار تمہارا آشیرباد چاہتی ہے۔'' بوہر نے لڑکے کو بتایا۔

لڑکے نے پھر جماہی لی۔

بوہر نے رقعے کو توڑ مروڑ کر اُس کی گیند بنائی اور آتش دان میں اچھال دیا۔ پھر اُس نے بٹلر جارج سے کہا۔ ''اسے یہاں لے آؤ۔ لیکن پہلے مکمل طور پر تصدیق کر لینا کہ وہ وہی ہے، جو ظاہر کر رہی ہے۔''

''بہت بہتر جناب۔''

بٹلر چلا گیا تو لڑکے نے بوہر کی طرف دیکھا۔ ''تمہیں بریڈلے کے بارے میں پورا یقین ہے؟''

بوہر نے گہری سانس لی۔ لڑکا بہت ضدی تھا۔ کسی بات کے پیچھے پڑ جاتا تو پھر جان نہیں چھوڑتا تھا۔ اور اپنے مقاصد کے سوا اسے کسی چیز میں بھی دلچسپی نہیں تھی۔ ورنہ اس عمر میں...... جوانی میں آدمی کو صرف کام میں دلچسپی نہیں ہوتی۔ وہ دنیا کی تمام رنگینوں کی طرف لپکتا ہے اور ہر چیز کو دریافت کرنا چاہتا ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت تھی کہ وہ کوئی عام نوجوان نہیں تھا۔

دروازہ کھلا تو ان دونوں نے سر گھما کر دیکھا۔ وہ ایک بوڑھی عورت تھی، جس کا چہرہ جھریوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ ایک وھیل چیئر پر بیٹھی تھی۔ اُس کے پیروں پر کمبل پڑا تھا اور کندھوں پر شال۔ اُس کے ہاتھ مڑے تڑے تھے اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری سے جڑی ہوئی تھیں۔ کمبل اور شال بھاری تھے۔ لیکن اس کے جسم کی ناتوانی چھپا نہیں پا رہے تھے پال بوہرنے اندازہ لگایا کہ اُس کا وزن 80 پونڈ سے زیادہ ہرگز نہیں ہوگا۔

عورت نے وہیل چیئر پر نصب ایک بٹن دبایا۔ وہیل چیئر تیزی سے ان کی طرف بڑھی۔ موٹر کی گنگناہٹ اور ٹائروں کی رگڑ کی آواز سناٹے میں خاصی بلند آہنگ معلوم ہو رہی تھی۔ میز کے پاس پہنچ کر وہ رکی۔ اُس کی نظریں لڑکے کے چہرے پر جمی تھیں۔ پھر وہ آہستہ آہستہ اٹھی اور اپنے قدموں پر کھڑی ہوگئی۔ بوہرنے اسے سہارا دینے کے لیے اٹھنا چاہا۔ لیکن عورت نے اشارے سے اسے روک دیا۔

''میں سہارے کے بغیر اٹھنا چاہتی ہوں۔ وہ بولی۔ اُس کی آواز بڑھاپے کی نحیف آواز تھی۔ اس کے تحرک کے نتیجے میں اُس کی ہڈیوں کے کڑکڑانے کی آواز ابھری تھی وہ پوری طرح کھڑی ہوئی تو اُس کا سر لڑکے کے سر کے لیول پر تھا۔

''میرا نام میری لاموںٹ ہے۔'' وہ بولی۔ ''نرس کی حیثیت سے میں آپ کی ولادت کے موقعے پر موجود تھی۔''

لڑکے نے جواب میں کچھ بھی نہیں کہا۔

''جس شام آپ پیدا ہوئے، اسی شام میرے ہاتھوں میں پہلی بار جوڑوں کا ورم نمودار ہوا۔ اس وقت سے لے کر اب تک میں مسلسل اذیت میں ہوں۔ میں سکون کے لیے دوائیں لیتی ہوں۔ لیکن وہ مجھے بیمار کر دیتی ہیں۔ میں خواب جب بھی دیکھتی ہوں تو یہی دیکھتی ہوں کہ خدا مجھے سزا دے رہا ہے۔''

''اور وہ تمہیں سزا دے گا۔'' لڑکے نے کہا۔

''اب مجھ سے درد برداشت نہیں ہوتا، اذیت سہی نہیں جاتی۔ اب جلد ہی میں خود کو ختم کر لوں گی۔ لیکن مرنے سے پہلے میں ایک بار آپ کو دیکھنا چاہتی تھی۔ میں دیکھنا چاہتی تھی کہ وہ کیسا ہے، جسے اس دنیا میں لانے کے سلسلے میں میں نے کوشش کی تھی۔''

لڑکے نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیے، جیسے اپنے وجود کو اُس کے ملاحظے کے لیے پیش کر رہا ہو۔ ''مجھے امید ہے کہ مجھے دیکھ کر تمہیں خوشی ہوئی ہوگی۔''

عورت نے کندھے جھٹکے۔ اُس کی ہڈیوں سے پھر کڑکڑاہٹ ابھری۔ ''کیا تم مجھے دعا دو گے؟''

لڑکے نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ اٹھا اور اُس نے سر جھکا کر اُس مڑے تڑے وجود کو دیکھا۔ پھر اُس نے عورت کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ عورت نے آنکھیں موند لیں۔ اچانک اُس کے جسم پر لرزہ چڑھا اور اُس نے سر اٹھا کر لڑکے کو دیکھا۔ ''میں نے تمہاری پیدائش میں ہاتھ بٹایا اور میں نے تمہارے والد کے حکم پر ایک بچے کو قتل کیا تھا۔ میں نے ہمیشہ خدمت کرنے کی بھرپور کوشش کی۔''

عورت کے سر پر لڑکے کے ہاتھ کی گرفت یک بہ یک سخت ہوگئی۔ اُس کے چہرے پر سختی اور بدمزگی کا ملا جلا تاثر تھا۔

''تمہارے والد نے مسیح کی پیدائش کے دن پیدا ہونے والے تمام بچوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تو میں نے بلا جھجک تعمیل کی۔ میں نے اپنا فرض

نبھایا۔ مجھے ہمیشہ امید رہی کہ......''

''کیا امید رہی تمہیں؟'' لڑکے نے تیز لہجے میں کہا۔

''مجھے امید تھی کہ تو مولود مسیح کو میں نے ختم کیا ہے۔''

''تو تمہاری امیدوں کو تمہارے ساتھ ہی مرنا چاہیے۔'' لڑکے کی آواز اب پھنکار سے مشابہ تھی۔ وہ پیچھے ہٹا، اُس نے اپنے ہاتھ اپنی قمیص سے رگڑے، جیسے ان پر گندگی لگ گئی ہو اور انہیں صاف کر رہا ہو۔ تم نے میرے باپ کو مایوس کیا۔ تم نے میرے باپ کو ناکام بنایا۔ تم سب ناکام ہوگئے۔ کیونکہ مسیح اب بھی زندہ ہے۔ ہر روز میں اس کے وجود کے خیر آور اثرات محسوس کرتا ہو۔ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اس کی طاقت میں اضافہ ہوتا ہے۔ وہ ہر جگہ موجود ہے۔ ہر جگہ وہ میری نفی کرنے کے لیے میرا منتظر ہے۔'' وہ اور دو قدم پیچھے ہٹا۔ اب وہ بولا تو اُس کے منہ سے اُڑنے والا تھوک بوچھاڑ کی صورت میں بوڑھی عورت کے چہرے پر گرا۔ ''تم نے......تم سب لوگوں نے میرے باپ کو شکست دلوائی......اور مجھے بھی مایوس کیا۔''

عورت نے منہ بھینچ رکھا تھا۔ گھٹی گھٹی سسکیوں کی آواز بے حد دردناک لگ رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو اُس کے ہونٹوں کے بیرونی گوشوں کو بھگو رہے تھے، لڑکے کے تھوک کو دھو رہے تھے۔

لڑکا دو قدم آگے بڑھا اور اُس پر غرایا۔ ''تم سمجھتی ہو کہ تمہاری یہ اذیت خدا کی دی ہوئی ہے؟'' اُس نے کہا اور نفی میں سر ہلانے لگا۔ ''نہیں......خدا تو انسان کو اُس کے گناہوں کی سزا دیتا ہے۔ میرا باپ سزا نہیں دیتا۔ وہ کبھی سزا نہیں دیتا۔ مگر ایک استثنا ہے۔ میرا باپ ناکامی کبھی برداشت نہیں کرتا۔ ناکامی پر وہ کبھی معاف نہیں کرتا۔ ناکام ہونے والوں کو وہ بدترین سزائیں دیتا ہے۔ تمہیں یہ سزا میرے باپ نے دی ہے۔''

عورت نے رحم طلب نظروں سے اُسے دیکھا۔ ''لیکن مجھ سے جو کچھ بھی کیا گیا، میں نے کیا۔ دیانت داری سے کیا۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ آپ بتائیں، میں اور کیا......؟''

لڑکے نے منہ پھیر لیا۔ ''تم اپنی ان منحوس ہڈیوں کو میری نظروں کے سامنے سے ہٹا دو۔''

عورت پیچھے ہٹی اور وہیل چیئر میں ڈھے گئی۔ اب وہ زار و قطار رو رہی تھی۔ ''پلیز......مجھے معاف کر دو'' وہ گڑگڑائی۔

''تم میرے باپ کی ناکامی کی ذمے دار ہو۔ میں بددعا دیتا ہوں کہ تمہاری روح ظاہری تقدس و آبی کے بحرِ مردار میں ابد تک غرق رہے۔''

عورت کے منہ سے سسکی نکلی۔ پال بوہر اُس کی طرف بڑھا......

''اُسے چھوڑ دو۔'' لڑکے کی آواز کوڑے کی طرح لہرائی۔ ''اسے جانے دو۔''

پال بوہر رک گیا۔ وہ اس عورت کو دلاسہ دینا چاہتا تھا۔ لیکن لڑکے کی طاقت نے اسے بے بس کر دیا تھا۔ عورت پلٹی اور اپنی وہیل چیئر چلاتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ باہر سے وہیل کے پہیوں کے چلنے کی آواز میں گھلی ملی عورت کی سسکیاں سنائی دیتی رہیں۔ پھر دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ اور اُس کے بعد خاموشی چھا گئی۔

پال بوہر لڑکے کی طرف مڑا۔ ''تمہارے خیال میں......''

لڑکے نے اسے نظر انداز کر دیا، اور اسے ایک طرف ہٹاتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔ وہ بہت غصے میں تھا۔

.........۞.........

گیٹ پر منتظر ٹیکسی تک پہنچتے پہنچتے وہ اپنے آنسوؤں پر قابو پانے میں کامیاب ہو چکی تھی۔ وہ ڈرائیور کو دیکھ کر مسکرائی۔ تمام راستے وہ اس سے ہلکی پھلکی گفتگو کرتی رہی گھر پہنچ کر وہ وھیل چیئر چلاتی اپنے کمروں کی طرف بڑھی۔ نشست گاہ سے ہو کر وہ اپنے بیڈ روم تک گئی، جہاں اُس نے کبھی کسی کو داخل نہیں ہونے دیا تھا۔

اس کمرے کی دیواروں پر سیاہ پینٹ کیا گیا تھا۔ ایک دیوار پر دو تصویریں آویزاں تھیں۔ ایک ڈیمین تھورن کی تھی۔ اور دوسری ایک جوان عورت کی۔ کمرے میں فرنیچر کے نام پر صرف ایک بیڈ تھا، ایک رائٹنگ ٹیبل اور ایک کرسی۔ دو بک شلیف تھے۔ ایک میں صرف بائبل کی تفاسیر تھیں اور دوسرے میں پورنوگرافی فحش کتابوں کا وہ خاصا بڑا ذخیرہ تھا۔ اُس نے آگے بڑھ کر کتابوں کو چھوا، ادھر اُدھر کیا پھر اُس نے میز پر رکھا ہوا پیپر ویٹ اٹھایا اور ڈیمین تھورن کی تصویر پر پھینکا۔ لیکن اس میں طاقت کہاں تھی ناطاقتی کی وجہ سے پیپر ویٹ دیوار تک پہنچنے سے پہلے ہی فرش پر گر گیا اور وہ ہانپنے لگی۔

خاصی دیر بعد اُس نے دیوار سے جوان عورت کی تصویر کو اتارا، لڑکھڑاتی ہوئی بیڈ کی طرف بڑھی اور اس پر ڈھیر ہو گئی اُس کا انداز زخم کھائے ہوئے کیڑے کا سا تھا۔

بستر پر لیٹ کر وہ تصویر کو بہت غور سے دیکھتی رہی۔ اُس کے باپ نے اُس کے گھر چھوڑ کر بھاگنے سے صرف چند ماہ پہلے اُس کی یہ تصویر کھینچی تھی۔ اب وہ یاد کر رہی تھی وہ کتنی تنہا، کتنی ڈرپوک اور سادہ لوح لڑکی تھی۔ مگر پھر اسے وہ دیوانہ لڑکا ملا، جو اپنا نام ہیلیل بتاتا تھا، اور اس کے بعد سب کچھ تبدیل ہو گیا۔ زندگی جیسے آتش فشار میں تبدیل ہو گئی......

ابتدا میں تو اُس نے ترغیبات کے خلاف زبردست مزاحمت کی تھی۔ لیکن پہلے گناہ کے بعد وہ بے حد پر جوش ہو گئی۔ اور بے راہ روؤں کے اس گروپ نے اسے اس لیے آسانی سے قبول کر لیا کہ وہ نرس تھی اور اُس کی رسائی منشیات تک تھی۔ وہ دیوانگی مہینوں تک چلتی رہی۔ اس عرصے میں دن اور رات کے درمیان تمیز کرنا بھی ممکن نہیں رہا تھا پھر ایک صبح وہ جاگی تو اسے ایسا لگا، جیسے اُس نے کوئی بے حد ڈراؤنا اور گھناؤنا خواب دیکھا تھا، لیکن وہ خواب نہیں تھا، حقیقت تھی۔ انہوں نے اسے کتے کے ساتھ مباشرت پر مجبور کیا تھا۔ اور ایسا سچ مچ ہوا تھا۔ کیونکہ جاگنے پر اُس نے دیکھا کہ اُس کی گردن پر کتے کی سوکھی ہوئی رال پپڑیوں کی صورت میں جمی ہوئی تھی۔ یہی نہیں، اس کی گردن پر سہ برگے کی شکل میں چھ کے تین ہندسے گدے ہوئے تھے......ایک اوپر اور اُس کے نیچے اُس سے ملحق دو۔ اور دیوار پر بائبل کا ایک اقتباس لکھا تھا......

وہ جو جانتا ہے، وہ سمجھ لے
کہ شیطان ا......عفریت کا ایک خاص عدد ہے
اور وہ عدد انسانی ہے
سو یاد رکھے کہ وہ عدد 666 ہے

اور وہ عدد اس کے جسم پر یوں کندہ ہوگیا تھا کہ اسے مٹانا ناممکن تھا۔ جلد کھرچنے پر پتا چلا کہ وہ تو اُس کے گوشت کی گہرائی میں اترا ہوا ہے۔ وہ خوف اور گھبراہٹ سے بے حال ہوگئی وہ اپنے والدین کے پاس گئی اور ان سے التجا کی کہ اسے معاف کر دیں۔ اُس کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا، جو کچھ اُس پر بیتی تھی، وہ سب کچھ تو انہیں بتانے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔ اُس نے انہیں بہت...... بہت تھوڑا بتایا۔ اُس کا بھی نتیجہ مخدوش نکلا۔ وہ شریف اور مہذب لوگ تھے۔ انہوں نے اُس سے منہ پھیر لیا۔ اسے معاف کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ اسے قبول کرنے کے بھی روادار نہیں تھے۔ چنانچہ اُس نے انہیں مکمل داستان سنا ڈالی۔ پھر وہ گھر سے نکل آئی۔

اب اُس کے سامنے بیلیل اور اُس کے دوستوں کے پاس جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ انہوں نے اسے خوش آمدید کہا۔ اور پھر بتایا کہ اب وہ شیطان کی پیروکار بن چکی ہے۔ اُس نے آنکھیں بند کیں اور گہری سرد آہ بھری۔ اسے یاد تھا کہ ڈیمین تھورن کے کہنے پر کس طرح اُس نے انکو بیٹر میں لیٹے ہوئے ایک شیر خوار بچے کو قتل کیا تھا۔ کتنا آسان تھا وہ کام۔ اس نے صرف ایک لمحے کے لیے آکسیجن کی سپلائی ہی تو منقطع کی تھی۔ اسے بچے کا نام بھی یاد تھا...... مائیکل تھامس، ایک ننھا سا بچہ جس کا وزن پہلی بار تھوڑا سا بڑھا تھا...... اور پھر اُس نے اُس سے سانس لینے کا حق چھین لیا تھا۔

اُس نے آہ بھری اور آنکھیں پھر بند کر لیں......

پادری کا کالر پہنے ہوئے چھوٹے قد کے اس آدمی کے پاس سے پودینے کی بو آ رہی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے اُس کی طرف جھکا۔ مسکرانے سے اُس کے دانت نمایاں ہوگئے تھے۔ اُس نے دیکھا، پادری کے ہاتھ میں ماچس تھی۔ اُس نے ماچس میں سے تیلی نکالی اور اسے اپنے ناخن سے رگڑ کر جلایا۔

وہ چھوٹی سی لڑکی تھی، بچپن کو پیچھے چھوڑ کر شباب کی سرحدوں میں قدم رکھتی لڑکی۔ وہ پادری کو قریب آتے دیکھتی رہی۔ اس کے والدین نے ہمیشہ اسے یہی کہا تھا کہ وہ پادری پر ایسے بھروسہ کرے جیسے ان پر کرتی ہے، کیونکہ وہ خدا کا سفیر ہے۔

جلتی ہوئی تیلی کی روشنی نے اُس کی آنکھوں کو چندھیا دیا۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ پودینے کی بو بہت قریب آ گئی۔ پادری کے ہونٹ اُس کے کان سے آملے۔ ”یہ اُس کی ہلکی...... بہت ہلکی جھلک ہے، جو گناہ کرنے پر تمہارے ساتھ ہوگا...... یہ بہت ہلکا سا ذائقہ چکھ لو......“

”وہ بہت زور سے چلائی۔ جلتی ہوئی تیلی کو اُس کے ہاتھ پر چپکا دیا گیا تھا۔

”خدا کا راستہ نہ چھوڑنا۔ ورنہ تمہاری روح بھی ایسے ہی جلے گی......“

وہ پھر چلائی اور اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ پادری کا چہرہ اُس کے چہرے پر پھڑ پھڑاتا معلوم ہو رہا تھا۔ اُس کے ہونٹ اُس کے رخسار کو چوم رہے تھے اور اُس کا ہاتھ اُس کے سینے پر تھا۔

”ابد تک کی اذیت، جہنم کی آگ! گوشت جلتا ہے، لیکن ختم نہیں ہوتا۔“

وہ گندے لجلجے ہاتھ اس کے جسم کو تھپتھپا رہے تھے۔ وہ پھر چلائی اور اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر اُس نے آنکھیں کھولیں تو اُس کے

سامنے ایک جوان لڑکا کھڑا تھا۔ اس نے اپنے اندر خود بخود جان لیا کہ وہ مائیکل تھامس ہے۔ اُسکے ہونٹوں پر درگزر کرنے والی مسکراہٹ تھی۔ اور اُس کے پیچھے کچھ دور ایک اور جوان تھا، جس کا چہرہ واضح نہیں تھا۔ وہ اُس کی طرف بڑھا۔ اُس نے اُس کا جلا ہوا ہاتھ تھاما اور اسے سہلاتے ہوئے اُسے تسلی دیتا رہا۔ ''خدا پر بھروسہ رکھو۔ اُس کی سلطنت میں اب بھی تمہارے لیے جگہ ہے......''

اُس کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے ڈیمین تھورن کی تصویر کو دیکھا۔ مگر اس فریم میں اب اس دھندلی صورت والے جوان کی تصویر تھی۔ خواب میں کہے ہوئے اُس کے الفاظ اُس کی سماعت میں گونجنے لگے۔ ''توبہ کرو۔ توبہ کی گنجائش ہمیشہ رہتی ہے۔''

وہ بہت کوشش کر کے بستر سے اُٹھی اور گرتی پڑتی میز کی طرف بڑھی۔ اُس نے رائٹنگ پیڈ اپنی طرف کھینچا اور قلم اٹھایا۔ قلم تھامے رکھنا اُس کے لیے آسان نہیں تھا۔ لکھتے ہوئے اسے تکلیف ہو رہی تھی۔ مگر اُس نے لکھا! مجھے معاف کر دے مقدس باپ کہ میں بہت گناہ گار ہوں......

وہ بغیر رکے دو گھنٹے تک لکھتی رہی۔ قلم کاغذ پر ایسے حرکت کرتا رہا، جیسے اُس کے اپنے اندر تحرک کی طاقت ہو۔

جب وہ لکھ چکی تو اُس نے ایک لفافہ اٹھایا، اور پھر ایڈریس بک کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ لفافے پر اُس نے لکھا...... فادر ڈی کارلو، خانقاہ سان بینڈیٹو، سوبیا کو، اٹلی......

کوئی ایسا نہیں تھا، جس کے سامنے وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرتی...... توبہ کرتی۔ وہ جانتی تھی کہ ایک فادر ڈی کارلو ہی ایسا ہے، جو اس کی بات سمجھ بھی سکے گا، اور اس پر یقین بھی کرے گا۔ ایک وہی تو ہے......

اُس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ صبح ہو رہی تھی۔ اُس نے فون کا ریسیور اٹھایا۔ اسے ٹیکسی منگوانی تھی۔

مشرق کی طرف سفر کرتے ہوئے وہ بچپن کی یادوں کو دہراتی رہی۔ پھر اُس نے سوچا، کیا فادر ڈی کارلو مجھے معاف کر دے گا؟ ممکن ہے، وہ سمجھے کہ یہ شرمندگی، یہ توبہ مایوسی کا ردِ عمل ہے...... جہنم کی ابدی آگ سے بچنے کے لیے انشورنس پالیسی!

اُس نے خط کو شال میں دبو چا ہوا تھا، اور اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ اپنے لیے رو رہی تھی...... اپنی ضائع کردہ گناہ گار زیست کے لیے رو رہی تھی وہ اس بچے کے لیے رو رہی تھی، جسے اُس نے قتل کر دیا۔ پھر وہ گھناؤنی پیدائش کے لیے روئی، جس میں اُس نے ہاتھ بٹایا تھا۔

''لیجیے، ہم پہنچ گئے۔'' ڈرائیور کی آواز اسے ماضی سے حال میں کھینچ لائی۔

اُس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ جہاں کبھی کانونٹ ہوا کرتا تھا، وہاں اب ایک آفس بلڈنگ تھی۔ اُس نے مایوس ہو کر سرد آہ بھری۔ بہر حال خوشی کی بات یہ تھی کہ وہاں لیٹر باکس موجود تھا۔

''میں پوسٹ کر دیتا ہوں آپ کا خط۔'' ٹیکسی ڈرائیور نے کہا۔

لیکن وہ دروازہ کھول کر اتری اور بیساکھیوں کے سہارے باکس کی طرف چل دی۔

''تمہاری مرضی۔'' ڈرائیور نے کہا۔

اُس نے خط لیٹر باکس میں ڈالا اور دوبارہ ٹیکسی میں جا بیٹھی۔ ''اب سیدھے چلو۔ آگے دوسری سڑک پر بائیں جانب موڑ لینا۔''

اب وہاں چرچ تو نہیں، البتہ اُس کے کھنڈرات موجود تھے۔ چھت کا تو نام و نشان بھی نہیں تھا۔ ٹوٹا پھوٹا ایک سائن بورڈ تھا، جس پر سینٹ لیوک لکھا تھا۔ یہ وہ جگہ تھی، جہاں اس کا بپتسمہ ہوا تھا اور...... اُس سے پہلے اس کے باپ، بلکہ دادا کا بھی......

یہاں وہ پھر ٹیکسی سے اتری اور فٹ پاتھ پر کھڑی ہوگئی۔ عمارت کو مسمار کیا جا رہا تھا۔ بڑے ہتھوڑوں کی ضربوں کی آواز پر اُس کا جسم لرز رہا تھا۔ کنسٹرکشن کمپنی نے وہاں ایک بورڈ لگا رکھا تھا...... خطرہ دور رہیے۔ اس عمارت کو گرایا جا رہا ہے......

''سب کچھ فانی ہے۔'' وہ بڑبڑائی۔ ''کچھ بھی تو نہیں بچتا۔''

پھر وہ چرچ کے ٹوٹے ہوئے دروازے کی طرف بڑھی۔ اسی کے نیچے سے جھک کر گزرتے ہوئے اُس کی ہڈیاں کڑکڑائیں۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائی تھی اور اونگھ رہا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی۔ دروازہ غائب تھا البتہ چوکھٹا موجود تھا۔ وہ اندر گھسی اور اُس نے گری ہوئی چھت کو دیکھا۔ ہتھوڑوں کی آوازوں سے بچنے کے لیے اُس نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے۔ ویسے پورا کھنڈر یوں لرز رہا تھا کہ لگتا تھا، ابھی ڈھیر ہو جائے گا۔ اسے اپنے پیروں کے نیچے فرش تک لرزتا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ جہاں چل رہی تھی، وہاں اطراف میں ٹوٹی ہوئی بنچیں پڑی تھیں۔ جن پر کبھی عبادت کے لیے آنے والے بیٹھتے ہوں گے۔ سامنے قربان گاہ تھی، جو اب بھی سلامت تھی۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھی۔ اڑتی ہوئی دھول آنکھوں میں کنکروں کی طرح چبھ رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ اُس نے پلکیں جھپکائیں۔ سامنے مسیح کا سنگی مجسمہ تھا، جسے وہ بچپن سے دیکھتی آئی تھی۔ وہ قربان گاہ سے متصل چبوترے پر ایستادہ تھا۔ وہ مجسمے کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگی۔

مسیح کے باریش چہرے پر سکون اور گہری طمانیت تھی۔ اُس کی نگاہ دور دیکھتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ دونوں ہاتھ سینے پر جڑے ہوئے تھے، جیسے وہ مصروفِ دعا ہوں۔

وہ مجسمے کے قدموں میں گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ اُس نے سر جھکایا اور خاموشی سی دعا کرنے لگی۔ دعا کے بھولے بسرے لفظ خود بہ خود اُس کے ہونٹوں پر آنے لگے۔ پھر اسے ایک مناجات یاد آئی۔ اُس نے سر اٹھایا اور مناجات گنگنانے لگی۔

ہتھوڑوں کی آواز بھی جیسے اُس کی گنگناہٹ سے ہم آہنگ ہوگئی۔ مجسمہ اچانک ہلنے لگا۔ گرد و غبار اٹھا اور مسیح کا چہرہ اُس میں چھپ گیا۔

وہ لڑکھڑاتی ہوئی اٹھی۔ اُس نے گردن پر ہاتھ پھیر کر محسوس کیا۔ شیطان کا عدد مٹ چکا تھا۔ اُس کی جلد پوری طرح سے ہموار ہو چکی تھی۔ وہ پھر سسکنے لگی لیکن اس بار اُس کی آنکھوں میں آنے والے آنسو خوشی کے تھے۔

''میں پاک کر دی گئی۔ مجھے شیطان کی گرفت سے آزادی مل گئی۔'' وہ خوشی سے بڑبڑائی۔

ہتھوڑوں کی دھمک سے اُس کے عقب میں موجود دیوار۔ اچانک ہی بیٹھ گئی۔ چبوترے پر مجسمہ آگے پیچھے جھول رہا تھا۔ اُس نے دونوں ہاتھ مجسمے کی جانب پھیلاتے ہوئے اسے پکارا۔ ''اے مالک، مجھے اپنی مملکت میں داخل فرما۔ مجھے قبول فرما۔''

آخری چیز جو اُس نے دیکھی، وہ مسیح کا مجسمہ تھا، جو اُس کے اوپر گر رہا تھا۔ نکیلی داڑھی اُس کی کھوپڑی کو چیر گئی۔ سنگی انگلیوں نے اُس کے استخوانی سینے کو چھید ڈالا۔ لیکن اُس کی آخری چیخ میں اذیت نہیں تھی۔ احساس فتح تھا۔

چند لمحے بعد انہدامی کام کرنے والے ایک مزدور نے اُس کی لاش دریافت کی۔ اسے ایسا لگا تھا کہ اُس نے کوئی چیخ سنی ہے۔ وہ چھان بین کی غرض سے گری ہوئی دیوار کی طرف آیا تو اُس نے اس عورت کو کرائسٹ کے مجسمے کے نیچے دبا پایا۔ عورت کے ہاتھ اور ٹانگیں مجسمے کے گرد لپٹی ہوئی تھیں۔ خون سے بھری اُس کی آنکھیں کرائسٹ کے کندھوں کے اوپر، کہیں دور دیکھتی محسوس ہو رہی تھیں۔ بے ہوش ہونے سے پہلے اسے ایسا لگا، جیسے وہ اسے دیکھ کر مسکرائی ہے۔

⁂

روم میں ایک ہوٹل کے کمرے میں فلپ برنین کو اُس کی سیکرٹری کی فون کال نے جگا دیا۔ اُس نے اپنے اوپر لدی ہوئی بیوی کو نرمی سے ایک طرف ہٹایا اور ریسیور اٹھایا۔ ''ایجنڈے میں راتوں رات ہونے والی تبدیلی؟'' اُس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ''ٹھیک ہے۔ تبدیل شدہ ایجنڈے کی کاپی کے ساتھ میرے لیے کافی بھی بھجوا دو میں آدھے گھنٹے میں نیچے آتا ہوں۔''

اُس نے ریسیور رکھا اور بیڈ سے اتر گیا۔ مارگریٹ بدستور سو رہی تھی۔ گزشتہ رات بے حد تھکا دینے والی تھی۔ گزشتہ کچھ عرصے سے ازدواجی زندگی کا جسمانی پہلو ظالمانہ حد تک متشدد روپ اختیار کر گیا تھا۔ مارگریٹ کو وہ اچھا لگتا تھا، اور خود وہ بھی ایک عجیب سی ہیجانی مسرت محسوس کرتا تھا۔ لیکن کبھی کبھی اسے خیال آتا کہ نرمی اور محبت بھری نزاکت کی بات ہی کچھ اور ہے۔

نہانے کے دوران شاور کی پھوار اُس کی پشت پر لگے تازہ ترین کھرونچوں پر لگی تو پلکیں جھپکا کر رہ گیا۔ جسم پر صابن لگاتے ہوئے اُسے

احساس ہوا کہ اُس کے سینے پر گوشت والے حصوں پر دانت سے کاٹنے کے نشان ہیں۔ اُس نے سوچا، روم کو تو رومان انگیز شہر کہا جاتا ہے۔ یہ مارگریٹ پر یہاں ایسی وحشت طاری کیوں ہوگئی ہے۔

وہ کپڑے تبدیل کر کے واش روم سے نکلا تو کافی اور کاغذات، دونوں موجود تھے، اُس نے کافی کے گھونٹ لیتے ہوئے کاغذات کا جائزہ لیا۔ تل ابیب سے موصول ہونے والی تازہ ترین انٹیلی جینس رپورٹ کارات موصول ہونے والی رپورٹ سے موازنہ خاصا دلچسپ تھا۔ رپورٹ کے مطابق گولان کی پہاڑیوں میں فوجی دستوں کی نقل وحرکت دیکھی گئی تھی۔ یہ ان نیوز بلیٹنز کے عین مطابق تھا، جو وہ بچپن سے اب تک سنتا آیا تھا۔ وہی الفاظ، انھی مقامات کے نام، لگتا تھا، کچھ بھی نہیں بدلا ہے۔ تبدیلی اگر آئی تھی تو وہ درجہ شدت کی تھی۔ 2015ء کے جوبلی اٹیک کے بعد کشیدگی بہت بڑھ گئی تھی۔ لیبیا کے پاس ایٹم بم کی موجودگی نے دنیا کو خوف میں مبتلا کر دیا تھا۔

فلپ برینن کو اس بات کی خوشی تھی کہ روم میں اُس کا کردار محض آبزرور کا تھا۔ دو دن تک اسے صرف سننا، دیکھنا اور رابطہ کرنا تھا اُس کی روم میں آمد پریس سے چھپی نہیں رہی تھی۔ اخباروں کی رائے یہ تھی کہ اسے کسی بڑے منصب کے لیے تیار کیا جا رہا ہے، اور یہ سب اُس کی سیاسی تربیت کا حصہ ہے۔ پریس والے اس سلسلے میں اکثر اُس سے بھی پوچھتے تھے، اور وہ ''نو کمنٹس'' کہہ کر ٹال جاتا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اسے خود بھی پوری طرح اپنی پوزیشن کا اندازہ نہیں تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے لیے کیا منصوبہ بندی کی گئی ہے۔ البتہ اپنی منصوبہ بندی سے وہ پوری طرح آگاہ تھا۔

کافی ختم کر کے اُس نے مارگریٹ کی پیشانی چومی اور کمرے سے نکل آیا۔ وہ بہت اچھا محسوس کر رہا تھا اور ایک نئے دن کے آغاز کے لیے پوری طرح تیار تھا۔

⁂
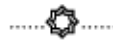
اس شام مذاکرات کرنے والے فریقوں نے ایک مشترکہ اعلامیہ جاری کیا، جس کے مطابق بے حد خوش گوار ماحول میں بے حد سود مند مذاکرات ہوئے، جو مستقبل کی طرف ایک اہم پیش رفت ہے۔

تجربہ کار مصرین نے دو صفحات پر مشتمل وہ مشترکہ اعلامیہ پڑھا اور دیر تک ہر زاویے سے اس پر غور و فکر کرتے رہے۔ بالآخر وہ متفقہ طور پر اس نتیجے پر پہنچے کہ درحقیقت کچھ بھی حاصل نہیں کیا گیا ہے ازلی رکاوٹ بدستور موجود تھی، اور اسے دور نہیں کیا جا سکا تھا۔ برسرِ پیکار فریقوں کے مذاکرات کی میز پر روبہ رو بیٹھنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ پی ایل او کے جوان شام اور لبنان میں عملی زندگی گزار چکے تھے ان کے نزدیک لفظ 'سمجھوتہ' بھی گالی سے کم نہیں تھا۔ جبکہ جوبلی حملوں کے بعد اسرائیلی پارلیمنٹ نہ کوئی بیرون دباؤ قبول کرنے پر آمادہ تھی اور نہ ہی کوئی مشورہ ان کے لیے قابل قبول تھا۔

ہمیشہ کی طرح شطرنج کی اصطلاح میں بازی زچ ہوگئی تھی۔ فلپ برینن نے کانفرنس روم اور کمیٹی روم میں کی جانے والی تقریریں سنی تھیں وہ تو اب یہ سوچ رہا تھا کہ کیا وہ سیکرٹری آف سٹیٹ بننے کی بھی اہلیت رکھتا ہے مسئلہ فلسطین کے حل کی طرف بنایا جانے والا ہر راستہ اندھی گلی میں جا کر ختم ہوتا تھا۔ جب بھی کوئی تجویز پیش کی جاتی تو دوسرا فریق اس کو غور و خوض کے مرحلے میں پہنچنے سے پہلے ہی مسترد کر دیتا۔

میٹنگ ختم ہوئی تو وہ متفکر سا لابی میں آیا۔ پہلے تو اسے احساس ہی نہیں ہوا کہ اُسکا نام لے کر اُسے پکارا گیا ہے۔ کسی نے اُس کی آستین

تھام کر جھٹکا دیا تو اُس نے چونک کر دیکھا۔ وہ چھوٹے قد کا دبلا پتلا آدمی ہاتھوں میں ایک مخملی پاؤچ لیے اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ ''سینور بریئن میرا نام فاچیٹی ہے میرا تعلق ہوٹل کی سیکورٹی سے ہے۔''

فلپ بریئن نے دھیرے سے سر ہلایا۔

''مجھے افسوس ہے سر کہ میں آپ کو ڈسٹرب کر رہا ہوں۔ لیکن ہمارے آفس میں ایک شخص ہے، جو آپ سے ملنا چاہتا ہے۔''

''تو آپ اس سلسلے میں میرے اسٹاف''

''وہ کہتا ہے کہ وہ راہب ہے۔ لیکن سر، وہ بہت دنیادار راہب معلوم ہوتا ہے۔ ہمیں اُس کے پاس سے یہ پاؤچ ملی ہے۔'' فاچیٹی نے پاؤچ اُس کی طرف بڑھائی۔''

فلپ بریئن نے پاؤچ لی اور اُسے کھول کر اُس میں سے خنجر نکالا۔ اُس کی سانسیں رکنے لگیں۔ اُس نے خنجر کو غور سے دیکھا۔ وہ بے حد خطرناک ہتھیار تھا۔ اُس کا پھل تکونی ساخت کا تھا۔ دستے کو صلیب پر مصلوب مسیح کی شکل میں تراشا گیا تھا۔

''وہ استقبالیہ ڈیسک پر گیا اور اُس نے کہا کہ اسے سیکورٹی اسٹاف سے ملنا ہے۔'' فاچیٹی نے کہا۔ ''انہوں نے اسے میرے ایک آدمی سے ملوایا راہب نے اُس سے کہا کہ وہ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ پھر اُس نے یہ پاؤچ بھی اسے دی۔ اُس کا کہنا تھا کہ اگر آپ سے ملواتے وقت اُس کی تلاشی لی جاتی اور اُس کے پاس سے یہ خنجر برآمد ہوتا تو اس سے غلط نتیجہ نکالا جاتا۔''

''یہ تو درست ہے۔'' فلپ نے خنجر کی دھار کو چھوا۔ اُس کے حلق سے ہلکی سے چیخ نکل گئی۔ انگلی پر باریک سے سرخ لکیر ابھر آئی تھی، جس میں اب خون بھر رہا تھا۔

''وہ اس خنجر کے بارے میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہے۔ عام حالات میں ہم آپ کو ہرگز زحمت نہ دیتے۔ لیکن......''

فلپ خنجر کے دستے پر ابھری مسیح کی شبیہ کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا جس کے چہرے پر اذیت مرتسم تھی۔ اس نے شبیہ کے مڑے تڑے جسم کو چھوا۔ اسے گڑبڑ کا احساس ہو رہا تھا۔ لیکن خنجر نے اسے مسحور کر لیا تھا۔ ''اسے اوپر بھیج دو۔ ٹھیک ہے'' اُس نے فاچیٹی سے کہا۔ ''اور اسے بتا دینا کہ میں اسے زیادہ وقت نہیں دے سکوں گا۔ اور ہاں، یہ خنجر تم اپنے پاس رکھنا۔ او کے؟''

اُس نے خنجر فاچیٹی کو تھما دیا اور خود ایلی ویٹرز کی طرف چل دیا۔ اپنے سوئٹ کی طرف بڑھتے ہوئے ایک نامعلوم اضطراب کے تحت وہ اپنے ہاتھوں کو باہم رگڑ رہا تھا۔ اُس کے ہاتھ پسینے میں نم ہو رہے تھے۔ اُس کے جسم میں ہلکی سی لرزش تھی۔ بچپن ہی سے وہ چاقوؤں اور خنجروں سے خوف زدہ رہا تھا۔ چاقو سے جلد اور پھر گوشت کٹنے کا تصور ہی اُس کو ہلا ڈالتا تھا۔ اُس تکلیف کا تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا، جو چاقو سے ہوتی، اور یہاں تو وہ دوسرا معاملہ بھی تھا۔ صلیب مصلوب! اس کا جسم پھر لرزا۔ وہ ہمیشہ سوچتا، یہی وجہ ہے کہ مسیح کے کچھ ماننے والے عجوبہ ہوتے ہیں۔ خود اس کے اپنے نزدیک محض ایک روایت تھی۔ آبا و اجداد کی روایت، جسے زندہ رکھنا ضروری تھا۔ اُس کے نزدیک مذہب ہفتے میں ایک دن پریکٹس کرنے کی چیز تھا۔ اُس نے کبھی گہرائی میں جا کر مذہب کی روح کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس اکیسویں صدی میں اس کی ضرورت بھی نہیں رہی تھی۔

مارگریٹ کمرے میں موجود نہیں تھی۔ وہ رقعہ چھوڑ گئی تھی، جس میں لکھا تھا کہ وہ ڈنر سے پہلے واپس آجائے گی۔ اُس کی میز پر کچھ ٹیلیکس رکھے تھے۔ وہ انہیں پڑھ ہی رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

اُس نے دروازہ کھولا۔ دروازے پر وہی سیکورٹی والا، فاچیٹی موجود تھا۔ اُس کے ساتھ براؤن چوغہ اور سینڈل پہنے ایک جوان آدمی تھا۔ اُس کے خوب صورت چہرے پر لڑکپن تھا، لیکن چہرے پر تاثر تشویش کا تھا، جس کی وجہ سے وہ اپنی عمر سے بڑا لگ رہا تھا اور تھکا ہوا بھی لگ رہا تھا۔

فلپ نے ایک طرف ہٹ کر راہب کو اندر آنے کا راستہ دیا اور فاچیٹی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ''اب تم جاؤ۔''

فاچیٹی جس کا کام لوگوں کو تحفظ فراہم کرنا تھا، کچھ متوحش دکھائی دے رہا تھا۔

''میری طرف سے پریشان نہ ہو۔ ایسی کوئی بات نہیں۔'' فلپ نے اسے دلاسہ دیا۔

راہب نے مسکرانے کی کوشش کی، جو ناکام رہی۔ اُس کے نتیجے میں وہ اور پریشان لگنے لگا۔ ''میرا نام برادر فرانسس ہے۔'' اُس نے صاف اور رواں انگریزی میں کہا ''میں سوبیاکو سے آیا ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے مجھے ملاقات کا موقع دیا۔''

''میں تمہیں زیادہ وقت نہیں دے سکوں گا۔'' فلپ نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''میں جو کہوں گا، اس پر یقین کرنا آپ کے لیے آسان نہیں ہوگا۔'' راہب نے کہا۔'' مجھے ذرا بھی توقع نہیں کہ آپ مجھ پر یقین کریں گے۔ مجھے فادر ڈی کارلو نامی پادری نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ آپ یہاں روم میں کب تک ہیں؟''

''میں کل واپس جا رہا ہوں۔''

''میں آپ سے التجا کروں گا کہ آپ چند گھنٹوں کے لیے اپنی روانگی موخر کر دیں اور میرے ساتھ چلیں۔ میرے استاد فادر ڈی کارلو کا شاید آپ نے نام سنا ہو۔'' یہ کہتے ہوئے راہب کا لہجہ التجائیہ ہو گیا۔

''نہیں۔ میں نے تو یہ نام کبھی نہیں سنا......''

''فادر ڈی کارلو خود سفر کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ وہ بہت بوڑھے اور کمزور ہو چکے ہیں اگر میں آپ سے کہوں کہ آپ کو فادر ڈی کارلو کی مدد کرنی چاہیے، کیونکہ اس پر انسانیت کے مستقبل کا انحصار ہے تو آپ مجھے...... وہ کیا لفظ ہے...... کیا کہتے ہیں......''

''سنسنی خیز...... ڈرامائی......''

''جی ہاں۔ بلکہ آپ مجھے پاگل سمجھیں گے۔ فی الوقت میں صرف اتنا چاہوں گا کہ آپ یہ خط پڑھ لیں۔ آپ شاید اسے ایک پاگل عورت کی دیوانگی کا ثبوت سمجھیں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔''

فلپ برینن کی عقل کا کہنا تھا کہ وہ اس راہب کو کمرے سے نکال دے اور اسے ہمیشہ کے لیے بھول جائے۔ اسے اُس کو یہاں بلانا ہی نہیں چاہیے تھا۔ لیکن اس راہب نے اسے متاثر کیا تھا۔ اُس نے اپنی بات جس انداز میں کہی تھی۔ اس نے تنقید کا باب خود ہی بند کر دیا تھا۔

''آپ مذہبی آدمی ہیں مسٹر برینن؟'' راہب نے پوچھا۔

''ہفتے میں ایک دن میں مذہبی آتا ہوں...... صرف اتوار کے اتوار'' فلپ برینن نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

''آپ پروٹسٹنٹ ہیں؟''

''جی ہاں''

''میں آپ کو کچھ سناتا ہوں۔'' راہب نے کہا اور دعا کے انداز میں اپنے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔ ''جب تم دیکھو کہ یروشلم فوجوں سے بھر گیا ہے تو سمجھ لینا کہ تباہی قریب آ پہنچی ہے۔ کیونکہ وہ خدا کے قہر کا عرصہ ہوگا۔ اور سمجھ لینا کہ جو کتابوں میں لکھا ہے، وہ حرف بہ حرف پورا ہونے کا وقت آ پہنچا ہے۔'' راہب نے ایک لمحہ توقف کیا اور پھر بولا۔ ''یہ سینٹ لیوک میں لکھا ہے۔''

فلپ نے اپنی گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ ''دیکھو، میرا خیال ہے کہ وقت......'' وہ سوچ رہا تھا کہ اُس نے جو کچھ سن لیا، کافی ہے وہ سوچ رہا تھا کہ شروع میں یہ خوشامد کرے گا اور میں اخلاق سے کام لوں گا لیکن پھر اس کا اصرار مجھے بداخلاق بنا دے گا۔ ''اب میں تمہیں مزید وقت نہیں دے سکتا۔''

راہب بھی اُس کے ساتھ ہی اٹھا۔ وہ الٹے قدموں دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ''یہ الفاظ سن لیجیے۔ ممکن نہیں، یہ آپ کو پاگل پن لگے۔ میں آپ کو بتاؤں، 18 سال پہلے فادر ڈی کارلو انگلینڈ گئے تھے۔ وہاں انہوں نے نومولود مسیح موعود کو دیکھا تھا۔ اور انہوں نے شیطان کے بیٹے کے جسمانی روپ کو......اُس کے جسد کو ختم کر دیا تھا۔''

فلپ کے ہونٹوں پر تھکی تھکی مسکراہٹ ابھری۔ اُس نے جوان راہب کا ہاتھ تھاما اور اسے دروازے کی طرف لے چلا۔

''لیکن اینٹی کرائسٹ......دجال کی روح اب بھی موجود ہے مسٹر برینن۔ صرف یہ خنجر اسے ختم کر سکتا ہے۔''

''میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ یہ خط پڑھ لیں۔ خدا کے لیے......خدا کے نام پر اپنی مذہب سے دوری، اپنی مذہب پر بے اعتباری سے چھٹکارا پا لیں میں کل آپ کو فون کروں گا۔''

''فاچیٹی۔'' فلپ نے بلند آواز میں پکارا۔

اور فاچیٹی لپکتے قدموں کے ساتھ آیا۔ اُس نے راہب کو پکڑا اور اسے دھکیلتے ہوئے کمرے سے باہر لایا۔

''گڈ بائی برادر فرانسس۔'' فلپ نے کہا۔

''شیطان کا نطفہ اب بھی موجود ہے مسٹر برینن۔ اسے تباہ کرنا نہایت ضروری ہے۔''

فلپ مسکرایا اور اُس نے دروازہ بند کر لیا۔ دروازے کا لاک سیٹ ہونے کی آواز بہت واضح تھی۔

بند دروازے کے اُس طرف سے اسے راہب کی دور ہوتی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''خدا پر اپنے ایمان کو پھر سے تازہ کرو مسٹر برینن۔ گمراہی ختم کرو مسٹر......''

اگلے ایک گھنٹے کے دوران فلپ برینن ٹیلی فون پر مصروف رہا۔ اس طرف سے فارغ ہونے کے بعد اُس نے کرسی پر پیٹھ ٹکائی اور وہ لفافہ اٹھا لیا۔ ایک جماہی لیتے ہوئے اُس نے لفافے کو چاک کیا اور کاغذات نکالے۔ وہ فوٹو اسٹیٹ کیے ہوئے چھ صفحات تھے۔ کیمیکلز کی بو ناگوار لگی اُس نے ناک سکیڑی۔ نجانے کیوں، فوٹو اسٹیٹ کاغذات سے جو بو آتی تھی، وہ اُس کے تصور میں حنوط شدہ لاش کا تصور ابھارتی تھی۔

اُن صفحات کے ساتھ ایک رقعہ بھی تھا۔ لکھا تھا......

اس عورت نے جو کچھ بھی لکھا ہے، وہ لفظ بہ لفظ سچ ہے۔ خدا ہم پر رحم فرمائے۔ میری التجا ہے کہ آپ فوراً آ کر مجھ سے ملیں۔

فادر ڈی کارلو، سوبیا کو

اُس نے خط کے صفحات کو میز پر پھیلایا اور مسکرا دیا۔ اس طرح کے خطوط سے اُسکا سابقہ پہلے بھی بارہا پڑ چکا تھا۔ اس کے معاونین ایسے خطوں کے لکھنے والوں کو دونوں بھنچی ہوئی مٹھیوں والے، کہتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے، جن کے تخیل بہت زرخیز تھے۔ لیکن وہ اپنی اس خداداد صلاحیت سے عملاً استفادہ نہیں کر پاتے تھے۔ تو وہ گھٹی ہوئی تشنہ کام صلاحیت عجیب عجیب کرشمے دکھاتی تھی۔ اُڑن طشتریاں ایسے میں لوگوں کو نظر آتی ہیں۔ یہی لوگ ہوتے ہیں، جو طرح طرح کی سازشوں کا انکشاف کرتے ہیں۔ ایسے لوگ کسی بھی بڑے، مشہور یا اہم آمی کو ڈرانے کے لیے بڑی سنجیدگی سے کوئی خط لکھتے ہیں، ایسے خطوں کے مندرجات پر ان لوگوں کا پورا یقین ہوتا ہے۔ اپنی حد تک وہ صرف اور صرف سچ بول رہے ہوتے ہیں۔

اُسے ایسے جتنے بھی خط موصول ہوتے تھے، ان کی چھان بین اُس کا اسٹاف کیا کرتا تھا۔ لیکن اس خط کا معاملہ مختلف تھا۔ وہ ذاتی طور پر اس کے ہاتھ میں دیا گیا تھا۔ وہ اُسے خود ہی پڑھنا تھا۔

اُس نے خط پڑھنا شروع کیا......

مجھے معاف کر دے مقدس باپ کہ میں بہت گناہ گار ہوں......

فلپ برینن نے پہلا صفحہ پڑھا۔ پھر سر جھٹکا اور اسکاچ کی بوتل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ''جیزز کرائسٹ آل مائٹی۔'' اُس نے کہا، اور پھر زور زور سے ہنسنے لگا۔

.......۞.......

اُس رات فلپ برینن نے ایک برٹش صحافی کی ڈنر کی دعوت قبول کر لی تھی۔ دراز قامت اور وجیہ جیمز رچرڈ فلیٹ اسٹریٹ کا سینیئر ڈپلومیٹک نامہ نگار تھا۔ اُس کا لہجہ اُس کی آکسفورڈ کی تعلیم کی نشان دہی کرتا تھا۔ لباس کے معاملے میں بھی وہ روایتی تھا۔ کوٹ وہ ہمیشہ پہنتا تھا، اور کوٹ کے کاج میں کارنیشن بھی ہمیشہ موجود رہتا تھا۔ وہ بڑا اصول پسند تھا اور اپنے اصولوں سے کبھی انحراف نہیں کرتا تھا۔ اس کے اہم ترین اصولوں میں سے ایک اصول یہ بھی تھا کہ آف دی ریکارڈ گفتگو ہر حال میں آف دی ریکارڈ ہی رہے گی۔ اس اصول کی پاس داری نے اور رازداری کے احترام نے سیاست دانوں کے درمیان اُس کی بہت زبردست ساکھ بنا دی تھی۔ اُس پر اندھا دھند اعتماد کیا جاتا تھا۔ لیکن اس کے نتیجے میں اُس کے ساتھی صحافی اسے ناپسند کرتے تھے۔

انہوں نے ہوٹل کے ریسٹورنٹ میں کھانا کھایا۔ ہال میں موجود تمام نظریں بار بار مارگریٹ کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ وہ تھی ہی ایسی...... دراز قد، پرشباب، وہ سادہ سیاہ لباس میں بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ فلپ برینن کو اس پر فخر تھا کہ وہ اس کی بیوی ہے۔ بات صرف حسن وشباب کی ہی نہیں تھی۔ مارگریٹ بے حد خوش اطوار تھی۔ اسے آدابِ محفل خوب آتے تھے۔

فلپ جانتا تھا کہ مارگریٹ رچرڈ کو لبھائے گی ضرور۔ لیکن فلرٹ ہرگز نہیں کرے گی۔ اور جب وہ اکیلے ہوں گے تو وہ اس سے کہے گی...... یہ بات مستقبل کی خاتونِ اول کے شایانِ شان نہیں کہ وہ لوگوں سے فلرٹ کرے۔ میں ہمیشہ ایسا طرزِ عمل اختیار کرتی ہوں، جو ایک خاتون اول کے لیے مناسب ہو۔ اور وہ ہنسے گا، جیسے یہ مذاق ہو۔ لیکن چند لمحے بعد اسے اندازہ ہوگا کہ وہ سنجیدگی سے کہہ رہی ہے۔

وہ مختلف موضوعات پر باتیں کرتے رہے، اسپورٹس پر، سیاست پر اور افواہوں پر، زیادہ بات رچرڈ ہی کر رہا تھا۔ اس میں چھوٹے چھوٹے واقعات کو بڑی خبریں بنا کر سنانے کی زبردست صلاحیت تھی، وہ پیدائشی طور پر صحافی تھا۔ اُس کی باتیں سننے میں فلپ کو لطف آ رہا تھا۔

جب وہ برانڈی کے مرحلے پر پہنچے تو رچرڈ نے کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگائی اور اچانک ہی سوال کیا۔ ”میں نے سنا ہے کہ آج تمہارے پاس ایک وزٹر آیا تھا...... کوئی راہب۔“ اُس کے لہجے میں تمسخر تھا۔

فلپ نے اقرار میں سر ہلایا۔ اس بات پر اسے حیرت نہیں ہوئی کہ رچرڈ کو راہب کے بارے میں معلوم تھا۔ رچرڈ کو بہت کچھ تو چھونے سے پہلے ہی معلوم ہو جایا کرتا تھا۔ ”وہ ایک جوان آدمی تھا، جو کسی خانقاہ سے آیا تھا۔“ اُس نے کہا۔ ”کس حد تک کھسکا ہوا لگتا تھا۔“

”سلسلہ کیا تھا؟“

فلپ اسے خنجر کے بارے میں بتانے لگا۔ بتاتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ اسے پسینہ آ رہا ہے۔

”وہ چاہتا کیا تھا آخر؟“ رچرڈ نے پوچھا۔

فلپ برینن نے کندھے جھٹک دیے۔ ”میں تفصیل سے تو نہیں بتاؤں گا۔ بہرحال اہم اطلاعات یہ ہیں کہ شیطان کا بیٹا نہ صرف زندہ ہے۔ بلکہ بخیر و عافیت ہے اور لندن میں مقیم ہے۔“

”مائی گاڈ“ رچرڈ نے کہا اور ہنسنے لگا۔

''کسی بوڑھی عورت نے خانقاہ کو ایک حیران کن کہانی لکھ کر پوسٹ کی، جو میں یہاں کھانے پر ہرگز دہرانا نہیں چاہتا۔''

''نخرے نہ کرو۔ سناؤ نا۔'' رچرڈ نے اصرار کیا۔'میں یہ کہانی نیشنل انکوائرری طرف بڑھا دوں گا۔''

''تم ایسا نہیں کرو گے۔'' مارگریٹ نے پہلی بار دخل اندازی کی۔

رچرڈ نے مسکرا کر اسے دیکھا۔'' ٹھیک ہے، نہیں کروں گا۔ یہ سب کچھ آف دی ریکارڈ ہے۔ شیطان کے بیٹے کی کہانی تو آف دی ریکارڈ نہیں ہوسکتی ہے۔''

ویٹران لوگوں کے لیے کافی لے آیا۔

''تیرا خیال ہے، اب موضوع تبدیل کیا جائے۔'' مارگریٹ نے کہا۔

چنانچہ موضوع تبدیل ہو گیا۔

ایک گھنٹے بعد جب وہ دونوں بیڈ میں تھے، تو مارگریٹ نے اپنے شوہر کی طرف کروٹ بدلی۔'' وہ کہانی کیا تھی، جو تم ڈنر کے دوران دھرانا نہیں چاہتے تھے؟'' اُس نے فلپ سے پوچھا۔

''ارے...... خرافات کوئی دہرانے کے لیے ہوتی ہیں؟'' فلپ نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔

''نہیں...... مجھے سناؤ۔''

اُس کی آواز میں بے تابی تھی۔ یہ لہجہ وہ خوب پہنچانتا تھا۔ شادی کے ابتدائی عرصے میں وہ اسے ناقابل یقین کہانیاں گھڑ کر سناتا تھا۔ ان سے وہ ہیجانی کیفیات سے دوچار ہو جاتی تھی۔ لیکن پچھلے کچھ عرصے سے یہ کام مارگریٹ نے سنبھال لیا تھا۔ اور اُس کے تخیل کی پرواز پر وہ صرف حیران ہی ہوسکتا تھا۔

''چلو نا...... سناؤ مجھے۔''

اُس کا جی چاہا کہ مارگریٹ سے کہے...... جانم، آج مجھے ایک اچھی نیند کی ضرورت ہے، میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ لیکن اُس نے کوشش کر کے خود کو یہ کہنے سے باز رکھا۔

مارگریٹ اب اُس کے سینے پر ناک رگڑ رہی تھی۔

''یہ بے حد نفرت انگیز کہانی ہے۔'' فلپ نے کہا۔'' اس عورت کے کہنے کے مطابق میرے ایک پیش رو ڈیمین تھورن نے بی بی سی میں کام کرنے والی ایک انگریز لڑکی سے تعلق قائم کیا۔ تم یقین کر سکتی ہو اس پر؟''

''اور؟''

''اور چند ماہ بعد ہارٹ اٹیک کی وجہ سے ڈیمین تھورن کی موت واقع ہو گئی۔ اور اس کے چند ماہ بعد اُس عورت نے ایک بچے کو جنم دیا۔ لیکن وہ نارمل پیدائش نہیں تھی۔ بچہ رحم میں نہیں تھا۔ اب میں کیسے بتاؤں۔ گھناؤنی اور ناقابل یقین بات ہے۔ غیر فطری تعلق کے نتیجے میں بچے

پیدا نہیں ہوتے۔ سمجھ رہی ہو نا؟''

فلپ کو امید تھی کہ یا تو وہ ہنسے گی، مذاق اڑائے گی، یا پھر اس بات پر نفرت کا اظہار کرے گی۔ لیکن مارگریٹ کا ردعمل خاموشی کا تھا۔ پھر ذرا دیر بعد اُس نے سرگوشی میں کہا۔ ''میں نے ڈیمین تھورن سے زیادہ وجیہہ اور خوب رو مرد آج تک نہیں دیکھا۔''

فلپ نے اُسے بہت غور سے دیکھا۔ ''تم اس سے مل چکی ہو؟ یہ بات مجھے معلوم نہیں تھی۔''

''نہیں، میں اس سے کبھی نہیں ملی۔ میں نے اُس کی تصویریں دیکھی ہیں۔ جن دنوں میں اسکول میں پڑھتی تھی، اُس کی قربت کے خواب دیکھا کرتی تھی۔''

'' کچھ دیر کے لیے پھر خاموشی چھاگئی۔ مارگریٹ نے کروٹ بدلی اور اُس کی طرف پیٹھ کرلی۔

فلپ سوچتا رہا۔ مارگریٹ کا ردعمل اُس کی توقع کے برعکس تھا۔

اُس عورت کا نام کیا تھا؟'' اچانک مارگریٹ نے پوچھا۔

''کیٹ۔'' فلپ نے کہا۔ ''کیٹ...... نام کا دوسرا حصہ مجھے یاد نہیں آرہا ہے۔''

''کیٹ۔'' مارگریٹ نے سرگوشی میں کہا۔ ''کیتھلین، کیتھی، کیٹرین۔'' اُس کی آواز اب بہ مشکل سنی جارہی تھی۔ اور اُس کا لہجہ اب خالص انگریزوں والا تھا۔ ''کیٹم! سنو فلپ، تم مجھے کیٹ کہہ کر پکارو۔''

فلپ اُس کی طرف مڑا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ ''تمہارا نام کیا ہے؟'' اُس نے بھی سرگوشی میں پوچھا۔

''کیٹ۔'' مارگریٹ نے جواب دیا۔ پھر وہ پیٹ کے بل لیٹ گئی۔

کھڑکی کے شیشے سے باہر کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہیں تھا۔ ستارے جگمگا رہے تھے۔ اور کھڑکی کے تاروں جڑے شیشے میں ان دونوں کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔

ان کی محبت میں جوش اور ہیجان کے ساتھ نیا پن بھی تھا۔ وہ بدلی ہوئی آوازوں، بدلے ہوئے لہجوں میں ایک دوسرے کو بدلے ہوئے ناموں سے پکار رہے تھے۔ وہ اسے کیٹ کہہ رہا تھا اور وہ اسے ڈیمین کہہ کر پکار رہی تھی۔ شاید ستاروں کی روشنی تھی یا اس نئے پن کا سحر، فلپ کو مارگریٹ کی آنکھیں زرد لگ رہی تھیں۔ زرد چمکیلی آنکھیں!

......❁......

اگلی صبح ہوٹل کے استقبالیہ پر کلرک نے سر اٹھا چوغہ پہنے ہوئے اس جوان آدمی کو دیکھا، جو التجائیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ''میرا نام برادر فرانسس ہے......'' اُس نے بات شروع کی۔

''ارے ہاں...... تمہارے لیے ایک پیکٹ رکھوایا گیا ہے میرے پاس۔'' کلرک نے کہا اور کاؤنٹر کے نیچے سے مخملی پاؤچ اور ایک لفافہ برآمد کیا۔ لفافے کو ٹیپ چپکا کر بند کیا گیا تھا۔ اُس نے دونوں چیزیں راہب کی طرف بڑھا دیں۔

راہب نے ٹیپ ہٹایا اور لفافے کے اندر جھانکا پھر اُس نے سرد آہ بھری۔ ''آپ مسٹر فلپ برین سے میری بات کرا سکتے ہیں؟'' اُس نے کلرک سے کہا۔ ''ان کے سوئٹ کا نمبر تھری فور......''

''سوری سر۔ وہ تو واپس چلے گئے۔'' کلرک نے کہا۔

''انہوں نے میرے لیے کوئی پیغام چھوڑا ہے؟''

''نہیں جناب۔ بس انہوں نے یہ دونوں چیزیں دی تھیں آپ کے لیے۔''

راہب نے آنکھیں بند کر لیں وہ آنسو روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ فادر ڈی کارلو کو کیسے یہ خبر سنائے گا۔ کس منہ سے اسے بتائے گا کہ وہ اُس کے لیے مایوسی کے سوا کچھ نہیں لا سکا ہے۔

تین دن تک تو جیمز رچرڈ نے کسی سے کچھ نہیں کہا۔ مگر پھر ایک صبح اُس نے اخبار کے ایک ایگزیکٹو کو فلپ برین کے پاس ملنے کے لیے آنے والے راہب کی کہانی سنا دی۔ اس وقت وہ اس روز کا پہلا ڈرنک لے رہے تھے۔

ایگزیکٹو ہنسنے لگا۔ جیمز رچرڈ نے بھی اُس کا ساتھ دیا۔

لیکن خنجر کے تذکر پر ایگزیکٹو کے دماغ میں کوئی بھولی بسری یاد سر سرانے لگی۔ اُس وقت تو اُس نے اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی لیکن اپنے آفس میں پہنچ کر اُس نے ایک نوجوان خاتون رپورٹر کو طلب کر لیا۔

چند لمحے بعد دروازے پر دستک ہوئی اور دروازہ کھلا۔ اُس انگلی ہلا کر اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

کیرول ہاٹ کی عمر بائیس سال تھی۔ فلیٹ اسٹریٹ میں کام کرتے ہوئے اسے صرف دو ماہ ہوئے تھے۔ لیکن اتنے مختصر سے عرصے میں بھی اس نے خاصا نام بنا لیا تھا۔ ایک تو وہ قدرتی حسن سے مالا مال تھی۔ وہ بے حد نازک لڑکی تھی۔ نزاکت اُس کے جسم میں بھی تھی اور چہرے کے نقوش میں بھی۔ صراحی دار گردن، بڑی بڑی شہد رنگ آنکھیں اور چہرے پر معصومیت، جس سے دیکھنے والے کو خواہ مخواہ اُس سے ہمدردی محسوس ہونے لگتی تھی، جیسے وہ بے بس اور لاچار ہو اور اسے سہارے کی ضرورت ہو۔ بہر حال اُس کا حسن ایسا تھا کہ مرد اُس کی طرف کھنچتے تھے اور عورتیں اُس سے چڑتی تھیں۔

لیکن اخبار کے تمام لوگ بلا تفریق جنس اس بات پر متفق تھے کہ اخبار کے لیے وہ ایک گراں قدر اضافہ ہے۔

کیرول نے اخبار کے ذمہ داروں پر ثابت کر دیا تھا کہ دیکھنے میں کیسی ہی بے چاری کیوں نہ لگتی ہو، اس کا دماغ بہت تیز کام کرتا ہے، اور اس میں آگے بڑھنے کی لگن بھی بہت شدید ہے۔

یوں اسے اخبار کی مستقبل کی ایگزیکٹو قرار دیا جانے لگا تھا۔

کیرول نے اب تک صرف ایک کمزوری کا مظاہرہ کیا تھا۔ بار میں اُس کے منہ سے کہیں یہ نکل گیا تھا کہ اسکول کے زمانے میں اُس کے

کلاس فیلوز نے اُس کا نام باسی رکھا تھا۔ بس اُس کے بعد وہ اس نام سے پکاری جانے لگی۔

کیرول نے اپنے عقب میں دروازہ بند کیا اور مسکراتی ہوئی آگے بڑھی۔ ''کیا بات ہے بل؟ کوئی کام؟''

''یہ موسم گرما ہے۔'' بل نے کہا۔

''درست۔''

اُس کا مطلب ہے کہ ہمیں آگے کے لیے بھی کچھ کام کرنا چاہیے۔''

کیرول نے بمشکل اپنی مسکراہٹ چھپائی۔ ''شہد کی مکھیوں کی طرح شہد جمع کر کے رکھیں۔ تا کہ برسات میں کام آئے۔''

''ابھی میں رچرڈ سے بات کر رہا تھا۔ اُس نے مجھے ایک کہانی سنائی......''

''جو کہ یقیناً کوئی عام کہانی نہیں ہوگی۔'' کیرول نے ٹکڑا لگایا۔

''سن لو۔ یہ کوئی پندرہ بیس سال پرانی بات ہے۔'' بل نے کہا۔ ''......لاشوں کا ایک سلسلہ چلا، جس میں خطرناک خنجر استعمال کیے گئے تھے اور ان خنجروں کی مذہبی اہمیت تھی۔ سکاٹ لینڈ یارڈ والوں کو ان کیسز نے بہت پریشان کیا تھا۔ تم پرانے اخباری تراشوں میں اس سلسلے کو تلاش کرو۔ میرا خیال ہے، ان اموات کو صلیبی اموات کا نام دیا گیا تھا۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، کافی عرصے تک سنسنی پھیلی رہی تھی۔ ابتدا میں ایسا کرو کہ 800 الفاظ پر مشتمل اسٹوری بناؤ۔ اسے ہم ان کیسز کے ذیل میں چھاپیں گے، جو ابھی تک حل نہیں ہو سکے ہیں۔''

''گڑے مردے......''

لیکن بل نے کرسی کو گھمایا اور سامنے رکھے ہوئے پروف کی طرف متوجہ ہو گیا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ ملاقات ختم ہوئی۔

لائبریری کی طرف جاتے ہوئے کیرول دل ہی دل میں کڑھتی رہی۔ کوئی تازہ اور اہم کام دینے کے بجائے اسے گڑے مردے اکھیڑنے کے کام پر لگایا جا رہا تھا۔ ''یہ منحوس تراشے! ارے یہ کوئی اخبار ہے......'' وہ بڑبڑا رہی تھی۔

اُس کا خیال تھا کہ جو کام اُس سے لیا جا رہا ہے، وہ کبھی چھپے گا ہی نہیں۔ بل موسم برسات کے لیے، جب کام کم ہو جاتا ہے، کام جمع کر رہا تھا...... اپنے لیے! لیکن ابھی وہ اتنی جونیئر تھی کہ احتجاج بھی نہیں کر سکتی تھی۔

اُس نے تراشوں کو اکٹھا کیا، اُن کی گڈی بنائی اور اپنی سیٹ پر چلی آئی۔ تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد اسے اس ڈھیر میں اپنے مطلب کی کوئی چیز نظر آئی۔ کچھ تراشے تو اتنے پرانے تھے کہ لگتا تھا، ہاتھ کے لمس سے بکھر جائیں گے۔

اُس کی انگلیوں پر چھٹتی ہوئی روشنائی سے دھبے پڑ گئے۔ وہ منہ بنائے بیٹھی رہی۔ اسے لگ رہا تھا کہ قتل کی ان پرانی وارداتوں کے خون سے اُس کے ہاتھ لتھڑ رہے ہیں۔

پھر وہ مسکرائی۔ اسے ایسا لگا کہ برسوں پہلے کسی نے اُس کی خاطر محنت کی تھی...... اُس کے لیے...... اسے فائدہ پہنچانے کے لیے۔ دو صفحوں پر پھیلی ہوئی اس کہانی کا عنوان تھا:

ایک الم ناک سلسلہ

کیا تھورن فیملی کو کسی کی بددعا ہے؟

وہ اخبار میں چھپی ہوئی اس خنجر کی تصویر کو سحر زدہ سی دیکھے جا رہی تھی۔ خنجر کے دستے کو صلیب کی شکل میں تراشا گیا تھا۔ اور صلیب پر مصلوب مسیح بھی تھے۔

وہ مسکرائی اور اُس نے ہاتھ بڑھا کر اپنا قلم اُٹھا لیا......

اس مضمون کا بڑا حصہ اُس کے نکتہ نظر سے غیر اہم اور غیر متعلق تھا۔ لکھنے والے کی پوری توجہ تھورن فیملی پر تھی۔ لیکن جیسے جیسے وہ پڑھتی گئی، مضمون میں اُس کی دلچسپی بڑھتی گئی۔

کل ڈیمین تھورن کی ناوقت موت کے ساتھ ہی تھورن خاندان کی الم ناک داستان کا آخری باب بھی مکمل ہو گیا۔ 32 سالہ ڈیمین تھورن برطانیہ میں امریکا کا سب سے کم عمر سفیر تھا۔ تھورن خاندان امریکا کا ایک بے حد طاقت ور اور بااثر خاندان تھا۔ دنیا کی ہر نعمت انکی دست رس میں تھی۔ لیکن اس خاندان کے بیٹوں کو شاید کسی کی بددعا تھی کہ ان میں سے ہر ایک بھرپور عمر طبیعی گزارے بغیر غیر فطری موت سے ہم کنار ہوا۔

لیکن ڈیمین تھورن اپنے بستر میں ہارٹ اٹیک کے نتیجے میں مرا۔ یہ اپنی جگہ ایک غیر معمولی بات تھی۔

کیرول نے تھورن فیملی کے لوگوں کی تصویر پر نظر ڈالی۔ ہر تصویر کے نیچے ایک کیپشن موجود تھا۔ رابرٹ تھورن، ڈیمین تھوران کا باپ، اسے لندن چرچ کی سیڑھیوں پر شوٹ کیا گیا۔ اُس کی ماں کیتھرین پہلے حادثاتی طور پر ہیری فورڈ میں تھورن کی اقامت گاہ میں دوسری منزل سے گری، جس کے نتیجے میں اُس کا حمل ضائع ہوا، اور وہ بری طرح زخمی ہوئی۔ پھر جب اُس کی حالت سنبھلی اور وہ خطرے سے باہر ہوئی تو وہ ایک حادثے میں اسپتال کی کھڑکی سے نیچے گر کر ختم ہو گئی۔ پھر ڈیمین کے چچا رچرڈ تھورن اور اُس کی چچی این تھورن پراسرار طور پر غائب ہو گئے۔ آج تک کسی کو پتا نہیں چل سکا کہ ان پر کیا گزری تھورن میوزیم ایک پراسرار آتش زنی کے نتیجے میں جل کر خاک ہو گیا۔ اُس کا چچا زاد بھائی مارک تیرہ سال کی عمر میں دماغ کی شریان پھٹ جانے کی وجہ سے ختم ہوا۔

اس مضمون دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ایک کا عنوان تھا......

ہیری فورڈ

پرشکوہ محل، نشانِ دہشت

نیچے محل کی تصویر تھی، اور اُس کے نیچے ڈیمین کی نوجوان آیا کی کہانی تھی، جس نے خود کو محل کی ایک کھڑکی سے لٹکا کر پھانسی دی تھی۔ اُس کے بعد والی آیا کو اُس رات بڑی سفاکی سے قتل کر دیا گیا، جس رات رابرٹ تھورن ہلاک ہوا۔ یوں تین اموات ایسی تھیں، جو ہیری فورڈ کے محل میں ہوئیں۔ فیچر لکھنے والے نے قارئین کو یاد دلایا تھا کہ ڈیمین کی ماں کو پہلا حادثہ محل میں ہی پیش آیا تھا۔

فیچر کے دوسرے حصے میں ان اموات کا تذکرہ تھا، جو تھورن فیملی کے افراد کی نہیں تھیں۔ لیکن ان کا تعلق تھورن فیملی سے تھا۔ ان میں تھورن انڈسٹریز کا چیف ایگزیکٹیو بل ایتھرٹن تھا...... وہ شکاگو میں تھورن منشن کی حدود میں واقع منجمد جھیل پر ہونے والے آئس ہاکی کے میچ کے دوران برف کے چٹخنے کی وجہ سے یخ بستہ پانی میں گر کر ڈوب گیا تھا۔ اُس روز ڈیمین تھورن کی تیرھویں سالگرہ منائی جا رہی تھی۔

پھر تھورن انڈسٹریز کا ایک اور ایگزیکٹیو تھا...... ڈیوڈ پیاریان۔ وہ اس روز لیبارٹری میں زہریلی گیس کا شکار ہوا تھا، جب ڈیمین تھورن اپنے کلاس فیلوز کو ساتھ لے کر پلانٹ کی سیر کے لیے آیا تھا۔

ایک خاتون رپورٹر، جس نے رچرڈ تھورن کا انٹرویو کیا تھا، انٹرویو کے فوراً بعد بے حد پر اسرار حالات میں بے حد خوف ناک انداز میں موت سے ہم کنار ہوئی تھی......

اس کے بارے میں پڑھ کر کیرول نے بے ساختہ اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنایا۔ یہ منظر دیکھ کر دفتر کے چپڑاسیوں نے منہ سے مضحکانہ آوازیں نکالیں۔ لیکن کیرول نے انہیں نظر انداز کر دیا۔

تھورن میوزیم کا نگران اعلیٰ ریلوے یارڈ میں ہونے والے ایک حادثے کا شکار ہوا تھا۔ اسی شام شکاگو میں تھورن میوزیم میں ایسی خوف ناک آگ لگی کہ کچھ بھی نہیں بچا۔

وہ اتنی طویل فہرست تھی کہ لگتا تھا، کبھی ختم نہیں ہوگی۔ کیرول نے پرانی روشنائی کے دھبوں سے لتھڑی انگلیوں سے آنکھوں کو ملا۔ دھبے اُس کے چہرے پر بھی پڑ گئے۔ وہ پھر پڑھنے لگی۔

ڈیمین تھورن سے پہلے اینڈریو ڈرائل برطانیہ میں امریکی سفیر تھا۔ اُس نے اپنے آفس میں پریس کانفرنس طلب کی۔ مگر کانفرنس کی نوبت نہیں آئی۔ کیونکہ اُس نے خودکشی کر لی تھی۔

بی بی سی کے اسٹوڈیوز میں جس دوران ڈیمین تھورن کا انٹرویو کیا جا رہا تھا، ایک نامعلوم آدمی جل کر ہلاک ہوا......

دو اور نامعلوم آدمی کورن والی کی شکار گاہ میں مردہ پائے گئے، جبکہ ڈیمین وہاں شکار کھیل رہا تھا۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں مصلوب مسیحؑ کی شبیہہ والے دستے کا خنجر تھا۔ ویسا ہی دوسرا خنجر دوسرے آدمی کی لاش کے قریب موجود ملا تھا......

وہ نوٹس لیتی رہی۔ یہ اموات تھیں، جو اُس کی اسٹوری سے تعلق رکھتی تھیں۔ برسوں پہلے جس نے وہ فیچر لکھا تھا۔ اُس نے ان حادثات کے بارے میں چھان بین بالکل نہیں کی تھی۔ اُس نے تو بس تھورن فیملی کے اردگرد موجود نحوست کی نشان دہی کی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ نحوست اس گھرانے کے گردوپیش میں ایک وائرس کی طرح متحرک رہتی ہے۔

کیرول نے مطلوبہ تراشوں کی فوٹو کاپی کرائی، اور پھر اسکاٹ لینڈ یارڈ کے پریس آفس کا نمبر ملایا۔ آدھے گھنٹے کے بعد وہ ایک بار میں بیٹھی ڈرنکس کا آرڈر دے رہی تھی۔

یارڈ کا پریس آفیسر تعاون کرنے والا آدمی تھا۔ اس بے چارے کو کسی خوب صورت لڑکی کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع سرکاری طور پر کم

ہی ملتا تھا۔ ورنہ زیادہ تر اُس کا واسطہ خرانٹ قسم کے کرائم رپورٹرز سے پڑتا تھا۔

اُس نے تصویر کو غور سے دیکھا اور پلکیں جھپکائیں۔ ''یہ تو بڑا خطرناک لگتا ہے۔'' اُس نے خنجر پر تبصرہ کیا۔

''کیا یہ تمہارے ہاں میوزیم میں موجود ہیں؟''

''ہاں۔ میں نے فائل چیک کی ہے ایسے پانچ خنجر وہاں موجود ہیں۔''

کیرول نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ وہ ایک خنجر کی بات کر رہی تھی۔، اور وہ بتا رہا تھا کہ پانچ خنجر موجود ہیں۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں اسکاٹ لینڈ یارڈ کے ایک کمرے میں شیشے ایک بہت بڑے شوکیس کے سامنے کھڑے تھے۔ اسے بلیک میوزیم کہا جاتا تھا۔ شیشے کے عقب سے پانچ خنجر کے دستوں پر کندہ مسیح کی شبیہہ انہیں گھور رہی تھی۔ ہر خنجر کے ساتھ ایک لیبل بھی تھا۔

''ان میں سے تین ایک معبد میں ملے تھے۔'' پریس آفیسر نے اپنی فائل کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''میں یہ فائل دیکھ سکتی ہوں؟''

اُس نے فائل کیرول کی طرف بڑھادی۔ ''ایک جیب میں تھا، اور دو پشت میں۔ اچھا، اب کچھ کھانا کھانے کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''نہیں شکریہ۔ دراصل مجھے فوری طور پر آفس پہنچنا ہے۔'' کیرول مسکرائی۔

آفس پہنچتے ہی اُس نے جیمز رچرڈ کے آفس کا رخ کیا۔ ''وہ موجود ہیں۔''

رچرڈ کی سیکرٹری ایک نک چڑھی عورت تھی، جو اپنی دانست میں رچرڈ کو نوجوان عورتوں سے بچانے کی کوشش کرتی رہتی تھی۔ ''تم کون ہو؟'' اُس نے سخت لہجے میں پوچھا۔

''رپورٹر ہوں۔ یہ بتایئے، وہ موجود ہیں یا نہیں۔''

''ایل وینو میں۔ لیکن اس وقت وہ ایک اہم......''

''شکریہ۔'' کیرول نے کہا اور دروازہ بند کر کے نکل آئی۔

وہ اسے بار میں کاؤنٹر پر بیٹھا ملا۔ وہ بڑے انہماک سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ ایک خالص مردانہ بار تھا، جہاں عورتوں کو کڑی پابندیوں کے ساتھ داخلے کی اجازت ملتی تھی۔ اور انہیں کاؤنٹر پر کھڑے ہونے اور آرڈر دینے کی اجازت بھی نہیں تھی۔

وہ راستہ بناتی ہوئی آگے بڑھی۔ رچرڈ کی نظر اُس پر پڑی تو وہ مسکرائی۔ ''گڈ مارننگ مسٹر رچرڈ۔''

رچرڈ نے حیرت سے اُسے دیکھا۔

''میں کیرول یاٹ ہوں...... فلیٹ کے نیوز روم میں کام کرتی ہوں۔ ہم ایک بار مل چکے ہیں۔ مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے۔''

رچرڈ نے اپنے ساتھی سے معذرت کی اور اسے لے کر عقبی حصے کی طرف بڑھا۔

''اس طرح ڈسٹرب کرنے پر معذرت خواہ ہوں۔'' کیرول نے کہا۔ ''دراصل میں ایک فیچر پر کام کر رہی ہوں اور میرا خیال ہے کہ آپ درست

سمت میں میری رہنمائی کر سکتے ہیں۔''

''اگر کر سکا تو ضرور کروں گا۔''

''بل نے مجھے بتایا کہ آپ نے روم میں فلپ بریٹن کے ساتھ ڈنر کیا تھا......''

''وہ ایک نجی معاملہ تھا۔'' رچرڈ نے اُس کی بات کاٹ دی۔

کیرول نے مضمون کی کاپی اُس کی طرف بڑھائی۔ ''وہ جس خنجر کی بات کر رہا تھا، کیا وہ ایسا تھا؟''

رچرڈ نے خنجر کی تصویر کو دیکھا۔ ''ہاں...... میرا خیال ہے کہ ایسا ہی ہوگا۔ اُس نے خنجر کے دستے کے بارے میں ایسا ہی کچھ کہا تھا۔ لیکن سنو، تم اس سلسلے میں اسے کوئی زحمت نہیں دوگی۔ میں نہیں چاہتا کہ......''

لیکن کیرول شکریہ ادا کر کے واپس جانے کے لیے پلٹ گئی تھی۔

......✡......

اس نے بڑی عجلت کے ساتھ، بڑے بے صبرے پن سے ان پانچ خنجروں پر وہ فیچر لکھا اور بل کو دے دیا۔ پھر اُس نے فون کا ریسیور اٹھایا۔ امریکی سفارت خانے میں پریس اتاشی سے اُس کی بات ہوئی۔

''اگر آپ کو سفیر صاحب سے ملنا ہے تو اُس کے لیے ضابطے کے مطابق چلنا ہوگا۔'' پریس اتاشی نے کہا۔

''آپ بتائیں کہ طریق کار کیا ہے؟''

''آپ کو تحریری طور پر درخواست کرنی ہوگی، اور ساتھ ہی ان سوالات کی فہرست بھی فراہم کرنی ہوگی، جو آپ اُن سے پوچھنا چاہتی ہیں۔''

''یہ تو آپ سمجھ لیں کہ ہوگیا۔'' کیرول نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

فوراً ہی اُس نے کمپنی کا نوٹ پیپر سنبھالا۔ آدھے گھنٹے کے بعد اخبار کا ڈسپیچ رائیڈر اسی کی تحریری درخواست لے کر گروس وینز اسکوائر کے لیے روانہ ہوگیا، جہاں امریکی سفارت خانہ تھا۔

کیرول نے کرسی سے ٹیک لگائی اور آپ ہی آپ مسکرا دی۔ وہ پروٹوکول کی خلاف ورزی کر رہی تھی۔ لیکن کیا فرق پڑتا۔ اگر اُس کے باس نے شکایت کی کہ اُس کے مشورے کے بغیر اُس نے یہ قدم کیوں اٹھایا، یا رچرڈ برہم ہوا تو وہ مسکرا کر اپنی ناتجربہ کاری اور کم عمری کے جوش کا عذر پیش کر دے گی۔ اور اگر وہ روم میں موجود خنجر اور قتل کے غیر حل شدہ کیسز کے درمیان کوئی تعلق تلاش کر لیتی ہے، تو ایسے میں کوئی بھی خطرہ مول لیا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں وہ گڑا مردہ نہیں، ایک تازہ تازہ سنسنی خیز اسٹوری ہوگی۔

''رچرڈ کہتا ہے، وہ نجی معاملہ تھا، ہنہ مائی فٹ۔'' وہ بڑبڑائی۔

......✡......

اگلی صبح وہ جلدی اٹھی۔ حالانکہ وہ اُس کی ہفتہ وار تعطیل کا دن تھا۔ مگر وہ اس دن کے لیے پورا پروگرام بنائے بیٹھی تھی۔ اُس نے انگلش

محلات نامی رسالے میں پیری فورڈ کے بارے میں چیک کیا تھا۔ رائٹر کا دعوا تھا کہ وہ برطانیہ کی اعلیٰ ترین مضافاتی جاگیر ہے سترھویں صدی کا وہ محل اور اُس کی اراضی 1400 ایکڑ پر محیط تھی۔ محل کے دو حصے تھے، اور اس میں 63 کمرے تھے۔ 1930ء میں وہاں انیکسی تعمیر کی گئی تھی۔ وہاں پانی کا ایک چشمہ بھی تھا۔ کئی ٹینس کورٹس تھے اور کثرت سے سبزیاں اگائی جاتی تھیں۔

اسے وہاں پہنچنے میں ایک گھنٹا لگا۔ قریب پہنچتے پہنچتے اُس کے ذہن میں آسیب زدہ قلعوں کا تصور ابھرنے لگا۔ سچ یہ ہے کہ اُسے ڈر لگنے لگا تھا۔ لیکن وہ دُھن کی بہرحال پکی تھی۔ کوئی خوف اُس کی راہ نہیں روک سکتا تھا۔

موسم گرما کا سورج پوری آب وتاب سے چمک رہا تھا۔ فضا میں چکاوکوں نغمہ بار آواز گونج رہی تھی۔ اُس کی روح جیسے سرشار ہوگئی۔ اس کا آپ ہی آپ ہنسنے کو جی چاہ رہا تھا۔

وہ گاڑی کو چلاتے ہوئے بڑے گیٹ سے آگے لے گئی۔ پھر اُس نے بریک لگائے، گاڑی کو ریورس کیا اور گیٹ کے اس طرف ڈرائیو وے کا جائزہ لیا۔ پھر وہ گاڑی آگے بڑھا لے گئی۔ کوئی ایک میل آگے جا کر سڑک جاگیری دیوار کے ساتھ مڑی۔ وہ مزید ڈیڑھ میل آگے گئی۔ یہ سارا سفر چڑھائی کا تھا۔ پھر اُس نے گاڑی کو ایک بڑی چٹان کے پاس روکا۔ وہ اتری اور ٹہلتی ہوئی ایک کھیت کی طرف چل دی۔ اس بلندی سے اسے محل کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ وہ محل کو بہت غور سے دیکھتی رہی۔ کاش اسے بھی ایسا کوئی محل مل جائے۔

دیواریں دس فٹ اونچی تھی۔ لیکن جگہ جگہ سے چنائی شکستہ ہو رہی تھی۔ اندر دیکھتے ہوئے ایک لمحے کو اُس کے دل میں خیال آیا کہ وہ پلٹے اور گھر چلی جائے۔ اس کے بعد سفیر سے انٹرویو کا انتظار کرے اور دیکھے کہ کیا ہوتا ہے۔ لیکن اس جاگیر نے اُس کے تجسس کو کئی گنا بڑھا دیا تھا۔ اُس نے سوچا، دیکھنے میں نقصان ہی کیا ہے۔ وہ یقینی طور پر پکڑی جائے گی۔ اس صورت میں وہ کہے گی کہ وہ تو اسے کسی پارک کی دیوار سمجھی تھی۔ یہاں بھی وہ ناسمجھی اور الھڑپن کا جواز پیش کرے گی اور اپنی چمکیلی مسکراہٹ کے سہارے بچ نکلے گی۔

اُس نے دیوار کے ایک رخنے میں پیر رکھا، اوپری دیوار کو تھاما اور بازوؤں پر زور دے کر اوپر اٹھتی گئی......

......✡......

الارم کی آواز نے لڑکے کو چونکا دیا۔ اُس نے ہاتھ بڑھایا اور کلوز سرکٹ ٹی وی کا بٹن دبا دیا۔

ٹی وی اسکرین پر ایک نوجوان لڑکی دیوار کے اُوپری حصے پر بیٹھی نظر آ رہی تھی۔ ایک منٹ تک وہ وہاں ساکت بیٹھی رہی۔ اُس کے انداز میں الجھن تھی، جیسے وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی ہو کہ کیا کرے۔ پھر اچانک اُس نے نیچے گھاس پر چھلانگ لگا دی۔

لڑکے کو اپنی پشت پر سرسراہٹ سی محسوس ہوئی، جیسے چیونٹیاں رینگ رہی ہوں۔ اُس کے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے۔ اسی لمحے اُس نے کتے کو حرکت میں آتے دیکھا۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ اُس کی گردن کے بال سیدھے کھڑے ہوگئے تھے۔ حلق سے ہلکی ہلکی غراہٹیں بلند ہو رہی تھیں اور وہ دانت نکوس رہا تھا۔

لڑکے نے کتے کے کندھے کو چھوا۔ کتے نے تھوتھنی اٹھا کر اسے دیکھا، جیسے اُسکے حکم کا منتظر ہو۔ لیکن لڑکے نے انگلیوں سے اُس کی گردن کی

کھال کو تھام رکھا تھا، جیسے اسے رکنے کی تلقین کر رہا ہو۔ کتے نے سر گھمایا اور ٹی وی اسکرین کو دیکھنے لگا۔ وہ ہانپ رہا تھا۔ اُس کے منہ سے گرنے والی رال قالین پر گر رہی تھی۔ لڑنے نے آگے بڑھ کر ٹیلی وژن کو ایڈ جسٹ کیا۔ اب لڑکی کا کلوز اپ اسکرین پر نظر آ رہا تھا۔ لڑکا غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ لڑکی اب نپے تلے قدموں سے لان کی مخالف سمت میں چل رہی تھی۔ انداز ایسا تھا، جیسے جنگل کی سیر کو نکلی ہو۔

لڑکا لڑکی کی بڑی بڑی آنکھوں کو غور سے دیکھ رہا تھا، اُس کے نتھنے یوں سکڑے ہوئے تھے، جیسے وہ کچھ سونگھ رہا ہو۔ اُس کے پیروں کی انگلیوں اور ایڑیوں میں کھنچاؤ سا تھا، کتے پر اُس کی گرفت اتنی سخت ہوگئی تھی کہ کتے کی چیخ نکل گئی۔ مگر وہ اس کے باوجود اسے اتنی ہی سختی سے پکڑے رہا۔ اسے اس وقت ٹی وی اسکرین پر نظر آنے والی لڑکی کے سوا کسی بات کا احساس نہیں تھا۔

لڑکی نے جاگیر کی بیرونی حد عبور کر لی تھی۔ اور جھاڑیوں کے درمیان سے گزر رہی تھی۔ اسکرین پر اُس کا چہرہ کچھ کچھ دھندلا نظر آ رہا تھا۔ اچانک ایک شاخ لہرائی، چٹخی اور اُس کے چہرے سے ٹکرائی۔ وہ رک گئی۔

لڑکے نے دیکھا، لڑکی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ اُس کی ٹھوڑی لرز رہی تھی۔ اُس نے ہاتھ اٹھا کر اپنے چہرے کو چھوا۔ اُسی لمحے لڑکے کے اندر ایک عجیب سا جذبہ ابھرا۔ اُس کا جی چاہا کہ وہ ہاتھ بڑھا کر لڑکی کے آنسو پونچھ دے اور اسے لپٹا کر دلاسہ دے۔

کتے کی غراہٹ نے اُسے چونکا دیا۔ اُس کا تنا ہوا جسم ڈھیلا ہوا اور وہ ذرا سا پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن اب بھی وہ سحر زدہ سا، اسکرین کو دیکھے جا رہا تھا۔ لڑکی اب پھر آگے بڑھ رہی تھی۔ لیکن اب اُس کی رفتار کم تھی اور جھاڑیوں کے درمیان وہ احتیاط سے چل رہی تھی۔

اب کچھ ہی دیر باقی تھی کہ وہ حویلی سے محض سو گز کے فاصلے پر پہنچ جاتی۔ لڑکا تیزی سے اُٹھا۔ وہ دوڑتا ہوا کمرے سے نکلا، راہ داری سے گزرا اور زینے سے اترنے لگا۔ کتا اُس کے پیچھے پیچھے تھا۔ سوچے سمجھے بغیر لڑکے نے بغلی دروازہ کھولا، صحن میں نکلا اور لان کی طرف دوڑنے لگا۔ بھاگتے ہوئے اچانک اسے احساس ہوا کہ اگر وہ لڑکی کے سامنے آ گیا، لڑکی نے اسے دیکھ لیا تو وہ لڑکی کو جاگیر سے رخصت ہونے کی اجازت نہیں دے سکے گا۔

...........✡...........

لڑکی جھاڑیوں اور روئیدگی سے گزر کر ہاتھوں سے سنواری ہوئی گھاس تک پہنچ گئی۔ محل بلا شبہ شان دار تھا، لیکن ابھی تک وہاں اسے زندگی کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔ لیکن وہ چشم تصور سے دیکھ سکتی تھی کہ چاندنی راتوں میں یہاں کیسی زبردست دعوتیں دی جاتی ہوں گی۔ اُس نے تصور میں ٹیل کوٹ پہنے امرا اور ڈانس گاؤن پہنے ہوئے خواتین کو دیکھا۔ یہ تو ایسی خواب ناک جگہ تھی، جہاں کوئی نوجوان کسی لڑکی کی گرگابی میں شمپین بھر کر پیے تو بھی معیوب نہ لگے...... نہ لڑکا اور نہ لڑکی......

اپنے اس خیال پر لڑکی کو ہنسی آئی اور وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ اُس نے سوچا، یہ اس جگہ کا کمال ہے کہ اُس کا تخیل کھل کر کھیل رہا ہے اس نے ہاتھ اٹھا کر اپنے چہرے کو چھوا، جہاں ذرا دیر پہلے شاخ نے خراش ڈالی تھی۔ پھر اُس نے اپنی آنکھیں ملیں نہیں...... یہ خواب نہیں، حقیقت ہے۔ اور جب اُس نے آنکھیں کھولیں تو دوبارہ اسے گمان ہونے لگا کہ وہ خواب دیکھ رہی ہے۔ کیونکہ درخت کے پاس ایک نوجوان کھڑا تھا۔

اسے دیکھ کر لڑکی کی سانسیں رکنے لگیں، اور ہاتھ بے ساختہ اپنے ہونٹوں کی طرف گیا۔ انداز ایسا تھا، جیسے وہ کوئی اسکول گرل ہو۔

زندگی میں اُس نے اتنا خوب صورت کوئی مرد کبھی نہیں دیکھا تھا۔ لیکن نہیں، وہ مرد نہیں، وہ تو لڑکا تھا۔

''ہیلو۔'' لڑکی نے چھلکتی آواز میں پکارا۔

لڑکے نے صرف سر ہلایا۔ اور خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

لڑکی نے مسکرا کر اسے دیکھا اور پھر اُس کی طرف بڑھی۔ لڑکا بھی درختوں کی قطار سے آگے بڑھ آیا، جیسے اس کا راستہ روک رہا ہو۔ ''کون ہو تم؟'' اُس نے پوچھا۔

اُس کی آواز میں گہرائی تھی۔ لیکن لڑکی اس کے لہجے کو شناخت نہ کر سکی۔ ''میرا نام کیرول ہے۔ اور تم کون ہو؟''

''یہاں کیا کر رہی ہو تم؟'' لڑکے نے اُس کے سوال کو نظر انداز کر دیا۔

''بس...... ذرا اس پارک کا جائزہ لے رہی تھی۔'' لڑکی کی مسکراہٹ ایسی چمک دار تھی، جیسے اچانک بادلوں کی اوٹ سے چاند نکل آیا ہو۔ اور اس میں بلا کی معصومیت تھی۔''

لیکن لڑکے پر اس مسکراہٹ کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ عام طور پر مرد اُس کی اس مسکراہٹ کے سحر سے بچ نہیں پاتے تھے۔

لڑکا اسے پلکیں جھپکائے بغیر دیکھتا رہا۔ ''یہ پارک تو نہیں ہے۔''

''اوہ، میرا خیال تھا...... میں تو یہی سمجھی تھی......''

''یہ ایک پرائیویٹ جاگیر ہے۔''

''اچھا......! واقعی......!''

اب لڑکی منتظر تھی کہ اُس پر مداخلت بے جا کا الزام عائد کیا جائے گا۔ چنانچہ وہ مضبوطی سے قدم جما کر کھڑی ہو گئی۔ وہ اس الزام کا سامنا کرنے کے لیے پوری طرح تیار تھی۔ کوئی لڑکا خواہ وہ کتنا ہی وجیہہ اور خوب صورت کیوں نہ ہو، کسی بھی طرح اُسے زیر نہیں کر سکتا۔ وہ ہمیشہ سے جیتتی آئی ہے، اور اب بھی جیتے گی۔

''تم یہ حویلی دیکھنا چاہو گی؟''

''شکریہ...... جی ضرور......'' پیش کش اتنی اچانک اور غیر متوقع تھی کہ اُس کی زبان لڑکھڑانے لگی۔

''آؤ میرے ساتھ۔''

وہ لڑکے کے پیچھے پیچھے چل دی۔

لان عبور کر کے وہ دروازے پر پہنچے تو لڑکی رک گئی۔ وہ غیر معمولی طور پر جسیم کتا اُس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ وہ عمارت کے بغلی حصے کی جانب سے آیا تھا۔ اُس کی پشت پر تمام بال کھڑے ہوئے تھے اور حلق سے ہلکی ہلکی غراہٹیں نکل رہی تھیں۔

لڑکے نے کتے کو گھور کر دیکھا۔ کتے کی غراہٹ فوراً ہی رک گئی۔

کیرول پر تھرتھری چڑھ گئی۔ ''میں نے اتنا بڑا اور خوف ناک کتا کبھی نہیں دیکھا۔''

''یہ روٹ ویلر ہے۔'' لڑکے نے کہا۔ ''ایک زمانے میں اس نسل کے کتوں کو گلہ بانی کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ شکاری کتا ہے پچاس گز تک یہ بے حد تیز رفتار ہے۔ اس کے بعد اس پر تھکن طاری ہو جاتی ہے لیکن اگر اتنے فاصلے کے دوران یہ کسی کو پکڑ لے تو...... بارہ سنگھا بھی اس کے سامنے بے بس ہو جاتا ہے۔ لڑکا مسکرایا۔

لڑکی نے منہ پھیر لیا۔ ''مجھے شکار جیسے خونی کھیلوں سے نفرت ہے۔''

''ہاں...... ہونی بھی چاہیے۔'' لڑکا بولا۔ ''آؤ...... اندر چلو۔''

وہ لڑکے کے پیچھے اندر داخل ہوئی۔ کتا ان دونوں کے عقب میں چل رہا تھا۔ اُسکی بدبو کی وجہ سے لڑکی نے اپنی ناک چٹکی میں دبا رکھی تھی۔ ہال کے وسط میں وہ رک گئی۔ اُس نے ادھر ادھر دیکھا۔ حیرت سے اُس کا منہ کھلا ہوا تھا۔ اُس نے سر اٹھا کر گیلری کو دیکھا۔ وہاں ٹوکری نما گملے لٹکے ہوئے تھے، جن میں طرح طرح کے پودے تھے۔ تو یہ وہ جگہ ہے، جہاں کیتھرین تھورن گری تھی۔ یہ بات بھی کم حیرت انگیز نہیں کہ اتنے اوپر سے گرنے کے باوجود وہ بچ گئی۔ لڑکی نے ٹائلوں کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

اسے احساس ہوا کہ لڑکے کی تیز نگاہیں اسے آر پار دیکھ رہی ہیں، جیسے وہ اُس کی سوچوں کو بھی پڑھ سکتا ہو۔

''تم اچھی طرح دیکھ لو۔'' لڑکے نے کہا اور اوپر جانے والی سیڑھیوں پر چل دیا۔ کتا وہیں رہ گیا تھا۔

''بہت شکریہ۔'' لڑکی نے ہڑبڑا کر کہا۔ پھر اُس نے کتے کو دیکھا، جو خون خوار نظروں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

لڑکی اب حیرت سے سوچ رہی تھی، یہ حویلی ایسی خونی تو نہیں لگتی۔ یقین نہیں آتا کہ یہاں یہ سب کچھ ہوا ہوگا۔

وہ ہال عبور کر کے ڈرائنگ روم میں گئی، اور گھوم پھر کر اسے دیکھا، پھر اُس نے سر گھمایا اور سیڑھیوں کو دیکھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ لڑکا آخر کہاں چلا گیا ہے۔ اُس نے سوچا کہ وہ لڑکے کو لبھائے گی، اس سے پوچھ گچھ کرے گی کہ کیا وہ یہاں رہتا ہے اور کرتا کیا ہے؟ وہ اُس سے اس مکان کے ماضی کے بارے میں پوچھ گچھ کرے گی۔ اسے اندر گھسنے کا موقع مل گیا ہے تو وہ انجوائے بھی کرے گی۔

اُس نے ایڑی کے بل گھوم کر دیکھا۔ کتا نجانے کہاں غائب ہو گیا تھا، اور اب وہ اکیلی تھی۔

......۞......

لڑکا معبد میں ساکت وصامت کھڑا اپنے باپ کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ اُس کے ہونٹ ہل رہے تھے، جیسے وہ کوئی دعا مانگ رہا ہو۔ پھر اُس نے ہاتھ بڑھایا اور باپ کے ہاتھوں کو تھام لیا۔

''مجھے میرے ناکارہ پن پر معاف کردو میرے محترم باپ۔''

پھر وہ پیچھے ہٹا۔ اُس نے پلٹ کر کرائسٹ کے پتلے کو نفرت آمیز نظروں سے دیکھا۔ ''تو تم اپنی غلیظ چالبازیوں سے باز نہیں آؤ گے اب تم

نے مجھے بہکانے، مجھ پر قابو پانے کے لیے اس نرم و نازک لڑکی کو بھیجا ہے۔ ویسے ہی جیسے میرے باپ کو پھانسنے کے لیے تم نے میری ماں کو بھیجا تھا۔ تم مجھے بھی ویسے ہی جھوٹی محبت کے جال میں پھنسانا چاہتے ہو، جیسے تم نے میرے باپ کو پھنسایا تھا۔ لیکن تم مجھے کمزور نہیں کر سکتے نزارین۔'' وہ صلیب کے پیچھے گیا اور دونوں ہاتھوں سے خنجر کے دستے کو تھام کر زور لگایا۔ خنجر کی حرکت سے لکڑی چرچرانے لگی۔

''اور یہ ہے اُس کا نتیجہ۔'' اُس نے پھنکار کر کہا اور خنجر کو باہر کھینچ لیا۔ ایک لمحہ وہ اُسے دیکھتا رہا، پھر وہ لاش کی طرف بڑھا۔ اُس کے گرد ایک چکر لگا کر اُس نے اُس کی ریڑھ کی ہڈی کو انگلی سے سہلایا۔ پانچویں مہرے کے نیچے ایک گہرا زخم تھا۔ اُس نے اسے بہت نرمی سے چھوا اور پھر دوبارہ خنجر کو دیکھا۔

''آسودگی دینے والی قاتل بن گئی۔'' اُس نے سرگوشی میں کہا۔ ''اور میرے باپ پر پیچھے سے وار کیا گیا'' وہ چند لمحے خاموش کھڑا رہا۔ پھر اچانک پتلے پر جھپٹا اور اُس کے چہرے پر دیوانہ وار گھونسے مارنے لگا۔ پھر اُس نے خنجر کو دوبارہ پتلے کی پیٹھ میں اتار دیا۔ ''تم سمجھتے ہو کہ تم نے ترغیب کی آگہی پالی۔'' اُس نے پلٹ کر پتلے کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم سمجھتے ہو کہ تم نے ترغیب کو مسخر کر لیا۔ لیکن نہیں، تمہارے چالیس دن اور چالیس راتوں نے تمہیں کچھ نہیں سکھایا۔ تم نے مجھے راستے سے بھٹکانے کے لیے اس خوب صورت لڑکی کو میرے پاس بھیجا۔ وہ کہتے کہتے رکا اور اُس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''لیکن تم ناکام ہو گئے...... پہلے کی طرح، اور تم ناکام ہی رہو گے۔''

اُس نے اپنے دونوں ہاتھ پتلے کے سامنے پھیلا دیئے۔ ''تم...... تم مقدس کنواری کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ جبکہ میں......'' اُس نے جملہ نامکمل چھوڑ دیا اور منہ پھیر لیا۔ ''آؤ نزارین، میرے پیچھے پیچھے آؤ اور تماشا دیکھو۔''

وہ بہت کچھ دیکھ چکی تھی۔ کب سے وہ اس محل کا جائزہ لیتی پھر رہی تھی۔ اب سورج غروب ہو گیا تھا اور شام کی خنکی اپنی موجودگی کا احساس دلانے لگی تھی، اُس کے نتھنے پھڑک رہے تھے۔ وہاں ہر جگہ سے، ہر چیز سے کتے کی بو پھوٹتی محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن نہ تو اب تک اُسے کتا نظر آیا تھا، اور نہ ہی وہ لڑکا دکھائی دیا تھا۔

اُس کے جسم میں تھرتھری سی دوڑ گئی۔ وہ باریک سا بلاؤز اور اسکرٹ شام کی ٹھنڈک کے لحاظ سے ناکافی لباس تھا۔ اب اُس کا جی چاہ رہا تھا کہ جلد از جلد اس محل سے نکلے، اپنی گاڑی میں بیٹھے اور گھر چلی جائے۔

اُس نے دروازہ کھولا اور باہر ڈرائیو وے میں نکل آئی۔ باہر نکلتے ہی وہ لڑکھڑائی۔ اُس کے ایک سینڈل کی اونچی ایڑھی نکل گئی تھی۔ اُس نے دونوں سینڈل اتار کر ہاتھ میں لیے اور ڈرائیو پار کیا۔ ڈرائیو وے پر بچھے ہوئے باریک کنکر اس کے پیروں میں چبھ رہے تھے۔ اس سے ایسی تکلیف ہوئی کہ اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

اب ہوا قدرے تیز ہو گئی تھی۔ وہ لان میں پہنچ گئی۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ کوئی چھپ کر اسے دیکھ رہا ہے۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا۔ اسے توقع تھی کہ کتا اسے نظر آئے گا۔ لیکن اسے کوئی نظر نہیں آیا۔ وہ پھر آگے بڑھنے لگی۔

لان عبور کر کے وہ جھاڑیوں والے علاقے میں داخل ہوئی۔ وہاں پہنچ کر اُس نے دوڑنا شروع کیا کتے کی بدبو سے یہاں بھی پیچھا نہیں چھوٹا تھا۔ اس وقت اس بدبو نے اُس کے ذہن میں ایک بھولی بسری یاد کو جگا دیا تھا۔ وہ اس کا اٹھارواں برتھ ڈے تھا۔ اُس نے کچھ زیادہ ہی شمپین پی لی تھی، جس کے نتیجے میں اُس کی طبیعت بگڑنے لگی تھی۔ ایسے میں اسے گھر جانے کے لیے پیدل چلنا تھا، جبکہ بارش ہو رہی تھی، جو الٹی اُس نے کی تھی، اُس سے اس کے کپڑے بھی خراب ہوئے تھے اور الٹی کی اُس بو سے اُس کی طبیعت اور بگڑ رہی تھی، تو اس وقت بھی اس کی یہی کیفیت تھی، وہ محل سے جیسے جیسے دور ہو رہی تھی کتے کی وہ بدبو اور بڑھی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

وہ جھاڑیوں کے درمیان لڑکھڑاتی، ٹھوکریں کھاتی آگے بڑھتی رہی۔ دو بار تو جھاڑیوں میں اُس کا پاؤں الجھا اور وہ گرتے گرتے بچی۔ اب اندھیرا ہو گیا تھا اور رات جیسے اچانک ہی آ پڑی تھی۔ اس کی وجہ سے اب اسے سمتوں کا بھی اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ وہ دوڑتی رہی۔ جھاڑیوں کی جھکی ہوئی شاخیں اُس کے چہرے پر خراش ڈالتی رہیں اُسکے ساتھ یہ عجیب معاملہ تھا کہ جب بھی وہ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھتی تو اُس میں وہ کسی سے ڈر کر بھاگ رہی ہوتی اور کوئی اُس کا پیچھا کر رہا ہوتا۔ اور جب وہ جاگتی تو اس پر لرزہ طاری ہوتا۔ اسے وہ خواب بہت برے لگتے تھے۔ یہ تصور کہ کوئی اسے پکڑنے کے لیے اس کا پیچھا کر رہا ہے، اُس کے لیے اتنا ناپسندیدہ تھا کہ وہ کوئی ایسی فلم کبھی نہیں دیکھتی تھی، جس میں اس طرح کی سچویشن ہو۔

وہ بھاگتے بھاگتے رک گئی۔ جھاڑیاں چھدری ہوتی جا رہی تھیں۔ اس کا مطلب تھا کہ آگے خودرو گھاس کا قطعہ آئے گا، اُس کے بعد دیوار...... اور دیوار پھلانگنے کے بعد وہ اپنی کار تک پہنچ جائے گی۔

وہ درختوں کی قطار کی طرف دوڑی۔ مگر پھر رک گئی۔ آگے پھر گھنی جھاڑیوں کا سلسلہ تھا۔ اُس کا ذہن الجھنے لگا۔ چہرے پر پریشانی اُبھر آئی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ ایک دائرے میں بھاگتی رہی ہو اور اب پھر وہیں آ پہنچی ہے۔ وہ بڑبڑانے لگی، خود کو برا بھلا کہنے لگی۔ سمتوں کے شعور کے

معاملے میں وہ ہمیشہ سے کوری تھی۔

اسے سردی لگ رہی تھی اُس نے دونوں ہاتھ بغلوں میں دبائے اور جھاڑیوں سے گزر کر کھلے علاقے کی طرف بڑھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اگر وہ چلتی رہے تو بالآخر دیوار تک پہنچ ہی جائے گی۔ یہ بات معقول تھی۔ وہ جاگیر کتنی بڑی ہوگی اور بہر حال اُس کے چاروں طرف دیوار ہی تو ہوگی اچانک اسے خیال آیا کہ اس جاگیر کا رقبہ چار سو ایکڑ ہے۔ بہر کیف ایک بار دیوار نظر آ جائے تو اس کے ساتھ چلتی چلتی وہ اس مقام تک پہنچ جائے گی، جہاں سے چڑھ کر وہ اندر آئی تھی۔ پھر وہ ہیری فورڈ سے چلی جائے گی۔

اس نے سوچا، بس مجھے چلتے رہنا چاہیے!

کتا بغیر کوئی آہٹ پیدا کیے اُس کا پیچھا کر رہا تھا۔ وہ اس سے پچاس گز پیچھے تھا۔ اور جب وہ رکتی تو وہ بھی رک جاتا۔ پھر وہ چل پڑتی تو وہ بھی اسی کی رفتار سے پیچھا کرنے لگتا۔ وہ رفتار اُس کے لیے ایسی تھی کہ اُس کی توانائی خرچ ہی نہیں ہو رہی تھی۔ وہ اب بھی تازہ دم تھا جبکہ لڑکی تھکنے لگی تھی۔

لڑکی کھلے علاقے میں پہنچی تو کتے نے رفتار بڑھا کر فاصلہ کم کیا۔ اب وہ لڑکی سے صرف تیس گز دور تھا۔ اس نے تھوتھنی اٹھا کر فضا میں کچھ سونگھا۔ لڑکی خودرو گھاس پر دوڑ رہی تھی۔ کتا چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے آگے کی طرف جست لگائی۔ اب وہ پوری قوت سے دوڑ رہا تھا۔ فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا۔

لڑکی کو کوئی آواز، کوئی آہٹ نہیں سنائی دی تھی۔ البتہ کتے کی بدبو بہت تیز ہو گئی تھی۔ لڑکی کو جب آہٹ سنائی دی تو کتا اُس کے سر پر پہنچ چکا تھا لڑکی نے پلٹ کر دیکھا۔ اسی لمحے کتا اس پر جھپٹا، اس کا بہت بڑا سر لڑکی کی کمر سے ٹکرایا۔ لڑکی زمین پر گر گئی۔ اسے چیخنے کا بھی موقع نہیں ملا۔ وہ اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ کتا اُس پر حملہ آور ہو گیا۔ کتے نے اُس کے پاؤں کو اپنے جبڑے میں دبایا اور زور زور سے سر جھٹکنے لگا۔ اُس کے تیز دانت گوشت پھاڑ کر ہڈی تک پہنچ گئے تھے۔

یہ وہ لمحہ تھا کہ لڑکی چلائی۔ کتے نے ایک نظر اُسے دیکھا، اپنے جبڑے کو اور سختی سے بھینچا اور پھر دور ہٹتے ہوئے جیسے رات کا حصہ بن گیا۔ اب وہ لڑکی سے چند گز فاصلے پر گھاس میں لیٹا لڑکی کو دیکھے جا رہا تھا۔

کیرول نے اپنا چہرہ گھاس پر دبایا۔ چیخ اُس کے گلے میں ہی گھٹ کر رہ گئی تھی۔ وہ گھاس کو مٹھی میں بھینچے اپنی اذیت سے لڑنے کی کوشش کر رہی تھی وہ جانتی تھی کہ اُسکا وتر العضلہ ٹوٹ چکا ہے۔ کیونکہ اس کے نتیجے میں اُس کی پنڈلی گھوم کر اس کے گھٹنے کے نیچے آ گئی تھی۔ اذیت اتنی شدید تھی کہ اسے الٹی ہو گئی۔ اور الٹی ہونے کے نتیجے میں اذیت اور بڑھ گئی۔ اُس نے اپنی صحیح سلامت ٹانگ کے زور پر اٹھنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ حرکت بھی نہ کر سکی۔

بہت آہستہ آہستہ گھسٹتی ہوئی وہ آگے بڑھی۔ اس دوران وہ تکلیف ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کسی طرح وہ دیوار تک پہنچ جائے۔ وہاں سے وہ مدد کے لیے پکار سکے گی۔ کوئی نہ کوئی تو اُس کی مدد کے لیے آئے گا ہی۔

دس گز کا فاصلہ طے کرنے میں اسے ایک گھنٹا لگا۔ اور لڑکا اور کتا بیٹھے اسے دیکھتے رہے۔ اس کے بعد ایک گھنٹے تک وہ مدد کے لیے چلاتی رہی اور اُس کے بعد وہ نڈھال ہو کر گھاس پر ساکت لیٹی سسکیاں لیتی رہی۔

پھر اُس کی سسکیاں بھی تھم گئیں۔ لڑکا گھٹنوں کے بل چلتا اُس کی طرف بڑھا۔ وہ قریب آیا تو لڑکی کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنا سر چند انچ اوپر اٹھایا اور پلٹ کر دیکھنے کی کوشش کی۔

لڑکا رک گیا۔

پھر صبح پو پھٹے لڑکی کا جسم بالکل ساکت ہو گی۔ تب لڑکا اس کے قریب گیا......

۞

اس کے خوابوں میں مردار خور، گیدڑ، لکڑ بھگے اور گدھ تھے، اور ایسے آدمی، جنہیں اس نے ایک فلم میں دیکھا تھا...... اپنے قیدیوں کے گھٹنوں کے پیچھے کی کونچیں کاٹتے ہوئے، تاکہ وہ فرار نہ ہو سکیں۔

اُس نے آنکھیں کھولیں اور زمین کو دیکھا، جہاں اُس کے منہ سے رال گرتی رہی تھی۔ اب وہ جم چکی تھی۔ وہ اذیت کے عالم میں انگلیاں زمین میں گڑوتی رہی تھی۔ اُس کے نتیجے میں اُس کی انگلیاں زخمی ہو گئی تھیں۔ مگر ایک خوش آئند بات یہ تھی کہ اُس کی ٹانگ سن ہو گئی تھی۔ اُس نے سر اٹھایا تو اذیت جیسے جاگ اٹھی۔ وہ لہر کی صورت میں اُس کے پورے جسم میں دوڑ گئی۔ اُس نے پلٹ کر اپنے کندھے کو اوپر سے دیکھا تو اسے لڑکے کی آنکھیں نظر آئیں۔ وہ برہنہ تھا اور گھٹنوں کے بل چلتا اُس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

لڑکی نے مسکرانے کی، بولنے کی کوشش کی۔ لیکن اُس کے منہ سے کوئی آواز نہ نکلی۔ اُس نے سوچا، شاید یہ سب کسی ڈراؤنے خواب کا حصہ ہے۔ لڑکے کی بھنچی ہوئی آنکھوں میں زرد رنگت غالب تھی اور اُس کے وجود سے بدبو پھوٹ رہی تھی۔ وہ بدبو کتے کی بدبو سے مختلف ہونے کے باوجود اُس سے ملتی جلتی تھی۔

لڑکا اب اُس کے جسم پر جھک رہا تھا۔ لڑکی دردناک آواز میں رونے لگی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ اس کے ساتھ کیا کر رہا ہے اور اسے لڑکے کے تیز دانت اپنی گردن پر محسوس ہوئے۔ وہ دانتوں سے اسے ٹٹول رہا تھا، جیسے اسے جسم کے کسی خاص حصے کی تلاش ہو۔ لڑکی نے چیخنے کے لیے منہ کھولا۔ اور اس لمحے اُس نے آخری آواز سنی۔ وہ لڑکے کے منہ سے نکلنے والی طمانیت بھری آواز تھی۔ لڑکے کے تیز نکیلے دانتوں نے ہدف ڈھونڈ لیا تھا۔ گردن کا وہ علبہ جو ریڑھ کی ہڈی کو باندھے رکھتا ہے۔

اور پھر اُس کے بعد کچھ بھی نہیں رہا۔

۞

کیرول ہاٹ کا خیال درست تھا۔ خنجروں کے بارے میں اُس کا فیچر اُس کے اخبار میں نہیں چھپا۔ لیکن سنڈیکیشن ڈیپارٹمنٹ کے توسط سے وہ ساری دنیا میں کئی رسالوں میں شائع ہوا۔ کیرول کی موت کو ایک ہفتہ ہوا تھا کہ شکاگو میں ایک بوڑھے آدمی کی نظر اُس فیچر پر پڑی۔ اس کے

ہاتھوں میں کافی کی پیالی چھوٹ گئی۔

اُس نے جلدی جلدی پورا فیچر پڑھا اور پھر اپنے پادری کو فون کیا۔ یہ کام کر کے اُس نے اپنی اسٹڈی کا رخ کیا۔ وہاں وہ کتابوں کا جائزہ لیتے ہوئے اس یادداشت کو کریدتا رہا۔ وہ تجسس سے بے حال ہو رہا تھا، اور ہیجانی کیفیت کا یہ عالم تھا کہ اُس کا جسم لرز رہا تھا۔

اسٹڈی سے ہی اُس نے میگزین کے دفتر فون کیا۔ وہاں سے اسے لندن کا ایک نمبر دیا گیا۔ لندن کے لیے کال بک کراتے ہوئے وہ جوش سے بھرا ہوا تھا اور اپنے تئیں خود کو بیحد جرات مند محسوس کر رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ کوئی پرائیویٹ سراغ رساں ہے۔

اُس نے میگزین پر دی گئی بائی لائن کو ایک بار پھر چیک کیا۔ اس بار نیوز ڈیسک سے اس کا رابطہ ہوا۔ میرا نام مائیکل فن ہے۔ میں شکاگو سے بات کر رہا ہوں۔'' اُس نے کہا۔ ''مجھے آپ کی ایک رپورٹر سے بات کرنی ہے۔ کیرول ہاٹ نام ہے اُس کا۔''

''کاش، یہ ممکن ہوتا۔'' دوسری طرف سے ایک مردانہ آواز نے کہا۔ ''گزشتہ ایک ہفتہ سے اُس کا کچھ پتا نہیں۔ اچھا، یہ تو بتائیں کہ آپ کس سلسلے میں ان سے بات کرنا چاہتے تھے؟''

وہ بولنے ہی والا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی اور ایک منحنی سے آدمی نے اندر جھانکا۔ وہ گرے سوٹ پہنے ہوئے تھا اور اُس نے پادریوں والوں کالر لگایا ہوا تھا۔ فن نے اسے اندر آ کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر وہ فون پر بات کرنے لگا۔

فون سے نمٹ کر وہ پلٹا اور اُس نے پادری سے ہاتھ ملایا۔ پھر بڑے ڈرامائی انداز میں اس نے میگزین پادری کی طرف بڑھایا۔

پادری نے وہ فیچر پڑھا اور آہستہ سے بولا۔ ''کمال ہے۔ یہ تو بڑی عجیب سی بات ہے۔ ہے نا؟''

''عجیب...... بہت عجیب۔'' مائیکل فن نے کہا۔

کچھ دیر وہ دونوں خنجروں کے متعلق اپنی پرانی یادیں تازہ کرتے رہے۔ وہ اس دن کو یاد کر رہے تھے، جب مائیکل فن نوادرات کے نیلام میں گیا تھا، اور وہاں اس کے سامنے یہ خنجر آئے تھے۔ اُس نے بولی دے کر انہیں چھڑایا تھا اور پادری سے رابطہ کیا تھا۔ پھر پادری وہ خنجر لے کر اٹلی چلا گیا تھا، جہاں اُس نے سوبیاکو کی خانقاہ میں وہ خنجر پہنچا دیے تھے۔

''اگر ہمیں پتا ہوتا کہ یہ کچھ ہوگا تو ہم ان خنجروں کو وہیں رہنے دیتے، جہاں وہ تھے۔'' پادری نے کہا۔

''فادر، ذرا یاد تو کرو۔ اس اطالوی نے تمہیں اشارتاً بھی نہیں بتایا کہ وہ ان کا کیا کرے گا؟''

''نہیں...... اشارتاً بھی نہیں بتایا۔''

مائیکل فن نے استعجابیہ انداز میں سر ہلایا۔ اسے افسوس ہو رہا تھا۔ رہ رہ کر اسے خیال آتا تھا کہ فیچر میں جتنی بھی اموات کا تذکرہ ہے ان کے ذمے دار وہ ہے۔ نہ وہ نیلام گھر سے وہ خنجر چھڑاتا، نہ یہ سب کچھ ہوتا۔

''تمہیں کچھ علم ہے، یہ ڈی کارلو زندہ ہے کہ نہیں۔'' اُس نے پادری سے پوچھا۔

پادری نے کندھے جھٹک دیے۔ ''مجھے نہیں معلوم۔ لیکن تم خانقاہ فون تو کر سکتے ہو۔''

مائیکل فن نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ اب وہ پھر خود کو جرات مند لیڈر محسوس کر رہا تھا۔ جو کچھ کرنا تھا، اسی کو کرنا تھا۔ ''اگر وہ زندہ ہے تو تم میرے ساتھ چلو گے...... اُس سے ملنے کے لیے؟''

''کیوں؟ اس سے کیا حاصل؟''

''اس سے میرے تجسس کی تشفی ہوگی۔''

پادری نے نفی میں سر ہلایا۔ ''مجھے اتنا زیادہ تجسس ہے ہی نہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ مجھے اپنی بھیڑوں کی رکھوالی کرنی ہے۔''

''ہاں، یہ تو ہے۔'' مائیکل نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''مگر میری چھٹیاں کافی جمع ہوگئی ہیں۔''

''تو پھر؟''

''اس عرصے میں روم کی تعطیلات گزارنے سے اچھا اور کیا ہو سکتا ہے۔''

''بات تو ٹھیک ہے تمہاری؟'' پادری نے کہا۔

اپنی عمر کے ساٹھ برسوں میں مائیکل فن نے کبھی اپنے آبائی شہر سے باہر قدم نہیں رکھا تھا۔ اُس کی زندگی کتابیں تھیں اور قدیم تاریخ کا مطالعہ۔ اسے ماہر تسلیم کیا جاتا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ بائبل کی عبارات کا اتنا بڑا ذخیرہ ملک بھر میں کسی کے پاس نہیں ہوگا، جتنا اس کے پاس ہے۔ اس کے پاس نادر و نایاب مخطوطات بھی تھے۔ بحیرہ مردار سے ملنے والے قدیم پارچے بھی اُس کے پاس موجود تھے، جنہیں اُس نے بڑی حفاظت سے شیشے کے ایک کیس میں رکھا تھا، تاکہ انہیں مزید نقصان نہ پہنچے۔ اور شیشے کا وہ کیس اس کی اسٹڈی میں موجود تھا۔

وہ ایک معزز اسکالر تھا۔ دنیا میں اُس کی بڑی عزت تھی، اُس کا احترام کیا جاتا تھا۔ لیکن وہ جدید دنیا کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا جہاز میں اُس نے کامیابی سے سیٹ بیلٹ باندھی تو یوں خوش ہوا، جیسے کوئی بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہو۔

وہ بہت خوش تھا۔ وہ اس وقت سے خوش تھا، جب اس نے سفر کے لیے اپنا سامان پیک کرنا شروع کیا تھا۔ پھر جب اُس نے اپنی بیوی کو خدا حافظ کہا تھا۔ اس مشن سے اسے پراسراریت کی اپنی پسندیدہ خوشبو آتی محسوس ہو رہی تھی۔ بلکہ اسے تو لگ رہا تھا کہ اسے خطرات کا بھی سامنا کرنا ہوگا۔ یہ سب سوچ سوچ کر اُس کے جسم میں سنسنی سی دوڑ رہی تھی۔

جہاز نے ٹیک آف کے لیے رفتار پکڑی تو وہ خود کو پھر سے جوان محسوس کرنے لگا تھا۔ لگا جیسے دماغ پر برسوں سے تنے ہوئے مکڑی کے جالے کسی نے صاف کر دیئے ہیں اور روح پر جمی ہوئی گرد ہٹا دی گئی ہے۔ وہ اتنا خوش تھا کہ اُس نے اپنا برسوں پرانا اصول بھی چھوڑ دیا، اور ایئر ہوسٹس کا لایا ہوا کاک ٹیل کا جام قبول کر لیا۔ حالانکہ رات ہونے سے پہلے وہ کبھی نہیں پیتا تھا۔

روم پہنچ کر اُس نے وقت بالکل ضائع نہیں کیا۔ اُس نے ایئر پورٹ سے ایک کار کرائے پر لی اور فوری طور پر سوبیا کو کے لیے مشرق کی طرف سفر شروع کر دیا۔ اُس نے سوچا، پہلے ڈی کارلو سے مل لیا جائے۔ پھر وقت کی کمی نہیں ہوگی۔ اُس کے پاس فرصت ہی فرصت ہوگی، اور وہ سکون

سے روم کی یادگاریں میں دیکھ سکے گا۔

ڈرائیو کرتے ہوئے ایک گھنٹا ہوا تھا کہ شام کا جھٹ پٹا اتر آیا۔ اُس نے رہنمائی کرنے والے نقشے کا جائزہ لیا۔ خانقاہ پہلے اسے نظر آئی یہ احساس بعد میں ہوا کہ وہ منزل مقصود پر پہنچ چکا ہے۔

وہ پہاڑی پر سیاہ پتھروں سے تعمیر کی گئی عمارت تھی، جسے اب تو کھنڈر ہی کہا جا سکتا تھا۔

وہاں کہیں کوئی روشنی نہیں تھی۔ عمارت میں کوئی کھڑکی بھی نہیں تھی۔ اُس کے جسم میں تھرتھری سی دوڑ گئی۔ اسے ویسا ہی احساس ہوا، جیسا برسوں پہلے فادر ڈولان کو ہوا تھا۔ اسے لگا، جیسے وہ تاریخ کا حصہ ہے۔ یہاں اسے وقت کا تسلسل صاف محسوس ہو رہا تھا۔ وقت جیسے پانی کا دھارا تھا، بغیر رکے بہہ رہا تھا۔ یہ احساس شکاگو میں تو کبھی ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

اُس نے کار روکی اور اُس کے انجن کو بند کر دیا۔ وہاں چھایا ہوا کامل سناٹا اُس کے اعصاب پر دباؤ ڈال رہا تھا۔ وہ اس پامال راستے پر قدم بڑھانے لگا، جو شاہ بلوط کے بنے بھاری دروازے کی طرف جاتا تھا۔ وہ دل ہی دل میں دعائیں پڑھ رہا تھا۔ وہ جس کی زندگی لائبریری میں کتابیں پڑھتے گزری تھیں، وہ تاریخ پڑھنے والا پہلی بار تاریخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا...... دیکھنے جا رہا تھا۔ یہ وہ جگہ تھی، جو گزری ہوئی صدیوں کے ایک ایک لمحے کی امین تھی۔ یہ عملی تاریخ تھی۔ یہاں ہر چیز ماضی کے کہر میں لپٹی ہوئی تھی اور ہر چیز سے وقت کی سیلن زدہ بو پھوٹ رہی تھی۔ یہاں اپنا آپ بہت حقیر، بہت غیر اہم لگ رہا تھا۔

وہ راستے پر بچھے ہوئے بوسیدہ مستطیل پتھروں پر قدم رکھتا آگے بڑھا تو اسے اجتماعی دعاؤں کی ہلکی ہلکی آواز آنے لگی۔ بالآخر وہ دروازے پر پہنچا۔ اُس نے دھاتی زنجیر کو بجایا۔ وہ آواز پوری عمارت میں گونج گئی۔ لیکن اس سے دعاؤں کے تسلسل میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ وہ ایک منٹ تک کھڑا انتظار کرتا رہا۔ اُس کا جی چاہا کہ دوبارہ زنجیر بجائے۔ لیکن اُس نے اس خیال سے خود کو روک لیا کہ یہ بے ادبی ہوگی۔ بالآخر دروازہ کھلا۔ دروازہ کھولنے والا راہب، جس کا چہرہ چوغے کے کنٹوپ میں تقریباً چھپا ہوا تھا، خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔

مائیکل فن نے اپنا تعارف کرایا۔

راہب نے ایک طرف ہٹ کر اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔ ''ہمیں خوشی ہے کہ آپ آئے۔'' راہب نے صاف اور شستہ انگریزی میں کہا۔

''مجھے امید ہے کہ میں مخل نہیں ہو رہا ہوں۔''

''فادر ڈی کارلو کو آپ سے مل کر خوشی ہوگی۔ اب کہاں کوئی ان سے ملنے آتا ہے۔''

''وہ کیسے ہیں؟''

''ان کی روح بہت ناخوش ہے۔''

''مائیکل فن راہب کے پیچھے چل دیا۔ چند لمحے بعد وہ ایک تنگ راہ داری میں پہنچے۔ وہاں سیلن کی بو بھی شدید تھی اور خنکی بھی۔ مائیکل فن پر کپکپی چڑھنے لگی۔

راہب ایک دروازے پر رکا، اس نے دروازے پر دستک دی، اور پھر اسے دھکیل کر کھولا۔ مائیکل فن اندر داخل ہوا۔ وہ چھوٹا سا کمرہ تھا، جہاں ایک تنگ سے بیڈ پر ایک بوڑھا آدمی دراز تھا۔

ڈولان نے ڈی کارلو کا جو حلیہ بیان کیا تھا، اُس کے مطابق وہ بھاری بھر کم تھا۔ اُس کے چہرے پر مضبوطی تھی اور رخساروں کی ہڈیاں بے حد نمایاں تھیں۔ اُس کی ناک کھڑی اور خمیدہ تھی۔ مائیکل فن کو احساس تھا کہ وہ دو دہائی پہلے کا حلیہ تھا، جواب تبدیل ہوا ہوگا۔ لیکن اتنے بڑے زوال کی اسے امید نہیں تھی۔ فادر ڈی کارلو کو دیکھ کر اُسے شاک لگا۔ وہ تو جیسے چرمرا کر رہ گیا تھا۔

فادر ڈی کارلو خاصی کوشش کے بعد خود کو بیٹھنے کی پوزیشن میں لا سکا۔

مائیکل فن سوچ رہا تھا کہ بات کہاں سے شروع کرے۔ ''مجھے افسوس ہے فادر کہ آپ کی طبیعت ناساز......''

''میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' فادر نے کہا۔ ''البتہ دنیا بیمار ہے۔''

''جی......جی ہاں۔'' مائیکل نے گڑبڑا کر کہا۔

راہب اُس کے لیے کرسی لے آیا تھا۔ اُس نے راہب کا شکریہ ادا کیا اور کرسی پر ٹک گیا۔ پھر اُس نے اپنی جیب سے کیرول باٹ کا لکھا ہوا وہ فیچر نکالا۔ ''آپ کو میرا خط مل گیا تھا؟'' اُس نے ڈی کارلو سے پوچھا۔

فادر نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر پوچھا۔ ''جب تمہیں وہ خنجر ملے، تو کیا تم ان کی اہمیت سے آگاہ تھے۔''

''بس اسی حد تک کہ میگیدو کے قدیم شہر سے ان کا تعلق تھا۔ میں نے ان کی تصویریں دیکھی تھیں۔ جب میں نے وہ خنجر دیکھے تو مجھے لگا کہ وہ ان تصویروں سے مشابہ ہیں۔''

''تمہاری معلومات درست ہیں۔ میگیدو یروشلم کے نزدیک زیرزمین شہر ہے۔ ایک زمانے میں اسے ارمگیدون کہا جاتا تھا۔

''اور مجھے احساس تھا کہ ان خنجروں کی کوئی بڑی تاریخی اہمیت ہے۔'' مائیکل نے کہا۔ ''میرا خیال ہے، ایک زمانے میں انہیں ارواح خبیثہ سے نجات دلانے کے سلسلے میں استعمال کیا جاتا تھا۔''

ڈی کارلو مسکرایا۔ ''یہ کہنا تو ان کی اہمیت کو کم کرنے کے مترادف ہے۔ رد بلا، بھوت پریت سے نجات......نہیں بھئی، ان کی حقیقی اہمیت اس سے کہیں زیادہ......بہت زیادہ بڑھ کر ہے۔''

مائیکل نے کیرول باٹ کا فیچر اس کی طرف بڑھایا۔ ''اتنے برس گزر گئے۔ میں تو انہیں بھول ہی گیا تھا۔ لیکن پھر ایک رسالے میں ان خنجروں میں یہ فیچر چھپا۔ تب میری یاد تازہ ہوگئی۔''

ڈی کارلو نے خنجر کی تصویر دیکھ کر پلکیں جھپکائیں۔ پھر وہ مضمون پڑھنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُس کی آنکھیں بھر آئیں۔ اُس نے ہاتھ کی پشت سے آنسوؤں کو پونچھا اور سر اٹھا کر مائیکل فن کو دیکھا۔ ''میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ میں تمہیں بتانے والا ہوں، اسے دھیان سے سنو۔ اور درمیان میں مجھے ٹوکنا مت۔''

"مائیکل نے اثبات میں سر ہلایا اور کرسی کی پشت گاہ سے کمر ٹکالی۔

فادر ڈی کارلو نے داستان شروع کی۔ اُس نے بتایا کہ اسی کمرے میں ایک مبتدی راہب کی حیثیت سے اُس نے ایک مرتے ہوئے پادری کا اعتراف سنا تھا، جس کا نام فادر اسپلیٹو تھا۔ وہ پادری، جو شیطان کا چیلا بن گیا تھا، اور اس حیثیت میں اُس نے ایک شیطانی پیدائش میں ہاتھ بٹایا تھا۔ جو مخلوق پیدا ہوئی تھی، وہ شیطان کے ایک مادہ گیدڑ سے اختلاط کے نتیجے میں موجود میں آئی تھی۔

مائیکل حیرت سے پلکیں جھپکا کر رہ گیا۔ لیکن اُس نے کچھ کہا نہیں۔

وہ بال دار مخلوق انسانی شکل میں تھی۔ اُس کے جسم کے بال صاف کر کے اور اُس کی بد بو کو دبانے کے لیے اُسے خوشبوؤں میں نہلا کر قابل قبول بنایا گیا، تب اسے ایک انسانی بچے کی جگہ دی گئی، جو رابرٹ تھورن اور کیتھرین تھورن کا بچہ تھا۔ رابرٹ تھورن سے کہا گیا کہ اُس کا بچہ مرا ہوا پیدا ہوا اور یہ کہ خدا کی رضا اسی میں ہے کہ وہ اس بچے کو اپنا سمجھ کر پالے۔ کیتھرین تھورن کے ساتھ کوئی پرابلم تھا۔ کئی بار اُس کے حمل ضائع ہو چکے تھے۔ وہ اُس کے لیے ماں بننے کا آخری موقع تھا۔ اس لیے رابرٹ تھورن کے سامنے کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ اُس نے اپنی بیوی کو یہی بتایا کہ وہ اُس کا بچہ ہے۔ اُس کا نام ڈیمین رکھا گیا۔

"وہ بچہ شیطان کا بچہ تھا اور تباہی کا پیغام بر۔" فادر ڈی کارلو نے کہا "بہت جلد رابرٹ تھورن کو اس بات کا احساس ہو گیا۔ وہ میگیدو گیا۔ وہاں اسے سات خنجر دیے گئے۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ بچے کو ختم کرتا، وہ خود ہی مارا گیا۔"

مائیکل فن اب آنکھیں مل رہا تھا۔ فادر ڈی کارلو نے راہب کو پانی لانے کا اشارہ کیا۔ پھر اُس نے داستان آگے بڑھائی کہ کیسے ڈیمین تھورن پلا بڑھا اور تھورن کارپوریشن کا سربراہ بنا۔ اُس کے دور میں دنیا کی بیشتر آبادی کو غذائی اجناس تھورن کارپوریشن ہی فراہم کرتی تھی۔ کیسے اُس نے اپنے چیلے بنائے اور کیسے اُس کا اثر و رسوخ بڑھتا گیا۔

"پھر جیسے خدا نے میری سن لی۔" فادر ڈی کارلو نے کہا۔ "وہ خنجر تمہیں مل گئے۔ تمہارا پادری انہیں میرے پاس لے آیا۔ یہ خدا کی مرضی تھی، اُس کی مہربانی تھی۔ وہی راستے بناتا ہے۔ خدا نے تمہیں ہمارے لیے سبب بنایا۔

مائیکل فن نے راہب کے دیے ہوئے پانی کے گلاس کو ایک سانس میں خالی کر دیا۔ لیکن اب بھی اُس نے کچھ نہیں کہا۔

"میں نے اپنے ساتھ چھ برادرز کو لیا اور انگلینڈ چلا گیا۔ ہمارا مقصد ڈیمین تھورن کا خاتمہ تھا۔" اُس نے بستر کی چادر ہٹائی اور وہاں سے خنجر نکال کر اُسے دکھایا۔ جبلی طور پر مائیکل گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ یہ انہی خنجروں میں سے ایک تھا، جو اُس نے فادر ڈولان کے ذریعے یہاں بھجوائے تھے۔

ایک لمحے کو مائیکل کو خیال آیا کہ فادر ڈی کارلو کہیں پاگل تو نہیں۔ جو کہانی وہ سنا رہا ہے، سچ تو نہیں لگتی۔ لیکن اگر یہ سچ ہے تو قانونی طور پر اُس پر بھی اعانتِ قتل کا الزام آئے گا۔

"آپ ایک پادری ہو کر ایک انسان کو قتل کرنے کے ارادے سے گئے؟" مائیکل فن کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

"وہ انسان نہیں تھا۔" ڈی کارلو نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "وہ اینٹی کرائسٹ تھا...... دجال۔"

مائیکل کے حلق سے کراہ سی نکلی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔

فادر ڈی کارلو نے اُس کی آنکھوں کے سامنے خنجر لہرایا۔ ''میں جانتا ہوں کہ تمہارے لیے میری بات کو سچ تسلیم کرنا آسان نہیں۔'' اُس نے کہا'' اور یہ تو جب ہے کہ تم ایمان والے ہو۔ رابرٹ تھورن کے لیے تو یہ اور دشوار تھا۔ کیونکہ وہ مذہب سے دور تھا۔ اس کے باوجود اُسے یقین آ گیا۔ کیٹ رینالڈز مذہب سے اس سے بھی زیادہ دور تھی۔ لیکن اُسے بھی یقین آ گیا۔ جانتے ہو، ڈیمین کی پیٹھ میں خنجر اُس نے اتارا تھا۔'' یہ کہہ کر اُس نے خنجر کو مائیکل فن کی گود میں ڈال دیا۔

مائیکل فن خنجر کے دستے پر ابھری ہوئی مسیح کی شبیہ کو گھورتا رہا۔

''میں سمجھا تھا کہ ہم کامیاب ہو گئے۔ میں سمجھا تھا کہ ہم نے ڈیمین کو ختم کر دیا۔ لیکن وہ ہماری خوش فہمی تھی۔'' ڈی کارلو نے سرد آہ بھری اور دوبارہ بستر پر لیٹ گیا۔

مائیکل نے خنجر کے دستے کو چھوا اور اٹھ کر کھڑے ہونے کی کوشش کی۔ وہ جلد از جلد اس خانقاہ سے نکل بھاگنا چاہتا تھا۔ مگر اچانک اسے احساس ہو رہا تھا کہ اُس کی ٹانگوں میں جان ہی نہیں ہے۔

''تم نے انجیل کی آخری کتاب پڑھی ہے، جس میں یوحنا کے الہامات درج ہیں؟''

''مائیکل نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اور مقدر کر دیا گیا کہ وہ ولیوں سے لڑے اور ان پر فتح یاب ہو'' ڈی کارلو نے کہا۔ ''اور اسے طاقت اور بالا دستی دی گئی۔ اپنے جیسوں پر، زبانوں پر اور قوموں پر۔ اسے طاقت دی گئی۔ یہ لکھا ہے کتاب مقدس میں اور اب دیکھو اور غور کرو تو سمجھ میں آتا ہے کہ روئے زمین پر تھورن کارپوریشن سے طاقت ور کوئی چیز نہیں۔''

مائیکل فن نے نفی میں سر ہلایا۔ ''بائبل کی جو جیسی چاہے تشریح کر سکتا ہے۔''

''بالکل درست۔ اینٹی کرائسٹ کے چیلے اپنے مطلب کی تشریحات کرتے رہے ہیں۔ ان میں سے ایک فادر ٹیسون تھا جس نے ڈیمین تھورن کی پیدائش میں ہاتھ بٹایا۔ بعد میں وہ تائب ہو گیا۔ اُس نے مرنے سے پہلے رابرٹ تھورن کو بتایا تھا کہ وقت آخر آ پہنچا ہے۔ نشانیاں پوری ہو رہی ہیں۔ ارض مقدس میں یہودی واپس آ پہنچے ہیں دنیا پر طرح طرح کی آفتیں آ رہی ہیں۔ قحط پڑ رہے ہیں سیاسی ابتری پھیلی ہوئی ہے۔ کتاب میں لکھا تھا...... تب وہ آئے گا، قوموں کو متحد کرے گا۔ دنیا کے چاروں کونوں میں یہووا کے ماننے والے آ کر ایک پرچم تلے اکٹھا ہوں گے۔''

مائیکل فن نے کچھ نہیں کہا۔

فادر ڈی کارلو اسے دیکھتا رہا۔ ''تم بائبل اور اس کی تفاسیر سے واقف ہو۔ تم جانتے ہو کہ مسیح کی دوبارہ ولادت ہو گی۔ اور وہ دجال سے...... اینٹی کرائسٹ سے مقابلہ کریں گے۔ اسرائیل کی سرحدوں میں ارمگیڈون کی جنگ ہو گی۔''

مائیکل فن نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تو سن لو کہ وہ پیدا ہو گیا ہے میں اسے دیکھ چکا ہوں۔''

مائیکل اپنے ابروؤں کو سہلانے لگا۔ وہ وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ لیکن وہ رکا رہا۔ اس پر کوئی سحر طاری تھا۔ وہ خود اپنی گرفت میں نہیں تھا۔

''جس روز مسیح کی ولادت ہوئی، ڈیمین تھورن نے اپنے چیلوں کو حکم دیا کہ اس دن پیدا ہونے والے ہر بچے کو ختم کر دیں۔ اُس کے حکم کی تعمیل میں سینکڑوں بچے قتل کر دیئے گئے۔ لیکن نومولود مسیح کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکا۔''

مائیکل فن اب اپنی آنکھوں کو مل رہا تھا۔

فادر ڈی کارلو نے نرمی سے اُس کے بازو کو چھوا۔ ''میں جانتا ہوں۔ جو کچھ میں نے بتایا وہ قبول کرنا کسی بھی انسان کے لیے آسان نہیں۔ تمہارے لیے تو اور مشکل ہے۔ کیونکہ تم ساری زندگی انہیں کتابی معاملات سمجھتے رہے ہو...... کتابی اور حقیقت سے دور! لیکن میری تم سے التجا ہے کہ تھوڑی دیر اور مجھے برداشت کر لو۔''

مائیکل نے سر کو اثباتی جنبش دی۔

فادر ڈی کارلو نے اپنے سرہانے پر موجود شیلف کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہاں سے اُس نے دو لفافے اٹھائے اور انہیں اُس کی طرف بڑھایا۔ ''پہلے یہ والا خط پڑھو۔ یہ ایک بے حد بہادر عورت کا خط ہے، جو اُس نے بیماری مرگ کے دوران لکھا تھا۔ اسے پڑھو اور اس پر یقین کرو۔''

مائیکل نے لفافے کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ بھیجنے والے کا پتا شمال مغرب لندن کا تھا۔ مائیکل نے خط نکالا اور آخری حصے پر بھیجنے والا کا نام دیکھا۔ لیکن وہ اُس کے لیے کوئی مانوس نام نہیں تھا۔

''اسے پڑھو۔'' فادر ڈی کارلو کے انداز میں اب تحکم تھا۔

مائیکل فن نے خط کھولا اور اسے پڑھنا شروع کیا......

فادر، اگلے ہفتے مجھے ناف کے نیچے، پیٹ بلکہ پشت کے آپریشن کے سلسلے میں کلینک میں داخل ہونا ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ آپریشن کے بعد میری بحالی صحت کا مرحلہ بے حد سست اور اذیت ناک ہوگا۔ لیکن مجھے اس پر یقین نہیں۔ میں زندہ بچ سکوں گی۔ آپ مجھے دوسروں سے زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ میں کتنی حقیقت پسند ہوں۔ میں چیزوں کو بڑھا چڑھا کر بیان نہیں کرتی۔ اس کے باوجود میری آپ سے التجا ہے کہ آپ میری باتوں کو دیوانے کی بڑ نہ سمجھے گا۔ میرا جسم میری شہادت ہے اور میں نے اسے بہت غور سے دیکھا۔ اور جو اذیت میں نے محسوس کی ہے، اسے میں ہی سمجھ سکتی ہوں۔ اور میں نے حقیقت جان لی ہے۔

آپ ہی ایک ایسے آدمی ہیں، جسے میں خط لکھ سکتی ہوں۔ کیونکہ آپ ہر چیز سے واقف ہیں آپ کے انگلینڈ سے رخصت ہونے کے چند ہفتے بعد درد شروع ہوئے۔ ابتدا میں تو میں نے نہیں نظر انداز کر دیا۔ مگر مجھے بڑھتا ہوا ورم نظر آیا۔ میں نے ڈاکٹر سے رجوع کیا۔ ڈاکٹر نے مجھے ایک اسپیشلسٹ کے پاس بھیج دیا۔ وہاں میرے ٹیسٹ کیے جاتے رہے، اور اس دوران ورم میں

مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ ڈاکٹر نے ایک بار بھی کینسر کا نام نہیں لیا۔ اُس نے مجھے ایکس رے دکھائے۔ وہ مسلسل گلٹی کہتا رہا۔

لیکن میں اسے ٹیومر نہیں سمجھتی۔ اور مجھے یقین ہے کہ جو ایکس رے مجھے دکھائے گئے، وہ میرے نہیں تھے۔ فادر وہ جو بھی چیز ہے، وہ منحوس چیز لاتیں چلاتی ہے۔ اگر یہ کوئی ڈراؤنا خواب ہے تو پھر میں اسے حالت بیداری میں دیکھ رہی ہوں۔

میں آپ کو آپ کی اپنی اصطلاح میں بتاؤں۔ میں اور ڈیمین یک جان ہو چکے تھے۔ ہمارے درمیان اختلاط کا رشتہ قائم ہو گیا تھا۔ آپ کو اس لیے بتا رہی ہوں کہ اگر میں آپریشن کے درمیان مر جاؤں تو میرے خط کو آپ تحریری اعتراف گناہ سمجھیں۔ اور آپ اسے میری موت کے بعد پڑھ سکیں گے۔ خط آپ کو ملنے کا مطلب ہوگا کہ میں مر چکی ہوں۔

آپ نے ڈیمین کے خلاف ناقابلِ تردید شہادت پیش کی۔ اس کے باوجود میں ایمان والی نہیں بن سکی۔ اب بھی مجھے ڈیمین کے متعلق آپ کے دعوے پر یقین نہیں ہے۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ ڈیمین تھورن نامی ایک شخص نے میرے بیٹے کو مجھ سے چھیننے کی کوشش کی تھی۔ اُس نے میرے بیٹے کو خنجر مارا، اور جواب میں میں نے اسے قتل کر دیا۔ مجھے آج بھی وہ چھچ کی سی آواز صاف سنائی دیتی ہے جو پیٹر کی پیٹھ سے خنجر نکالنے پر میں نے سنی تھی اور وہ آواز بھی جب میرا گھونپا ہوا خنجر ڈیمین تھورن کی ہڈی سے ٹکرایا تھا۔ بس میں یہی کچھ جانتی ہوں۔ آپ کے نزدیک وہ دجال تھا...... اینٹی کرائسٹ! میرے لیے وہ ایک پرکشش مرد تھا، جس کے سر پر بالوں کے نیچے ایک عجیب برتھ مارک تھا۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں مانتی۔

تاہم رات کی تنہائی میں ایسے لمحے بھی ہوتے ہیں، جب مجھے نظر آتا ہے میں صاف دیکھتی ہوں کہ میرے وجود میں پلنے والی یہ اذیت وہ چیز شیطانی ہے، جیسے یہ...... مگر میں کچھ نہیں کہوں گی۔ ایمان والے تو آپ ہیں۔ آپ شیطان سمیت ان بہت سی چیزوں پر یقین رکھتے ہیں، جنہیں ہم توہمات کہتے ہیں۔ اور ہاں، میں اچھے خواب بھی دیکھتی ہوں، جن میں مجھے تسلی دی جاتی ہے، دلاسے دیے جاتے ہیں۔ آپ کہیں گے کہ یہ خدا کی طرف سے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم۔ میں بس یہ جانتی ہوں کہ اب میں کلینک جانے والی ہوں۔ فادر ڈی کارلو، آپ میرے لیے دعا کیجیے گا۔ کوئی فائدہ نہ بھی پہنچا سکیں تو آپ کی دعاؤں سے مجھے کم از کم نقصان تو نہیں پہنچے گا۔ اور اگر میں غلط ہوں اور آپ درست ہیں تو آپ کی دعائیں میرے کام آئیں گی۔

مائیکل نے سر اٹھا کر فادر ڈی کارلو کو دیکھا۔

''ورق الٹو۔'' ڈی کارلو نے کہا۔

مائیکل نے ورق الٹا۔ وہاں خط مکمل کرنے کے بعد نوٹ لکھا گیا تھا......

میں شیطان کے ساتھ سوئی ہوں فادر میں نے وہ بدترین گناہ کیا، جو خدا کو سب سے زیادہ ناپسند ہے۔ ایک تو گناہ اور پھر خلافِ فطرت گناہ! میں بہت شرمسار ہوں فادر پلیز...... میری معافی کے لیے بہت دعا کیجیے گا۔

''اس نوٹ پر اس روز کی تاریخ ہے، جب وہ کلینک گئی تھی۔'' فادر ڈی کارلو نے کہا۔ ''اگلے روز وہ ختم ہو گئی۔ یہ خط اُس کے وکیل کے توسط

سے مجھے موصول ہوا۔''

''بے چاری عورت۔'' مائیکل نے سرہلاتے ہوئے کہا۔ ''کیا کینسر کبھی قابلِ علاج نہیں ہو سکے گا!''

''وہ کینسر نہیں تھا۔''

مائیکل نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

''وہ ڈیمین تھورن کا آخری شکار تھی۔ مجھے یقین ہے کہ اُس نے اُس کے بچے کو جنم دیا تھا۔'' فادر ڈی کارلو نے مائیکل کی طرف دوسرا خط بڑھایا۔

مائیکل فن نے بغیر کچھ کہے وہ خط لیا اور اسے کھول کر پڑھنے لگا......

مجھے معاف کر دے مقدس باپ کہ میں بہت گناہ گار ہوں......

خط پڑھنے کے بعد مائیکل نے پھر سر اُٹھا کر فادر کو دیکھا۔ اُس کا چہرہ سپید پڑ گیا تھا۔ ''یہ......تو خرافات ہے۔'' اُس نے کہا۔

فادر ڈی کارلو نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ اتنا بڑا جھوٹ کیوں بولے گی؟''

''میں اسے جھوٹا نہیں کہہ رہا ہوں۔'' مائیکل نے کہا۔ ''مجھے یقین ہے کہ وہ پاگل تھی۔''

''نہیں۔ یہ کہنا تو جان چھڑانے کا آسان راستہ ہے......چشم پوشی ہے۔ وہ نہ جھوٹ بول رہی تھی، اور نہ ہی پاگل تھی۔ شیطان کے چنگل میں پھنسنے کے بعد پہلی بار تو وہ ہوش میں آئی تھی۔

مائیکل فن آگے کی طرف جھکا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔

لیکن ڈی کارلو نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔ ''اُس خوف ناک رات، جب میں نے اور کیٹ نے کیٹ کے بیٹے کو دفنایا، ہم ڈیمین تھورن کی لاش کو وہیں معبد میں قربان گاہ پر چھوڑ آئے تھے۔ میں خنجر اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اب رات کے اندھیرے سے چھٹ گئے اور ایک نئی صبح طلوع ہونے والی ہے۔ لیکن میں غلطی پر تھا۔ شیطان کے چیلوں کو ڈیمین میں لاش مل گئی۔ انہوں نے اعلان کیا کہ وہ اپنے بستر میں ہارٹ اٹیک سے مرا ہے۔ ان کے اپنے ڈاکٹر نے اس کی تصدیق کی۔ اسے شکاگو میں تھورن فیملی کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔''

''میں جانتا ہوں۔ میں نے ٹی وی پر دیکھا تھا۔''

''ڈی کارلو نے خط اُس سے لے لیا۔ اُس نے انگلیوں سے ایک خط کشیدہ پیراگراف کو سہلایا۔ ''ہم سے ایک چوک ہو گئی۔ ہر چاقو کو اپنے دستے تک اتارنا ضروری ہے۔'' اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''اور ترتیب ایسی ہو کہ ساتوں دستے ایک دوسرے سے مل کر صلیب کی شکل اختیار کریں۔ پہلا خنجر سب سے اہم ہے۔ وہ اس صلیب کا مرکز ہے۔ اور جسمانی زندگی کو قطع کرتا ہے۔ دوسرے خنجر بھی اپنے اپنے مقام پر پیوست کیے جائیں تو روحانی زندگی کو منقطع کرتے ہیں اور بنیادی شرط یہ ہے کہ یہ کام کسی مقدس مقام پر کیا جائے۔ یہ سب تفصیل لکھی بھی دی گئی اور سینہ بہ سینہ منتقل بھی کی جاتی رہی۔ تاکہ ہم چوکنے رہیں۔

مائیکل فن کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن پھر اُس نے مناسب یہی سمجھا کہ خاموش رہے۔

ڈی کارلو نے سرد آہ بھری اور نڈھال سا ہو کر دوبارہ دراز ہو گیا۔ ''ہم سے غلطی ہوئی۔ ہم نے اینٹی کرائسٹ کو صرف جسمانی طور پر ختم کیا۔ اس کی روح محفوظ رہی اُس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اپنے بیٹے کے جسد میں روحانی طور پر غیر فطری طریقے سے پیدا ہو گیا۔ اُس نے آنکھیں موند لیں۔ اب وہ بولا تو اُس کی آواز تقریباً سرگوشیانہ تھی۔ ''جس روز وہ پیدا ہوا اس روز گھبراہٹ سے میری آنکھ کھلی، اور میں نے واضح طور پر جان لیا کہ میں ناکام ہو گیا۔ میرے برادرز کی جانی قربانی رائیگاں ہو گئی۔ پھر گزشتہ ماہ یہ خط موصول ہوا تو تصدیق ہوئی مجھے اپنی کم علمی اور اپنی کوتاہی کا احساس ہو گیا۔ ناکامی اس لیے ہوئی کہ ہمیں علم ہی نہیں تھا کہ کیا کرنا ہے، اور کس طرح کرنا ہے۔''

مائیکل فن دھیرے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اُس کی گھٹنوں میں لرزش تھی۔ اسے چکر آرہے تھے۔ اور اچانک وہ خود کو بہت بوڑھا محسوس کر رہا تھا۔

ڈی کارلو نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ ''جو کچھ میں نے تمہیں بتایا، وہ سب میں تحریر بھی کر چکا ہوں۔ تم میرے وہ نوٹس اور یہ خط لے کر لندن چلے جاؤ۔ وہاں جا کر برطانیہ میں متعین امریکی سفیر سے ملو۔ وہ ہماری مدد کرے گا۔''

''کیوں؟'' مائیکل نے پوچھا۔ ''وہ ہماری مدد کیوں کرے گا؟''

''اس لیے کہ وہ ایمان دار آدمی ہے۔ اور وہ طاقت ور اور بارسوخ بھی ہے۔ وہ خنجر حاصل کر سکتا ہے۔ جو کچھ تم نہیں کر سکتے، وہ کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ جوان بھی ہے۔ جبکہ تم میری طرح بوڑھے اور کمزور ہو۔ تمہاری روحانی قوت اپنی جگہ، لیکن جسم کی اہمیت ایک اٹل سچائی ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے اٹھا اور اس نے اپنی بائبل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ''مجھ سے وعدہ کرو......''

مائیکل نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا۔ لیکن کوئی آواز نہیں نکلی۔ ڈی کارلو نے اُس کے ہاتھ پر بائبل رکھ دی۔

''مجھ سے وعدہ کرو...... خدا کی خاطر، خدا کو گواہ بنا کر۔''

مائیکل فن نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''میں وعدہ کرتا ہوں۔''

''تو آؤ...... میرے ساتھ جھکو۔''

اس تنگ کمرے میں وہ دونوں گھٹنوں کے بل جھک گئے۔ ڈی کارلو لاطینی زبان میں دعائیں پڑھ رہا تھا۔ مائیکل فن سوچ رہا تھا کہ یہ وہ کیا کر بیٹھا ہے۔

وہ دونوں اٹھ کر کھڑے ہوئے۔ فادر ڈی کارلو نے مائیکل فن کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ''امریکی سفیر کو قائل کرنا ہے تمہیں اور جب وہ آمادہ ہو جائے گا تو میں یہ خنجر اُسے بھیج دوں گا۔'' وہ مسکرایا۔ ''مسیح تمہاری رہنمائی کرے گا۔ اُس پر بھروسہ رکھنا۔ اُس سے دعا کرتے رہنا۔ وہ ایک بار پھر اس زمین پر چل پھر رہا ہے۔ میں یہ بات جانتا ہوں، کیونکہ اسے دیکھ چکا ہوں۔''

مائیکل فن نے نوٹس اور وہ خط لیے اور دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازے پر پہنچ کر اسے احساس ہوا کہ وہ ایک اہم سوال تو بھول ہی گیا تھا۔ آپ نے یہ نہیں بتایا کہ رابرٹ تھورن کے اصل بچے کا کیا ہوا؟''

''اسے قتل کر دیا گیا تھا۔'' فادر ڈی کارلو نے کہا۔ ''اس سلسلے کا وہ پہلا قتل تھا۔''

مائیکل فن کے جسم میں سردی کی لہر سی دوڑ گئی۔ وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

باہر آکر اُس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور آگے بڑھادی۔ جب وہ دور چلا گیا اور خانقاہ اُس کی نظروں سے اوجھل ہوگئی، تب کہیں اُس کے جسم میں دوڑتی تھرتھری رکی اور اس کے ساتھ ذہن میں شکوک وشبہات سرسرانے لگے۔

......✡......

وہ کال روم سے آئی تھی۔ فادر تھامس ڈولان بڑی بےصبری سے دوسری طرف کی آواز سننے کا منتظر تھا۔ یونہی اسے گمان سا ہوا کہ جیسے وہ کال ویٹی کن سے آئی ہے۔ اسی لیے جب اُس نے مائیکل فن کی آواز سنی تو اسے مایوسی بھی ہوئی اور جھنجلاہٹ بھی۔

اُس نے مائیکل کی بات دھیان سے سنی۔ لیکن ریسیور رکھنے کے بعد وہ دل ہی دل میں خود کو اپنی کمزوری پر کوسنے لگا۔ دیوار پر آویزاں صلیب کو گھورتے ہوئے وہ سوچتا رہا کہ آخر اُس نے ایسے کام کے لیے ہامی کیوں بھری۔ یہ تو ایک طرح سے بےحرمتی ہوئی۔ بلکہ شاید یہ خلافِ قانون بھی تھا۔

مگر اُس کے پاس اپنے اس عمل کے حق میں دلائل بھی تھے۔ مائیکل فن ہمیشہ سے چرچ کا دوست تھا۔ یہ چرچ پر مائیکل فن کا احسان تھا کہ چرچ کی چھت کی مرمت ہوگئی تھی۔ اس کے لیے چندہ مائیکل فن نے ہی اکٹھا کیا تھا۔ ورنہ آج چرچ چھت سے محروم ہوتا۔

اور اب بھی ارغن کا مسئلہ تھا۔ چرچ میں مسائل تو سر اٹھاتے ہی رہتے تھے۔ خستہ حالی کی وجہ سے چرچ میں ہر وقت کہیں نہ کہیں مرمت کا کام نکلتا ہی رہتا تھا۔ فادر ڈولان عملی آدمی تھا۔ وہ اس بات پر نظر رکھتا تھا کہ خدا کی ڈبل روٹی پر مکھن لگانے والا ہاتھ کس کا ہے۔ لوگوں کی روحانی امداد کے کام میں بھی مالی مدد کی بہرحال ضرورت پڑتی ہے اور مدد کرنے والے کو وہ کیوں مایوس کرتا...... کیسے انکار کرتا۔

مائیکل فن نے اسے جو نمبر دیا تھا، اس نے اُس پر فون کیا۔ جس شخص کو فون کیا گیا تھا، وہ بھی تعاون پر آمادہ تھا۔ فادر ڈولان نے ٹیکسی پکڑی۔ دیا ہوا پتا تلاش کرنے میں اسے ایک گھنٹا لگا۔ اس نے وہاں سے مشین لی اور نارتھ سائیڈ کے قبرستان کا رخ کیا۔ اس نے ٹیکسی والے کا کرایہ دے کر رخصت کیا اور دروازے پر کھڑا اُس مشین کا جائزہ لیتا رہا، جو مائیکل کے دوست نے اسے عاریتاً دی تھی۔

اس مشین کا نچلا حصہ کافی چوڑا اور چمچے سے مشابہ تھا۔ وہ تین فٹ کا بیلچہ تھا۔ اور ایک ہینڈل تھا، جس میں ایک ڈائل نصب تھا اور ٹی وی کا ایک رنگین اسکرین۔ مشین دینے والے نے فخریہ لہجے میں بتایا تھا کہ یہ اپنی نوعیت کی جدید ترین مشین ہے۔ ماہرین ارضیات اور لاشوں کی چیر پھاڑ کرنے والے محققین کے لیے بےحد حساس آلہ ہے۔

فادر ڈولان نے ڈائل کو چھ فٹ پر ایڈجسٹ کیا اور مشین کا سوئچ آن کردی۔ مشین سے گنگناہٹ کی سی آواز خارج ہونے لگی۔ اسکرین پر سطحِ زمین کے نیچے کی چٹانوں اور مٹی کی تصویر نظر آنے لگی۔

فادر نے استعجابیہ انداز میں سر جھٹکا۔ سائنس کی ترقی اسے ہمیشہ حیران کرتی تھی۔ اُس نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔ مطلع صاف تھا۔ یونہی شرارتاً اس نے ڈیٹیکٹر کا رخ آسمان پر روشن ستاروں کی طرف کرتے ہوئے اسکرین کو دیکھا۔ وہاں اب

کچھ بھی نہیں تھا۔ڈائل کی رینج صرف پچاس فٹ کی تھی۔

کاش یہ زیادہ ہوتی۔اُس نے سوچا اور اگر یہ لامحدود ہوتی تو ممکن ہے کہ وہ خدا کو بھی دیکھ پاتا۔

اپنے اس خیال پر وہ خود بھی خوف زدہ ہو گیا۔اُس نے مشین کا سوئچ آف کیا۔پھر قبرستان کا گیٹ کھول کر وہ اندر داخل ہو گیا۔وہ مشین کو اپنے آگے رکھ کر ایسے دھکیل رہا تھا، جیسے وہ گھاس کاٹنے والی مشین ہو۔

قبرستان بے حد صاف ستھرا تھا۔دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ اُس کی باقاعدگی سے دیکھ بھال کی جاتی ہے۔اس میں کوئی غیر معمولی بات تھی بھی نہیں۔وہ شکاگو کے امرا کا قبرستان تھا۔وہاں لوگوں نے پہلے سے بکنگ بھی کرا رکھی تھی۔فادر ڈولان قدامت پسند آئرش تھا۔یہ بات اُس کے حلق سے نہیں اترتی تھی۔شاید اسی وجہ سے بھی اس نے اس ناگوار کام کو قبول کر لیا تھا۔کیونکہ اس کے نزدیک یہ بہرحال لاش کی بے حرمتی تھی۔

تھورن فیملی کا قطعہ مزار جھیل کے کنارے واقع تھا۔وہ درآمد شدہ گرینائٹ سے تعمیر کی گئی گول عمارت تھی۔چاندنی میں وہ چمک رہی تھی۔شاہ بلوط کا بنا ہوا دو پٹ کا گیٹ بند تھا۔لیکن فادر ڈولان کے ہاتھ کا دباؤ پڑتے ہی وہ کھل گیا۔دروازہ بے آواز کھلا تھا۔اس کا مطلب تھا کہ اُس کے قبضوں کو باقاعدہ تیل دیا جاتا تھا۔

وہ کوئی بے حد مرتب مقام نہیں تھا۔وہ ایک بڑا گول کمرا تھا۔ایک محراب میں اکیلی لو تھرتھراتی نظر آ رہی تھی۔دیواروں پر نقش و نگار نہیں تھے۔ورنہ اس شہر کی عمارتوں میں یہ عام رواج تھا۔کوئی دیوار سادہ نہیں ہوتی تھی۔

وہ کمرے میں گھومتا پھرا۔قبروں پر کتبے تھے۔وہاں تھورن فیملی کی چار نسلیں دفن تھیں۔ایک بڑے یادگار کتبے پر لکھا تھا:

رابرٹ تھورن اور کیتھرین تھورن کی یاد میں

جو نیویارک شہر میں ایک ساتھ دفن کیے گئے

اور رچرڈ اور این تھورن

خدا ان کی روحوں کو سکون عطا فرمائے۔

وہ پیچھے ہٹا اور اُس نے فرش کے عین وسط میں گڑے ہوئے کتبے کو دیکھا۔اس پر حروف کندہ تھے.....

ڈیمین تھورن

2000-1968

اس کتبے پر صرف نام تھا۔اس پر کوئی عبارت نہیں تھی۔مرنے کے بعد بھی ڈیمین اس جگہ پر چھایا ہوا معلوم ہوتا تھا۔فادر ڈولان کو تدفین کی وہ تقریب یاد تھی۔اس نے نیوز میں اس تقریب کو دیکھا تھا۔باوردی تابوت اٹھانے والے تابوت کو مقبرے میں لے کر آئے تھے۔پھر کیمروں کے لیے دروازہ بند کر دیا گیا تھا اور مبصرین اس المناک موت کے بارے میں ناظرین کو تفصیل سے آگاہ کرتے رہے تھے۔

فادر ڈولان نے مشین کا سوئچ آن کیا۔ اسے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی محسوس ہوئی۔ اب تک اُس نے سینکڑوں بار تدفین کرائی تھی، اور ہزاروں جنازوں میں شرکت کی تھی۔ اسے اپنی یہ مداخلت اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ لیکن وہ وعدہ کر چکا تھا۔ مشین کا ہینڈل تھامے ہوئے اُس نے سوچا، ابھی ذرا دیر میں اُس کا کام نمٹ جائے گا، اور پھر وہ یہاں سے نکل لے گا۔

اُس نے اسکرین پر نگاہ ڈالی۔ وہاں بھورے رنگ کی بھربھری مٹی نظر آرہی تھی۔ اُس نے ڈائل کو پانچ فٹ پر ایڈجسٹ کیا۔ اب اسے لیپی گئی چکنی مٹی کی تہہ نظر آئی، جسے دیکھ کر نجانے کیوں اسے چاکلیٹ کا خیال آیا۔

وہ کتبے کی طرف بڑھا اور قبر پر کھڑا ہو گیا۔ اُس کے پاؤں متوفی کے نام پر جمے تھے۔ اُس نے پھر اسکرین کو دیکھا۔ مٹی کی رنگت تبدیل ہو چکی تھی۔ اسے یقیناً چھیڑا گیا تھا۔ اور اس میں کنکروں کی بھی آمیزش تھی۔ اُس نے مشین کے چمچہ نما نچلے حصے کو اپنے پیروں کے عین پاس، قبر کے اوپر رکھا۔ ڈائل اب پانچ فٹ ایک انچ کے فاصلے پر فکس تھا۔ پھر اس نے ایک انچ اور بڑھایا۔ اب اسے تابوت کا ڈھکنا اسکرین پر دکھائی دیا۔

ایک لمحے کو اس کے دل پر گھبراہٹ سی طاری ہوئی۔ اُس نے سینے پر کراس کا نشان بنایا۔ وہ غیر ارادی حرکت تھی۔ ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح اُس کے دماغ پر لہرایا تھا۔ اُس نے کسی سے سنا تھا کہ بال اور ناخن آدمی کے مرنے کے بعد بھی بڑھتے رہتے ہیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شاید ابھی اسے ایک بہت لمبی داڑھی اور بہت لمبے نکیلے ناخن دیکھنے کو ملیں گے۔

اُس نے آنکھیں بند کر لیں اور ڈائل کو چھوا۔ پھر اُس نے بہت کوشش کر کے آنکھیں کھولیں اور دوبارہ اسکرین کی طرف دیکھا۔ وہاں اب پتھروں کی نفاست سے جمائی ہوئی ہموار تہہ نظر آرہی تھی۔

اُس کے چہرے پر حیرت کا تاثر ابھرا۔ اُس نے ڈائل کو حرکت دی۔ اسکرین پر مزید دو انچ کی گہرائی نظر آئی۔ اسکرین پر مزید پتھر نظر آئے۔

مزید چار انچ کی گہرائی......اب اسے تابوت کا نچلا حصہ نظر آرہا تھا۔

مزید آٹھ انچ اور اب اسکرین پر کچھ بھی نہیں تھا۔ پھر اسکرین پر حروف ابھرے ہوا کا مخرج!

اُس نے اب اسکینر کو کتبے کے پاس رکھا اور دائیں بائیں چند فٹ تک حرکت دی۔ پھر اسے آہستہ آہستہ قبر کے نچلے حصے کی طرف لے کر آیا۔ مگر اسکرین پر پتھروں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

مطلب صاحب اور واضح تھا۔ تابوت میں ڈیمین تھورن کی لاش نہیں تھی۔ تابوت میں کچھ بھی نہیں تھا۔ اُس نے مشین کا سوئچ آف کیا اور حیرت سے منہ کھولے کتبے کو دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے سر کو جھٹکا اور قبر سے اتر آیا۔

''میرا خیال ہے، مجھے شراب کے ایک بڑے جام کی ضرورت ہے۔'' اس نے بلند آواز میں کہا۔

......۞......

دور...... مشرق کی سمت بہت دور، لڑکا اپنے معبد میں کھڑا تھا۔ اُس نے اپنے باپ کے ہاتھ تھامے ہوئے تھے۔ اُس کے ہونٹ متحرک تھے، لیکن کوئی آواز نہیں تھی۔ سر اور پیشانی سے بہتا ہوا پسینہ اُس کی آنکھوں میں اور بغلوں سے بہتا ہوا پسینہ اُس کی ہتھیلیوں تک آرہا تھا۔ یہاں تک

کہ ڈیمین تھورن کی لاش کے ہاتھ بھی نم ہو گئے۔

لڑکے کے چہرے پر گہرا ارتکاز تھا۔ اُس کی کنپٹی کی رگیں تنے ہوئے تاروں کی طرح ہو رہی تھیں......

نیچے ہیری فورڈ کے جنگل میں کھڑے اُس بے حد جسیم کتے نے مغربی افق کی طرف سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا اور مہیب آواز میں رونے لگا۔

رات تھکے ہوئے قدموں سے صبح کی طرف بڑھ رہی تھی۔

......✡......

اولونی بار نارتھ شکاگو قبرستان سے قریب ترین بار تھا۔ وہاں کے بارٹینڈر کو انسانی نفسیات کی بوالعجبی پر سوچنے، غور کرنے کی عادت نہیں تھی۔ اسی لیے اُس نے اس دبلے پتلے آدمی کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ جو دھاتی ﷺ **یبکر** لیے بیٹھا یوں جام پر جام لنڈھا رہا تھا، جیسے شراب پر پابندی عائد کیے جانے کی خبر سن کر آیا ہو۔

دوبارہ وہ فون کی طرف گیا۔ مگر فوراً ہی نفی میں سر ہلاتے ہوئے کاؤنٹر کی طرف واپس چلا آیا۔

تین چار جام مزید حلق سے اتارنے کے بعد وہ فون کی طرف گیا۔ بارٹینڈر نے سوچا، یہ بیوی کو فون کر رہا ہے۔ دیر سے گھر آنے کے سلسلے میں کہانیاں گھڑ کر سنائے گا۔

فادر ڈولان نے ریسیور اٹھا کر آپریٹر کا بٹن دبایا۔ ''پرسن ٹو پرسن کال ٹو روم، اٹلی۔'' اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔''

''ذرا سا انتظار کریں پلیز۔''

''پلیز......اس بار ملا ہی دو۔'' ڈولان نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔ ''اس بار لائن مصروف نہ ہونے دینا۔''

وہ بے تاب ہو رہا تھا، جو کچھ اسے معلوم ہوا تھا، وہ اس بوجھ کو جلد از جلد بانٹنا چاہتا تھا۔ اُس نے آپریٹر کو نمبر بتایا اور کال ملنے کا انتظار کرنے لگا۔

''آپ کے مطلوبہ نمبر پر بیل جا رہی ہے۔''

''خدا کا شکر ہے۔'' اُس نے زیرِ لب کہا اور مضطربانہ انداز میں دیوار پر انگلیاں چٹخانے لگا۔

''دوسری طرف کوئی فون نہیں اٹھا رہا ہے۔'' آپریٹر نے کہا۔

''آپ اسے پیجر کے ذریعے بھی مطلع کر سکتے ہیں پلیز۔''

''ایک منٹ۔''

اسے تو لگا کہ جیسے کئی گھنٹے ہو گئے۔ بہر حال پھر مائیکل فن لائن پر آیا۔ اسی لمحے اُس کے پیچھے کوئی حلق پھاڑ کر گانے لگا۔ ڈولان کو اپنے کان میں انگلی ٹھونسنی پڑی۔

مائیکل فن نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے انداز میں ہیجان تھا۔ اور وہ اسے چھپا بھی نہیں پا رہا تھا۔

فادر ڈولان نے ریسیور لٹکایا اور دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ بس ایک ڈرنک اور۔ اُس نے سوچا، پھر میں گھر واپس جاؤں......

''تو تم پادری ہو؟'' ایک گھنٹے بعد بارٹینڈر نے اُس سے پوچھا۔ ''ویسے لوگوں کے اعترافات تو میں بھی کثرت سے سنتا ہوں۔''

''ہاں...... ٹھیک کہتے ہو۔'' ڈولان نے اپنے خالی جام کو گھورتے ہوئے کہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب مزید نہیں۔ پہلے ہی وہ بہت پی چکا ہے۔ اصل میں وہ شاک بھی اتنا بڑا تھا کہ وہ اسے شراب میں ڈبو کر ہلکا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر سو بر حالت میں سویا تو پوری رات ڈراؤنے خوابوں کی نذر ہوگی۔

وہ باہر نکلا تو رات گہری ہو چکی تھی۔ اُس کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ تھی اور جسم پر تھرتھری۔ موسم بھی بدل گیا تھا۔ جھیل کی طرف سے تیز ہوا چل رہی تھی۔ اور بادلوں نے چاند کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ مشرق کی طرف سے اور بادل گھر کر آ رہے تھے۔ اُس نے قبرستان کے دروازے کو دھکیل کر کھولا۔ بارٹینڈر نے اسے بتایا تھا کہ یہ اُس کے لیے شارٹ کٹ ہوگا۔ قبرستان سے نکل کر وہ ٹیکسی اسٹینڈ پر پہنچے گا۔

پگڈنڈی پر چلتے ہوئے وہ لڑکھڑایا۔ اُس نے **بیبکر** کو سینے سے لگایا ہوا تھا۔ اسے ڈکار آئی۔ جس کی وجہ سے منہ میں کڑواہٹ بھر گئی۔ اُس نے تھوک دیا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ اسے رائی اور بیئر اتنی نہیں پینی چاہیے تھی۔ کیونکہ وہ اس کا عادی نہیں تھا۔

اُس نے تھورن فیملی کے مقبرے پر پچھلتی ہوئی نظر ڈالی۔ اسے وہاں نقل و حرکت کا احساس ہوا۔ وہ زرد سی متحرک روشنیاں تھیں۔ اُس نے قبرستان کے دوسرے گیٹ کی طرف دیکھا۔ کوئی دھندلا سا ڈراؤنا خواب اُس کی یادداشت میں سرسرایا، جس میں کوئی خوف ناک بلا اُس کا پیچھا کر رہی تھی۔ اس خیال سے اُسکے جسم میں تھرتھری دوڑ گئی۔

ڈر لگا تو اس کے قدموں کی رفتار تیز ہوگئی۔ تیز ہوا کی وجہ سے اُس نے سر جھکا لیا تھا۔ پھر اچانک اُس کا پاؤں ایک جھاڑی میں الجھ گیا۔ وہ لڑکھڑا کر ایک قبر سے ٹکرایا۔ بڑی مشکل سے اُس نے خود کو سنبھالا۔ مگر پھر نجانے کیسے، بالکل اچانک مشین خود بہ خود چلنے لگی۔ اُس نے آف کرنے کی غرض سے مشین کے سوئچ کو ٹٹولا۔ مگر وہ اسے نہیں ملا۔ اُس کی نظر اسکرین پر پڑی۔ وہاں قبر کا منظر دکھائی دیا۔ ایک انسانی کھوپڑی پورے دانت نکالے جیسے اُس پر خوفیا رہی تھی۔

اُس نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں اور گھبراہٹ میں تھوک نگلا۔ پھر وہ پلٹ کر بھاگا۔ مشین اُس کے پیچھے گھسٹتی چلی آ رہی تھی۔

وہ بھاگتا رہا۔ گیٹ تک پہنچنے تک وہ رکنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن اس میں طاقت نہیں رہی تھی۔ اسے کھانسی کا پھندا لگا اور وہ لڑکھڑایا اور ایک قبر پر نصب فرشتے کے مجسمے سے جا ٹکا۔ صفرا اُسکے منہ سے زمین پر گر رہا تھا۔ مجسمے کے قدموں میں اُس نے الٹی کر دی۔ بیئر اور رائی کا خراب ذائقہ اس کے منہ کو کڑوا کر رہا تھا کراہتے ہوئے اُس نے اپنی آستین سے باچھیں صاف کیں۔ پھر اسے احساس ہوا کہ مشین اب بھی چل رہی ہے اور اسکرین پر رنگ لہرا رہے ہیں۔

ہچکچاہٹ کے باوجود اُس کی نظریں اسکرین کی طرف اٹھ گئی۔ اس بار اسکرین پر جو ڈھانچہ نظر آ رہا تھا، وہ کسی جانور کا تھا۔ اُس نے ذہن پر زور دیا تو اسے لگا کہ وہ کتے کا...... یا لکڑ بگھے کا...... یا گیدڑ کا ڈھانچہ ہے۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا تو اسے لگا کہ ڈھانچے کی ہڈیوں نے بھی حرکت کی ہے۔ اُس کی پچھلی ٹانگ ہل رہی تھی۔ وہ نظریں ہٹا لینا چاہتا تھا۔ لیکن وہ سحر زدگی کی ایسی کیفیت میں تھا کہ اس سے نظریں نہیں ہٹائی گئیں۔ اب ہوا میں بدبو محسوس ہو رہی تھی۔ اُس نے ناک پر رکھنے کے لیے رومال نکال لیا۔

اُس نے خود کو مجسمے سے پرے ہٹایا اور گیٹ کی طرف بڑھا۔ آگے اسے کتبوں کے سوا کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ ان کے درمیان لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھا۔ اُس کے ہونٹوں پر دعائیں تھیں۔ اب **ییکو** اُس کے آگے تھا، جیسے اسے راستہ دکھا رہا ہو۔

پھر ایک دہرے کتبے نے اسے روک دیا۔ وہ **ییکو** سے ٹک کر ہانپنے لگا۔ کتبے پر لکھا تھا......

جان اور مارتھا کارٹ رائٹ

ابد تک کا ساتھ

اسکرین ان دونوں کی ہڈیوں سے بھر گیا۔ دونوں ڈھانچے ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے تھے۔ ان کی پسلیوں کے درمیان کیڑے رینگ رہے تھے۔ استخوانی چہروں پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ وہ دونوں اوپر نیچے تھے۔ مرد اوپر تھا اور عورت نیچے۔

ڈولان اسکرین کو گھورتا رہا۔ عورت کی کھوپڑی اپنے شوہر کے کندھوں کے اوپر سے دیکھتے ہوئے اُس کا منہ چڑا رہی تھی۔ پھر کھلے ہوئے منہ میں اُس کی زبان لہرانے لگی۔

ڈولان نے خود کو چیختے سنا...... لیکن وہ اُس کی اپنی چیخ تو نہیں ہوسکتی...... اتنی بھیانک چیخ! وہ اندھا دھند دوڑا۔ مشین کو وہ اب بھی تھامے ہوئے تھا۔ وہ بے سوچے سمجھے بھاگ رہا تھا...... قبروں سے ٹکراتا، لڑکھڑاتا۔ اسے چوٹوں کا بھی احساس نہیں تھا۔

وہ لڑکھڑاتا ہوا اندھا دھند دوڑتا رہا۔ اب وہ چیخ چیخ کر ایک ہی لفظ دہرا رہا تھا...... بے حرمتی...... بے حرمتی...... درختوں سے ٹکرا کر اُس کی آواز واپس آرہی تھی۔ وہ تیزی سے سر جھٹک رہا تھا، تاکہ اس کھوپڑی کا تصور اُس کا پیچھا چھوڑ دے۔ لیکن وہ تو جیسے اُس کے دماغ سے چپک کر رہ گیا تھا۔

وہ اتنا دہشت زدہ تھا کہ وہ کھلی ہوئی قبر اسے نظر ہی نہیں آئی۔

اسے ایک کڑاکا سنائی دیا، جیسے فائر کی آواز۔ پھر اس کے بازو میں اذیت کی ایک شدید لہر دوڑ گئی۔ اُس نے سر گھمانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ حرکت نہیں کرسکتا تھا۔ اُس کے منہ میں مٹی بھر گئی تھی۔ وہ اسے تھوکنے لگا۔ اُس نے دیکھا تو اسے مٹی کی دیوار کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔ وہ آنکھوں کے سوا کسی چیز کو حرکت نہیں دے سکتا تھا۔ اپنی ٹانگ کا وجود تک اسے محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ خوف اُس کے وجود کو سن کیے دے رہا تھا۔ مگر وہ اُس سے لڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُسکے دماغ پر کلائی میں ہونیوالی تکلیف چھائی ہوئی تھی۔ وہ خود کو یقین دلا رہا تھا کہ مفلوج ہونے کی یہ کیفیت وقتی ہے...... عارضی ہے۔ کوئی اندرونی چوٹ لگی ہے اور خون جریان کے بعد جم گیا ہے۔ ابھی چند لمحوں کے بعد وہ ٹانگ ہلا سکے گا۔ اُس نے اپنے بازو کو دیکھا۔ اُس کا ہاتھ بے حد عجیب زاویے سے مڑا ہوا تھا۔ ہڈی ٹوٹنے کا پہلے کبھی اسے تجربہ نہیں ہوا تھا۔

اس پر پھر خوف طاری ہونے لگا۔ اُس نے آنکھیں بند کرلیں۔ دل ہی دل میں وہ دعائیں پڑھ رہا تھا۔ اُس نے دوبارہ آنکھیں کھولیں تو اسے قبر کا اندرونی حصہ صاف اور واضح طور پر نظر آیا۔ اس نے سر سیدھا کر کے دیکھا تو قبر کے باہر اسے ایک ہیولے کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اُس نے نظر جما کر دیکھا تو وہ ایک کتے کا سر تھا...... غیر معمولی طور پر بڑا سر۔ اور وہ اپنی زرد آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا

وہ کتے کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ اُسکے حلق سے عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں۔ ممکن ہے، یہ کتا اُس کی مدد کرے۔ ممکن ہے یہ اُس

کے لیے مدد لے آئے۔ وہ اس وقت اس کوہ پیما کی طرح تھا، جو کسی برفشار میں بند ہوگیا ہو۔ اس کے ذہن میں عجیب عجیب خیال آرہے تھے۔ ممکن ہے، یہ کتا نہ ہو، سینٹ برناڈ رہو۔ ممکن ہے، اس کے پاس برانڈی کا فلاسک ہو۔ اسی وقت اسے پھر رائی کی ڈکار آئی۔ اُس نے الٹی کرنے کی کوشش کی۔ مگر اس سے ہلا بھی نہیں گیا۔ صفراملی رال اُس کے منہ سے بہتی رہی۔ اُس نے بدبو سے منہ پھیرنا چاہا۔ لیکن اس کے جسم کے عضلات اُس کے دماغ کے پیغامات وصول نہیں کر رہے تھے۔

وہ کتے کو دیکھ رہا تھا۔ کتے نے اپنی تھوتھنی جھکائی اور قبر کے کنارے کو کاٹنے لگا۔ مٹی فادر ڈولان کے چہرے پر گری اور ایک کنکر اُس کے ابرو پر لگا۔ اُس نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں اور پھر چلایا۔ ''اے......اے......''

کتا بدستور اپنی کارروائی میں مصروف رہا۔

''اے......مت کر......'' وہ چلایا۔ مگر اسی وقت مٹی کا ایک بڑا ڈھیر اُس کے حلق کے اوپر گرا اور اُس کی آواز بند ہوگئی۔

چند لمحے بعد اُس نے غراہٹ کی ایک آواز سنی۔ آنکھیں کھول کر دیکھا تو قبر کے منہ پر ایک اور کتا کھڑا نظر آیا۔ پھر ایک اور کتا نظر آیا۔ ان کی موجودگی نے اُس کے حیطۂ نگاہ میں آسمان کو اور سمٹا دیا تھا۔ آسمان سے بادل ہٹ گئے تھے اور ستارے نظر آرہے تھے۔ وہ ڈب اکبر بھی دیکھ سکتا تھا۔

پھر اُس پر مٹی برسی تو آسمان نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ اسے کتوں کے پنجوں سے زمین کریدنے کی آواز سنائی دی۔ اب وہ تین تھے......اور مٹی کے اس پر گرنے کی رفتار تیز ہوگئی۔ آسمان کی ایک جھلک دیکھنا بھی ممکن نہیں رہا تھا۔ وہ کتے اسے دفن کر رہے تھے۔ اُس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

خاصا بڑا ایک پتھر اُس کی ناک پر لگا اور خون کا فوارہ پھوٹ نکلا۔ بے ساختہ اُس کا منہ چیخنے کے لیے کھلا اور فوراً ہی مٹی سے بھر گیا۔ اُس نے اپنی آنکھیں سختی سے بند کرلیں۔ مٹی اُس کی پلکوں اور بھنوؤں پر بکھر گئی۔ اب اسے اپنے بچنے کی کوئی امید نہیں رہی تھی۔ بس وہ یہ چاہتا تھا کہ کتے اسے دفن کرنے میں اتنی دیر لگائیں کہ وہ اپنے خدا کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرلے۔ وہ دھیرے دھیرے لاطینی زبان کے وہ الفاظ دہرانے لگا۔ جو اسے لڑکپن میں یاد کرائے گئے تھے۔ وہ دعا کرتا رہا، یہاں تک کہ مٹی اُس کے ہونٹوں اور نتھنوں پر جمنے لگی۔

......۞......

صبح کی ملگجی روشنی میں پہلے تو گورگن کو ایسا لگا کہ نئی قبر میں کوئی چھوٹی سی جھاڑی اگ آئی ہے...... بچ شائد، گلوبی جھاڑی۔ اُس نے اسے چھونے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ مگر پھر گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ اُس کے حلق سے رونے کی سی آواز نکلی، اُس کا پاؤں کسی چیز سے الجھا، اور وہ گرتے گرتے بچا۔ اُس نے نیچے دیکھا۔ وہ لان کی گھاس کی چھٹائی کرنے والی مشین جیسی کوئی چیز تھی، جو قبر کے پاس پہلو کے بل گری ہوئی تھی۔ اُس کی موٹر اب بھی گھر گھرا رہی تھی۔ اور مشین سے متصل اسکرین پر تھامس ڈولان کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ اُس کا منہ اور آنکھیں بھنچی ہوئی تھی۔

۞

روم سے لندن کے لیے پرواز کرنے والی شٹل فلائٹ میں مائیکل فن کھڑکی کے ساتھ والی نشست پر بیٹھا پادری سے اپنی گفتگو کو ذہن میں دہراتے ہوئے اپنے خیالات کو یکجا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے اپنا بریف کیس کھول کر اس میں سے ڈی کارلو کے تیار کیے ہوئے نوٹس نکالے۔ وہ انہیں پہلے بھی پڑھ چکا تھا۔ اُس کے دماغ کا ایک حصہ انہیں مسترد کر چکا تھا۔ کبھی وہ سوچتا کہ وہ یہ نوٹس لے کر جہاز کے عقبی حصے میں جائے اور ان کو فلش میں بہاوے۔ پھر یہ سب کچھ بھلا کر وہ لندن سے گھر کے لیے فلائٹ پکڑ لے۔

لیکن اُس نے بائبل پر ہاتھ رکھ کر وعدہ کیا تھا۔ اُس نے ایک گہری سانس لی اور خالی خالی نظروں سے ان دونوں خطوں کو دیکھنے لگا، جو اُس کے بریف کیس سے جھانک رہے تھے۔ اسے یقین تھا کہ لاموںٹ نامی وہ عورت پاگل تھی۔ اور دوسری عورت...... کیٹ رینالڈ ایک لا علاج بیماری میں مبتلا تھی۔ اور فادر ڈی کارلو شاید سٹھیا گیا تھا۔ مگر یہ تو ایک ناقابلِ تردید حقیقت تھی کہ ڈیمین تھورن کی قبر میں اس کی لاش موجود نہیں تھی۔ لہٰذا یہ امر تو بہر طور تحقیق طلب تھا۔

اُس نے اپنی بائبل کے ساتھ رکھی نوٹ بک اٹھالی۔ اُس کی زندگی ریسرچ کے کام میں گزری تھی۔ آسمانی صحیفوں کے بارے میں اس کی معلومات بے حد وسیع تھیں۔ متعلقہ حوالے تلاش کرنے میں اسے کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ وہ اس رفتار سے ورق گردانی کر رہا تھا، جیسے کسی روڈ میپ کا جائزہ لے رہا ہو۔ اور وہ اتنی بلند آواز میں خود کلامی کر رہا تھا کہ برابر والی نشست پر بیٹھی ہوئی عورت ڈر کر ایک طرف کو سمٹ گئی اور اسے تشویش بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔

وہ عہد نامہ جدید کے صفحے پلٹتا اور نوٹس لیتا رہا۔

''جب قومیں ایک دوسرے کے خلاف اٹھ کھڑی ہوں گی اور مملکت دوسری مملکت سے جنگ...... وہ آخری عرصہ ہوگا۔'' اُس نے خود کلامی کی اور مزید ورق اُلٹے۔'' ...... یہ نسل ابھی گزری بھی نہیں ہوگی کہ یہ سب کچھ رونما ہو جائے گا......''

''اُس نے پنسل ایک طرف رکھی اور آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اپنے نوجوانی کے عرصے کو یاد کر رہا تھا، جس میں اسے باقاعدگی سے دینی ہدایات دی جاتی تھیں۔ اُس کی بلوغت کی زندگی تو پوری کی پوری تاریخی تحقیق سے عبارت تھی۔ وہ خدا پر کامل ایمان رکھنے والا ایک ایسا شخص تھا، جسے قدرت نے سائنس دانوں کے تجسس سے بھی نوازا تھا۔ اور اسے یہ دونوں باتیں نہ کبھی متضاد لگی تھیں، نہ ہی متصادم۔

اسے نیند آنے لگی۔ لیکن غنودگی کی اس کیفیت میں بھی وہ خوف عود کر آیا، جو ہمیشہ اُس کے ذہن کے کسی گوشے میں چھپا رہتا تھا اور وقتاً فوقتاً

اسے اپنی چبھن کا احساس دلاتا رہتا تھا۔ وہ یہ کہ قیامت کے لیے چوکس لوگ اور پیش گوئیاں کرنے والے ٹھیک کہتے ہیں۔ بائبل میں جو پیش گوئیاں کی گئی ہیں، ان کے پورے ہونے کا وقت آ گیا ہے

یہ طے تھا کہ اینٹی کرائسٹ موجود ہے۔ اور اگر بوڑھا فادر ڈی کارلو پاگل نہیں ہے...... اور اس نے واقعتاً نومولود مسیح کو دیکھا ہے تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ آخری معرکے کا وقت آ پہنچا ہے۔

......۞......

احسان رشید اپنے کمرے میں اکیلا تھا۔ اُس نے سی ڈی پلیئر میں سی ڈی لگائی اور پلیئر کو آن کر دیا۔ چند لمحے بعد دوستوں کے سالانہ اجتماع کا وہ جانا پہچانا منظر ٹی وی اسکرین پر اُبھر آیا۔ پھر کیمرے نے زوم ان کیا اور حنیف ارشد کا روشن چہرہ اسکرین پر ابھر آیا۔ ''تو میرے دوستو، قیامت کی نشانیوں کے متعلق کسی پیغمبر نے اتنی تفصیل سے نہیں بتایا، جتنا ہمارے آقا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا۔ کیونکہ آپ آخری پیغمبر تھے اور آپ کے بعد کسی پیغمبر کو نہیں آنا تھا......''

وہ جب بھی مایوس ہوتا، ڈپریشن کا شکار ہوتا تو اپنے کمرے کی تنہائی میں یہ سی ڈی لگا کر دیکھتا۔ یہ دوستوں کا آخری سالانہ اجتماع تھا۔ کیونکہ اس اجتماع کے دو ماہ بعد کسی شقی القلب نے حنیف ارشد کو شوٹ کر دیا تھا۔

اور یہ آخری اجتماع دس سال پرانی بات تھی۔ حنیف ارشد کی شہادت کو یاد کر کے اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اُس نے اسکرین پر موجود حنیف ارشد کے روشن چہرے کی بڑی محبت سے دیکھا اور اپنی سماعت کو ان کی گفتگو پر مرکوز کیا......

''اب میں خروج دجال سے پہلے کی جو صورتِ حال آپ کو بتا رہا ہوں، وہ احادیث نبوی کے عین مطابق ہے، جس میں شک کرنا ایمان کو خطرے میں ڈالنا ہے۔ تو دوستو، غور کرتے رہو اور غور کرتے رہا کرو کہ کتنی نشانیاں پوری ہو چکی ہیں۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور اس سے امان طلب کرتے رہو۔

''حضورؐ نے مطلع فرمایا کہ خروجِ دجال کے وقت اچھے لوگ کم ہوں گے۔ باہمی عداوتیں پھیلی ہوئی ہوں گی۔ دین میں کمزوری آ چکی ہوگی علم رخصت ہو رہا ہوگا۔ دجال کے اکثر پیرو عورتیں اور یہودی ہوں گے۔ دجال شام اور عراق کے درمیان نکلے گا اصفہان کے ایک مقام یہودیہ میں نمودار ہوگا۔ دجال کا حلیہ بھی حضورؐ نے تفصیل سے بیان فرمایا۔ وہ جوان ہوگا۔ رنگ گندمی اور بال پیچ دار ہوں گے۔ وہ بائیں آنکھ سے کانا ہوگا اور دائیں آنکھ میں موٹی پھلی ہوگی۔ پیشانی پر ''ک ف ر'' لکھا ہوگا، جسے ہر مومن پڑھ سکے گا، خواہ لکھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ دجال کی رفتار بادل اور ہوا کی طرح تیز ہوگی۔ وہ ایک گدھے پر سواری کرے گا، جس کے دونوں کانوں کے درمیان چالیس ہاتھ کا فاصلہ ہوگا۔'' یہ کہتے کہتے رکے اور مسکرائے۔ ''تو میرے دوستو، ذہن میں رکھو کہ گدھا محض سواری کی علامت ہے۔ اور تم جانتے ہو کہ ہوا کی رفتار سے کہیں زیادہ تیز رفتاری سے اڑنے والے جہاز بنائے جا چکے ہیں۔ خیر تو میں دجال کے متعلق احادیث اکرمؐ سنا رہا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ دجال تیزی سے پوری دنیا میں پھر جائے گا ہر طرف فساد پھیلائے گا۔ مگر مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں داخل نہ ہو سکے گا۔ البتہ بیرون مدینہ پر اُس کا قبضہ ہو جائے گا۔ وہ مدینہ طیبہ کے باہر ٹھہرے

گا۔اس وقت مدینہ طیبہ میں تین زلزلے آئیں گے، جو ہر منافق مرد اور عورت کو مدینہ سے نکال پھینکیں گے، جو سب دجال سے جا ملیں گے۔

''احادیث نبویؐ کے مطابق دجال کے ساتھ غذا کا بہت بڑا ذخیرہ ہوگا۔ زمین کے پوشیدہ خزانوں کو حکم دے گا تو وہ باہر نکل کر اُس کے پیچھے ہو جائیں گے۔ وہ مادر زاد اندھے اور ابرص کو تندرست کر دے گا۔ اُس کے ساتھ دو فرشتے دو نبیوں کے ہم شکل ہوں گے، جو لوگوں کی آزمائش کے لیے اُس کی تکذیب ایسے کریں گے کہ سننے والوں کو تصدیق کرتے معلوم ہوں گے۔ جو شخص اُس کی تصدیق کرے گا، اُس کے پچھلے تمام نیک اعمال باطل ہو جائیں گے، اور جو اُس کی تکذیب کرے گا، اُس کے سب گناہ معاف ہو جائیں۔

''اُس کا ایک عظیم فتنہ یہ ہوگا کہ جو لوگ اُس کی بات مان لیں گے، ان کی زمینوں میں دجال کے کہنے پر بادلوں سے بارش ہوگی اور اسی کے کہنے پر ان کی زمین نباتات اگائے گی ان کے مویشی خوب فربہ ہو جائیں گے۔ غرض اُس کی پیروی کرنے والوں کے سوا سب لوگ اس وقت مشقت میں ہوں گے۔ اور جو شخص دجال پر سورہ کہف کی ابتدائی دس آیات پڑھ دے گا، وہ اس کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔ حتیٰ کہ اگر دجال اسے اپنی آگ میں بھی ڈال دے تو وہ اُس پر ٹھنڈی ہو جائے گی۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کوئی بھی اُسے قتل کرنے پر قادر نہ ہوگا۔ اور دجال پہلے نبوت کا اور پھر خدائی کا دعوا کرے گا۔

''تو دوستو، ترتیب یہ بنی۔ ظہور امام مہدی، خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام آپس میں مربوط ہیں۔ احادیث نبویؐ سے ظاہر ہے کہ تیس بڑے بڑے کذاب ظاہر ہوں گے۔ دجال سب سے آخری کذاب ہوگا۔ اور نزول عیسیٰ تک امت مسلمہ میں ایک جماعت حق کے لیے برسر پیکار رہے گی، جو اپنے مخالفین کی پروا نہ کرے گی۔ اس جماعت کے آخری امیر امام مہدی ہوں گے۔ وہ نیک سیرت ہوں گے اور حضورؐ کے اہل بیت میں سے ہوں گے۔ انہی کے زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا۔

''اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بارے میں احادیث نبوی کیا تفصیل بتاتی ہیں، یہ بھی مختصراً سن لیجیے۔ دجال آخری بار اردن کے علاقے میں افیق نامی گھاٹی پر نمودار ہوگا۔ اُس وقت جو بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہوگا، وادی اردن میں موجود ہوگا۔ دجال ایک تہائی مسلمانوں کو قتل کر دے گا، ایک تہائی کو شکست دے گا۔ ایک تہائی مسلمان باقی بچیں گے۔ جب محاصرہ طول کھینچے گا تو مسلمانوں کے امیر جو کہ امام مہدی ہوں گے کہیں گے کہ اب اس سرکش سے جنگ کرو۔ تاکہ شہادت یا فتح میں سے ایک چیز تم کو حاصل ہو جائے۔ چنانچہ سب لوگ پختہ عہد کر لیں گے کہ صبح ہوتے ہی دجال سے جنگ کریں گے۔

''وہ رات سخت تاریک ہوگی۔ لوگ جنگ کی تیاری کر رہے ہوں گے کہ نماز فجر کے وقت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا۔ نزول کے وقت وہ اپنے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے کندھوں پر رکھے ہوں گے۔

''احادیث میں حضرت عیسیٰ کا حلیہ بہت تفصیل سے دیا گیا ہے۔ قد و قامت درمیانہ، رنگ سرخ و سفید، شانوں تک پھیلے ہوئے بال سیدھے صاف اور چمک دار جیسے غسل کے بعد ہوتے ہیں۔ سر جھکائیں گے تو اُس سے موتیوں کی مانند قطرے ٹپکیں گے۔ جسم پر ایک زرہ اور ہلکے زرد رنگ کے دو کپڑے ہوں گے۔ آپ اپنا تعارف کرائیں گے اور دجال سے جہاد کے بارے میں لوگوں کے جذبات و خیالات معلوم فرمائیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول دمشق کی مشرقی سمت میں سفید منارے کے پاس ہوگا۔ اس وقت نمازِ فجر کی اقامت ہو چکی ہوگی اور امام مہدی نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھ چکے ہوں گے۔ امام مہدی حضرت عیسیٰ کو امامت کے لیے بلائیں گے۔ مگر وہ انکار کریں گے۔ آپ امام مہدی کی پشت پر ہاتھ رکھ کر فرمائیں گے کہ تم ہی نماز پڑھاؤ۔ کیونکہ اس نماز کی اقامت تمہارے لیے ہو چکی ہے۔ پھر حضرت عیسیٰ امام مہدی کی امامت میں نمازِ فجر ادا کریں گے۔

''نمازِ فجر سے فارغ ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دروازہ کھلوائیں گے، جس کے پیچھے دجال ہوگا اور اس کے ساتھ ستر ہزار مسلح یہودی ہوں گے۔ آپ ہاتھ کے اشارے سے فرمائیں گے کہ میرے اور دجال کے درمیان سے ہٹ جاؤ۔ دجال حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کو دیکھتے ہی اس طرح گھلنے لگے لگا، جیسے پانی میں نمک گھلتا ہے۔ جنگ ہوگی اور دجال بھاگ کھڑا ہوگا۔ عیسیٰ علیہ السلام اُسکا تعاقب کریں گے اور فرمائیں گے کہ میری ایک ضرب تیرے لیے مقرر ہو چکی ہے، جس سے تو نہیں بچ سکتا۔ اُس وقت آپ کے پاس ایک حربہ ہوگا۔ جس سے آپ دجال کو بابِ لد پر قتل کردیں گے۔ فلسطین کا یہ مقام آج کل اسرائیل کے زیرِ تسلط ہے اور انہوں نے وہاں ایک ایئر پورٹ بنایا ہے۔ یوں دجال کی موت کے بعد دجال کے ساتھیوں کو شکست ہو جائے گی۔ اس وقت کسی یہودی کو کوئی چیز پناہ نہ دے گی۔ حتیٰ کہ درخت اور پتھر بول اٹھیں گے کہ یہاں ہمارے پیچھے ایک کافر چھپا ہوا ہے۔

''تو میرے دوستو، بھائیو، یہ ہے آخری معرکے کی تفصیل۔'' حنیف ارشد نے کہا

پھر وہ چند لمحے سوچتے رہے۔ اُس کے بعد انہوں نے کہا۔ ''میں یہاں آپ سے ایک عرض کروں گا۔ یہ تو آخری وقت کی نشانیاں ہیں۔ ہمارے لیے اہمیت ان کا انتظار کرنے کی نہیں، عمل کی ہے۔ اپنا محاسبہ کرنے کی ہے۔ ہمیں دجال کے خروج کا انتظار کرنے کے بجائے خود کو اور اپنے معاشرے کو دیکھنا چاہیے۔ یہ تو دیکھا جائے کہ ہمارے اعمال میں قیامت کی کتنی نشانیاں جمع ہو چکی ہیں۔

''دوستو، حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضورؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر کعبۃ اللہ کے دروازے کا کنڈا پکڑا اور فرمایا: اے لوگوں کیا میں تمہیں قیامت کی علامات نہ بتاؤں؟ حضرت سلمان کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا: یا رسول اللہ ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، ضرور بتایئے۔ حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا قیامت کی علامات یہ ہیں۔ لوگوں نمازوں کو غارت کریں گے، نفسانی خواہشات کا اتباع کریں گے، مال داروں کی عزت کریں گے، حضرت سلمان کو تعجب ہوا، انہوں نے سوال کیا: یا رسول اللہؐ، واقعی ایسا ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا، اُس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یقیناً ایسا ہی ہوگا، اُس وقت زکوٰۃ جرمانہ محسوس ہوگی، امانت کو مالِ غنیمت سمجھا جائے گا، سچوں کو جھٹلایا جائے گا اور جھوٹوں کی تصدیق کی جائے گی، خیانت کار کو امانت دار اور امانت دار کو خیانت کرنے والا سمجھا جائے گا، عاجز اور گناہ گار شخص عام معاملات کے بارے میں بولنے لگے گا۔ سب لوگوں نے اس کا مطلب پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ جن لوگوں کو بات کرنی نہ آتی تھی، وہ لوگوں کے درمیان بات کرنا شروع کردیں گے، اور دس میں سے نو افراد حق کا انکار کریں گے، اسلام چلا جائے گا، صرف اُس کا نشان باقی رہے گا، قرآن کو سونے سے آراستہ کیا جائے گا، میری امت کے مذکر افراد موٹے ہو جائیں گے، کنیزوں سے مشورہ کیا جائے گا، منبروں پر بچے خطبہ دیا کریں گے۔ عورتوں سے گفتگو عام ہو جائے گی، مساجد کو اس طرح آراستہ کیا جائے گا، جیسے کلیساؤں اور گرجا گھروں کو آراستہ کیا جاتا ہے ممبروں کو اُونچا کر دیا جائے گا صفیں زیادہ ہو جائیں گی جبکہ آپس میں دلوں

میں بغض وعداوت ہوگی، اور مختلف زبانیں ہوں گی، خواہشات کی کثرت ہوگی حضرت سلمان تمام حالات کو سن کر بہت متعجب ہوئے اور سوال کیا کہ یا رسول اللہؐ، واقعی ایسا ہوگا؟ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اے سلمان، اُس وقت مومن باندی سے زیادہ ذلیل ہوجائے گا، کسی برائی کو دیکھ کر اُسکا دل اندر سے ایسے پگھلے گا جیسے نمک پانی میں پگھلتا ہے اور وہ اس برائی کو دور کرنے کی استطاعت نہیں رکھے گا، مرد مردوں کو اور عورتیں عورتوں کو کافی سمجھیں گی اور نوجوان لڑکوں کو اس طرح لوٹ ڈالیں گے جس طرح کنواری لڑکی کو کوئی لوٹ لے، اُس وقت اے سلمان، لوگ فاسق ہوجائیں گے اور وزرا گناہ گار ہوں گے اور امانت رکھنے والے خائن ہوں گے اور لوگ نمازیں فوت کریں گے اور نفسانی خواہشات کی پیروی کریں گے، پس اگر تم ایسے لوگ پاؤ تو اس زمانے میں اے سلمان، تم نمازیں وقت پر ادا کرو......''

اچانک احسان کا انہماک ٹوٹ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ تمام نشانیاں تو پوری ہوچکی ہیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت نے اسے ہلا ڈالا۔ عشا کی اذان شروع ہوچکی تھی اور موذن فلاح کی طرف بلاوے کے مرحلے میں داخل ہوچکا تھا۔

اُس نے جلدی سے ریموٹ کنٹرول اٹھایا اور Power کا بٹن دبایا۔ پھر وہ وضو کے لیے لپکا نماز وقت پر ادا کرنے کی کتنی اہمیت ہے! اُس نے سوچا۔ چلو اتنا تو کرلیں۔ اللہ ہم پر رحم فرمائے......

......۞......

کسٹمز اور امیگریشن کے مرحلے سے گزرتے ہوئے وہ اپنے ذہن میں تمام جزئیات ترتیب دے رہا تھا۔ تاکہ عین وقت پر اسے نہ سوچنا پڑے کہ کرنا کیا ہے۔ ''بہت کچھ سوچنا تھا۔ مثلاً یہ کہ وہ ٹیکسی پکڑے یا انڈر گراؤنڈ ریلوے سے سفر کرے؟ کس ہوٹل میں قیام کرے؟ اُس کے ساتھیوں میں سے کون اسے سب سے پہلے فون کرے گا؟

اپنا سامان اٹھا کر نکلتے ہوئے وہ نیوز پیپر اسٹینڈ پر رکا اور اُس نے برطانوی سکے کے لیے جیبیں ٹٹولیں......اسٹینڈ پر انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹریبیون کو نمایاں کرکے رکھا گیا تھا۔ وہ اسے اٹھانے کے لیے جھکا، پھر بری طرح ٹھٹکا اور جھکے کا جھکا رہ گیا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ پتھر کا بن گیا ہے۔ چند لمحے بعد اُس نے شیلف سے اخبار اٹھایا اور سیدھا ہوا۔ وہ خود کلامی کررہا تھا۔ اسے احساس تھا کہ وہ جہاز کے دیگر مسافروں کے لیے رکاوٹ بنا ہوا ہے، جو اُس کے پیچھے آرہے تھے۔ مگر اُس نے انہیں نظر انداز کردیا اور اُن کے راستے میں اسی طرح کھڑا رہا۔

پولیس کے ایک لیفٹیننٹ کا کہنا تھا کہ اس سے بڑھ کر سفاکانہ اور کراہت انگیز قتل اُس نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔ 'میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کس قسم کا انسان ہوگا، جس نے ایک جیتے جاگتے انسان کو زندہ دفن کردیا، پیتھالوجسٹ کا کہنا تھا کہ مقتول سر کے بل قبر میں گرا تھا، اُس کی گردن ٹوٹ گئی تھی، اور وہ مکمل طور پر مفلوج ہوگیا ہوگا۔

''او مائی گاڈ'' مائیکل فن نے سرگوشی میں کہا۔ اسے اپنی ٹانگوں کی جان نکلتی محسوس ہوئی۔ اُسکے گھٹنے خم کھاگئے۔ وہ گر گیا۔ لوگ اُس کے گرد پہلے ہی جمع تھے۔ انہوں نے سہارا دے کر اسے اٹھایا، اس کی خیریت پوچھی، تمہیں ڈاکٹر کی ضرورت تو نہیں؟'' کسی نے پوچھا۔

......۞......

اُس نے پکاڈلی کے قریب ایک چھوٹے سے ہوٹل میں کمرا لیا۔ پھر اُس نے گھر فون کیا۔ بہت عرصے کے بعد اُس نے بیوی سے اتنی محبت سے بات کی تھی۔ فون رکھنے کے بعد اُسے احساس ہوا کہ بیوی اُس کی طرف سے مشتبہ ہوگئی ہوگی۔ اسے لگا ہوگا کہ اُس نے ضمیر کے کسی بوجھ کی وجہ سے اتنی محبت سے بات کی ہے۔ اُس نے سوچا، وہ گھر واپس پہنچے گا تو وہ باہوں میں لے کر اسے بتائے گا کہ اُس کی زندگی میں اُس کی کتنی اہمیت ہے اور وہ اسے کتنا چاہتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ گھر جانے کے لیے تڑپ رہا تھا۔ لیکن پہلے اسے اپنا وعدہ وفا کرنا تھا۔

اُس نے لندن میں چہل قدمی کا فیصلہ کیا۔ عام طور پر نئے شہر اُس کے لیے سحر انگیز ہوتے تھے۔ لیکن یہاں ایک دشواری تھی۔ وہ ارتکاز سے محروم تھا۔ فادر تھامس ڈولان کا چہرہ بار بار اُس کے تصور میں اُبھر آتا۔ وہ اُس کی آواز سنتا۔ جب اُس نے فادر سے مدد مانگی تھی تو وہ ہچکچایا تھا۔ اُس کی آواز سے پتا چلتا تھا کہ اُس نے محض لحاظ میں اُس کی بات مانی ہے، پھر گزشتہ رات اُس کا فون کرنا...... وہ کال اسے بہت عجیب لگی تھی۔ اُس کی آواز لڑکھڑا رہی تھی۔ وہ نروس بھی لگ رہا تھا اور ہیجان زدہ بھی۔ لگتا تھا، وہ پیتا رہا ہے۔

بہتے ہوئے آنسو مائیکل فن کے رخساروں تک آگئے۔ اُس نے اُنہیں پونچھ ڈالا۔ اسے احساسِ جرم ستا رہا تھا۔ فادر ڈولان کی موت کا ذمے دار وہ تھا۔ اُس نے پھر آنکھیں پونچھیں اور سر اٹھا کر گرد و پیش کا جائزہ لیا...... یہ دیکھنے کے لیے کہ اس وقت وہ کہاں ہے۔

اسے تھوڑی سی حیرت ہوئی۔ وہ ایک چرچ کے دروازے پر کھڑا تھا۔ چرچ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ بے سوچے سمجھے وہ اندر چلا گیا۔

گھٹنوں کے بل جھکتے ہوئے اسے خیال آیا کہ اسے ڈی کارلو سے کیا ہوا وعدہ پورا کرنا ہے...... مگر کیسے؟ وہ کسی بھی طرح ان خنجروں کو حاصل نہیں کرسکتا۔ اگر وہ کسی شخص کے نوادرات کے ذاتی ذخیرے میں ہوتے یا کسی میوزیم میں رکھے ہوتے، تو بھی اُس کے لیے ان تک پہنچنے کا کوئی امکان ہوتا۔ کیونکہ اُس کے پاس نیلام گھر کی رسید اب بھی موجود تھی۔ وہ قانونی طور پر ان کا مالک تھا۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ اب وہ خنجر اسکاٹ لینڈ یارڈ والوں کی تحویل میں تھے۔

وہ جھک کر دعا کرنے کے بجائے یہ سوچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ وہ اس کام کے لیے مناسب اور موزوں آدمی تھا ہی نہیں یہ بات وہ اچھی طرح جانتا تھا اور فادر ڈی کارلو بھی اس سے بے خبر نہیں تھا۔ اسے خیال آیا کہ اسے کام کے لیے کسی پروفیشنل آدمی سے مدد لینی چاہیے...... کوئی پرائیویٹ سراغ رساں......

اُس نے نفی میں سر ہلایا اور آنکھیں بند کرلیں۔ اُس کے جسم میں سرد لہری دوڑ گئی۔ پھر اچانک اس کی سماعت میں فادر ڈی کارلو کے لفظ گونجے...... نومولود مسیح تمہاری مدد کرے گا۔

وہ اور جھک گیا۔ اُس نے اس رپورٹر لڑکی کے لیے دعا کی، جو نجانے کہاں غائب ہوگئی تھی۔ پھر اُس نے تھامس ڈولان کے لیے مغفرت کی دعا کی۔ اور آخر میں اُس نے خود اپنے لیے دعا کی۔

بعد میں تو اسے یہ بھی یاد نہیں آتا تھا کہ وہ چرچ میں داخل ہوا تھا۔ یہ تو ایسا تھا، جیسے کوئی انجانی قوت اسے دھکیل کر وہاں لے گئی ہو۔ لیکن جب وہ چرچ سے نکل کر آگے بڑھا تو سڑک پر چلتے چلتے اچانک اُس کی سمجھ میں آگیا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

......✲......

''مسٹر ایمبیسیڈر''

فلپ برینن کی آنکھ کھل گئی جو خواب وہ دیکھ رہا تھا، ذہن سے یوں مٹ گیا، جیسے پانی پر لکھی ہوئی تحریر۔ اُس کی گردن دکھ رہی تھی۔ اُس کا ہاتھ جس پر وہ پیشانی ٹکا کر سویا تھا، سن ہو رہا تھا

اسے احساس جرم ہوا۔ وہ جلدی سے سیدھا ہو بیٹھا اور اُس نے انٹرکام کا بٹن دبایا۔ ''ہاں..... کیا بات ہے؟''

''بریفنگ پیپرز سر۔''

''شکریہ'' اُس کی آواز اب بھی نیند کے اثر سے بھاری ہو رہی تھی۔ ''اندر بھیج دو پلیز۔''

اُس نے جماہی لی اور باتھ روم کی طرف مڑا اندر جا کر اُس نے چہرے پر پانی کے چھپکے مارے اور آنکھوں کو ملا۔ اس ہفتے میں یہ تیسرا موقع تھا کہ وہ آفس میں ڈیسک پر سر رکھ کر سو گیا تھا۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں تھی اور اس کا سبب صرف اور صرف مارگریٹ کی وہ وحشت تھی، جو اُس کے مطالبات کی طرح بڑھتی جا رہی تھی

''اب یہی حل ہے کہ میں اُس کے جام میں نیند کی گولیاں گھول دیا کروں۔'' اُس نے خود سے کہا اور مسکرا دیا۔ دفتر میں نیند آنے کا مسئلہ اپنی جگہ، لیکن مارگریٹ کی قربت بہر حال اب بہت زیادہ پرلطف ہو گئی تھی۔

اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے تیار کیے گئے بریفنگ پیپرز معمول کے مطابق تھے۔ ہمیشہ کی طرح انہیں پڑھتے ہوئے کوفت ہو رہی تھی۔ اُس کے باوجود اُس نے بڑی باریک بینی سے ان کا جائزہ لیا۔ پھر اُس نے وہ نوٹ اٹھایا، جس میں فارن آفس میں مذاکرات کے دوران اسے مدعو کرنے کی تصدیق کی گئی تھی۔ اُس نے سوچا، ان مذاکرات سے جان چھوٹے تو وہ چند روز چھٹی منائے گا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ اسے اپنی بیٹری ری چارج کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن وہ جائے گا کہاں؟

اگر تم باضمیر آدمی ہو تو کہاں جا سکتے ہو؟ اُس نے خود سے پوچھا۔ آدمی سے زیادہ دنیا کا یہ حال ہے کہ انسانی حقوق مذاق بن کر رہ گئے ہیں۔ خود امریکا میں ہی بنیادی انسانی حقوق جزوی طور پر معطل تھے۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ قانون سازی کے ذریعے انہیں معطل کیا گیا ہے اب تو یہ حال ہے کہ اختلاف رائے کے نتیجے میں سزائے قید سے لے کر سزائے موت تک سنائی جا سکتی ہے اور اپیل کا حق بھی نہیں۔ یہ دنیا کس طرف جا رہی ہے۔ کسی شخص کو محض شک کی بنیاد پر گرفتار کر کے بغیر کسی ثبوت کے ایک خاص عرصہ تک قید کیا جا سکتا ہے اور اس پر ستم یہ کہ اس عرصہ کے بعد رہائی پاتے ہی پانچ منٹ کے اندر اسے دوبارہ اسی شک کے تحت گرفتار کیا جا سکتا ہے۔

عرب ممالک کا عجیب حال ہے۔ یا تو وہ بنیاد پرستی میں مبتلا ہو کر قرونِ وسطیٰ کے دور میں جی رہے تھے۔ یا انہوں نے ترقی کے نام پر مغرب کی تمام برائیاں قبول کر لی تھیں۔ یورپ میں بھی بنیادی انسانی حقوق پامال ہو رہے تھے۔ خفیہ پولیس کو حد سے زیادہ اختیارات دے دیے گئے تھے۔ کسی کو بھی گرفتار کیا جا سکتا تھا۔ اسپین اور اٹلی میں فاشزم کا دور دورہ تھا۔ افریقہ میں جنگیں بھی ہو رہی تھیں اور خانہ جنگی بھی۔ انڈیا میں گینگسٹرز کی حکومت تھی۔ بیشتر ممالک میں ڈکٹیٹر حکمران تھے۔

یورپ کے مستحکم ممالک کا حال بھی اچھا نہیں تھا۔ نئی نسل میں وحشت بے انتہا تھی۔ اغوا اور قتل کی وارداتیں عام ہوگئی تھیں۔ لوگ تفریحاً بھی کسی کو قتل کر دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکی سفیر کی حیثیت سے دن رات اُس کی سکیورٹی کا خیال رکھا جاتا تھا۔ اُس نے آہ بھرتے ہوئے سوچا کہ جہاں بھی انسان کے قدم پہنچے ہیں، وہاں فضا درندگی اور بہیمیت کی وجہ سے مسموم ہوگئی ہے۔

اب تو صورت حال یہ تھی کہ خبر صرف بری خبر کو کہا جاتا تھا۔ مسائل تھے اور حل کسی ایک مسئلے کا بھی نہیں تھا۔ اگر خدا موجود ہے تو یہ بھی طے ہے کہ اُس نے دنیا کی طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں، اور شیطان نہ صرف زندہ ہے بلکہ ہر لمحے، ہر جگہ اپنی موجودگی کا ثبوت بھی دے رہا ہے۔

وہ اٹھ کر کھڑکی کی طرف گیا اور باہر گروس وینز اسکوائر کا جائزہ لیا۔ وہاں مظاہرین کا ایک گروہ ایک دائرے میں مارچ کر رہا تھا۔ ان لوگوں کے ہاتھوں میں پلے کارڈ تھے۔ وہ یہ نہیں دیکھ پایا کہ ان پر لکھا کیا ہے اور ان کی اہمیت بھی کیا تھا۔ مظاہرے اور احتجاج روز کا معمول تھا...... کبھی کسی بات پر کبھی کسی بات پر کسی روز بھی یہ اسکوائر مظاہرین سے محروم نہیں ہوتا تھا۔

بوڑھے سفارت کار کہتے تھے کہ نائن الیون کے بعد ایسی ابتری کبھی نہیں دیکھی گئی۔ اور پھر وہ بہر حال ایک معقول جواز تھا مظاہروں اور احتجاج کا۔ عراق پر امریکا کی فوج کشی کے خلاف خود امریکا سمیت دنیا بھر میں مظاہرے ہوئے تھے لیکن اب تو معمولی معمولی باتوں پر مظاہرے ہوتے تھے اور تو اور لوگ پیغمبری کا دعوا کرنے کے لیے بھی اسکوائر میں اپنے حامیوں کے ساتھ آجاتے تھے۔

اسکوائر میں موجود بہت سے مظاہرین ڈھانچوں کے سیاہ کاشیوم میں تھے، جس پر سفید چمک دار پینٹ سے ہڈیاں بنائی ہوئی تھیں۔ وہ کھڑا انہیں گھور رہا تھا کہ ایک ڈھانچہ پلٹا اور براہ راست اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ ان کے درمیان کم از کم سو گز کا فاصلہ تھا۔ پھر وہ اسے دیکھ کر گھونسہ لہرانے لگا۔

فلپ بریٹن نے ایک گہری سانس لی اور کھڑکی سے ہٹ آیا۔ اس چیخ و پکار سے اُس کی طبیعت بگڑنے لگی تھی۔ وہ تو اُمید کی کسی ڈور کا سرا تلاش کرنا چاہتا تھا۔ جبکہ یہ اور مایوسی کا سامان تھا۔

مگر وہ جانتا تھا کہ یہ مظاہرین بھی قصوروار نہیں تھے۔ وہ بے چارے تو خود ناامیدی کا شکار تھے ان دنوں دنیا کو کسی بھی طرح بیت الامید نہیں سمجھا جاسکتا تھا۔ مارگریٹ ہمیشہ کہتی تھی کہ کسی بچے کو اس محروم دنیا میں لانا صریحاً زیادتی ہے۔

اُس نے اپنی مصروفیات کی ڈائری کھولی اور چیک کرنے لگا۔ ہلٹن میں اینگلو امریکن ٹریڈ ایسوسی ایشن کے اراکین کے ساتھ کاک ٹیل۔ اسے امید تھی کہ قسمت نے اُس کا ساتھ دیا تو وہ ڈنر کے لیے نو بجے تک گھر پہنچ جائے گا۔

اپنے ڈپریشن کو کم کرنے کے خیال سے وہ پھر باتھ روم میں گھس گیا۔ اُس نے شاور روم کے پردے کھینچے اور شاور کے نیچے کھڑا ہوگیا، جیسے اس طرح اُس کے ذہن سے مایوسی دھل جائے گی۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ کاروباری لوگوں سے کاک ٹیل پارٹی میں کیا کہے گا۔ یہ بھی اچھا ہے کہ وہاں روایتی تقریر کا مرحلہ نہیں ہوگا۔ بس تجارت کے ذریعے امن کے بارے میں ادھر اُدھر کی باتیں...... اب ایسے میں تو آدمی خوش امیدی سے باتیں کر سکتا ہے۔

......۞......

کانفرنس روم کو امریکی اور برطانوی پرچموں سے سجایا گیا تھا۔ درمیان میں ایسوسی ایشن کا لوگو تھا۔ آدھے گھنٹے تک فلپ برینن ان لوگوں میں گھلا ملا رہا۔ اُس نے سب سے ہاتھ ملائے۔ کچھ لوگوں کے لیے حوصلہ افزائی کے کلمات کہے۔ وہاں ہر شخص کے سینے پر اُس کے نام کی پٹی لگی تھی۔ وہ بات کرتے ہوئے ہر شخص کا نام غور سے دیکھتا۔

وہ مردانہ تقریب تھی۔ فلپ ادھر ادھر گھومتا پھرا۔ وہ سوچ رہا تھا، ابھی کچھ دیر میں کاک ٹیل کا اثر شروع ہوگا اور کاروباری لوگوں کو بھی شرارتیں سوجھنے لگیں گی۔

گھومتے پھرتے، لوگوں سے ہاتھ ملاتے، ان سے رسمی باتیں کرتے اچانک وہ ایک گوشے میں پہنچ گیا، جہاں وہ اکیلا تھا۔ ڈرنکس کی ٹرے لیے ایک ویٹر اُس کی طرف بڑھا۔ فلپ نے ایک جام قبول کیا اور اس میں سے گھونٹ بھرا۔ اسی لمحے اسے اپنے عقب سے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ منحنی سا آدمی تھا، جو بہت نروس انداز میں اُس کی طرف ہاتھ بڑھا رہا تھا۔ ''مسٹر ایمبیسیڈر، میں آپ سے مختصر سی بات کرسکتا ہوں۔''

فلپ برینن کو اُس کا لہجہ اِلی نوائس کے لوگوں کا سا لگا۔ ''ضرور مسٹر فن'' اس نے اُس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ تقریب کے دوسرے شرکا کے برعکس اس شخص کے نام کے نیچے اس کی کمپنی کا نام نہیں ہے۔

مائیکل فن نے جیسے اُس کی سوچیں پڑھ لیں۔ اُس نے کندھے جھٹک دیے۔ ''میں اس تنظیم کا رکن نہیں ہوں۔'' اُس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ ''درحقیقت مجھے یہاں موجود نہیں ہونا چاہیے تھا۔ میرے ایک دوست نے مجھے یہاں مدعو کیا ہے۔''

''فلپ برینن کے چہرے پر ناگواری کا سایہ سا لہرا گیا۔

''ویسے سر، پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ آپ کے سیکورٹی اسٹاف نے مجھے چیک کیا ہوگا۔ میں ایک تاریخ داں ہوں سر، اور نوادرات کا ڈیلر ہوں۔''

''اوہ۔''

''کئی دن سے میں آپ سے ملاقات کی کوشش کر رہا ہوں۔ لیکن میری درخواست شاید ابھی تک آپ کے فرنٹ آفس میں نہیں پہنچ سکی ہے۔''

''مجھے افسوس ہے مسٹر فن، لیکن اگر میں ملاقات کے خواہش مند ہر شخص سے ملنے لگوں تو......''

''جی ہاں جناب، میں سمجھتا ہوں۔ لیکن میں آپ سے صرف چند سیکنڈ مانگ رہا ہوں۔'' مائیکل نے اُس کا ہاتھ تھاما اور اسے شہ نشیں کی طرف لے چلا۔ ''آج شام میں نے ایک پیکٹ آپ کے گھر بھجوایا ہے۔ اس میں جو کچھ بھی ہے، میری التجا ہے کہ اسے ایک بار پڑھ ضرور لیجیے گا۔''

''ضرور...... کیوں نہیں۔'' فلپ برینن نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔

''میری صرف اتنی سی التجا ہے کہ آپ پہلے سے آخری صفحے تک پوری توجہ سے پڑھیں اور اسے فوری طور پر خرافات قرار دے کر مسترد نہ کریں۔''

''فلپ کے چہرے سے فکر مندی جھلکنے لگی۔ یہ گفتگو سن کر اسے کوئی اور گفتگو یاد آرہی تھی، مگر وہ اسے پوری طرح یاد نہیں کر پا رہا تھا۔

''جو کچھ آپ پڑھیں گے، سرسری انداز میں تو وہ آپ کو پاگل پن محسوس ہوگا۔ ممکن ہے، وہ کسی حد تک پاگل پن ہو بھی۔ فی الحال میں

صرف اتنا کہنا چاہوں گا کہ دو آدمی جو اس معاملے میں ملوث رہے ہیں، مر چکے ہیں اور ان میں سے ایک میرا پادری ہے، جو شکاگو میں مرا......''

''اچھا......ہاں......'' فلپ نے وہاں سے ٹلنے کی کوشش کی۔

لیکن مائیکل نے اُس کا بازو تھام لیا۔''میرے پادری نے دیکھ لیا تھا کہ آپ سے پہلے سفیر کی لاش اُس کی قبر میں موجود نہیں ہے۔''

''فلپ برینن نے مسکراتے ہوئے اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کی۔

''آپ اس حقیقت کو ذہن میں رکھتے ہوئے پڑھیے گا'' مائیکل فن کے لہجے میں اصرار تھا۔''آپ سمجھ رہے ہیں نا سر کہ میں ڈیمین تھورن کے بارے میں بات کر رہا ہوں۔ مرنے سے پہلے میرے پادری کو پتا چل گیا تھا کہ ڈیمین تھورن کی قبر خالی ہے لاش قبر میں موجود نہیں ہے۔''

فلپ برینن نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو چھڑا لیا۔

''آپ خود سے یہ سوال کیجئے گا کہ آخر ڈیمین تھورن کی قبر میں پتھر کیوں بھرے ہیں۔''

فلپ برینن نے منہ پھیر لیا اور چل دیا۔

لیکن مائیکل فن اُس کے پیچھے آ رہا تھا۔''میں پاگل دیوانہ نہیں ہوں مسٹر برینن۔ اور اس میں میرا کوئی ذاتی مفاد بھی نہیں ہے۔ اور سر، میں ایک ڈرپوک آدمی ہوں......نہایت بزدل۔''

فلپ برینن کی کیفیت دیکھ کر ایک ایڈی ان کی طرف بڑھا۔

''مسٹر برینن، آپ ویسا ہی کریں گے نا، جیسا میں نے کہا ہے۔ بس آپ وہ سب پوری طرح پڑھ لیجیے گا۔

فلپ برینن نے اُس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ اس پر عاجزی تھی۔ وہ چہرہ التجا کرتا محسوس ہو رہا تھا۔''ٹھیک ہے'' اُس نے کہا۔ وہ اس شخص سے جان چھڑانے کے لیے زبانی طور پر اُس کی ہر بات مان سکتا تھا۔

مائیکل فن مسکرایا۔''شکریہ مسٹر برینن......سر۔'' پھر اُس نے ایڈی کو جھٹکا اور مسکراتے ہوئے خوشی خوشی دوسری طرف چل دیا۔ انداز ایسا تھا، جیسے کوئی بہت بھاری بوجھ اُس کے کندھوں سے اُتر گیا ہو۔

٭

ڈیو پیکر جمبو بوئنگ 777 نے ہیتھرو ایئرپورٹ کے رن وے سے خود کو اٹھایا اور مغرب کی طرف پرواز شروع کی۔ مائیکل فن اپنی سیٹ میں دھنس کر بیٹھا اور اُس نے ایک گہری سانس لی۔ اسے خوشی تھی کہ وہ رخصت ہو رہا ہے۔ لیکن سکون اور خوشی کے ساتھ اسے احساس جرم بھی ہو رہا تھا۔ کبھی اسے خیال آتا کہ وہ اور بھی کچھ کر سکتا تھا، جو اُس نے نہیں کیا۔ لیکن یہ بات اتنے وثوق سے نہیں کہی جا سکتی تھی اُس نے سوچا، اس وقت تک فلپ برینن سب کچھ جان چکا ہوگا۔ اس میں اسے کوئی شک نہیں تھا کہ فلپ برینن اس معاملے کو ذہن سے ہرگز نہیں جھٹک سکے گا۔ لیکن اس بات پر اسے یقین تھا کہ وہ اسے بہر حال خرافات ہی سمجھے گا۔

لیکن ایک بار اُس نے......یعنی مائیکل فن نے یہ ثابت کر دیا کہ ڈیمین تھورن کی قبر میں اُس کی لاش موجود نہیں ہے تو فلپ برینن اس بات

کو اہمیت دینے پر مجبور ہو جائے گا۔

وہ سوچ رہا تھا، دیکھنا یہ ہے کہ اُس کے حصے میں شہرت آتی ہے یا بدنامی۔ اُس کا ارادہ تھا کہ شکاگو ٹریبیون کے رپورٹرز میں سے کسی ایک سے اسٹارٹ لے گا۔ وہ کہانی کی تلاش میں کھدائی کرے گا تو گند برآمد ہوگا۔ مائیکل فن مسکرایا...... یہ لفظ کتنے مناسب تھے...... کھدائی، گند، برآمد...... واہ!

رپورٹرز کے مزاج وہ سمجھتا تھا اور ان کے طریقِ کار سے بھی واقف تھا۔ بس بات نکلنے کی دیر ہے۔ وہ تھورن مملکت کو تاراج کر دیں گے...... وہ سوالات پوچھتے پھریں گے۔ اور ایسا ہوا تو تھامس ڈولان کی موت رائیگاں نہیں جائے گی۔

اُس نے سرخ بالوں والی ایر ہوسٹس سے مارٹینی کی فرمائش کی۔ اُس نے ڈینائز کے نام سے اپنا تعارف کرایا اور اسے خوش گوار فلائٹ کے لیے اپنی نیک تمنائیں پیش کیں۔ اُس کا انداز پیشہ ورانہ نہیں تھا۔ اُس کی نگاہوں میں اس کے لیے لگاوٹ بھی تھی اور دعوت بھی۔

ذرا دیر بعد وہ اُس کے لیے ڈرنک لے کر آئی تو اُس کی آنکھوں میں اشارے بھی تھے۔ مائیکل فن نے سپ کرتے ہوئے دل ہی دل میں خود سے کہا...... زیادہ خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں بڑے میاں۔ خواب دیکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ مگر تعبیر میں ٹانگ نہ پھنسا بیٹھنا۔

تھوڑی دیر بعد مسافروں کے لیے فلم شروع ہو گئی۔ اس دوران ایر ہوسٹس اُس کے برابر کی خالی سیٹ پر آ بیٹھی۔ ''آپ بور تو نہیں ہو رہے ہیں؟'' اُس نے پوچھا ''میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بلا تکلیف کہہ دیجیے گا۔''

''نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں۔'' مائیکل نے سرگوشی میں کہا۔

فلم لاس اینجلز کی پولیس کے متعلق تھی۔ دونوں نے فلم ساتھ بیٹھ کر دیکھی۔ لیکن مائیکل فن ارتکاز سے محروم تھا۔ اور اسے رہ رہ کر احساس ہو رہا تھا کہ ایر ہوسٹس جان بوجھ کر اُس کے جسم سے اپنا جسم مس کر رہی ہے۔ مگر ہر بار وہ اسے اپنے تخیل کی کارفرمائی قرار دے کر نظر انداز کر دیتا۔ جہاز کے مسافروں میں پرکشش اور جوان مردوں کی کمی نہیں تھی۔ پھر کوئی خوب صورت اور جوان ایر ہوسٹس اُس کے قریب کیونکر آئی۔

فلم کلائمکس پر پہنچ گئی۔ اب فائرنگ ہو رہی تھی۔ اچانک ڈینائز نے اُس کے قریب ہوتے ہوئے سرگوشی میں کہا۔ ''اب مجھے کافی سرو کرنی ہے۔ آپ کچن میں آجائیں تو میں آپ کو کاک ٹیل پلاؤں۔''

یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔ مائیکل فن خالی خالی نظروں سے ٹی وی اسکرین کو دیکھتا رہا۔ کیوں نہیں۔ وہ سوچ رہا تھا۔ کیوں نہیں۔ آخر بری نہیں۔

......⁂......

اُس نے اپنی جیکٹ اور ٹوپی اتار دی تھی اور کیبن کی دیوار سے ٹیک لگائے واڈکا کے گھونٹ لے رہی تھی۔

''تمہیں فلائٹ کے دوران پینے کی اجازت ہے؟'' مائیکل فن نے پوچھا۔

''نہیں۔ جبھی تو چھپ کر پی رہی ہوں۔'' وہ بولی اور سرک کر باہر جھانکنے لگی۔

مائیکل فن خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

''کینیڈی میری دوست ہے۔ وہ میری جگہ کافی سرو کر رہی ہے۔'' ڈینائز نے کہا۔ پھر وہ اسے اپنے بارے میں بتانے لگی۔ اب وہ پرسکون لگ رہی تھی۔ ''میرا تعلق ڈین ور سے ہے۔ آپ کہاں سے ہیں؟''

اب وہ اس کے بارے میں سوال پر سوال کر رہی تھی۔ وہ کیا کرتا ہے؟ یورپ کس سلسلے میں آیا تھا...... بزنس یا تفریح؟

وہ جواب دیتا رہا اور کوشش کرتا رہا کہ اُس کی طرف نہ دیکھے۔ دیکھے گا تو نظر ہٹانا مشکل ہو جائے گا۔

''آپ کو فضائی سفر اچھا لگتا ہے؟''

''نہیں میری سمجھ میں یہی نہیں آتا کہ لوہے کی اتنی بھاری مشین کیسے اُڑ سکتی ہے۔''

وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ ''میرا بھی یہی حال ہے۔''

یہ بتاؤ کہ پہیوں کو اُوپر کر لینے پر اصرار کیوں کیا جاتا ہے۔

'' اس لیے کہ پہیوں کے نیچے ہوتے ہوئے جہاز اُڑ نہیں سکتا بے وقوف۔''

''اور اگر اترتے وقت پہیے نیچے ہی نہ آئیں تو؟''

وہ ہنسی اور اُس کا ہاتھ تھام کر اسے کھینچتی ہوئی کچن کے عقبی دروازے کی طرف چلی۔ وہاں ایک چھوٹی سی لفٹ تھی۔ وہ دونوں اُس میں بیٹھ گئے۔ ''پہیے کبھی گڑبڑ نہیں کرتے۔ ہمیشہ نیچے آتے ہیں۔ میں ابھی تمہیں دکھاتی ہوں۔ یہ لفٹ ہمیں نیچے والے کچن میں پہنچا دے گی...... لو ہم پہنچ گئے۔''

وہ باہر نکلی۔ مائیکل فن اُس کے پیچھے تھا۔ اُس کے ہاتھ میں اب بھی جام تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ اپنے چٹکی بھر کر دیکھنا چاہیے۔ ویسے تو یہ خواب ہی لگ رہا ہے خواب ہی ہو سکتا ہے۔

وہ ٹرالیوں، چولہوں اور کریٹس کے درمیان لہراتی ہوئی گزر رہی تھی۔ پھر اُس نے اُس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ لڑکھڑایا۔ اس نے اُس کی ناک کو چھوا اور پھر رقص کے سے انداز میں ایک بھاری دروازے کی طرف بڑھی۔

مائیکل فن اُس کے پاس پہنچا تو اُس کی سانس ناہموار ہو چکی تھی۔ جام اب بھی اُس کے ہاتھ میں تھا۔ اُس نے ایک گھونٹ لیا۔ اس کی نبض تیز تھی اور دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

''پہیے یہاں ہوتے ہیں...... یہ درمیانی پہیے ہیں'' ڈینائز نے انگلی سے اشارہ کیا۔ وہاں سرخ رنگ کا ایک بلب روشن تھا۔ جب جہاز پریشرائزیشن کی سطح سے نیچے جاتا ہے تو اس بلب کی روشنی سبز ہو جاتی ہے پھر یہ پہیے چلے جاتے ہیں...... یعنی کھل جاتے ہیں۔''

''اور اس میں کتنی دیر لگے گی؟'' مائیکل نے پوچھا۔ اُس کا خیال تھا کہ اس میں گھنٹوں لگتے ہوں گے۔

''آ جاؤ'' ڈینائز نے دروازہ کھولا اور جہاز کے کارگو کے بیچ والے خانے میں قدم رکھا۔ مائیکل اُس کے پیچھے تھا۔ کمپارٹمنٹ میں داخل ہوتے ہی اسے سردی لگنے لگی۔ اُس نے ایک ہی جرعے میں جام خالی کر دیا۔ پھر وہ ڈینائز کے پیچھے اسٹیل کے اس بڑے کنٹینر کی طرف بڑھا، جو اس مال گودام میں سب سے نمایاں لگ رہا تھا۔

''آؤ......اوپر آؤ۔'' ڈینائز اب ایک سیڑھی پر چڑھ رہی تھی۔ مائیکل بھی سیڑیاں چڑھنے لگا۔

اب وہ دونوں اوپر کھڑے تھے۔

''یہ دیکھو......یہ پہیوں کا خانہ ہے۔'' ڈینائز نے کہا اور ایک کھٹکا دبایا۔ ''دیکھو۔''

''مائیکل فن نے جھک کر دیکھا۔ محض چند انچ نیچے وہ بہت بڑے بڑے پہیے نظر آ رہے تھے۔

''یہ سولہ پہیے ہیں......چار چار کے چار سیٹ۔ پانچ فٹ اونچے۔''

''مائیکل فن نے سر ہلایا۔ پہیے اُس کے تصور سے کہیں بڑے تھے۔

ڈینائز اب اسے سسٹم کے بارے میں بتا رہی تھی۔ لیکن وہ دھیان سے نہیں سن رہا تھا۔ وہ اسے ہائیڈرالک سسٹم کے بارے میں بتا رہی تھی وہ کہہ رہی تھی کہ اگر سسٹم فیل ہو بھی جائے، جو کہ آج تک نہیں ہوا تو بھی ان نچلے دروازوں کو محض ہاتھوں کی مدد سے بھی کھولا جا سکتا ہے۔ اور دروازے کھولتے ہی پہیے خود بہ خود نیچے جا پڑیں گے۔ ''کشش ثقل کی وجہ سے۔ سمجھے؟''

''ہاں۔ سمجھ گیا۔'' مائیکل فن نے کہا۔ لیکن اسے افسوس ہو رہا تھا کہ درحقیقت نہ وہ کچھ دیکھ سکا، نہ ہی سمجھ سکا۔ ڈینائز نے جب اسے پہیے دکھانے کو کہا تو وہ کچھ اور سمجھا تھا کہ وہ اسے یہاں کسی اور خوب صورت مقصد کے تحت لائی ہے۔

''اب دیکھو......کسی بھی لمحے......'' وہ اُس سے جڑ کر بیٹھ گئی۔

اگلے ہی لمحے مائیکل فن کو ہائیڈرولکس کی پھنکار سنائی دی اور جہاز کا شکمی حصہ سلائیڈ کر کے کھل گیا۔ ہوا کا تیز جھونکا اُس خلا سے اندر گھسا۔ سردی کا احساس اور بڑھ گیا۔

''یہ دیکھو پہیے حرکت کرنا شروع کر رہے ہیں۔ اب تو تم کبھی پریشان نہیں ہو گے نا؟''

انجنوں اور ہوا کے ملے جلے شور کی وجہ سے مائیکل کو کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ اُس نے نیچے دیکھا۔ پہیوں کے اِدھر اُدھر سے اُسے نیچے مکانات دکھائی دے رہے تھے۔ وہ نیویارک کا مضافاتی علاقہ تھا۔

ٹھنڈی ہوا کی وجہ سے اُس کا جسم لرز رہا تھا اُس نے کھٹکے کی لگر کو تھام رکھا تھا۔ وہ پیچھے ہٹنے لگا۔ اسی لمحے اسے ڈینائز کے ہاتھوں کا دباؤ اپنے کندھوں پر محسوس ہوا۔ وہ مسکرایا۔ بے وقوف لڑکی نے اظہارِ محبت کے لیے کیسا بے تکا وقت منتخب کیا ہے!

مگر پھر وہ دباؤ بڑھ گیا۔ اُدھر نیچے سے ہوا بھی اسے کھینچ رہی تھی۔ ''کیا کر رہی ہو؟ گراؤ گی مجھے؟'' اُس نے احتجاج کیا۔

''ہاں......یہی تو میرا فرض ہے۔'' ڈینائز نے کہا۔

پہلے تو وہ سمجھا کہ یہ مذاق ہے؟ رومانوی چھیڑ چھاڑ ہے۔ مگر اگلے ہی لمحے اسے اُس کے لہجے کی سنگینی کا احساس ہو گیا۔ اُس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

وہ گرایا گیا یا ہوا نے اُسے کھینچا......یا دونوں باتیں تھیں۔ بہر حال وہ آگے کی طرف گرا۔ اُس نے پہیوں کو جوڑے رکھنے والی آہنی پٹی کو

تھام لیا۔ اُس کا چہرہ ربڑ کے ٹائر سے ٹکرایا۔ اُس کے حلق سے چیخ نکلی۔ اُدھر اُس کا پاؤں دو آہنی پٹیوں کے درمیان پھنس گیا۔ اُس نے ٹائر کو تھاما اور اپنے کندھے کے عقب سے پلٹ کر دیکھا۔ وہ مسکراتے ہوئے الوداعی انداز میں ہاتھ ہلا رہی تھی۔ پھر اُسی نے پہیوں کے خانے کا دروازہ بند کر دیا۔

وہ اور نیچے کو گرا...... اور پھر مزید نیچے جانے کی گنجائش نہیں رہی۔ اُس کی ناک پہیے کے گھیر سے جا لگی۔ ناک میں گوبر جیسی بو گھسنے لگی۔ انگریزی گوبر کی بو...... اُس نے پاگلوں کی طرح سوچا۔ ہیتھرو سے ٹیک آف کرتے وقت پہیے پر یہ گوبر لگا ہوگا۔ اگلے ہی لمحے اُس نے ہوش مندی سے سوچا کہ رن وے پر گوبر کہاں سے آیا۔ یہ جلے ہوئے ربڑ کی بو ہوگی۔

مگر صورتِ حال ایسی تھی کہ اس میں ذہنی توازن قائم رکھنا ناممکن تھا۔ وہ بلند آواز میں رونے لگا۔ اُس نے پہیوں کو جوڑے رکھنے والی آہنی پٹی کو تھاما اور اُس پر پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر دو پٹیوں کے درمیان پھنسے ہوئے پاؤں کی وجہ سے یہ ناممکن تھا۔ بلکہ اُس کوشش کے نتیجے میں اُس کا پاؤں مڑا اور زیادہ بری طرح پھنس گیا۔

وہ پھر آگے بڑھا۔ اُس کے ناخن پہیے کی بیرونی سطح کو کھرچنے لگے۔ پہیوں سے سوکھی ہوئی کیچڑ کے ٹکڑے چھوٹ کر اڑے۔ ایک چھوٹا سا ٹکڑا اُس کی آنکھ میں چلا گیا۔ اُس کی آنکھ میں پانی بھر آیا۔

نیچے اسے کینیڈی ایر پورٹ کی جھلک دکھائی دی۔ اُس نے سوچا، میری بیوی وہاں موجود ہوگی۔ وہ خاص طور پر طویل سفر کر کے اسے ریسیو کرنے کے لیے وہاں پہنچی ہوگی۔ شاید اس وقت وہ آبزرویشن ایریا میں کھڑی آسمان کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہی ہوگی...... اُس کے جہاز کی آمد کے انتظار میں!

مائیکل فن نے اپنے چہرے کو ٹائر سے رگڑا۔ اسے ڈینائز کی کہی ہوئی ایک بات یاد آئی۔ اس نے کہا تھا کہ پہیے کبھی کبھی اتنی قوت سے رن وے سے ٹکراتے ہیں کہ ان کا ربڑ ایک انچ کی گہرائی تک اڑ جاتا ہے۔

اب ہر منظر غائب ہو چکا تھا اور اسے رن وے نظر آ رہا تھا۔ بڑی آہستگی سے اور بڑی اذیت سے اُس نے اپنے سر کو ذرا سا اُٹھایا اور حلق پھاڑ کر چیخنے لگا۔ لیکن انجنوں کے شور میں اپنی آواز اسے خود بھی سنائی نہیں دی۔

......✲......

جہاز کے ونگ کے اوپر کھڑکی کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا وہ بچہ اپنی ماں کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے۔ پھر اچانک اُس کے حلق سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

ایر ہوسٹس مسکراتی ہوئی بچے کی طرف جھکی۔ ”کیا بات ہے؟“

”یہ میرے بچے کا پہلا سفر ہے“ بچے کی ماں نے جواب دیا۔

”وہ دیکھو...... وہ پھر آیا......“ بچے نے ایر ہوسٹس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہ کہتا ہے کہ اسے چیخیں سنائی دے رہی ہیں۔“ بچے کی ماں نے وضاحت کی۔ ”میں اسے سمجھا رہی ہوں کہ یہ بس ہوا چلنے کی آواز ہے۔“

''مما ٹھیک کہہ رہی ہیں۔'' ایرہوسٹس نے بچے کا ہاتھ تھپ تھپایا۔ ''ہماری رفتار دوسو میل فی گھنٹا ہے ایسے میں مخالف ہوا تو چیخے گی ہی۔''

بچے نے کان کھڑکی سے لگا دیے۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ جہاز اب رن وے پر اتر رہا تھا۔ بچے نے اچانک انگلیاں کانوں میں ٹھونس لیں۔ اب وہ چیخوں کے رکنے کا منتظر تھا۔

پھر ایک جھٹکا لگا۔ کنکریٹ پر ربڑ کے رگڑنے کی مخصوص آواز سنائی دی۔ ایک لمحے بعد انجن کی چنگھاڑ مدھم گنگناہٹ میں تبدیل ہوگئی جہاز اب ٹرمینل گیٹ کی طرف دوڑ رہا تھا۔

بچے نے اس وقت تک آنکھیں نہیں کھولیں، جب تک جہاز رک نہیں گیا۔ پھر اُس نے نیچے دیکھا تو اسے ایک مکینک نظر آیا، جو دہشت زدہ کھڑا پھٹی پھٹی آنکھوں سے پہیوں کے درمیان گوشت، ہڈیوں اور عضلات کے ڈھیر کو دیکھ رہا تھا، جو کبھی مائیکل فن کہلاتا تھا۔

''چیخ اب رک گئی ہے۔'' بچے نے مسکراتے ہوئے اپنی ماں سے کہا۔

☼

لفٹ میں اُس کے ساتھ دو جوان آدمی بھی تھے۔ فلپ برینن نے انہیں مسکرا کر دیکھا اور پھر دھیرے سے گڈ ایوننگ کہا۔ پہلے تو اُس نے ان کی باہمی گفتگو پر بالکل دھیان نہیں دیا۔ اُس کا دھیان شام کو موصول ہونے ڈپلومیٹک بیگ میں اٹکا ہوا تھا۔ اُس نے گہری سانس لے کر اس مسئلے کو اپنے شعور سے دھکیل کر نکالنے کی کوشش کی۔

اسے مارگریٹ کے لفظ یاد آئے...... گھر آتے ہوئے اپنے دفتری مسائل کو ذہن سے جھٹک دینا۔ میں نہیں چاہتی کہ تم ان مسائل کو گھر لے کر آؤ۔ میں چاہتی ہوں کہ ہم ڈنر کرتے ہوئے چھوٹی چھوٹی غیر اہم سی باتیں کریں...... ہلکی پھلکی گفتگو اور وہ گفتگو دو طرفہ بھی ہو۔

اُس نے سوچا، مارگریٹ ٹھیک کہتی ہے۔ کام اُس پر کچھ زیادہ ہی حاوی ہوگیا ہے۔

''تم تصور کر سکتے ہو۔'' لفٹ میں موجود ایک جوان آدمی نے دوسرے سے کہا۔ ''جمبو جیٹ سے گرنا...... خدا کی پناہ۔''

یہاں سے وہ ان کی گفتگو میں دلچسپی لینے پر مجبور ہوگیا۔

''بچنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوا۔'' دوسرا بولا۔

''بچنا...... ارے اُس کا کچھ بھی نہیں بچا۔ جانتے ہو، انہوں نے اسے شناخت کیسے کیا! مسافروں کی فہرست میں سے وہ عافیت کے ساتھ برآمد ہونے والے مسافروں کے ناموں پر نشان لگاتے رہے۔ آخر میں جو نام رہ گیا، انہوں نے سمجھ لیا کہ حادثے کا شکار ہونے والا وہی ہے۔''

''وہ تھا کون؟''

''شکاگو کا رہنے والا ایک نوادرات کا ڈیلر...... اور شاید تاریخ کا کوئی اسکالر۔''

یہ سن کر تو فلپ برینن ان دونوں کو گھورنے لگا۔ ''یہ آپ لوگ کس کی بات کر رہے ہیں؟''

''ایک بے چارہ مسافر، جو کینیڈی ایئرپورٹ پر لینڈنگ کے دوران جمبو طیارے سے گر گیا تھا۔'' ان میں سے ایک نے کہا۔ ''میں نے نیوز

میں دیکھا تھا۔

''اُس کا نام فن تو نہیں تھا؟''

''ہاں، آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یہی نام تھا اُس کا'' جوان آدمی اب فلپ کو حیرت سے دیکھ رہا تھا، پھر اُس نے پوچھا۔ ''کیا آپ اسے جانتے ہیں سر؟''

''اسی لمحے لفٹ کا دروازہ کھلا اور فلپ برینن باہر نکل گیا۔ وہ یوں سر ہلا رہا تھا، جیسے کوئی بات سمجھ نہ پا رہا ہو۔

دونوں جوان آدمی باہر نکلے اور اُس کے پیچھے ہال وے میں چل دیے۔

''کیسی عجیب بات ہے۔'' ان میں سے ایک نے کہا۔

''ان پر کام کا بہت بوجھ ہے۔'' دوسرا بولا۔ ''یہ مشرقِ وسطیٰ پر مذاکرات کا معاملہ بہت نازک ہے۔ اور یہی ایک شخص اس مسئلے پر امریکا اور برطانیہ کے رابطے کا کام کر رہا ہے۔''

وہ دروازے کی طرف بڑھتے رہے۔ فلپ برینن دروازے سے نکل چکا تھا۔

''کہتے ہیں کہ لینڈنگ کے پہلے ہی جھٹکے نے اسے پچکا دیا تھا۔ اُس کے بعد وہ پہیے پر چپکا ہوا دو میل تک گھسٹتا گیا۔''

''بڑی اذیت ناک موت ہوگی۔'' اُس کے ساتھی نے تبصرہ کیا۔ ''سنو..... بیئر ہو جائے؟''

✿

اس شام فلپ بریٹن مائیکل فن کو اپنے ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کرتا رہا۔ مگر وہ جیسے اُس کے ذہن سے چپک کر رہ گیا تھا۔ اُس کی سماعت میں اُس کی ملتجیانہ آواز گونج رہی تھی۔ ایسے میں بھوک کیسے لگتی۔ وہ بس یونہی ٹونگتا رہا۔ مارگریٹ کی باتوں پر وہ یوں ہی ہوں ہاں کرتا رہا۔ اُس کا دماغ حاضر تھا ہی نہیں۔

مارگریٹ کسی سفر کے بارے میں بات کر رہی تھی، جس کا وہ منصوبہ بنا رہی تھی۔ ''ہے نا زبردست۔'' اُس نے انگلی سے اسے ہلاتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں...... بہت خوب۔''

''میں تم سے بات کر رہی ہوں اور تم اپنی رسٹ واچ کو گھورے جا رہے ہو۔''

''سوری مارگریٹ...... وری سوری'' اُس نے معذرت کی اور ٹی وی آن کر دیا۔ خبروں کا وقت ہو رہا تھا۔

وہ خبریں سننے لگا۔ مائیکل فن کی موت کی خبر آخری سے پہلا نیوز آئٹم تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ اسے بہت سوچ بچار کے بعد عین وقت پر مین نیوز میں شامل کیا گیا تھا۔ خبر سنانے کے بعد نیوز ریڈر نے بتایا کہ پان ایم نے اس حادثے کی تفتیش کے لیے انکوائری کا فیصلہ کیا ہے۔

''بے چارہ۔'' فلپ نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

''نشے میں رہا ہوگا۔'' مارگریٹ نے تبصرہ کیا۔

فلپ نے سر اٹھا کر حیرت سے اسے دیکھا۔ مارگریٹ کے اس بے رحمانہ تبصرے سے اسے شاک لگا تھا۔ لیکن مارگریٹ اب بھی مسکرا رہی تھی۔ پھر وہ بڑی محبت اور لگاوٹ سے اُس کا ہاتھ سہلانے لگی۔

لیکن فلپ نے بڑی درشتی سے اُس کا ہاتھ جھٹک دیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

اب حیران ہونے کی باری مارگریٹ کی تھی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ ایسا کیا ہو گیا۔ مگر فلپ بریٹن بغیر کوئی وضاحت کے لمبے ڈگ بھرتا ڈائننگ روم سے نکل گیا۔

فلپ اپنی اسٹڈی میں چلا گیا۔ وہاں رسالوں کے ایک ڈھیر کے اوپر مائیکل فن کا بھیجا ہوا پیکٹ رکھا تھا۔ اسے کھولا بھی نہیں گیا تھا۔ اُس نے لفافہ چاک کیا۔ اندر سے دو لفافے نکلے۔ ان کے علاوہ کچھ کاغذات تھے، جن پر نوٹس تھے اور ایک رسالے میں شائع شدہ آرٹیکل تھا۔ نوٹس کے اوپر ایک کاغذ اسٹیپل کیا گیا تھا۔ اس پر لندن کے ایک ہوٹل کا پتا لکھا تھا۔

اوپر صفحے پر لکھا تھا......

ڈیئر مسٹر ایمبیسڈر،

اس معاملے میں دل چسپی لینے کا شکریہ مہربانی کر کے یہ نوٹس بعد میں پڑھیے گا پہلے میری دی ہوئی ترتیب کے مطابق خط پڑھیے گا۔ میں پھر التجا کر رہا ہوں کہ درمیان میں نہ چھوڑیے گا۔ بلکہ آخر تک پڑھیے گا۔ جلد ہی ناقابل تردید شہادتوں کے ساتھ میں آپ سے رابطہ کروں گا۔

نیچے مائیکل فن کے دستخط تھے...... صاف ستھری ہینڈ رائٹنگ میں۔ اور اُس کے نیچے ایک اور نوٹ تھا......

حقیقت ہمیشہ دوراز کار لگتی ہے۔ اس میں کشش بھی نہیں ہوتی۔ جبکہ جھوٹ بے حد پر کشش اور من موہنا ہوتا ہے۔

فلپ برینن نے برانڈی کی بوتل اٹھائی اور اپنے لیے ایک جام بنایا۔ مارگریٹ کافی عرصے سے شکایت کر رہی تھی کہ اس کی مے نوشی میں اضافہ ہو گیا۔ لیکن وہ اور کیا کر سکتا ہے۔ وہ اس کی جگہ ہو تو پتا چلے...... خیر جہنم میں جائے۔

اُس نے اُس لفافے کو چاک کیا، جس پر مائیکل فن نے نمبر ایک لکھا تھا۔ خط نکال کر اُس نے اپنی میز پر پھیلا لیا......

فادر، اگلے ہفتے مجھے ناف کے نیچے، پیٹ بلکہ پشت کے آپریشن کے لیے کلینک میں داخل ہونا ہے......

اُس نے برانڈی کا گھونٹ لیا اور آگے کی طرف جھکتے ہوئے ٹیبل لیمپ کا سوئچ آن کر دیا۔ تا کہ روشنی براہ راست خط پر پڑے۔ پھر وہ خط پڑھنے لگا۔

آخری سطر تک وہ خط پڑھنے کے بعد اُس نے دوسرا خط کھولا......

مجھے معاف کر دے مقدس باپ کہ میں بہت گناہ گار ہوں

فلپ برینن کے حلق سے ایک بے ساختہ کراہ نکلی اور وہ اپنی پیشانی کو سہلانے لگا۔ خدایا...... کیا وہی سب کچھ دوبارہ بھی پڑھنا......

کچھ دیر بعد اُس نے اپنی کرسی کی پشت گاہ سے کمر ٹکائی اور آرام سے بیٹھ گیا۔ میری لاموںٹ کا خط وہ مٹھی میں بھینچے بیٹھا تھا۔ وہ منقسم تھا۔ اُس کا ذہن کہتا تھا کہ اسے گولا بنا کر ڈسٹ بن میں اچھال دو۔ لیکن تجسس زیادہ قوی تھا۔ بالآخر وہ آگے کی طرف جھکا، اس نے خط کو ٹیبل لیمپ کی روشنی میں پھیلایا اور اسے پڑھنے لگا۔

اسے پڑھنے کے بعد اُس نے اسے دوبارہ لفافے میں رکھا اور پھر نوٹس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہ ٹائپ شدہ کاغذ تھے۔ اوپر خانقاہ سان بینی ڈیٹو لکھا تھا۔

فادر ڈی کارلو کی تحریر میں سادگی اور روانی تھی۔ اُس نے اٹھارہ برس پہلے کی ایک فلکیاتی پوزیشن کا احوال لکھا تھا۔ کیسیو پیا کے علاقے میں آسمان پر تین ستاروں کا قران ہوا تھا۔ پھر اُس نے اپنے چھ راہبوں کے ساتھ انگلینڈ کا سفر کیا تھا۔ ان کا مقصد وہاں پہنچ کر اینٹی کرائسٹ کو ختم کرنا تھا وہاں انہیں دجال کی شیطانی طاقتوں کا جو تجربہ ہوا تھا، اس نے ان کے متعلق بھی لکھا تھا۔ ان کی سر توڑ کوشش ناکام رہی تھی۔ چھ کے چھ راہب ختم ہو گئے تھے۔

فلپ برینن نے تفصیل جاننے کے بعد ورق گردانی کی، آگے کے صفحات کو ٹٹولا۔ مگر فادر ڈی کارلو نے ان کی موت کی تفصیل نہیں لکھی تھی۔ آگے اُس نے تین ستاروں کے قران کے بارے میں وضاحت کی تھی کہ وہ مسیح کی دوبارہ پیدائش کا اشارہ تھا۔ اینٹی کرائسٹ...... یعنی دجال بھی اس علامت کو سمجھتا تھا۔ اُس نے اُس خاص تاریخ کو انگلینڈ میں پیدا ہونے والے بچے کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ لیکن وہ ناکام رہا۔ اور بالآخر اسے ہی تباہ کر دیا گیا۔

آخری پیراگراف کو فلپ برینن نے خاصی بلند سرگوشی میں پڑھا۔

میرا خیال تھا کہ وہ آخری معرکہ تھا۔ لیکن میں غلطی پر تھا۔ خدا اب اس کام کا بیڑہ اٹھانے والوں کی مدد فرمائے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ کیونکہ اب ہم مزید غلطیوں کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ مسیح جوان ہو چکے ہیں۔ اور دجال کی روح ابھی ختم نہیں ہوئی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اب پھر ٹکراؤ ہوگا۔

اور آخری خط مائیکل فن کا تھا۔ اس نے لکھا تھا...... حقیقت جاننے کے لیے آپ کو بائبل سے رجوع کرنا ہوگا......

فلپ برین اٹھا اور کتابوں کے شیلف کی طرف بڑھا۔ اُس کے قدموں میں ہلکی سی لرزش تھی۔ اُس نے کتابوں میں سے بائبل کو ڈھونڈ کر نکالا۔ بائبل پر گرد جمی ہوئی تھی۔ اُس نے گرد جھاڑی تو اسے پھندا سا لگا اور وہ کھانسنے لگا۔ وہ یہ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ آخری بار اُس نے بائبل کب کھولی تھی۔

مائیکل فن کے نوٹس بالکل صاف اور واضح تھے۔ ان کی روشنی میں وہ بائبل میں عبارات تلاش کرتا رہا۔

قومیں قوموں کے خلاف اٹھ کھڑی ہوں گی......

اُس نے مائیکل فن کی تشریح پڑھی، بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ یہ پہلی جنگ عظیم کی طرف اشارہ ہے، فن نے لکھا تھا۔ اُس کے بعد قحط پڑیں گے، آفتیں آئیں گی، وبائیں پھیلیں گی اور زلزلے آئیں گے۔ اور ایسا ہوا۔ اٹلی، جاپان اور چین میں یہ سب کچھ ہوا۔

بائبل کی عبارت تھی...... ابھی یہ نسل گزری بھی نہ ہوگی کہ یہ سب کچھ رونما ہوگا......

میتھیو نے جنہیں آخری ایام لکھا ہے، وہ دراصل نکتہ آغاز ہے، مائیکل فن نے اپنے نوٹس میں لکھا تھا۔ ''...... دوسری جنگ عظیم، کئی ممالک میں قحط، اسرائیل کا قیام، عربوں اور اسرائیل کے درمیان جنگیں اور اب کسی بھی وقت تیسری عالمگیر جنگ چھڑ سکتی ہے۔ تمام پیش گوئیاں پوری ہوتی جا رہی ہیں۔ وقت آخر بہت تیزی سے قریب آ رہا ہے۔

فلپ برین نے آنکھیں ملتے ہوئے بوتل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''وقت آخر......'' مائیکل فن نے اپنے نوٹس میں لکھا تھا...... تائن الیون کا واقعہ دجال کی پیدائش، مسیح کی پیدائش، اہم مسلم ممالک کی تباہی...... اس کے بعد تو دنیا میں امن ہو جانا چاہیے تھا۔ لیکن نہیں ہوا۔ انسانوں نے...... مسیحیوں نے اپنی ہر تدبیر کر لی۔ لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ دنیا اب پہلے سے بھی زیادہ غیر محفوظ ہے۔ یعنی خیر و شر کا آخری معرکہ ابھی نہیں ہوا۔ وہ ہونا باقی ہے۔ اور وہ اسرائیل ہی میں ہوگا۔

''ہم دعا ہی کر سکتے ہیں کہ تیسرے ہزاریے کی پہلی صدی ختم ہوتے ہوتے تمام نشانیاں ظاہر ہو چکی ہوں گی۔ اور آخری معرکہ کے بعد امن کے ایک ہزار برس ہوں گے۔''

فلپ برین نے خط کو پرے ہٹا دیا۔ ''وہ کس طرح کا امن ہوگا؟'' اُس نے بلند آواز میں کہا۔ ''مردہ زمین پر مردہ انسانوں کے درمیان امن!'' اس نے سر جھٹکا جیسے اس طرح ذہن سے دھند چھٹ جائے گی۔ اس نے پھر بوتل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ یہ دیکھ کر اسے حیرت ہوئی کہ ایک تہائی بوتل خالی ہو چکی ہے۔ جبکہ اسے اپنے جام کو دوسری بار بھرنا بھی یاد نہیں تھا۔

آخری چیز جو اسے دیکھنی تھی، وہ رسالے میں چھپا ہوا کیرول یاٹ کا فیچر تھا۔ اُس نے اسے دیکھا اور پلکیں جھپکائیں۔ اب وہ کچھ پڑھنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ وہ پہلے ہی بہت کچھ...... ضرورت سے زیادہ ہی پڑھ چکا تھا۔

''دیوانگی ہے...... دیوانگی'' وہ بڑبڑایا۔ وہ اٹھا اُس نے لیمپ بجھایا۔ اور لڑکھڑاتے قدموں سے دروازے کی طرف بڑھا۔ اسے امید تھی کہ مارگریٹ اب تک سو چکی ہوگی۔ کیونکہ ازدواجی زندگی میں وہ پہلا موقع تھا کہ نہ وہ اُس کی آواز سننا چاہتا تھا اور نہ ہی اس کی جارحانہ قربت کا خواہاں تھا۔ اس وقت اسے مارگریٹ کی ٹٹولتی ہوئی متجسس اور جارح انگلیوں کا تصور بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

وہ چپکے سے اُس کے برابر لیٹ گیا۔ وہ ساکت تھی اور گہری سانسیں لے رہی تھی۔ ایک لمحے کو فلپ برینن نے کھلی ہوئی کھڑکی سے باہر آسمان کو دیکھا کیا اسے آسمان پر موجود ایک ستارے کا بھی نام معلوم ہے؟ اُس نے سوچا۔ مگر اُس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

اُس نے آنکھیں بند کرلیں...... اور اگلے ہی لمحے وہ سو چکا تھا۔

............✿............

احسان نے سی ڈی پلیئر کا ریموٹ کنٹرول اٹھایا اور بستر پر دراز ہوگیا۔ اب صبح کی نماز تک اسے فرصت ہی فرصت تھی۔ اور اندر کی بے قراری ابھی تک ویسی ہی تھی۔ اُس نے ریموٹ کنٹرول کا رخ سی ڈی پلیئر کی طرف کیا اور پلے کا بٹن دبایا۔

Pause ختم ہوگیا۔ ٹی وی اسکرین پر تصویر متحرک ہوگئی حنیف ارشد کی آواز کمرے میں ابھری......

''......اُس زمانے میں کچھ قیدی مشرق سے اور کچھ مغرب سے آئیں گے ان کے بدن عام لوگوں جیسے ہوں گے، اور ان کے دل شیاطین کی مانند ہوں گے، وہ چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کی تعظیم نہیں کریں گے، اُس زمانے میں اے سلمان، لوگ اور ان کے حکام بیت اللہ شریف کا حج بغرض تفریح کیا کریں گے، اور مال دار لوگ تجارت کی وجہ سے اور مسکین لوگ سوال کرنے کے لیے اور قراء ریا کاری کے لیے حج کیا کریں گے اس پر حضرت سلمان نے تعجب سے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ، ایسا بھی ہوگا۔ حضورؐ نے فرمایا، ہاں قسم اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اُس وقت اے سلمان، جھوٹ عام ہو جائے گا اور دُم دار ستارہ چمک اٹھے گا۔ عورت اپنے شوہر کی تجارت میں شریک ہوگی، بازار قریب قریب ہوں گے۔ حضرت سلمان نے پوچھا کہ بازاروں کے قریب ہونے کا کیا مطلب ہے تو آپؐ نے فرمایا: ان میں نفع کم اور کساد بازاری ہوگی اس موقع پر اے سلمان اللہ تعالیٰ ایسی ہوا بھیجیں گے، جس میں زرد رنگ کے سانپ ہوں گے، اور وہ علما کا سر اچک لیں گے، کیونکہ انہوں نے برائی کو دیکھا ہوگا، مگر اُس کی اصلاح نہ کی ہوگی۔ حضرت سلمان نے پھر تعجب سے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ یہ سب ہوگا! حضورؐ نے ارشاد فرمایا، ہاں اس ذات کی قسم، جس نے محمدؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، ایسا ہی ہوگا۔

''تو میرے بھائیو، میرا خیال ہے ہم سوچے سمجھے کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ حضورؐ قیامت کی نشانیوں کے بارے میں بتاتے رہے۔ آپؐ نے فرمایا: آدمی اپنی بیوی کی اطاعت کرے گا اور ماں کی نافرمانی۔ اور ہم جانتے ہیں کہ اب گھر گھر کی کہانی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: میں تم پر چھ چیزوں سے ڈرتا ہوں، وہ یہ ہیں: بے وقوف کا امیر بنانا، انسانی خون بہانا، عدالتی فیصلے کی خرید و فروخت، قطع

رحمی کرنا، ایک نسل کا قرآن کو گانا بنانا اور پولیس کی کثرت۔

''ایک حدیث پاک کے مطابق جب کسی قوم میں بے حیائی کے افعال علی الاعلان ہونے لگیں تو وہ طاعون یا ایسی بیماریوں میں مبتلا ہوگی، جو اُن کے بڑوں کے زمانے میں کبھی نہیں ہوئیں۔ اور جب کوئی قوم ناپ تول میں کمی کرے گی تو قحط اور حکام کے ظلم میں مبتلا ہوگی۔ کوئی قوم زکوٰۃ بند کرے گی تو بارانِ رحمت سے محروم ہوگی۔ اگر چوپائے اور جانور نہ ہوتے تو کبھی بارش ہی نہ ہوتی۔ اور کوئی قوم عہد شکنی کرے تو اللہ اُس کے دشمن غیر قوم سے مسلط فرمادیں گے۔، پس وہ زبردستی ان کے اموال کو لیں گے۔

''حضرت ابن عباس سے مروی ہے: کسی قوم میں خیانت ظاہر ہو تو اللہ تعالیٰ اُسکے دلوں میں رعب ڈال دیتا ہے۔ اور جو قوم ناحق فیصلے کرنے لگے۔ اس پر دشمن مسلط کردیا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے مجھ سے فرمایا: جب تم میری امت کو اس حال میں دیکھو کہ ظالم کو ظالم کہنے سے ڈرنے لگیں تو ان سے رخصت ہوجانا۔

''ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ آخری زمانے میں مومن شخص لوگوں کے درمیان خوف سے چلے گا۔ کمینوں کی بہت کثرت اور شریفوں کی بہت کمی ہوگی۔ بوڑھے لوگ اپنے آپ کو جوان ظاہر کریں گے۔ حکمرانی وراثت کی وجہ سے منتقل ہوگی۔ بے قصور آدمی کو قتل کیا جائے گا۔ تاکہ عوام مشتعل ہوں۔

''حضرت عدی بن عمیرہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے آں حضرت کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کسی خاص فرد کے فعل پر عام لوگوں کو گناہ میں مبتلا نہیں فرماتے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے سامنے کسی برائی کو ہوتے دیکھیں اور وہ اُس کو برا کہنے پر قادر بھی ہوں اور وہ پھر بھی ایسا نہ کریں تو اللہ تعالیٰ سب خاص و عام کو عذاب میں مبتلا فرمادیتا ہے۔ علامات قیامت کو بیان کرتے ہوئے حضور ﷺ نے ایک طویل حدیث میں فرمایا: قیامت کی علامت یہ ہے کہ عورتوں کی حکمرانی ہوگی۔

''صرف سرسری طور پر سوچیں تو بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہم کس عہد میں جی رہے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جس برائی پر پچھلے وقتوں میں کوئی قوم تباہ کردی گئی، ایسی تمام برائیاں اس وقت ہم میں موجود ہیں۔ اللہ کی رحمت ہے کہ ہم اس طرح کی تباہی سے بچے ہوئے ہیں۔

''لیکن دوستو، مایوسی کفر ہے۔ ایسے میں بھی مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ ہمارے سامنے رہ نمائی کے لیے سیرت رسول کریمؐ کا مینارۂ نور موجود ہے۔ ہماری بچت، ہماری فلاح اس میں ہے کہ سیرت رسول کریمؐ کا اتباع کریں۔ ہمارے لیے قرآن کریم جیسا ہدایت نامہ موجود ہے۔ ہمیں اسے پڑھنا، سمجھنا اور اس میں دیئے گئے احکامات پر عمل کرنا چاہئے۔ دوستو، ہم اس عہد میں ہیں، جس سے اللہ تعالیٰ یوم حساب انشاءاللہ نرمی فرمائیں گے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا صحابہ کرام سے کہ تم ایسے زمانے میں ہو کہ جس میں اگر جن چیزوں کا تمہیں حکم دیا گیا ہے، اُس کے دسویں حصے پر بھی عمل نہ کرو تو تم ہلاک ہوجاؤ گے۔ اُس کے بعد ایک ایسا زمانہ آئے گا، جس میں کسی نے مامورات میں سے دسویں حصے پر بھی عمل کرلیا، وہ نجات پاجائے گا۔ اس زمانے میں دین پر صبر کرنا انگارے کو تھامنے کی مانند ہوگا۔ اور فتنے کے زمانے میں عبادت کا ثواب میرے پاس ہجرت کے ثواب کے برابر ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے مروی ہے کہ آں حضرتؐ نے ارشاد فرمایا: لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا، جس میں آدمی کو

عاجزی اور فسق کے درمیان اختیار دیا جائے گا، پس جو شخص وہ زمانہ پائے، وہ فسق کے مقابلے میں عاجزی اختیار کرے۔

''حضرت ابوموسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے قریب قتل وقتال کا زمانہ ہوگا، جس میں کفار سے قتال نہ ہوگا۔ بلکہ امت آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرے گی۔ یہاں تک کہ ایک آدمی سے اس کا بھائی ملے گا اور وہ اس کو قتل کر دے گا۔ اُس زمانے کے لوگوں کی عقلیں سلب کر لی جائیں گی، اور اُس کے بعد ایسے کم عقل لوگ ہوں گے، جن کا گمان ہوگا کہ ہم بہت کچھ ہیں۔ حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں ہوں گے۔

''ایک مستند حدیث امام احمد نے اپنی سند میں حضرت ابوذر غفاریؓ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے لیے دجال سے زیادہ خوف ناک چیز دوسری ہے، اور وہ ہیں گمراہ کن لیڈر اور سربراہ حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: میں اپنی امت پر گمراہ قائدین سے ڈرتا ہوں، جب تلوار میری امت پر رکھی جائے گی تو قیامت کے روز تک نہ اٹھائی جائے گی۔

حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا: آخری زمانے میں میری امت کو ارباب اقتدار کی جانب سے (دین کے معاملے میں) بہت سی دشواریاں پیش آئیں گی۔ ان کے وبال سے صرف تین قسم کے لوگ محفوظ رہیں گے۔ اول وہ شخص، جس نے اللہ کے دین کو ٹھیک ٹھیک پہچانا، پھر اُن کی خاطر دل زبان اور ہاتھ تینوں سے جہاد کیا۔ یہ شخص تو اپنی تینوں پیش قدمیوں کی وجہ سے سب سے آگے نکل گیا۔ دوم وہ شخص جس نے اللہ کے دین کو پہچانا، پھر زبان سے اُس کی تصدیق کی (یعنی برملا اعلان کیا) سوم وہ شخص جس نے اللہ کے دین کو پہچانا تو سہی۔ مگر خاموش رہا۔ کسی کو عمل خیر کرتے دیکھا تو اس سے محبت کی کسی کو باطل پر عمل کرتے دیکھا تو اس سے دل میں بغض رکھا۔ پس یہ شخص بھی اپنی محبت اور عداوت کو پوشیدہ رکھنے کے باوجود نجات کا مستحق ہوگا۔

''تو دوستو، اس دور میں ہمیں پر امید رہنا ہے اور ذہن میں یہ واضح رکھنا ہے کہ کیا کچھ نہیں کرنا چاہیے۔ حرام مال سے بچیں۔ زنا سے اور خاص طور پر اغلام بازی سے بچیں۔ نشے سے بچیں۔ شرک اور کفر سے بچیں۔ اور ذہن میں یہ واضح رکھیں کہ کیا کچھ کرنا ہے۔ کیونکہ اس دور میں معمولی نیکی کا بھی بڑا اجر ہے۔ قرآن خود پڑھیں...... سمجھنے اور عمل کرنے کے لیے۔ نبی کریمؐ کی سنت کو قائم کریں۔ یاد رکھیں، اسی ایک دامن میں ہمارے لیے پناہ ہے۔ نمازوں کی حفاظت کریں صلہ رحمی سے کام لیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن لمنکر حتی الوسع کرتے رہیں۔ چھوٹی سی سورہ ہے قرآن میں...... العصر۔ اسے پڑھ لیں، سمجھ لیں اور اس پر عمل کر لیں کہ اللہ کے اپنے الفاظ میں خسارے سے صرف وہی لوگ بچیں گے جو ایمان لائے، جنہوں نے نیک عمل کیے اور دوسروں کو حق کی تلقین اور صبر کی وصیت کرتے رہے......''

سی ڈی چلتی رہی۔ تنویر ارشد کی آواز میں احسان کے خراٹے گھل مل رہے تھے۔

⁂

وہ گرجا میں پینے کے پانی والے برتن کے پاس کھڑا تھا۔ مارگریٹ نے بچے کو گود میں لیے اُس کے برابر کھڑی تھی۔ ارغنون بج رہا تھا اور طائفہ مناجات گا رہا تھا۔ اُس نے جھک کر مارگریٹ کے رخسار پر بوسہ دیا۔ اسے اپنی بیوی پر فخر تھا۔ وہ بچے کو اس دنیا میں لانے کی سخت مخالف تھی۔ اُس کے باوجود اُس کی خوشی کے لیے اُس نے بچے کو جنم دیا تھا۔

اُس نے بچے کو دیکھا، جو شال میں لپٹا ہوا تھا۔ بچہ اسے دیکھ کر مسکرایا...... دانتوں سے محروم پوپلے منہ کی مسکراہٹ! بچے نے اُس کی طرف دونوں ہاتھ پھیلائے اور اُس کی انگلی تھام لی۔

پھر بشپ کی آواز نے مناجات کے درمیان مداخلت کی۔ وہ جانی پہچانی آواز تھی...... پتلی، التجا کرتی ہوئی آواز۔ وہ فکر مند ہو کر سوچنے لگا کہ یہ آواز اُس نے کہاں سنی ہے۔ مگر اسے یاد نہیں آ رہا تھا۔ پھر اسے اچانک یاد آیا...... یہ الی نوائس کے رہنے والوں کا سا لہجہ...... یہ آواز! اُس نے سر گھما کر مائیکل فن کو دیکھا، جو اس کے بچے کو گود میں لینے کے لیے ہاتھ پھیلا رہا تھا۔

''نہیں۔'' وہ چلایا اور اس نے مارگریٹ کو روکنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ ہل بھی نہیں سکا۔

مائیکل فن پینے کے پانی میں انگلی ڈبو رہا تھا۔

''نہیں۔'' وہ پھر چلایا۔ لیکن کوئی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ اُس نے بچے کو پکڑا اور مارگریٹ سے چھیننے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کشمکش میں شال بچے کے جسم سے ہٹ گئی۔ تب اسے بچے کے کندھوں پر جانوروں کے موٹے چمکتے ہوئے بڑے بڑے بال نظر آئے۔ بچے نے اُس کی طرف دیکھا اور بڑوں کے سے تمسخرانہ انداز میں منہ چلانے لگا، جیسے اس کا مذاق اڑا رہا ہو۔ پھر اُس کے منہ سے گالیاں نکلنے لگیں۔ اس کی آواز بہر حال شیر خوار بچے ہی کی تھی۔

اگلے ہی لمحے بچے کے جسم کی خطرناک بدبو پورے گرجا میں پھیل گئی۔

مائیکل فن نے اپنا ہاتھ مقدس برتن سے نکالا اور پینے کا پانی بچے کے سر پر چھڑکا۔ اسی لمحے فلپ برینن کو احساس ہوا کہ وہ پانی نہیں، سڑا ہوا گوشت ہے۔

بچے نے پھر ہنستے ہوئے اس کی انگلی تھام لی۔ طائفہ بدستور مناجات گا رہا تھا۔

فلپ برینن نے بچے کے چہرے سے نگاہیں ہٹائیں اور گرجا کی گنبد نما چھت کو دیکھتے ہوئے بچے کی گرفت سے اپنی انگلی چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔

''ہاں...... اگرچہ میں موت کی وادی میں چہل قدمی کر چکا ہوں۔ لیکن اب مجھے کسی کا ڈر نہیں۔'' بچے نے چیخ کر کہا۔

اب بچے کی ننھی ننھی انگلیاں اُس کی آنکھوں کے حلقوں کو ٹٹول رہی تھیں، اور مارگریٹ ہنس رہی تھی۔ ''کیا بات ہے؟ کیا حرج ہے اس میں؟ کھیلنے دو اسے بچے کو'' وہ ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔

وہ وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔ لیکن اُس کی ٹانگیں حرکت کرنے کے قابل نہیں تھیں۔ اُس نے آنکھیں سختی سے بند کر لیں۔

سب لوگ ہنس رہے تھے۔ وہ زور سے بول کر ان کی آواز کو دبا دینا چاہتا تھا۔

اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ ''تمہاری سلاخ اور تمہارا ڈنڈا میرے لیے آرام کا باعث......'' وہ کہہ رہا تھا۔

تب اسے احساس ہوا کہ اُس کی آواز بیڈ روم میں گونج رہی ہے۔ وہ دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھے بیڈ پر بیٹھا ہے لیکن نہیں۔ وہ اپنی

آنکھوں کو نوچ رہا تھا اور مارگریٹ چادر مٹھی میں دبوچے اسے گھور رہی تھی۔ اُس کا دوسرا ہاتھ اپنے منہ پر تھا۔ جیسے خود کو چیخنے سے روک رہی ہو۔ اُس کی پھٹی پھٹی آنکھوں میں دہشت تھی۔ وہ اسے یوں گھور رہی تھی، جیسے وہ پاگل ہو۔

اُس نے سر جھٹک کر جیسے خواب کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی۔ پھر اُس نے مارگریٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ لیکن وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ پھر فلپ برینن کو واضح طور پر اپنی آواز سنائی دی۔ حالانکہ اسے احساس بھی نہیں تھا کہ وہ بول رہا ہے۔

''تم میرے سر میں تیل لگا دو......''

مارگریٹ بستر سے اتری۔ اب وہ بھی چادر کو جکڑے ہوئے تھی۔ وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے پردوں میں جا لگی۔ ایک لمحے تو وہ لیٹا اسے دیکھا رہا۔ پھر اپنی بے لباسی کی پروا کیے بغیر باتھ روم کی طرف بھاگا۔ وہ اس بدبو سے بھاگ جانا چاہتا تھا، جس سے کمرا بھبک رہا تھا۔ اُس نے باتھ روم کا دروازہ بند کیا اور اُس سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

اُس کے ہونٹ اب بھی ہل رہے تھے ''نیکی اور رحم ساری زندگی میرے ساتھ رہیں گے۔'' اور میں خدا کے گھر میں ہمیشہ رہوں گا۔''

اُس نے آہ بھری اور سانس کو منہ سے خارج کیا۔ پھر اپنے چہرے کو بائیں ہاتھ سے رگڑا۔ اسے اپنی ٹھوڑی نرم، ہموار اور گول محسوس ہوئی۔ اُس نے اپنے سر پر ہاتھ پھیرا۔ وہاں کوئی چیز دھڑک رہی تھی، جیسے اُس کا تالو ابھی کچا ہو۔ اور جب اُس نے آئینے میں خود کو دیکھا تو اسے ایک نوزائیدہ بچے کا کھلکھلاتا ہوا چہرہ آئینے میں نظر آیا۔ اس کا جسم سیاہ۔ بالوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ اور اُس کی باچھوں سے گندی رال بہہ رہی تھی۔

٭

اُس صبح وہ آفس سویرے ہی پہنچ گیا۔ اسے ایک تقریر تیار کرنی تھی۔ لیکن وہ ارتکاز سے محروم ہو رہا تھا۔ وہ رات کے ڈراؤنے خواب کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ وہ خواب بار بار اُس کی سوچوں میں در آتا تھا۔

وہ مشینی انداز میں ادھر ادھر ٹہلتا رہا۔ اُس نے کئی بے معنی فون کیے۔ بار بار وہ اپنی سکریٹری کو ڈانٹتا ڈپٹتا رہا۔ اُس روز اُسے فارن آفس سے آئے ہوئے ایک جوان ڈپلومیٹ کے ساتھ لنچ کرنا تھا۔ لنچ کے دوران وہ ہونے والی میٹنگ کے بارے میں تبادلہ خیال کرتے رہے۔ اُس نے کوشش کی تھی کہ وہ ٹو دی پوائنٹ گفتگو کرے۔ لیکن جب ٹیبل سے اٹھا تو اسے احساس ہوا کہ اُس کی یادداشت پوری طرح کام نہیں کر رہی ہے۔ ہاتھ ملاتے ہوئے ڈپلومیٹ نے اسے پر تشویش نگاہوں سے دیکھا تھا۔

اپنے دفتر سے واپس آ کر اُس نے پھر مائیکل فن کے بھیجے ہوئے پیکٹ کے بارے میں سوچا، جسے وہ اپنی اسٹڈی میں لاک کر آیا تھا۔ فوراً ہی ایک نام اُس کے ذہن میں بجلی کی طرح چمکا۔ اُس نے انٹر کام اٹھا کر بٹن دبایا......

''جم گریگری سے میری بات کراؤ۔''

ایک لمحے بعد انٹر کام پر چیف پریس اتاشی کی آواز ابھری۔ ''یس سر؟''

''جم، ابھی حال ہی میں کیرو یاٹ نامی ایک رپورٹر نے مجھ سے انٹرویو کے لیے وقت مانگا تھا؟''

''ایک منٹ سر'' چند لمحے خاموشی رہی۔ جم اپنی فائلیں ٹٹول رہا ہوگا۔ ''یس سر۔''

''اور اُس نے بتایا تھا وہ کس سلسلے میں بات کرنا چاہتی ہے؟''

''یس سر۔ وہ عجیب سی درخواست تھی...... چند خنجروں کے بارے میں۔''

''ٹھیک ہے۔ اسے بتادو کہ میں اُس سے ملوں گا۔''

''لیکن سر، وہ ویٹنگ لسٹ میں کافی پیچھے ہے۔ اور سر، یہ معاملہ بھی کچھ ایسا اہم نہیں......''

''تم بس اُس سے رابطہ کرو۔''

''جو حکم آپ کا۔''

فلپ بریتن نے کرسی سے ٹیک لگائی اور امریکا کی سرکاری سیل پر بنے عقاب کو آنکھ ماری۔ ''وہ سمجھ رہا ہے کہ میرا دماغ چل گیا ہے۔'' اُس نے خود سے کہا۔ پھر وہ اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

باہر اسکوائر میں اس وقت بھی مظاہرین جمع تھے۔ وہ انہیں دیکھتا رہا۔ پھر انٹرکام کے بزر نے اسے چونکا دیا۔

اُس نے انٹرکام کا بٹن دبایا۔

''گریگری سر، ایسا لگتا ہے کہ وہ رپورٹر غائب ہوگئی ہے۔ جس دن اُس کی تحریری درخواست ہمیں موصول ہوئی تھی، وہ اسی دن سے غائب ہے۔''

''اوہ کرائسٹ۔'' فلپ بریتن بے جان سا ہو کر اپنی کرسی میں ڈھے گیا۔

''کیا ہوا سر؟ خیریت تو ہے؟''

''کچھ نہیں...... سب ٹھیک ہے''

''تو میں اس انٹرویو کو لسٹ میں رکھوں...... اُس کے رابطہ کرنے تک؟''

''ہاں۔ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ......'' وہ بات پوری کیے بغیر چپ ہوگیا۔

''جی سر؟''

''ہاں ہاں، اسے لسٹ میں رکھو اور انتظار کرو۔''

رابطہ منقطع کر کے فلپ بریتن سوچنے لگا کہ یہ ایک اور...... وہ انگلیوں پر گننے لگا: کیٹ رینالڈز، میری لاموںٹ، ڈی کارلو، مائیکل فن، فادر ڈولان اور اب کیرول یاٹ! کچھ مر گئے کچھ کا سراغ نہیں مل رہا ہے اور کچھ پاگل ہوگئے۔

ان میں فادر ڈی کارلو واحد آدمی تھا، جس کے بارے میں یقین سے کہا جاسکتا تھا کہ وہ زندہ ہے لیکن وہ پاگل تھا...... مگر کیا واقعی؟ فلپ بریتن کو اب اس میں شبہ تھا...... کچھ کچھ مگر پھر اُس نے سوچا، یہ خیال کہ وہ پاگل نہیں ہے، یہ سوچنا تو خود پاگل پن لگتا ہے۔

انٹرکام کا بزر پھر گنگنایا۔ اُس نے بٹن دبایا......

''میں جانتی ہوں سر کہ آپ نے کہا ہے کہ آپ کو ڈسٹرب نہ کیا جائے۔'' اس کی سیکرٹری کہہ رہی تھی۔ لیکن سر، یہ کال واشنگٹن سے ہے...... اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ سے۔''

فلپ نے ریسیور اٹھایا اور دھیمی آواز میں ہیلو کہا۔

دوسری طرف بل جیفریز تھا...... اُس کا پرانا دوست۔ وہ کالج میں ساتھ پڑھے تھے۔ اور اب بل جیفریز اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کا اصل کرتا دھرتا تھا۔ وہ فارن سیکرٹریز کی میٹنگ کے بارے میں بات کر رہا تھا۔

''بس تم اپنے کان کھلے رکھنا۔'' بل نے کہا۔

''میں تنخواہ ہی اس بات کی لیتا ہوں۔'' فلپ بولا۔

''اور ہاں فلپ، اگلے مہینے تمہارا تعطیلات کا شیڈول ہے۔ لیکن میں افسوس کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ تمہیں اسے ملتوی کرنا ہوگا۔ یہ وقت تعطیلات کے لیے مناسب نہیں ہے۔''

''چلو...... کوئی بات نہیں۔''

''موسم خزاں میں سہی۔''

''ٹھیک ہے۔'' فلپ فون رکھنے ہی والا تھا کہ اسے ایک خیال آیا۔ بل اچھا آدمی تھا۔ اس سے رازداری کی امید رکھی جا سکتی تھی۔ اور امید تھی کہ وہ اُس کی درخواست سے پریشان بھی نہیں ہوگا۔

''بل...... ذرا بتاؤ تو کسی مدفون کی قبر چیک کرانے کے لیے سرکاری طور پر کیا کچھ کرنا پڑتا ہے؟''

''اس کا انحصار اس پر ہے کہ کس کی قبر کھودی جا رہی ہے۔'' بل نے سادگی سے کہا۔

''میں ڈیمین تھورن کی بات کر رہا ہوں۔''

''کیا؟ کیا کہہ رہے ہو؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے فلپ؟''

''یہ چیک کرنے کی کوئی صورت ہے کہ ڈیمین تھورن کی لاش واقعتاً اُس کی قبر میں موجود ہے؟''

''جیز ز!''

''تم مجھے طریق کار معلوم کر کے بتا سکتے ہو...... رازداری کے ساتھ۔''

''ہاں۔ میں یہ کام کر تو سکتا ہوں۔ مگر کیوں فلپ؟''

''اگر میں تمہیں وجہ بتا دوں تو تم مجھے پکڑوا دو گے۔''

وہ دونوں ہنس دیے۔ یہ ان کا پرانا مذاق تھا...... کالج کے زمانے والا۔ فلپ برینن نے ریسیور رکھا تو وہ خود کو پہلے سے بہتر محسوس کر رہا تھا جیسے اُس نے دل کا بوجھ کسی کے ساتھ بانٹ لیا ہو۔

اُدھر واشنگٹن میں بل جیفریز نے اپنی سیکرٹری سے کہا۔ ''تھورن کارپوریشن میں میری بات کراؤ.....فوراً۔''

.........✿.........

پال بوہر اپنے بارے میں فکر مند تھا۔ پچھلے کچھ عرصے سے اُس کے ذہن میں جھیلوں کے کنارے بنے کیبنوں کا، مچھلی کے شکار کا، آرام کرسیوں کا بوربن کی بوتل کا اور کھلے آسمان کے نیچے دہکتے الاؤ کا خیال تسلسل کے ساتھ مچل رہا تھا۔ یوں کہو کہ اُس کا دل چھٹی منانے کے لیے مچل رہا تھا۔ پوری کوشش کے باوجود وہ چند روز چھٹیاں گزارنے کے خیال کو اپنے ذہن سے نہیں جھٹک سکا۔

ویسے جب سے اُس نے ہوش سنبھالا تھا، اسے یاد نہیں تھا کہ کبھی اُس نے تعطیلات منائی ہوں۔ وہ تو چھٹیوں کو خطرناک سمجھتا تھا۔ آدمی چھٹی گزارنے جائے اور واپس آئے تو پتا چلے کہ اُس کی میز ہی غائب ہو چکی ہے۔ جب وہ جوان تھا تو اُس نے ہمیشہ دوسروں کی چھٹیوں کا فائدہ اٹھایا، دوسروں کی تعطیلات ہی نے اسے آگے بڑھنے کا موقع دیا تھا

اور اب بڑھاپے میں اسے تعطیلات کی سوجھ رہی تھی۔

اُس نے اس خیال کو ایک طرف ہٹایا۔ جہاز کے سفر میں اوقیانوس عبور کرتے ہوئے دماغ کو ایسے جھٹکے لگتے ہیں کہ بعض اوقات اُس کے نتیجے میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ ایسی کوئی بات نہیں۔ گزشتہ رات اس نے سنجیدگی سے شکاگو ٹھہرے رہنے کے بارے میں سوچا تھا۔ اُسے کانفرنس کے لیے لندن میں ہونے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ مندوبین اسے فون پر بھی رپورٹ دے سکتے تھے۔ اسے خود کو لندن جانے کے لیے قائل کرنے میں ایک گھنٹا لگا اور اسے تسلیم کرنا پڑا کہ وہ بوڑھا اور کم رفتار ہوتا جا رہا ہے۔

لیموزین پیری فورڈ پہنچی تو آدھی رات ہو چکی تھی۔ ہمیشہ کی طرح جارج داخلی دروازے پر اُس کا منتظر تھا۔ اُس نے مسکراتے ہوئے اُس کا خیر مقدم کیا۔

''کیسے ہو جارج؟'' اُس نے اپنا کوٹ بٹلر کو تھماتے ہوئے کہا۔

''بالکل ٹھیک سر۔'' بٹلر نے جواب دیا۔ لیکن اُس کے انداز میں کوئی مختلف بات تھی۔

''کیا بات؟''

''جی ہاں جناب۔'' یہ کہتے ہوئے جارج کا چہرہ تمتما اٹھا۔ وہ اسے ڈرائنگ روم کی طرف لے گیا۔ ''وہ خود ہی نیچے آئے گا جناب۔''

''اس کا مطلب ہے کہ وہ جاگ رہا ہے؟''

''جی ہاں۔ اور آپ سے ملنا بھی چاہتا ہے۔''

پال بوہر نے بٹلر کو کمرے سے جاتے دیکھا۔ وہ پرانے انداز کا بڑے طور طریقے والا، خوش سلیقہ بٹلر تھا۔ وہ بوڑھا ہو چکا تھا۔ لیکن اس کی کمر اب بھی سیدھی تھی اور اُس کا دماغ بالکل ٹھیک تھا۔ اس میں سٹھیاپے کی علامت نظر نہیں آتی تھی۔ پال بوہر نے سوچا، کیا میں اتنا بوڑھا ہو کر ایسا ہی رہ سکوں گا؟

وہ صوفے پر پھیل کر بیٹھ گیا اور آنکھیں موند لیں۔ ذرا دیر بعد اُس نے آنکھیں کھولیں تو لڑکا اُس کے قریب کھڑا اُسے متجسسانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''تم میری طرح نڈھال ہو رہے ہو۔'' لڑکے نے کہا

''یہ عمر ہے میرے دوست، جو بالآخر بڑے بڑوں کو شکست دے دیتی ہے۔''

''تم ہوں......'' لڑکے نے ہنکارا ابھرا۔ اُس کے انداز میں بے پروائی تھی۔ ''کیا تم اتنے تھکے ہوئے ہو کر مجھے میٹنگ کے بارے میں بھی نہ بتا سکو؟''

''نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' پال بوہر نے کہا اور سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے بریف کیس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اسے کھول کر کاغذ کی ایک شیٹ نکال لی۔ ایک پل اُس کا جائزہ لینے کے بعد اُس نے کاغذ لڑکے کی طرف بڑھا دیا۔

لڑکا کاغذ کو دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ ''تو سائمن ہر تجویز کو بلاک کر دے گا؟'' اُس نے پوچھا۔

پال بوہر نے اثبات میں سر ہلایا۔

''یعنی مذاکرات ملتوی ہو جائیں گے۔''

''ہاں۔''

''لیکن اس سے صرف اتنا ہوگا کہ صورتِ حال میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ وہ جوں کی توں رہے گی۔'' لڑکے کے لہجے میں چڑچڑا پن تھا۔

''جی ہاں۔'' پال بوہر نے کہا۔ اُس کے چہرے پر الجھن تھی۔ ''اور یہی ہم چاہتے تھے۔ یہی ہماری حکمتِ عملی رہی ہے لڑاؤ اور حکومت کرو۔ ہم انتشار کو تعطل میں تبدیل کرتے ہیں اور اُس کے بعد جو انتشار ہوتا ہے، وہ پوری طرح ہمارے قابو میں ہوتا ہے اس طرح ہماری پوزیشن......''

''لیکن اسے پروگریس تو نہیں کہا جا سکتا۔''

''پروگریس! کس سمت؟''

''تباہی کی سمت۔'' لڑکے نے کہا اور کاغذ اُس کی طرف بڑھایا۔ اُس کا انداز جارحانہ تھا۔ کاغذ پال بوہر کو دے کر وہ کمرے سے نکل گیا۔

پال بوہرا سے جاتے دیکھتا رہا۔ اُس نے آہ بھری اور ہچکچاہٹ کے ساتھ پرانے دنوں کے بارے میں سوچتا رہا۔ اسی لڑکے کے باپ نے کبھی اُس سے معموں کی زبان میں بات نہیں کی تھی۔ اُس کے ساتھ کام کرنا دشوار نہیں تھا۔ بلکہ پر لطف تھا۔

....

وہ بہت سویرے بیدار ہو گیا۔ اُس کے جاگنے کی وجہ کوئی خواب تھا، جو جاگتے جاگتے اُس کے حافظے سے محو ہو گیا تھا۔ نہانے اور کپڑے پہننے کے دوران اُس نے آئینے میں اپنے عکس کو دیکھنے سے گریز کیا۔ اب وہ جھریاں پڑے اس پرانے چہرے اور ڈھلکے ہوئے جسم کو نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ نیند بھی اسے تازہ دم نہیں کر سکی تھی۔ اُس کی آنکھیں چپچپا رہی تھیں اور سانسوں میں بو تھی۔ اُس نے بیسن میں تھوکا اور باتھ روم سے نکل آیا۔ ایک

جماہی لیتا ہوا وہ کمرے سے بھی نکل آیا۔

لڑکے کے دروازے کے پاس سے گزرتے ہوئے اُس نے اس پر دستک دی۔ لیکن اندر کوئی آہٹ کوئی آواز نہیں تھی۔ بلکہ کتے کی موجودگی تک کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ اُس نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ بستر کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ لڑکا اس پر سویا ہے۔ تکیہ فرش پر پڑا تھا۔ چادریں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔ وہ دروازہ بند کرنے ہی والا تھا کہ اُس کی نظر تصویروں پر پڑ گئی۔ اُس نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ اس بار وہ کچھ مختلف لگ رہی تھیں۔

وہ اندر کمرے میں چلا گیا اور قریب جا کر دیکھنے لگا۔ کیٹ رینالڈز کی لوحِ مزار کے پرنٹ کے برابر رنگین تصویروں کی ایک سیریز تھی۔ پہلی تصویر میں ایک جوان عورت ایک سیاہ معبد میں بے لباس لیٹی تھی۔ اس کی بڑی بڑی شہد رنگ آنکھیں اوپر کی سمت تک رہی تھیں، اور ان میں موت کا اندھیرا تھا۔ برابر والی تصویر میں لاش خراب ہونے کے پہلے مرحلے میں تھی۔ اُس کے بعد اگلے مرحلوں کی تصویریں تھیں۔

پال بوہر دیوار سے ٹیک لگا کر آگے کی طرف جھکا کھڑا رہا۔ اُس کے جسم میں لرزہ تھا۔ اُس نے کانپتے ہاتھوں سے ایک تصویر کو دیوار سے اتارا۔ اور فرش پر پھینک دیا پھر وہ لڑکھڑاتا ہوا، الٹی کو روکنے کی کوشش کرتا کمرے سے نکل آیا۔ اس نے اپنے عقب میں دروازہ بند کیا اور راہ داری میں آگے بڑھنے لگا۔ وہ اپنے برہم مزاج کو قابو میں کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

معبد کے دروازے پر کتے نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور ایک طرف ہٹ گیا۔ اُس نے دروازے پر دستک دی۔ پسینے سے اُس کے ہاتھ چپ چپا رہے تھے۔ اور وہ سوچ رہا تھا کہ نجانے یہاں کیا دیکھنے کو ملے گا، اور وہ اس کا متحمل ہو بھی سکے گا یا نہیں۔ لیکن بہر حال اسے اندر جانا تھا یہ جاننا ضروری تھا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ اندر کوئی آواز نہیں تھی۔ اُس نے آہستہ سے دروازے کو دھکیلا اور اندر قدم رکھا۔ کمرے کے ماحول سے اپنی آنکھوں کو ہم آہنگ کرنے میں اسے چند لمحے لگے۔ پھر وہ لڑکے کے چہرے کو گھورتا رہا۔ لڑکے کے چہرے پر بھی اور آنکھوں میں بھی دیوانگی تھی اور وہ بھی پاگلوں کی طرح اسے گھور رہا تھا۔ اُس کے دونوں ہاتھ اپنے مردہ باپ کے ہاتھوں کو تھامے ہوئے تھے۔ پسینہ اُس کے چہرے پر بہہ رہا تھا۔

پال بوہر نے سانس روک کر کمرے کا جائزہ لیا۔ مگر وہاں کوئی نئی بات نہیں تھی۔ کہیں کوئی بے ہودہ اضافہ نہیں تھا۔

"پال" لڑکے کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ لہجے میں تحکم تھا اور آواز میں درشتی

پال بوہر الٹے قدموں دروازے کی طرف بڑھا۔ تعمیل کرنے والے انداز میں۔

"مجھے اکیلا چھوڑ دو۔"

پال بوہر باہر نکلا اور اُس نے عقب میں دروازہ بند کر دیا۔ وہ بھی خوش تھا کہ جان چھوٹی۔

ڈرائنگ روم میں واپس آ کر اُس نے اپنے لیے ایک جام بنایا اور بٹلر کو طلب کرنے کے لیے گھنٹی بجائی۔ چند لمحے بعد بٹلر نے کمرے میں جھانکا۔ اُس کا سر ایک طرف جھکا ہوا تھا...... کتے کے سے انداز میں۔

"تمہیں یہاں کسی جوان عورت کی آمد کے بارے میں کچھ علم ہے؟" پال نے پوچھا۔

بڈھا بٹلر پھر فکر مند نظر آنے لگا۔ ''صرف ایک کار تھی جناب جو باہر کھڑی پائی گئی۔ نوجوان آقا نے مجھے حکم دیا کہ اُس کا کچھ بندوبست کروں۔ اسے کہیں دور چھڑوا دوں۔ جی ہاں جناب، میرا خیال ہے کہ وہ کار ایک جوان عورت کی تھی۔''

''تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟ تم جانتے ہو کہ تمہیں ہر غیر معمولی بات کی رپورٹ مجھے دینی ہے۔''

''نوجوان آقا نے مجھے منع کیا تھا جناب۔ اور اگر میں حکم عدولی کرتا تو انہیں پتا چل جاتا۔'' بٹلر کہتے کہتے ٹھٹکا۔ پھر اُس نے کندھے جھٹک دیے۔

''اور اب تک تو انہیں پتہ چل چکا ہوگا کہ میں نے آپ کو بتا دیا ہے۔ یہاں کوئی راز راز نہیں ہے جناب۔''

پال بوہر نے سر کو اثباتی جنبش دی اور سر کے اشارے سے گویا اسے جانے کی اجازت دی۔

لیکن بٹلر بارج بدستور کھڑا رہا۔ اس کے انداز میں ہچکچاہٹ تھی۔ ''بس جناب، مجھے ڈر ہے کہ آقا خفا نہ ہوں۔'' اُس نے کہا اور پھر پال بوہر کو دیکھ کر مسکرایا۔ ''اب میری زندگی تھوڑی ہی رہ گئی ہے جناب۔ اور میں ہمیشہ وفادار رہا ہوں۔ میں آخر وقت میں انہیں خفا نہیں کرنا چاہتا۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ مجھے پاکیزگی کی ابدی زندگی کی بددعا دیں۔''

پال بوہر جواباً مسکرایا۔ ''نہیں، وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ یہ اُسکی بساط سے بہت آگے کا کام ہے۔ اتنی طاقت نہیں ہے اُس کے پاس۔ تمہاری روح کو ابد تک جہنم کی آگ میں جلنا ہے۔ تم اس طرف سے بے فکر رہو۔''

''جی سر...... جی ہاں۔ مجھے امید تو یہی ہے۔'' بوڑھے بٹلر نے کہا۔

پال بوہر لڑکے کی آمد کے انتظار میں کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا۔ وسیع و عریض باغیچے، اور ان کے عقب میں گھنے جنگل۔ وہاں ہر طرف سکون تھا...... سکون اور سکوت ہی سکوت۔ کہیں تحرک نہیں تھا۔ ہوا بھی ٹھہری ہوئی تھی۔ اُس کا جی چاہا کہ باہر نکل جائے...... اس قدیم مکان سے دور، آزادی کے ساتھ۔

اسے لڑکے کے کمرے میں آنے کی آہٹ بھی نہیں سنائی دی۔ لڑکے نے اسے پکارا تو وہ بری طرح چونکا اور اُس نے سر گھما کر اسے دیکھا۔ لڑکے نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ اس کے باوجود اُس کا چہرہ شدت اضمحلال سے سپید ہو رہا تھا۔

''تم بیمار ہو؟' پال بوہر نے اُس سے پوچھا۔

لڑکے نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ سب اُس کی وجہ سے ہے۔ میں ہر جگہ اس کی موجودگی کو، اس کے اثر و نفوذ کو، اس کی طاقت خیر کو محسوس کرتا ہوں۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ اُس کی طاقت بڑھتی جا رہی ہے۔'' وہ ایک کرسی میں ڈھیر ہو گیا۔ وہ گہری سانسیں لے رہا تھا۔

پال بوہر اُس کی طرف بڑھا۔ اسے اس پر ترس آ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ لڑکے کو اس ذمے داری کے لیے منتخب نہیں کیا گیا تھا۔ ذمے داری تو اس پر زبردستی آ پڑی تھی۔

وہ اُس کے کندھے کو چھو کر اسے دلاسہ دینا چاہتا تھا کہ اسے ایک اہم بات یاد آ گئی، جو اسے بتانی تھی۔ ایک چھوٹا سا مسئلہ آن پڑا ہے۔''

اُس نے کہا۔ لڑکے نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ کہا کچھ نہیں۔

''پچھلی بار میں نے تم سے فلپ بریٹن کا تذکرہ کیا تھا۔''

لڑکے نے منہ پھیرا۔ اسے چھینک آ گئی تھی۔

''ایسا لگتا ہے کہ وہ......''

''فکر کی کوئی بات نہیں پال۔'' لڑکے کا انداز ایسا تھا، جیسے اب وہ اس موضوع پر کچھ سننا نہ چاہتا ہو۔

پال بوہر نے سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا۔

''وہ خود ہی اپنے آپ کو تباہ کر لے گا۔'' لڑکے کے لہجے میں بے پروائی تھی۔

پال بوہر نے اثبات میں سر ہلایا۔ اسے پہلے ہی سمجھ لینا چاہئے تھا۔ لڑکے کو جب بھی کوئی خطرہ لاحق ہوتا، اسے پتا چل جاتا تھا۔ اور وہ اس کے مطابق ہی کام کرتا تھا۔ لڑکے کو اس کی طرف سے کسی تحفظ کی، بلکہ دلاسے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔

اور اس پر اسے کچھ اور یاد آیا......

''وہ عورت کون تھی؟'' اس نے پوچھا ''وہ جس کی تصویریں تمہارے کمرے میں لگی ہیں۔''

لڑکے نے کندھے جھٹک دیے۔ ''وہ اسکی بھیجی ہوئی تھی...... محض ایک مہرہ، جسے اُس نے بے پروائی سے کٹوا دیا۔''

''او کرائسٹ۔'' پال کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''نام نہ لو اُس کا۔'' لڑکے نے سخت لہجے میں کہا۔

''اور اس کی لاش...... اُس کی باقیات کا کیا ہوا؟''

''میں نے اسے ٹھکانے لگا دیا۔'' لڑکا مسکرایا۔ ''یہ صلاحیت تو میرے خون میں شامل ہے۔''

پال بوہر کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ وہ جارحانہ انداز میں اٹھ کر کھڑا ہوا، اور لڑکے کو خشمگیں نگاہوں سے دیکھا۔ ''یہ تو تذلیل کی بدترین مثال ہے۔'' اس نے غصے سے کہا۔ ''یہ...... یہ۔'' اسے لفظ نہیں مل رہے تھے۔ ''یہ...... یہ تو ذلالت ہے۔ تمہارے باپ نے کبھی خود کو اس حد تک نہیں گرایا۔ اُس نے اس طرح اپنے ہاتھوں کو غلاظت سے کبھی نہیں لتھیڑا۔'' پال کا چہرہ غصے سے لال بھبوکا ہو رہا تھا۔ ''تمہارا باپ......''

لڑکا بھی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ''بس...... خاموش ہو جاؤ'' اُس نے دھاڑ کر کہا اور پال بوہر کو اتنے زور کا دھکا دیا کہ وہ صوفے پر جا گرا۔

''مجھ سے میرے باپ کے متعلق بات مت کرو۔''

''تمہارا باپ کبھی ایسا نہیں کرتا۔'' پال بوہر چپ رہنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ''وہ جو کچھ بھی کرتا تھا، اُس کے پیچھے کوئی سبب ہوتا تھا۔ اُس کا ایک طریق کار تھا۔ کچھ اصول، کچھ ضابطے تھے۔ تم تباہی کی بات کرتے ہو، تمہارا باپ کنٹرول کی بات کرتا تھا۔ اُس کا مقصد دنیا پر...... اور تمام انسانوں کی روحوں کو کنٹرول حاصل کرنا......''

''کیا بکواس کر رہے ہو؟'' لڑکے نے پھنکار کر کہا۔ ''تم کیا سمجھتے ہو؟ یہ کہ میرے باپ کو تمہاری گھٹیا اور حقیر روحوں کی کوئی پروا تھی۔ تم سمجھتے ہو کہ اسے تمہاری روحوں میں کوئی دل چسپی تھی۔

پال بوہر نے اپنی انگلی سے انگوٹھی اتاری اور انگلی کو لڑکے کے چہرے کی طرف بڑھایا۔ اس انگلی پر ابلیس کا نشان...... تین چھکے ابھرے ہوئے تھے۔ ''اور جو بھی شیطان کے پیچھے چلے گا، وہ حقیر ہو یا عظیم، امیر ہو یا غریب، آزاد ہو یا غلام، یہ نشان ان کے جسم پر...... ان کی انگلی پر یا پیشانی پر ضرور ابھرے گا۔ اور صرف وہی لوگ بیچ سکیں گے یا خرید سکیں گے، جو یہ نشان رکھتے ہوں گے۔'' پال نے کہا اور اٹھ کر پورے قد سے کھڑا ہو گیا۔ ''یہ کتاب پیش گوئی میں ہے۔ اور بیچنے اور خریدنے کا مطلب ہے...... کنٹرول۔ آج تک ہم کنٹرول حاصل کرنے کے لیے ہی کام کرتے آئے ہیں، اور......''

''ہش۔'' لڑکے نے نفرت آمیز لہجے میں تھوک دیا۔ تھوک اُس کی باچھوں سے بہہ رہا تھا۔ ''یہ خرافات مت پڑھ کر سناؤ مجھے۔ تم بھی دوسرے لوگوں کی طرح نرے احمق ہو۔ جب میرے عظیم باپ کو جنت سے نکال دیا گیا تو طے پا گیا کہ اس کا ایک ہی جواب ہو گا...... تباہی اور انتقام۔ میرا باپ انسان نہیں ہے۔ تبھی تو اُس نے آدم کو سجدہ نہیں کیا۔ وہ آتشی مخلوق ہے۔ وہ تم خاکی انسانوں سے نفرت کرتا ہے۔ تمہاری تباہی تمہاری ہلاکت، تمہیں جہنم رسید کرانا اُس کا مقصد ہے۔ وہ تمہیں تمہارے خلاف آلہ کار بناتا ہے۔ اسے تم سے ہمدردی تھوڑا ہی ہے۔'' وہ مسکرایا ''وہ خدا کو صرف اسی صورت میں شکست دے سکتا ہے کہ تم لوگوں سے جہنم بھر جائے۔ جہنم چھوٹی پڑ جائے تم لوگوں کے لیے۔ تم خود کو اُس کا ساتھی سمجھتے ہو۔ ٹھیک سمجھتے ہو۔ لیکن تم اسے اپنا ساتھی سمجھتے ہو تو تم سو فیصد غلطی پر ہو۔ سمجھے کچھ؟''

پال بوہر ساکت وصامت کھڑا تھا۔ لڑکا اُس کے گرد گھومتے ہوئے۔ اُس کے جسم میں انگلیاں کھبو رہا تھا اور اُس کی زہریلی باتیں جاری تھیں۔ ''تم کنٹرول کی بات کرتے ہو۔ تمہارے فلسفی آزادیٔ فکر کی بات کرتے ہیں۔ کہتے ہیں، انسانوں کو حق ہے کہ میرے باپ اور نزارین کے درمیان جس کا راستہ چاہیں، چن لیں۔ لیکن بس، اب یہ خرافات بند ہو جانی چاہئے۔ دو ہزار سال گذر گئے اس آزادی کے۔ پال، اب کسی کے سامنے کوئی اور راستہ نہیں۔ اب آزادی صلب ہو چکی ہے۔ اب تمہیں اپنی بقا اور مکمل تباہی میں کسی ایک کا انتخاب کرنا ہے اور زندگی سے محبت کرنے والا انسان جانتا ہے کہ اسے کس طرف جانا ہے تم نے انسانوں کو ناک سے تھام کر بقا کے جہنم کی طرف دھکیلنے میں مدد کی ہے۔'' اُس نے پال بوہر کے رخسار پر چٹکی لی۔ ''اب تو پلک جھپکی اور آدمی جہنم میں......'' یہ کہہ کر وہ مسکرایا، پلٹا اور کمرے سے نکل گیا۔

پال بوہر کو باہر سے اُس کا قہقہہ سنائی دیا...... اور پھر وہ کتے کو چمکارنے لگا۔

پال بوہر اس کے قدموں کی دور جاتی چاپوں کے معدوم ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ وہ چاپ معدوم ہوئی تو وہ باہر ہال میں نکل آیا۔ بہت آہستہ آہستہ وہ سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ پھر لڑکے کے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر وہ رک گیا۔ اندر سے اسے آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اور کتے کی بدبو کا احساس بھی ہو رہا تھا۔

اپنی سانس روکتے ہوئے دبے قدموں وہ معبد کی طرف بڑھا۔ بڑی آہستگی سے، آہٹ پیدا کئے بغیر وہ معبد میں داخل ہو گیا۔ اندر ایک

لمحے تک تو وہ ساکت کھڑا رہا۔ پھر لاش کی طرف بڑھا۔ وہ گھٹنوں کے بل جھکا اور اُس نے ہاتھ بڑھا کر لاش کا ہاتھ تھام لیا۔ ان انگلیوں کے لمس نے اسے اس کا بچپن یاد دلا دیا، جب وہ لجلجے پلاسٹیسین کی مدد سے مختلف چیزیں بناتا تھا...... نرم اور لجلجا پلاسٹیسین!

''ڈیمین۔'' اس نے سرگوشی میں کہا۔ ''جب سے مجھے شامل کیا گیا، میں نے ہمیشہ تمہارے باپ کی حکمرانی اور فتح کے لیے ان تھک محنت کی۔ اُس کی فتح کے تصور سے میں خوش ہوتا تھا۔ میں ہمیشہ وفادار رہا۔'' اُس نے گہری سانس لی۔ ''پھر جب تمہاری جسمانی زندگی کا چراغ گل ہو گیا تو میں نے تمہاری روح سے رابطہ رکھا۔ اور تم نے ہمیشہ مجھے جواب دیا۔ تم نے میری دعاؤں کا جواب دیا۔ تم نے مجھے کہا کہ میں مایوس نہ ہوں، ابھی تمہارا وقت نہیں آیا ہے۔ تم نے کہا کہ میں تمہاری دوبارہ آمد پر یقین رکھوں اور یہ کہ جب تم کامیاب ہو گئے تو مجھے تمہارے برابر، تمہارے بائیں ہاتھ والی نشست ملے گی۔ ڈیمین، آج ایک بار پھر مجھے بتاؤ...... بتاؤ کہ ہم کس مقصد کے لیے کام کرتے رہے ہیں۔ کنٹرول کے لیے نا...... دنیا پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے نا، نہ کہ دنیا کو تباہ کرنے کے لیے؟''

اُس نے سر جھکا لیا اور گھٹنوں کے بل یوں خاموش بیٹھا رہا، جیسے ہدایات کا منتظر ہو۔ پھر اس نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا۔ کیونکہ روشنی کی ایک لکیر سی نمودار ہوئی تھی اور اُس نے ڈیمین کے چہرے کو روشن کر دیا تھا۔ اُس کی آنکھیں کسی زندہ انسان کی آنکھیں لگ رہی تھیں۔ اُس نے پلکیں جھپکائیں......

پھر اچانک ہی اُسے بھنچی بھنچی پھنکار سی سنائی دی۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ روشنی دروازہ کھلنے کی وجہ سے معبد میں در آئی تھی، اور اب دروازے میں لڑکا اور کتا دونوں کھڑے اسے گھور رہے تھے۔

''کیا کر رہے ہو تم؟'' لڑکے کی آواز بے تاثر اور لہجہ جذبات سے عاری تھا۔

''رہنمائی حاصل کر رہا ہوں۔''

''تو جاؤ، کہیں اور جا کر حاصل کرو۔ کسی اور در پر تلاش کرو۔ مجھے اور میرے باپ کو اکیلا چھوڑ دو۔''

پال بوہر اٹھ کھڑا ہوا۔ اُس کے گھٹنے لرز رہے تھے۔ وہ اٹھا اور لڑکے کے پاس سے گزرتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ پال بوہر معبد سے نکلا اور اسی راستے پر چل دیا، جس پر چل کر یہاں تک آیا تھا۔ اُس کا دماغ بری طرح الجھا ہوا تھا۔ وہ خود کو بے حد شکست خوردہ، بے حد تھکا ہوا محسوس کر رہا تھا۔

٭

ریلی میں شریک ہونے کے لیے لوگ لاکھوں کی تعداد میں آئے تھے۔ لندن شہر اپنے مشرقی حصے سے مغربی حصے میں سلوان اسکوائر تک جام ہو کر رہ گیا تھا آکسفورڈ اسٹریٹ سے لے کر دریا کے کنارے تک اور وسطی حصے میں ٹریفلگر اسکوائر تک نقل و حرکت ناممکن ہو کر رہ گئی تھی۔ پولیس والے اور پریس والے مظاہرین کی تعداد کا اندازہ لگانے کی کوشش کر کے ہار چکے تھے اور انہوں نے جو تعداد ذہن میں آئی، وہی ڈکلیر کر دی۔

اس سے پہلے ایٹمی اسلحے کے خلاف جو اجتماعات ہوئے تھے، ان کا ماحول ایسا رہا تھا۔ یہاں نہ سازندے تھے، نہ کوئی ثقافتی گروپ اپنے فن کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ یہاں تو ماحول میں سنجیدگی، بلکہ سنگینی تھی، اسکوائر میں مظاہرین کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ ہر لمحہ تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ پولیس کے پیدل اور گھڑ سوار دستے خاموشی سے تماشہ دیکھ رہے تھے۔

پہلی تقریر کا مقررہ وقت دو بجے تھا۔ ڈیڑھ بجے پال بوہر کی کار لچلیکو کے مقام پر رک گئی۔ عقبی سیٹ پر وہ لڑکے کے ساتھ بیٹھا تھا۔ وہ دونوں لوگوں کو دیکھ رہے تھے، جو ایک ہی سمت میں جا رہے تھے۔ ان میں سے بیشتر ڈھانچوں والا کاسٹیوم پہنے تھے۔ بہت سارے لوگ کفن پوش تھے۔ پرام میں لیٹے ہوئے ایک بچے کا ایسا میک اپ کیا گیا تھا، جیسے وہ بری طرح جلا اور جھلسا ہوا ہو۔

لڑکے کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں، جیسے وہ یہ سب کچھ دیکھ کر محظوظ ہو رہا ہو۔ کتا کار کے فرش پر بیٹھا تھا۔ اُس نے سر اٹھا کر لڑکے کو دیکھا اور اُس کے حلق سے دھیمی دھیمی غراہٹیں نکلنے لگیں۔

پال بوہر نے ایک بٹن دبایا، اگلی اور پچھلی سیٹوں کے درمیانی دیوار میں کھڑکی سی نمودار ہوئی۔ پال بوہر نے ڈرائیور سے پوچھا۔ ''کیا مسئلہ ہے؟'' ڈرائیور نے جواب دیا۔ ''ٹریفک بری طرح جام ہے سر۔ پولیس کا کہنا ہے کہ اب کسی گاڑی کے ایک انچ سرکنے کا بھی امکان نہیں ہے۔''

''لعنت ہو'' پال بڑبڑایا اور دل میں سوچنے لگا کہ آخر لڑکے نے اس ریلی میں آنے پر اتنا اصرار کیوں کیا تھا۔ یہ اس کے مزاج کے مطابق تو نہیں تھا۔ عام حالات میں اُس نے اسے تجسس کرتے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''چلو......ہم پیدل چلیں گے۔'' لڑکے نے کہا۔

''لیکن یہ تو بہت فاصلہ ہے۔'' پال بوہر نے اعتراض کیا۔

لڑکے نے کوئی جواب دینے کے بجائے اپنی طرف کا دروازہ کھولا اور نیچے اتر گیا۔ کتا بھی اُس کے پیچھے تھا۔ پال بوہر نے سرد آہ بھری۔ لڑکے کی تقلید کرنے کے سوا وہ کیا کر سکتا تھا۔ اُس نے ڈرائیور کو سمجھایا کہ اسے ان کو کہاں سے پک کرنا ہے۔ پھر وہ بھی گاڑی سے اتر گیا۔

لڑکا اور کتا آگے بڑھ گئے تھے۔ پال بوہر لپک کر ان کے برابر جا پہنچا۔ اب وہ اس رفتار سے چل رہے تھے، جو مجمع کی رفتار تھی۔ آگے ایک جرمن شیفرڈ نسل کا کتا بھی تھا۔ اُس نے پلٹ کر لڑکے اور کتے کو ایک نظر دیکھا۔ اور پھر بھاگتا ہوا ایک قریبی گلی میں گھس گیا۔ اُس کے دونوں کان سر کے پہلوؤں سے چپک گئے تھے، جیسے وہ خوف زدہ ہو۔

وہ ایک مرطوب دن تھا۔ لوگ پسینے میں نہا رہے تھے۔ لڑکے کے نتھنے پھڑک رہے تھے۔ وہ بار بار کتے کا سر سہلاتا تھا۔ پال بوہر ان کے پیچھے چل رہا تھا۔ وہ بار بار کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھتا۔ وائٹ ہال میں ہونے والی میٹنگ میں اب تمام اراکین شریک ہوں گے۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر اُس کا اسٹاک ہیڈ کوارٹرز کو رپورٹ بھیجنا شروع کرے گا۔ اصولاً اس وقت اسے آفس میں ہونا چاہیے تھا۔ اس ریلی میں شرکت محض ایک حماقت تھی۔

بینر اٹھائے ہوئے ایک جوان لڑکا گھبرا کر پیچھے ہٹا۔ اُس کی پھیلی ہوئی آنکھوں میں حیرت میں لپٹی ہوئی شکایت تھی، جیسے وہ اس درشتی کا سبب سمجھنے سے قاصر ہو۔ پال نے سوچا، یہ سب لوگ ایک جیسے ہیں۔ یہ سب دنیا کو بچانے کی غرض سے نکلے ہیں۔

''بیوقوف۔'' پال زیر لب غرایا۔

اُس کے پاس ان تمام بے وقوفوں کے لیے غصے اور نفرت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ وہ حقیر لوگ تھے۔ سادہ لوح، بے وقوف، اپنی فطرت سے

بھیڑ جیسے۔انہیں دنیا کے حقائق کا کچھ پتا نہیں تھا۔اور وہ سمجھتے تھے کہ یہ ریلی نکال کر وہ دنیا کو تباہی سے بچالیں گے۔

وہ لڑکے کے پیچھے چلتا رہا

وکٹوریہ......وکٹوریہ سے دی مال......اور پھر ٹریفلگر اسکوائر کی طرف بڑھ رہے تھے،اب انہیں صاف آواز تو نہیں، لیکن لاؤڈ اسپیکرز کی مشینی کھڑ کھڑاہٹ سنائی دے رہی تھی۔لیکن لوگوں کے نعروں کی آواز اور ان کی تالیوں کی گونج اس کھڑ کھڑاہٹ پر حاوی تھی۔اوپر فضا میں پولیس کے ہیلی کاپٹرز چکرا رہے تھے۔

وہ اسکوائر پہنچے۔وہاں مجمع اتنا تھا کہ ہلنے کی گنجائش نہیں تھی۔لیکن کتے کی وجہ سے لڑکے کو اور اس کے عقب میں پال بوہر کو آگے بڑھنے کا راستہ ملتا گیا پال بوہر لڑکے سے چپک کر چل رہا تھا۔وہ جانتا تھا کہ ذرا سا پیچھے رہ گیا تو پھر آگے جانے کا راستہ نہیں مل سکے گا۔

وہ آگے بڑھتے رہے۔لوگ شروع میں احتجاج کرتے۔لیکن جسیم کتے کو دیکھ کر ان کی آواز بند ہو جاتی۔ایک آدمی جو راستہ دینے کے لیے تیار نہیں تھا، کتے کے بھاری سر کی ٹکر سے دور جا گرا۔اُس نے پلٹ کر احتجاج کرنا چاہا تو اسے غراتا ہوا کتا نظر آیا۔وہ سہم کر ایک طرف ہو گیا۔

اس طرح وہ نیلسن کالمز تک جا پہنچے۔وہاں انہوں نے شہر کے سنگی مجسموں کے پاس اپنے لیے جگہ بنائی۔پلیٹ فارم سے وہ بہ مشکل دس گز کے فاصلے پر تھے۔پلیٹ فارم بیس فٹ اونچا تھا۔اُس کے دونوں طرف دو کلوز سرکٹ ٹی وی اسکرین نصب کیے گئے تھے پندرہ فٹ اونچے تھے ان پر اس وقت خطاب کرنے والے کا کلوز اپ دکھائی دے رہا تھا۔وہ ایک جوان اور مقبول سیاست داں تھا، جسے لوگ بہت سراہتے تھے وہ اس تحریک کے بانی کا پوتا تھا......

پورے اسکوائر میں بے شمار اسپیکر، قطار در قطار نصب تھے۔مقرر کی آواز گونج رہی تھی۔

''بون میں، پیرس میں، دی ہیگ میں، روم میں اور دنیا کے بہت سے دوسرے شہروں میں یکے بعد دیگرے اس طرح کے اجتماعات ہو رہے ہیں، مظاہرے کیے جا رہے ہیں۔''

اس پر لوگوں نے پرجوش نعرے لگائے......گھسے پٹے نعرے!

''اب سے پانچ گھنٹے بعد واشنگٹن میں مارچ ہوگا۔کل مشرق بعید اور آسٹریلیا کی باری ہے۔ماسکو، پراگ، بڈاپسٹ اور وارسا میں ہمارے ہم خیال دوست ہماری جدوجہد سے سبق اور طاقت حاصل کریں گے۔وہ بھی اس جدوجہد میں ہمارے ساتھ ہوں گے......''

پال بوہر نے جماہی لی۔

''اور اب آپ کی خدمت میں۔'' نوجوان سیاست داں نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔''جیمز گراہم۔''

اب جو شور مچا، وہ کانوں کے پردے پھاڑ دینے والا تھا۔پال بوہر نے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لیے اور لڑکے کی طرف دیکھا، جو کالم کے چبوترے پر چڑھ گیا تھا۔وہ ادھر ادھر یوں نظریں دوڑا رہا تھا، جیسے کسی کو تلاش کر رہا ہو۔پھر اُس کی آنکھیں ایک دراز قد، دبلے پتلے، سفید بالوں والے شخص پر جم گئیں، جو پلیٹ فارم پر نمودار ہوا۔اندھوں کو راستہ دکھانے والا سنہرا کتا اُس کے آگے آگے تھا۔کتا یوں مائیکروفون کی طرف بڑھ رہا

تھا، جیسے اُس میں کوئی انجانی کشش ہے، جو اسے اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ پھر کتا مائیکروفون کے پاس بیٹھ گیا۔

سفید بالوں والے شخص نے دونوں ہاتھ اٹھائے۔ کتے کی زنجیر اُس کی بائیں کلائی سے بندھی ہوئی تھی۔

پال بوہر نے مجمع کا جائزہ لیا۔ لوگ تالیاں بجا رہے تھے، حلق کے بل چلا رہے تھے۔ کچھ لوگ سیٹیاں بھی بجا رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر اسے ڈیمین تھورن کا خیال آیا۔ اپنے پیروکاروں کے لیے اُس کی شخصیت میں بھی جادو تھا۔ مگر اُس کے پیروکار زیادہ سچے، زیادہ وفادار تھے۔ وہ اُس کے لیے جان بھی دے سکتے تھے۔ کیا جیمز گراہم کے پیروکار ایسا کر سکتے ہیں؟ اور ڈیمین تھورن کے پرستار تو اُس کے ایک اشارے پر کسی کو بھی قتل کر سکتے ہیں۔ کیا جیمز گراہم کے پرستاروں میں اتنا دم ہے؟ اس نے حقارت سے سوچا۔ نہیں...... مجھے شک ہے کہ وہ کبھی ایسا کر سکیں گے۔

ٹی وی اسکرین پر اب سفید بالوں والے بوڑھے جیمز گراہم کے چہرے کا کلوز اپ نظر آ رہا تھا۔ اندھے جیمز نے سیاہ شیشوں کا چشمہ لگایا ہوا تھا۔ چشمے کے شیشوں سے کیمروں کی فلیش لائٹس منعکس ہو رہی تھیں۔ سیاست کے مبصرین اُسے برٹرینڈ رسل کا جانشین قرار دیتے تھے۔ وہ ایک انسانیت نواز فلسفی تھا۔ وہ سیاست دانوں سے زیادہ عقل مند تھا۔ تقریر کرنے کی اُس کی صلاحیت خداداد تھی۔ اُس کی بات میں تاثیر تھی، اور وہ لوگوں کے درمیان قربت اور یگانگت پیدا کرنے کی صلاحیت سے مالا مال تھا۔

پال بوہر نے پھر لڑکے کو دیکھا۔ لڑکا اسکرین کو نظر انداز کر کے براہ راست جیمز گراہم کو گھور رہا تھا۔ اس کی نظریں بڈھے کے چہرے پر گڑی تھیں۔ اچانک پال بوہر کو تحرک سا محسوس ہوا۔ اُس نے کتے کی طرف دیکھا، جو اُس کے اور لڑکے کے درمیان تھا۔ اُس کے اگلے پنجے پلنتھ پر ٹکے تھے اور وہ پلیٹ فارم کو ایسے دیکھ رہا تھا، جیسے کوئی تنویم زدہ معمول!

جیمز گراہم نے اپنے دونوں ہاتھ نیچے کیے، اور مجمع پر یک لخت سناٹا چھا گیا۔ ایسا لگتا تھا کہ آوازوں کو سلب کرنے والا کوئی سوئچ دبا دیا گیا ہے۔ جیمز نے کھنکھار کر گلا صاف کیا۔ مائیکروفون پر وہ آواز ایسی تھی جیسے بجلی کا کڑاکا۔ اس کے کتے نے اپنے کان کھڑے کرتے ہوئے سر اٹھا کر اسے دیکھا، جیسے اس کی خیریت معلوم کر رہا ہو پھر مطمئن ہو کر بیٹھ گیا۔

''دوستو'' جیمز گراہم کی آواز میں گہرائی اور توانائی تھی۔ ''مجھے بتایا گیا ہے کہ اس شہر کی تاریخ کا سب سے بڑا مظاہرہ ہے۔''

لوگوں کی آوازیں ابھرنے لگیں......

جیمز گراہم نے ہاتھ فضا میں بلند کرتے ہوئے انہیں خاموش ہو جانے کا اشارہ کیا۔ پھر اُس نے خطاب کا آغاز کیا۔ ''ایک بہت عظیم انسان، ایک صحافی جیمز کیمرون ہماری اس تحریک کے بانیوں میں سے تھا۔ اُس نے ایک بار ایک تنظیم کے بارے میں، جس کے اغراض و مقاصد ہمارے جیسے تھے، کہا تھا...... میری خواہش ہے...... میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ آکسفام کا وجود نہ رہے۔ آج میں بھی وہی بات دہراتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ ایٹمی اسلحے کے عدم پھیلاؤ کی مہم ختم ہو جائے۔ اس کی ضرورت ہی نہ رہے۔''

اس بار تالیوں کا شور نہ رکنے والا تھا۔ جیمز گراہم کبھی دائیں، کبھی بائیں جانب دیکھ رہا تھا۔ نہیں...... دیکھ تو وہ سکتا ہی نہیں تھا۔ کیونکہ وہ تو اندھا تھا۔

ایک بار پھر اُس نے فضا میں ہاتھ بلند کیا۔ ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

''آج...... اس جگہ سے کوئی ایک میل دور کچھ لوگ مذاکرات کر رہے ہیں...... ایک ایسے بحران کے خاتمے کے سلسلے میں جو آدھی صدی سے زیادہ عرصے سے ہم سب کو پریشان کر رہا ہے۔ وہ اس خطے کے سر پر لٹکتی ہوئی تلوار کی طرح ہے، جسے ہم مشرقِ وسطیٰ کہتے ہیں۔ لیکن اگر ہم غور کریں تو ہمیں احساس ہوتا ہے کہ وہ درحقیقت پوری دنیا کے لیے دھماکہ خیز ہے اور کسی بھی وقت تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے ہم سیاست دانوں کے لیے دعا کرتے ہیں کہ خدا انہیں استقلال اور دانش سے نوازے۔ لیکن دوستو، صرف یہ خواہش کر لینا ہی کافی نہیں ہے۔ میں ان سے وہی مطالبہ کرتا ہوں، جو آپ لوگوں سے میرا مطالبہ ہے، کیونکہ آپ لوگوں کے پاس ووٹ کی طاقت ہے، میرا مطلب ہے کہ آپ ایسے لوگوں کو...... ایسے مردوں اور عورتوں کو منتخب کریں، جو ہمارے بینر تلے ایوانِ اقتدار میں کام کریں......''

تائیدی نعروں کی گونج سماعت شکن تھی......

''......میرا مطالبہ ہے کہ آپ پارٹی پالیٹکس کو بھول جائیں......''

مزید تائیدی نعرے......

''میرا مطالبہ ہے کہ آپ سب صرف ایک نکاتی ایجنڈے کے تحت کام کریں...... انسانیت اور انسانوں کی بقا کے لیے''۔

اس بار اسکوائر پورے ایک منٹ تک تالیوں سے گونجتا رہا۔ پال بوہر نے سر گھما کر دیکھا۔ بائیں جانب جو پولیس والے کھڑے تھے، ان کی نظریں بھی پلیٹ فارم پر جمی تھیں اور وہ بھی لوگوں کے ساتھ تالیاں بجا رہے تھے۔ پال بوہر دیر تک نفی میں سر ہلاتا رہا۔ یہ بات اُس کی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ لوگ حقائق کو نظر انداز کر کے افسانوی جذباتیت کے سیلاب میں کیسے بہہ جاتے ہیں۔

''اگر یہ زمین ہی ویران ہو گئی، دنیا ہی اجڑ گئی تو پھر سیاسی مباحث کا کیا حاصل؟'' جیمز گراہم نے چیلنج کیا۔

''کچھ حاصل نہیں۔'' مجمع نے ایک آواز ہو کر کہا۔

''فلاحی ریاست پر گفتگو بے معنی......''

''بالکل بے معنی۔'' مجمع دہاڑا۔

بوڑھے جیمز نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے۔ کتے نے یہ دیکھتے ہوئے زنجیر کو جھٹکا اور اپنے پیروں پر اٹھ کھڑا ہوا۔

''تم میں سے بہت سارے لوگ جانتے ہیں کہ میں مذہبی آدمی نہیں ہوں۔ اُس کے باوجود میں دینی حوالہ دے رہا ہوں۔ مکتوباتِ عہد نامہ جدید میں پال کا دوسرا خط ہے...... ٹموتھی کے نام......'' اُس نے گلا صاف کیا۔ کتے نے مجمع کی طرف دیکھا اور اگلے پنجے سے پلیٹ فارم کے فرش کو کھرچنے لگا۔

پال بوہر کولڑ کے کے انداز میں تبدیلی نظر آئی۔ اس کی نظر اب جیمز گراہم پر نہیں۔ اُس کے کتے پر تھی، اور وہ پلکیں جھپکائے بغیر کتے کو گھور رہا تھا۔

''خط میں پال نے لکھا تھا: یہ بھی جان لو کہ جب بالکل آخری وقت آ پہنچے گا تو لوگوں میں خود غرضی، بڑ بولا پن، پیسے کا لوبھ، غرور اور بدکاری بڑھ جائے گی۔ وہ والدین کے نافرمان، ناشکرے، گندے، تہمتیں لگانے والے، فطری لذتوں سے دور اور غیر فطری لذتوں کی طرف لپکنے والے، غصہ ور، ہر اچھی چیز سے نفرت کرنے والے، غدار اور بد دماغ ہو جائیں گے۔ خدا کی محبت کے بجائے وہ دنیا کی محبت میں گرفتار ہو جائیں گے۔''

''اندھے مقرر کا کتا اب پچھلی ٹانگوں پر کھڑا تھا، اس کے دونوں اگلے پنجے اُس کی تھوتھنی پر تھے۔ پھر وہ دوبارہ بیٹھا۔ اُس نے سر یوں اٹھایا، جیسے کچھ سونگھ رہا ہو۔ پال بوہر کو ایسا لگا، جیسے وہ لڑکے کی طرف دیکھ رہا ہو۔

''میں ان لوگوں کو پکار رہا ہوں جو اب بھی صاحب ایمان ہیں اور خدا سے دعا کرتے ہیں۔'' جیمز گراہم نے کہا۔ ''اور انہیں بھی جو خدا کو نہیں پکارتے، بلکہ اپنی ذہانت پر بھروسہ کرتے ہیں۔''

لڑکے کی نظر مقرر کے کتے پر تھی۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر اسے گھور رہا تھا۔ اسکرین پر اب مقرر کے نگراں کتے کو لانگ شاٹ میں دکھایا جا رہا تھا۔ کتا اپنے اگلے پنجوں سے پلیٹ فارم کے فرش کو کھرچ رہا تھا۔ اُس کی کمر کے بال کھڑے ہو گئے تھے اور اُس کی تھوتھنی سے رال بہنے لگی تھی۔

''میری تفہیم نئی نہیں ہے۔'' جیمز گراہم کہہ رہا تھا۔ ''لیکن موجودہ صورت حال دن بہ دن سنگین......''

کتا اچانک اس پر اچھلا۔ اُس نے اپنے نابینا آقا کے چہرے پر جھپٹا مارا تھا۔ جیمز گراہم گھبرا کر پیچھے ہٹا اس کا پاؤں مائیکروفون تاروں میں اُلجھ گیا۔ مائیکروفون کی وجہ سے اُس کی گھبرائی ہوئی چیخ پورے اسکوائر میں گونج گئی۔ کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ پلیٹ فارم پر موجود منتظمین سحر زدہ سے اسے دیکھتے رہے، جیسے پتھر کے ہو گئے ہوں۔ کہیں کوئی ردِ عمل نہیں تھا۔

نگراں کتا پیچھے ہٹا۔ جیمز گراہم اس کے ساتھ گھسٹا۔ پھر بڑی کوشش کر کے اُس نے خود کو سنبھالا اور اٹھا۔ اُس کی ٹانگیں کپکپا رہی تھی کتے کی زنجیر اب بھی اُس کی کلائی سے بندھی تھی۔

''اومائی گاڈ'' اُس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔اُس کی وہ آواز بھی پورے اسکوائر میں گونج گئی۔اُس نے ایک ہاتھ اپنے چہرے پر رکھا۔ اگلے ہی لمحے دیکھنے والوں کو اُس کی انگلیوں کی درزوں کے درمیان سے خون بہتا دکھائی دیا۔

ٹی وی ڈائریکٹر نے جبلی طور پر کیمرے کو زوم ان کیا، تاکہ اسے کلوز شاٹ میں دکھایا جاسکے۔جیمز گراہم کا ادھڑا ہوا، خون میں نہایا ہوا چہرہ اسکرین پر نمودار ہوا تو لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔اُس کا چشمہ ایک کان سے اٹکا ہوا جھول رہا تھا۔اُس کی خون میں لتھڑی ہوئی انگلیاں اپنی آنکھوں کے خالی حلقوں کو ٹٹول رہی تھیں۔

اب منتظمین اُس کی طرف لپکے۔ کتے نے سر گھما کر انہیں دیکھا، پھر ایک نظر مجمع کو دیکھا، پھر اچانک ہی پلیٹ فارم کے کنارے کی طرف جھپٹا۔زنجیر سے بندھا ہونے کی وجہ سے جیمز گراہم کے پاؤں اکھڑ گئے۔وہ گرا اور کتے کے پیچھے گھسٹتا چلا گیا۔

کتے نے پلیٹ فارم سے چھلانگ لگائی۔حاضرین میں سے ایک عورت چلائی۔جیمز گراہم چند لمحے ہوا میں معلق نظر آیا۔وہ ہوا میں جیسے کسی غیر مرئی چیز کو پکڑنے کے لیے ہاتھ چلا رہا تھا۔مگر سہارے کے لیے وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔کیمرا اُس کے تعاقب میں تھا اور مائیکروفون اُس کی چیخوں کا حجم بڑھا کر سنوار رہا تھا۔

کتا بیس فٹ نیچے کنکریٹ پر کودا۔اُس کے عقب میں بوڑھے جیمز کا سر کنکریٹ سے ٹکرایا تو اُس کی چیخ حلق میں ہی گھٹ کر رہ گئی۔اُس کا سر کئی جگہ سے پھٹ گیا تھا

لاؤڈ اسپیکرز پر اب ان لوگوں کے چیخنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں، جو جیمز گراہم کو بچانے کے لیے لپکے تھے۔وہ ہذیانی چیخیں تھیں۔ جو لاؤڈ اسپیکرز پر گونج رہی تھیں اور مجمع سناٹے میں تھا۔مائیکروفون کے سیاہ تار پلیٹ فارم سے نیچے آگئے تھے اور سب بڑے سانپوں کی طرح ادھر اُدھر سرسرا رہے تھے۔

سب سے پہلے لڑکے نے ردعمل ظاہر کیا۔وہ پلٹا اور کوئی تیس گز دور کھڑے گھڑسوار دستے کے اخروٹی رنگ کے ایک گھوڑے کو گھورنے لگا وہ دس دس گھوڑے دونوں جانب موجود تماشائیوں کے لیے سرحد کی طرح تھے۔ان کے درمیان صاف راستہ تھا، جو وائٹ ہال کی طرف جاتا تھا۔اُس گھوڑے نے تیزی سے سر گھمایا۔اُس کے سوار کو اس اچانک حرکت کی وجہ سے خود کو گرنے سے بچانے کے لیے گھوڑے کی گردن سے چمٹ جانا پڑا۔ اُس نے باگیں کھینچیں۔لیکن گھوڑا بدستور لڑکے کو گھورتا رہا۔اُس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔اُس کے نتھنے پھڑک رہے تھے۔تھوتھنی کھل گئی تھی اور چمکیلے دانت نظر آرہے تھے۔اُس کی ہنہناہٹ غراہٹ سے مشابہ تھی، جس کی وجہ سے دوسرے گھوڑے اسے دیکھنے پر مجبور ہوگئے اور اب اُس کی نظروں کے تعاقب میں وہ لڑکے کو دیکھ رہے تھے۔

ایک منٹ تو وہ گھوڑا اپنی جگہ ساکت کھڑا رہا۔کسی انجانی دہشت سے اُس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔پھر اچانک وہ پیچھے ہٹا اُس نے سر جھٹکا اور آگے کی طرف جھپٹا۔اس اچانک حرکت کی وجہ سے باقی گھوڑے بھی بھڑکے۔تین سوار پولیس والے اپنے اپنے گھوڑوں سے گر پڑے۔لیکن باقی اپنے اپنے گھوڑوں کی پیٹھ سے چمٹ گئے۔انہوں نے باگوں کو جھٹکے دیے۔گھوڑوں کے سر اوپر اٹھے لیکن وہ رکے نہیں۔

آگے دو جوان لڑکے تھے، جو اپنے درمیان ایک بینر تھامے کھڑے تھے۔ اخروٹی رنگت والے گھوڑے کے سموں کا پہلا نشانہ وہ بنے۔ ان کی دردناک چیخوں نے مجمع کو دہلا دیا۔ جیمز گراہم کی لاش کے گرد مردوں اور عورتوں کی گھبرائی ہوئی چیخیں بلند ہونے لگیں۔

جن گھوڑوں کے سوار گر چکے تھے، وہ مجمع میں گھس گئے۔ گھوڑوں نے موت کی بو پالی تھی، اور بری طرح بھڑک گئے تھے۔ پال بوہر نے ایک گھوڑے کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ درمیان میں موجود مردوں اور عورتوں کو وہ روندتا ہوا آ رہا تھا۔ پال بوہر نے گھبرا کر خود کو کالم سے چپکا لیا۔ لیکن گھوڑا اُس کے سامنے آ کر رک گیا ایک لمحہ وہ رکا رہا۔ پھر پلٹا، اُس نے اچھل کر ایک رکاوٹ عبور کی اور اس طرف دوڑا، جہاں نوجوانوں کا ایک گروپ ہراساں کھڑا تھا۔

گھوڑوں کے پہلے جھپٹے کا تاثر ایسا تھا، جیسے پانی کے تالاب میں پتھر اچھال دیا گیا ہو۔ الجھن اور گھبراہٹ کے دائرے اسکوائر کے اطراف میں پھیلتے چلے گئے۔ مرد اور عورتیں اسکوائر سے پہلے نکلنے کے چکر میں ایک دوسرے کو دھکیل رہے تھے، آپس میں لڑ رہے تھے۔

پال بوہر نے دیکھا کہ ایک اور گھوڑے نے اپنے سوار کو نیچے گرا دیا ہے۔ اسی لمحے اسے اپنے کندھے پر کسی کے ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ لڑکا تھا۔ لڑکے نے اسے کھینچ کر اپنے قریب کر لیا۔ لڑکے کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ بار بار اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔ انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ اس صورتِ حال سے بہت زیادہ محظوظ ہو رہا ہے۔

اب ہر طرف افراتفری تھی، بھگدڑ مچی تھی۔ لیکن کیمرے ابھی تک سلامت تھے اور کام کر رہے تھے۔ دونوں اسکرینوں پر لوگوں کے پیچھے جانے کے منظر دیکھے جا رہے تھے۔ گود میں بچہ لیے ایک عورت اپنے بچے کو سر سے اوپر اٹھائے ادھر اُدھر بچنے کی کوئی راہ تلاش کر رہی تھی۔ لیکن پھر وہ بھاگتے ہوئے لوگوں کی لپیٹ میں آ کر بچے سمیت نیچے گر گئی۔ اُس کی چیخیں اپنے جیسے دوسرے لوگوں کی دم توڑتی چیخوں میں مدغم ہو گئیں۔

پال بوہر نے پھر سر گھما کر لڑکے کو دیکھا۔

''دینا پرانارکی مسلط ہو گئی ہے۔'' لڑکا زیرِ لب کہہ رہا تھا۔

پال بوہر کے جسم میں تھرتھری سی دوڑ گئی۔ اُس نے خود کو سنگی ستون سے چپکا لیا۔ وہاں ہر طرف چیخیں ہی چیخیں تھیں۔ پھر وہ کہرام اپنی حد کو پہنچا، اور یک لخت ہی معدوم ہو گیا۔ جیسے کسی نے جادو کی چھڑی گھما کر سب کچھ روک دیا ہو۔ اب کہیں کوئی نقل و حرکت نہیں تھی۔ اسکوائر کے جنوب مشرقی کارنر میں وائٹ ہال کی طرف جانے کے لیے محفوظ راستہ رکھنے کے لیے اطراف میں کھڑی کی گئی رکاوٹیں اوندھی پڑی تھیں۔ جو لوگ اس محفوظ راستے پر بھاگ لئے تھے، انہوں نے پیچھے رہ جانے والوں کے لیے بھڑکے ہوئے گھوڑوں سے بچنے کے لیے کھلا میدان چھوڑ دیا تھا۔

اب وہاں بہر حال سانس لینے کی گنجائش تھی۔ مرد عورتیں اور بچے لڑکھڑاتے پھر رہے تھے۔ وہ منمنا رہے تھے، شاک کی حالت میں تباہی کے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔

پال بوہر بھی ستون کے چبوترے سے اتر آیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اُس سے چند گز کے فاصلے پر پولیس کا ایک گھوڑا مرا پڑا تھا۔ اُس کا سوار اُسکے نیچے دبا ہوا تھا، اور وہ بھی مر چکا تھا۔ اُس کا ایک ہاتھ یوں اٹھا ہوا تھا، جیسے وہ سیلوٹ کر رہا ہو، شہر کے مجسمے والے چبوترے پر اوپر تلے کئی

لاشوں کا ڈھیر تھا۔ زخمیوں اور مرتے ہوئے لوگوں کی چیخیں اب سسکیوں میں بدل گئی تھیں۔ ایمبولینس میں آنے والے اسٹریچر پکڑے ان کے درمیان پھر رہے تھے۔ انکے پیچھے پریس فوٹو گرافرز تھے۔ انسانی لکڑ بھگے انسانی المیے کی بیش بہا تصویریں کھینچ رہے تھے، تاکہ روزی کما سکیں۔

ایک جوان آدمی بے حس وحرکت پڑا تھا۔ وہ گھوڑے کے سموں سے کچلا گیا تھا۔ وہ ڈھانچے کا کاسٹیوم پہنے تھا، اور اب اس لباس سے اُس کی ٹوٹی ہوئی ہڈیاں اور پسلیاں عجیب ناممکن زاویوں سے جھانکتی نظر آ رہی تھیں۔ ایک اکیلا گھوڑا لاشوں کے درمیان سے گزر رہا تھا۔ باقی گھوڑے سر جھکائے ساکت کھڑے تھے۔

لڑکا چھلانگ لگا کر نیچے اترا اور اُس نے پال بوہر کا ہاتھ تھام لیا۔ ''کار ہمیں کہاں سے پک کرے گی؟'' اُس نے پوچھا۔

پال بوہر نے نفی میں سر ہلایا۔ یہ تو اسے یاد بھی نہیں تھا۔

لڑکا لاشوں کے ڈھیر کے پاس کھڑا رہا۔ اس کے ساتھ کھڑا کتا آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کچھ سونگھ رہا تھا۔ پھر لڑکے نے پلٹ کر پال بوہر کو دیکھا۔ ''امن کے لیے مظاہرہ کرنے والے بخش دیے جائیں......''

''آمین۔'' پال بوہر نے کہا۔

پھر وہ دونوں لاشوں اور سسکتے ہوئے کچلے ہوئے جسموں کے درمیان راستہ بناتے آگے بڑھنے لگے۔

............✿............

جیمز گراہم کی موت نے فلپ بریٹن کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ سہ پہر کے وقت اسے یہ خبر سنائی گئی تھی۔ ابتدائی خبر میں اڑتیس ہلاکتوں اور سو سے زیادہ افراد کے زخمی کے بارے میں بتایا گیا تھا۔ یہ اعداد وشمار بھی دل دہلا دینے والے تھے۔ وہ حیران تھا کہ اس جدید دور میں بھی ایسا ہو سکتا ہے۔

جیمز گراہم کے معاملے میں اُس کا شاک بے حد حقیقی تھا۔ اپنے زمانہ طالب علمی ہی سے وہ اُس کا ہیرو تھا۔ اور پھر ہر گزرتے برس کے ساتھ اُس کے لیے اُس کی عقیدت بڑھتی ہی گئی تھی۔ بہت لوگ تھے، جو جیمز گراہم کو ناپسند کرتے تھے۔ اس پر تنقید بھی کی جاتی تھی۔ عملی سیاست کے میدان کے شہ سوار کہتے تھے کہ بڈھا گراہم محض ایک پھسپھسا اور رقیق القلب لبرل ہے اور اسے حقائق کا نہ شعور ہے اور نہ ہی کوئی واسطہ۔

لیکن فلپ بریٹن یہ بات نہیں مانتا تھا۔ وہ جیمز گراہم سے دو بار مل چکا تھا۔ دنیا کی سیاست کے بارے میں اس کی معلومات اور اس کی حسِ مزاح سادہ ہونے پر اپنے مخالفین کو زیر کر لیتی تھی۔ اُس کو بدنام کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ اسے روسی ایجنٹ ثابت کرنے کی بے رحمانہ مہم چلائی گئی۔ لیکن لوگوں کا اس پر اعتماد کم نہیں کیا جا سکا۔

فلپ بریٹن کے خیال میں جیمز گراہم تقریباً ولی تھا...... خدا کا ایک ایسا ولی، جس کے مزاج میں ظرافت بھی تھی۔ اور اب وہ مر چکا تھا۔ ایک اور حادثے کا ایک اور شکار۔

اُس نے مارگریٹ کو فون کر کے ہدایت دی کہ وہ اُس کے لیے مین نیوز بلیٹن کو ریکارڈ کر کے رکھے۔ اُسے واپس آنے میں دیر ہو جائے گی۔

گھر پہنچ کر وہ کار سے اترا ہی تھا کہ مارگریٹ دروازہ کھول کر باہر آئی۔ ''ارے...... تم تو کچلے ہوئے لگ رہے ہو۔'' اُسے دیکھ کر وہ بولی۔

''کھلا ہوا! کیسا عجیب لفظ استعمال کیا ہے تم نے؟''

''جینز اور ٹی شرٹ میں وہ کم عمر لڑکی سی لگ رہی تھی۔ ہال وے میں فلپ نے اسے خود سے قریب کرلیا۔ وہ بھی اُس سے چپک گئی۔ لیکن اس وقت فلپ کی یہ ضرورت نہیں تھی۔ اسے حدت آفریں، بھڑکا دینے والا لمس نہیں، بلکہ سکون اور حوصلہ دینے والی ٹھنڈک درکار تھی۔ اُس نے بڑی نرمی سے اسے ایک طرف ہٹایا اور چہرہ دوسری طرف کرلیا۔ وہ اُس کا ردعمل، اس کے چہرے کا تاثر نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

''خبریں دیکھی تم نے؟''

''ہاں...... وہ بے چارے گھوڑے!''

''اُس نے سر گھما کر تعجب سے مارگریٹ کو دیکھا۔

''بے چارے جانور۔ لگتا تھا کسی نے جادو سے انہیں پاگل کر دیا......''

''خدا کے لیے مارگریٹ......''

''مارگریٹ نے کندھے جھٹکے اور کچن کی طرف چل دی۔'' میں ڈنر سے پہلے تمہارے لیے بیئر لے آؤں۔'' اُس نے پلٹ کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پھر اپنی اسٹڈی میں چلا گیا۔ اُس نے ٹی وی آن کیا۔ خبرنامہ معمول سے زیادہ طویل ہوگیا تھا۔ تاکہ اس المیے کو زیادہ سے زیادہ کوریج دی جاسکے۔

وہ اسکرین کو دیکھتا رہا۔ منظر چمکتے، بدلتے رہے۔ پھر اُس نے راہ دکھانے والے کتے کو گراہم کے چہرے پر جھپٹتے دیکھا اور بلا ارادہ آنکھیں بند کرلیں۔ اب بڈھا گراہم پلیٹ فارم پر گھسیٹا جا رہا تھا۔

پھر گھوڑوں کی وحشت کا منظر نظر آیا۔ نیوز ریڈر کی آواز ابھری۔ ''اس شہر کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ اس طرح کا واقعہ پیش آیا۔ ورنہ پولیس کے گھوڑے ایسے تربیت یافتہ ہیں کہ ان کے بھڑکنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اس معاملے کی تحقیق و تفتیش کے لیے انکوائری کمیشن بٹھا دیا گیا ہے۔''

بیس منٹ تک وہ دیکھتا اور سنتا رہا۔ پھر اُس نے پروگرام کی ریکارڈنگ کو دیکھنا شروع کیا۔ کیمرا اب تماشائیوں کے درمیان حرکت کر رہا تھا۔ اچانک فلپ نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں اور اس فریم کو فریز کو دیا۔ پھر اُس نے ایک بٹن دبایا۔ فریم زوم ہوا اور فریم کا ایک حصہ اسکرین پر بڑا ہوگیا۔ ایک اور بٹن دبانے پر اُس کا مطلوبہ حصہ اسکرین پر کلوز شاٹ میں نظر آنے لگا۔

وہ آگے کی طرف جھکا اور اسکرین کو دیکھتا رہا۔ پال بوہر کا اس ریلی میں کیا کام؟ وہ یہاں کیا کر رہا ہے؟ اُس نے حیرت سے سوچا۔ پال بوہر جیسے آدمی کو اس ریلی میں کیا دلچسپی ہوسکتی ہے؟

چند لمحے بعد اُس نے پلے کا بٹن دبایا۔ ٹیپ پھر رواں ہوگیا۔

اس بار اُس نے فریم کو فریز کیا، جس میں لڑکا چبوترے سے کودا اور اُس نے پال بوہر کا بازو تھاما۔ اس منظر کو دیکھ فریز کر کے وہ چند لمحے

دیکھتا رہا۔ پھر کرسی سے ٹیک لگا کر وہ یہ یاد کرنے کی کوشش کرنے لگا کہ اسلحے کو اُس نے پہلے کہاں دیکھا ہے۔ یہ طے ہے کہ وہ اس چہرے کو پہچانتا تھا۔

سوچتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ لڑکے کو تو وہ پہلی بار دیکھ رہا ہے۔ لیکن اس کا چہرہ جانا پہچانا ہے...... کوئی اُس سے ملتا جلتا چہرہ......

اچانک اُس کے ذہن میں روشنی کا جھما کا سا ہوا۔ اسے یاد آ گیا۔ یہ...... یہ تو ڈیمین تھورن کا چہرہ ہے...... لیکن نہیں، ڈیمین تھورن کا جو پورٹریٹ ایمبیسڈر میں آویزاں ہے، یہ چہرہ اُس سے کوئی پندرہ بیس سال کم عمر لگ رہا ہے۔

''او گاڈ۔'' اُس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''کیا کر رہے ہو؟ کیا ہو گیا؟'' مارگریٹ کی آواز تجسس سے بوجھل تھی۔ وہ اُس کی طرف بیئر کا گلاس بڑھا رہی تھی۔

فلپ نے جلدی سے ٹی وی بند کر دیا اور بیئر کا گلاس مارگریٹ سے لے لیا۔ وہ مارگریٹ کو تو یہ سب نہیں بتا سکتا تھا۔

''یوں ہی...... کمر کھجا رہا تھا۔'' اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ مارگریٹ کو بتانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ سنے گی تو اسے پاگل سمجھے گی۔ کسی ایسے آدمی کو یہ کچھ بتانے کا فائدہ، جسے انسانوں سے زیادہ گھوڑوں پر ترس آتا ہو۔

......✿......

شام کے مغرب کی طرف جھکتے ہوئے سورج کی روشنی فارن آفس کے پردوں پر زرد عکس ڈال رہی تھی۔ مہاگنی کی بڑی کانفرنس ٹیبل کے اطراف میں سگار کا دھواں فضا کو بوجھل کیے ہوئے تھا۔ پچھلے ایک گھنٹے سے تقریریں ہو رہی تھیں۔ اس وقت ایجنڈے کے اس نکتے پر بات ہو رہی تھی، جو ایک مستقل اور سنگین مسئلہ تھا یعنی گولان کی پہاڑیوں کا حق ملکیت یہ علاقہ اس وقت اقوام متحدہ کی امن بحال کرنے والی افواج کے پاس تھا۔

پیٹر اسٹیونسن مسکرا رہا تھا۔ مندوبین کی ہٹ دھرمی کے باوجود وہ خود کو پرسکون رکھنے کی سر توڑ کوشش کر رہا تھا۔ ''جنٹلمین، جنٹلمین، پلیز،'' وہ چمکارنے والی آواز میں کہہ رہا تھا۔ اُس کی اُنگلیاں میز پر تھپتھپا رہی تھیں۔

مگر دونوں شامی بیک آواز بولے جا رہے تھے۔ ان کی آوازیں بلند تھیں اور لہجوں میں تندی اور برہمی۔ سامنے تینوں اسرائیلی منہ پھلائے ہوئے خاموش بیٹھے تھے۔

''پلیز حضرات...... پلیز۔''

توقف ہوا...... شاید اس لیے کہ اب سانسیں شامیوں کے سینے میں نہیں سما رہی تھیں۔

اسی وقفے میں اچانک ایک گہری آواز ابھری......

''کیا آپ لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے......'' فلپ بریٹن کی آواز تھی۔ ''...... کہ وقت کا کیا تقاضہ ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ اب معاملات پر عاقل و بالغ، ذی فہم اور مہذب انسانوں کی طرح بات کی جائے۔ اسکول کے بچوں کی سی ہٹ دھرمی اور ضد کو ترک کر کے۔''

وہاں موجود تمام لوگ اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ حیرت تو سب کے چہروں پر تھی، مگر رنگ جدا جدا تھے۔ ان میں کچھ ایسے تھے، جو مترجم کے

بغیر اُس کی بات نہیں سمجھ سکتے تھے۔

دونوں شامی اٹھ کر کھڑے ہوئے اور فلپ برین پر گرجنے برسنے لگے۔

''پلیز حضرات۔'' پیٹراسٹیونسن کی آواز بھی اُس کے اعصاب کی طرح چیخ رہی تھی۔ ''پلیز خاموش ہو جائیں۔''

لیکن کوئی خاموش نہیں ہوا۔ الٹا اسرائیلیوں میں سے ایک اپنی کرسی سے اٹھا اور چلانے لگا۔

تنگ آ کر پیٹر نے لکڑی کا ہتھوڑا اٹھایا اور پوری قوت سے میز پر مارا۔ ''اجلاس کو آدھے گھنٹے کے لیے ملتوی کیا جاتا ہے۔'' اُس نے کہا اور کہتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے اپنے کاغذات سمیٹے اور باہر جانے کے لیے مڑا۔ لیکن جاتے جاتے اُس نے فلپ برین کو غصے سے دیکھا۔ مندوبین میں سے چند ہی لوگ اس نگاہ کو دیکھ پائے۔

پیٹراسٹیونسن کی برہمی برحق تھی۔ کانفرنس میں آبزرور کی حیثیت سے شریک ہونے والے مذاکرات میں مداخلت کبھی نہیں کرتے۔ یہ اصول ہے۔

کاری ڈور میں برطانوی وفد کے دو اراکین نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ پھر ان میں سے ایک نے دانستہ طور پر بلند آواز میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ ''کیا یہ شخص مے نوش ہے؟'' اُس کا اشارہ فلپ برین کی طرف تھا۔

''اگر ہو تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔'' دوسرا بولا۔

فلپ برین ان دونوں سے ذرا ہی پیچھے تھا۔ اُس کا جی چاہا کہ ان دونوں کے سر ٹکرا دے۔ لیکن اپنے غصے کو پیتے ہوئے وہ کافی فراہم کرنے والی مشین کی طرف بڑھ گیا۔

وہ اپنا کپ بھر ہی رہا تھا کہ اسرائیلی وفد کا ایک رکن اُس کی طرف چلا آیا۔ اس مختصر الوجود یہودی کا نام سائمن تھا۔ سفارتی حلقوں میں اسے بارسوخ اور طاقت ور تسلیم کیا جاتا تھا۔

''آپ نے بہت بروقت مداخلت کی مسٹر برین۔'' اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''پتا نہیں، بیٹھے بٹھائے مجھے کیا ہو گیا تھا۔'' فلپ بھی مسکرایا۔

سائمن نے کندھے جھٹک دیئے۔ ''کچھ بھی کہو، یہ جو بریک ملا ہے، بڑی نعمت ہے۔'' وہ فلپ کو دیوار کی طرف لے گیا۔ ''آج میری پال بوہر سے بات ہوئی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ رات تم اس سے رابطے کی کوشش کر رہے تھے؟''

فلپ برین نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اُس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں اُس کی طرف سے تم سے معذرت کر لوں۔''

''کس بات پر؟''

''کہ وہ تمہیں جوابی کال نہ کر سکا۔ لیکن تم چاہو تو آج شام سات بجے اُس کے آفس میں اس سے مل سکتے ہو''

''پیغام پہنچانے کا شکریہ۔''

''سائمن مسکرایا اور ایک طرف چلا گیا۔ فلپ برینن اسے جاتے دیکھتا رہا۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اسرائیلی پارلیمنٹ کے رکن کو کیا پڑی ہے کہ وہ پال بوہر کا قاصد بنا ہوا ہے۔

 ......✿......

''فلپ...... مجھے خوشی ہے کہ تمہیں یہاں آنے کا وقت مل گیا۔''

پال بوہر نے بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملایا تھا۔ لیکن فلپ برینن کو ایسا لگا، جیسے اُس پر کوئی اعصابی دباؤ ہے۔ اُس کے چہرے کی رنگت پر بھی پیلا پن غالب نظر آ رہا تھا۔

پال نے ڈرنک بنایا۔ پھر ان کے درمیان ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ ''مجھے افسوس ہے فلپ کے میں کل رات تمہیں جوابی کال نہیں کر سکا اس نے معذرت کی۔

''ارے کوئی بات نہیں۔'' فلپ مسکرایا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ بات میں بھاری پن ہو۔ ''دراصل کل رات میں نے تمہیں ٹی وی پر دیکھا تھا۔ سوچا تم سے اظہار ہمدردی کر لوں۔''

بوہر کے چہرے پر پریشانی کا سایہ سا لہرایا۔ اور فوراً ہی معدوم ہو گیا۔

''ایسی خوف ناک صورت حال کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا، اس میں شرکت کتنا خوف ناک تجربہ ہوگا۔ یہ اندازہ میں کر سکتا ہوں۔''

''تو تم نے صرف اس لیے فون کیا تھا۔؟''

''فلپ نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''بس ایک وقتی جذبے کے تحت۔'' اُس نے سر جھکا کر اپنے جام کو دیکھا۔ ''بہر حال یہ اتنی بڑی بات بھی نہیں تھی کہ جس کے لیے تمہاری یہ وھسکی خرچ ہوتی......''

پال بوہر مسکرایا، ارے ایسی کوئی بات نہیں۔ تم جب چاہے، آ سکتے اور وھسکی کیا چیز ہے......

وہ پھر کچھ دیر ادھر اُدھر کی غیر اہم باتیں کرتے رہے۔ پیٹر اسٹیونسن کی نگرانی میں ہونے والی مشرق وسطیٰ کانفرنس کی......

''اور ایک جام بناؤں؟''

''نہیں، شکریہ۔ مجھے جلدی گھر جانا ہے۔''

چند منٹ کی مزید رسمی گفتگو کے بعد فلپ نے اچانک پوچھا۔ ''بوہر...... ریلی میں تمہارے ساتھ وہ لڑکا کون تھا؟''

پال بوہر کا منہ بن گیا۔ ''کس لڑکے کی بات کر رہے ہو؟''

''ٹی وی پر ایسا لگا تھا کہ تم کسی لڑکے سے بات کر رہے ہو۔''

پال بوہر نے کندھے جھٹک دیے۔ ''یونہی بات کر رہا تھا۔ میں اسے جانتا تو نہیں ہوں۔ تم جانتے ہو نا، کبھی کبھی کوئی ان جانا آدمی بھی

بہت اچھا لگ جاتا ہے۔''

''ہاں، ٹھیک کہتے ہو۔ اچھا پال، ڈرنک کا شکریہ۔''

وہ بلڈنگ سے نکلا۔ لیکن سچ یہ ہے کہ وہ مطمئن نہیں تھا۔ گھر جاتے ہوئے تمام راستے اُس کے ذہن میں سوالات سر اٹھاتے رہے اور وہ کسی ایک کا بھی جواب نہیں دے سکا۔ اس کی سمجھ میں تو خود اپنا رویہ بھی نہیں آ رہا تھا۔ اُس کا طرزِ عمل کچھ عجیب سا ہو گیا تھا ان دنوں۔ میٹنگ کے دوران اُس نے جو مداخلت کی تھی، وہ اُس کے لیے خلافِ مزاج تھی۔ اور یہ طے ہے کہ اُس مداخلت کو خاص طور سے نوٹ کیا گیا ہوگا۔ اُس کے بارے میں رپورٹ دی جائے گی: فلپ بریٹن بلاشبہ ایک اچھا منتظم ہے۔ اُس کی قوت تجزی لائق رشک ہے۔ لیکن ایسے وقفے بھی آتے ہیں، جن میں اسے خود پر قابو نہیں رہتا۔

وہ جانتا تھا کہ اگر اس سے اپنے اس عمل کی وضاحت طلب کر لی گئی تو وہ وضاحت نہیں کر سکے گا۔ دفاع تو بہت دور کی بات ہے۔ اس کی مداخلت سفارتی اصولوں کی کھلی خلاف ورزی تھی۔ اسے ایسا کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ سفارتی دنیا میں کہا جاتا ہے کہ کسی وقت چھوٹی سی ایک غلطی بہت بڑے واقعے کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔

اُس کے بہت سے دوست اور کولیگ اپنا نفسیاتی تجزیہ کرتے رہنے کا رجحان رکھتے تھے۔ لیکن وہ ایسا نہیں تھا۔ سچ یہ ہے کہ اسے خود میں بہت زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن پچھلے کچھ عرصے سے وہ اپنے باطن سے عدم استحکام کی علامتیں دیکھ رہا تھا۔ کبھی اسے بیٹھے بٹھائے طرارہ آ جاتا تھا، اور کبھی اُس کی یادداشت میں سے چند ذہنی صفحے سادہ ہو جاتے تھے۔ اُس کے علاوہ کچھ ظاہری شواہد بھی تھے۔ مثلاً اُس کی آنکھوں کے نیچے تھیلیاں سی بن گئی تھیں، جن کی وجہ سے آنکھیں متورم لگتی تھیں۔ اور تقریباً ہر وقت اس پر غنودگی طاری رہتی ہے۔ پتا نہیں، مارگریٹ نے یہ تبدیلی محسوس کی تھی یا نہیں۔ محسوس کی بھی تھی تو اس سے تذکرہ بہر حال نہیں کیا تھا۔ رہی بات اس کے اسٹاف کی، تو اس کی نشان دہی کرنا ان کی ذمے داری نہیں تھی۔ لیکن یہ بات طے ہے کہ نہ اُس کا اسٹاف بے وقوف تھا اور نہ ہی اس کی بیوی۔ انہوں نے دیکھا بھی ہوگا، اور اس کے بارے میں سوچتے بھی رہے ہوں گے۔''

گھر پہنچتے ہی وہ اپنی اسٹڈی میں چلا گیا۔ اُس نے ٹی وی کا سوئچ آن کیا۔ وہاں اب بھی ٹریفلگر اسکوائر کے المیے کا منظر چپکا ہوا تھا۔ وہ مختلف بٹن گھماتا رہا۔ اُس نے ٹیپ کو بار بار ری وائنڈ اور فارورڈ کر کے دیکھا۔ دیر تک وہ بار بار مطلوبہ مناظر دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ اسے دو باتوں کا یقین ہو گیا۔ ایک تو یہ کہ وہ لڑکا بنا بنایا ڈیمین تھورن ہے۔ اس میں اور ڈیمین تھورن میں سر مو فرق نہیں۔ اور دوسرے یہ کہ پال بوہر نے اس سے جھوٹ کہا تھا کہ وہ اس لڑکے کو نہیں جانتا۔

وہ سوچتا اور الجھتا رہا۔ اُس نے برانڈی کی بوتل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ کرنا چاہتا تھا، وہ نہ کرنا اس کے لیے بہتر ہی ہوا۔ وہ پال بوہر سے ڈیمین تھورن کی تدفین کے بارے میں بات کرنا چاہتا تھا۔ اور اُس نے وہ بات چھیڑی ہی نہیں۔ کم از کم وہ ایک اور تردید سے تو بچ گیا!

بی بی سی کے چیف پریس آفیسر بل ہیرس کو امریکن ایمبیسی سے دعوت نامہ موصول ہوا تو وہ خوش بھی ہوا اور حیران بھی۔ ٹیکسی میں بیٹھ کر گروس وینز اسکوائر جاتے ہوئے اُس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر وہاں رکھے کیسٹ کو چھوا۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ آخر سفیر فلپ برینن کو اس میں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔

سفارت خانے میں داخل ہوتے ہوئے اسے ایک بھولی بسری کہانی یاد آئی۔ فلپ برینن کے ایک پیش رو سفیر کا نام ڈوائل تھا۔ ایک بار اُس نے ایک پریس کانفرنس طلب کی۔ اور جب رپورٹرز اس کی پریس کانفرنس کے انتظار میں سفارت خانے میں بیٹھے تھے تو اُس نے ان کی موجودگی میں اپنے سر پر ریوالور کی نال رکھ کر فائر کر دیا۔

ہیرس کو یاد تھا کہ ان دنوں ایک رپورٹر بہت عرصے تک اس خودکشی پر کام کرتا رہا۔ وہ اس خودکشی کا محرک دریافت کرنا چاہتا تھا لیکن اسے کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

''اب ایمبیسیڈر صاحب آپ سے ملیں گے۔'' سیکرٹری کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

اُس نے سیکرٹری کو مسکرا کر دیکھا اور کمرے میں چلا گیا۔ فلپ برینن نے اُس سے ہاتھ ملایا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ بل ہیرس کی نظریں امریکا کی سرکاری سیل پر پڑیں...... عقاب کا نشان۔ کیا یہ وہی سیل ہے، جس پر ڈوائل کا بھیجا اڑ کر چپکا تھا؟ اس نے سوچا۔ اسے وہ تصویر یاد تھی۔ وہ اتنی خوف ناک تصویر کہ اسے شائع کرنے کی ہمت بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔

''تمہاری آمد کا شکریہ۔'' فلپ برینن نے کہا۔

''ہم تو ہمیشہ تعاون کے لیے حاضر ہیں جناب۔''

''تم وہ ٹیپ لائے ہو؟''

''بل ہیرس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ٹیپ نکالا۔ فلپ نے وی ٹی آر کی طرف اشارہ کیا اور پیالیوں میں کافی انڈیلنے لگا۔ بل ہیرس وی آئی آر کی طرف بڑھ گیا۔ اور اسے سیٹ کرنے لگا۔

چند لمحے بعد وہ دونوں کافی کے گھونٹ لیتے ہوئے ٹی وی اسکرین کو دیکھ رہے تھے۔

اسکرین پر جلی حروف میں پروگرام کا نام لکھا نظر آیا...... ورلڈ ان فوکس...... پھر ایک عورت کا مسکراتا ہوا چہرہ ابھرا۔ عورت تعارفی کلمات ادا کر رہی تھی۔

''کیٹ بہت خوبصورت عورت تھی۔'' بل ہیرس نے کہا۔ ''خوب صورت اور نہایت باصلاحیت۔''

''تم جانتے تھے اسے؟''

''بس دور ہی دور سے۔ لیکن وہ بڑا المیہ تھا۔ وہ بہت کم عمر تھی۔''

''تم مذہبی آدمی ہو مسٹر ہیرس؟''

اس کے خلاف توقع سوال پر بل ہیرس نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ ''جی نہیں سر۔''

''میرا خیال ہے، کیٹ کی موت کا سبب کینسر تھا۔'' فلپ نے اسکرین کو گھورتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں۔''

''ویسے فضلے کی نالی میں کینسر کا تصور رحم کرنے والے خدا کے ساتھ کچھ سوٹ نہیں کرتا۔''

''بالکل جناب۔ بلکہ مجھے تو شیطان کی کارروائی لگتی ہے۔''

''ٹھیک کہتے ہو۔ اور ہاں...... یہ رہا تھورن۔''

''اسکرین پر اب انٹرویو شروع ہو چکا تھا۔ کیٹ اور ڈیمین تھورن آمنے سامنے تھے۔ ان کے درمیان کافی ٹیبل تھی۔

''انٹرویو کا دورانیہ محض چند منٹ کا ہے۔'' بل ہیرس نے کہا۔

''کیوں؟ یہ انٹرویو تو خاصا تفصیلی ہوتا تھا۔''

''جی ہاں۔ عجیب سی بات ہے۔ بہرحال اختصار کے باوجود یہ دلچسپ انٹرویو ہے۔ ڈیمین تھورن کے نظریات کافی دلچسپ تھے اور وہ انہیں جوش اور سلیقے کے ساتھ پیش کرنا بھی جانتا تھا۔''

کچھ دیر وہ دونوں خاموشی سے دیکھتے رہے۔ پھر بل ہیرس کرسی پر آگے کی طرف ہوا۔ ''اب کسی بھی لمحے انٹرویو شروع ہو جائے گا۔''

پھر ڈیمین باتیں کرتا نظر آیا

کیمرا تبدیل ہوا۔ اب کیٹ بڑے دھیان سے اُس کی باتیں سنتی نظر آ رہی تھی۔ پھر اُس نے چھت کی طرف دیکھا۔ اُس کے چہرے پر اچانک دہشت کا تاثر ابھرا، اور کوئی چیز میز پر گرتی نظر آئی۔ پھر پتا چلا کہ وہ انسانی جسم ہے اور جسم جھول رہا تھا۔ وہ جھولتا ہوا شاٹ سے باہر ہو گیا۔

''یہ دیکھیں۔ ویسے یہ کوئی قابل دید منظر نہیں ہے۔'' بل ہیرس نے سرگوشی میں کہا۔ وہ تبصرہ کرتا رہا۔ فلپ بریئن پلکیں جھپکائے بغیر اسکرین کو دیکھے جا رہا تھا۔ ''یہ بے چارہ اوپر لائٹنگ پلیٹ فارم سے گرا تھا

اس کا پاؤں رسی سے الجھا تھا۔ پھر وہ جھولتا ہوا پردوں سے جا ٹکرایا۔ چند لائٹس پھٹ گئیں۔ آگ لگی اور وہ خود بھی آگ کی لپیٹ میں آ گیا۔''

اسکرین سادہ ہو گیا۔

''وہ نائیلون کے پردوں میں بری طرح لپٹ گیا تھا۔ یہ سمجھ لیں کہ جیتے جی وہ پک گیا۔''

''اسے دوبارہ وہیں سے دکھاؤ، جب وہ پہلی بار نمودار ہوتا ہے۔'' فلپ نے فرمائش کی۔

بل ہیرس نے ایک بٹن دبایا۔ چند لمحے بعد وہ منظر دوبارہ اسکرین پر ابھر آیا۔

''اسے فریز کر دو۔'' فلپ نے کہا۔

بل ہیرس نے فریز کا بٹن دبایا۔

فلپ برینن آگے کی طرف جھکتے ہوئے اسکرین کو غور سے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔ ''آگے بڑھاؤ اسے''

بل ہیرس نے پلے کا بٹن دبایا۔

''اسٹاپ''

بل ہیرس نے فوراً ہی اس منظر کو فریز کر دیا۔

فلپ برینن ٹی وی کے نزدیک جا کر اس منظر کو غور سے دیکھنے لگا۔ وہ اس آدمی کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ چیخ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ چیخ رہا تھا۔ اُس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ چیخ رہا تھا۔ اس کے چہرے کے نقوش بگڑے ہوئے لگ رہے تھے۔

''ذرا ادھر دیکھو۔ یہ چیز کیا ہے؟'' فلپ نے اسکرین کے نیچے کارنر پر نظر آنے والی دھاتی چیز کی طرف اشارہ کیا۔

بل ہیرس نے کندھے جھٹک دیے۔ شاید لائٹنگ کے چبوترے سے نکلا ہوا کوئی بولٹ ہے۔''

''یہ کوئی چاقو، کوئی خنجر تو نہیں۔''

''چاقو؟'' ہیرس نے احمقانہ انداز میں دہرایا۔

''وہاں کوئی خنجر تو نہیں ملا تھا؟''

''نہیں۔''

فلپ نے ریموٹ کنٹرول اُس کے ہاتھ سے لے لیا۔ وہ بار بار ٹیپ کو ری وائنڈ کرتا اور پھر چلا کر دیکھتا

''یہ آج تک معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ بدنصیب کون تھا'' بل ہیرس نے کہا۔ ''یہ ایک عقیدہ لاینحل ہے۔ تاہم مجھے اس بات کا یقین ہے کہ کسی چاقو اور خنجر کا کوئی معاملہ نہیں تھا۔''

''بہر حال میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ تم نے بڑی زحمت کی۔'' فلپ نے کہا اور اسپول نکال کر اُس کی طرف بڑھایا۔

فلپ بل ہیرس کو چھوڑنے دروازے تک گیا۔ ''میں یونہی متجسس ہو رہا تھا۔ تم اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کرو گے نا؟''

بل ہیرس مسکرایا اور اُس نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ لی۔

''اتفاق کی بات ہے سر۔ دراصل ہم اہم اور مقتدر لوگوں کی نجی زندگی پر ایک سیریز......''

''میں سمجھ گیا۔ جب بھی ارادہ ہو، میری سیکرٹری سے رابطہ کر لینا۔ ہم کوئی شیڈول بنا لیں گے۔''

بل ہیرس بلڈنگ سے نکلا اور ایک گزرتی ہوئی ٹیکسی کو روکا۔ سفر کے دوران وہ اس گفتگو کے بارے میں سوچتا رہا۔ بات کچھ بے جوڑ سی، کچھ عجیب سی تھی۔ لیکن اسے یقین تھا کہ فلپ برینن کچھ چھپا رہا تھا۔ اس انٹرویو میں کوئی اہم بات ضرور تھی جو وہ جانتا تھا۔

......☼......

سہ پہر تک فلپ بریئن بہت تیزی سے کام نمٹانے میں لگا رہا۔ پھر وہ دفتر میں رکا رہا۔ یہاں تک کہ اُس کی سیکرٹری چلی گئی۔ اُس کے جانے کے بعد اُس نے گھر فون کیا۔ یہ جان کر اسے خوشی ہوئی کہ مارگریٹ گھر میں نہیں ہے۔ وہ اُس سے جھوٹ نہیں بولنا چاہتا تھا۔ اُس نے مشین پر مارگریٹ کے لیے پیغام ریکارڈ کرا دیا کہ اسے ذرا دیر ہو جائے گی۔ شاید وہ ساڑھے نو بجے تک گھر پہنچ سکے گا۔

پھر وہ آفس سے نکلا اور گیراج میں پہنچانے والی لفٹ میں بیٹھ گیا۔

شام ہونے کی وجہ سے ٹریفک جام تھا۔ اس سے جان چھڑانے میں اسے ایک گھنٹا لگا۔ پھر چھوٹی سڑکوں پر بھی چالیس منٹ صرف ہوئے۔ بالآخر وہ برک شائر کے علاقے میں پہنچ گیا۔ دو جگہ گاڑی روک کر اُس نے نقشے سے مدد لی۔ ایک T جنکشن پر پہنچ کر وہ بائیں جانب مڑ گیا۔ وہ ایک تنگ مضافاتی سڑک تھی۔ اطراف میں اونچے جنگلے لگے تھے۔ فضا میں گوبر کی بدبو رچی تھی۔ اُس سے بچنے کے لیے اس نے کار کی کھڑکی بند کر لی۔ سڑک سنسان تھی۔ ادھر اُدھر کہیں کوئی فارم ہاؤس تک دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اُس نے اوڈومیٹر کو چیک کیا۔ فادر ڈی کارلو کے نوٹس کے مطابق وہ تقریباً اپنی منزل پر پہنچ چکا تھا۔

ایک موڑ کاٹنے کے بعد اسے ایک پب کی روشنیاں نظر آئیں۔ وہ ایک چھوٹے سے برآمدے میں گاڑی لے گیا، جسے پارکنگ کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ گاڑی سے اتر کر اُس نے آسمان کو دیکھا۔ مطلع ہلکا سا ابر آلود تھا۔ تاہم اُس نے سوچا، کوئی نہ کوئی ستارہ نظر آئے گا، جو مقامِ پیدائش کی نشان دہی کرے گا۔

پب کی روشنیاں اسے اندر بلا رہی تھیں۔ اُس نے اندر جھانکا۔ وہ چھوٹا سا، روایتی سا مضافاتی شراب خانہ تھا۔ اُس کی چھت بڑے بھاری شہتیروں والی اور خاصی نیچی تھی۔ شام حالانکہ کافی گرم تھی۔ مگر شراب خانہ کا آتش دان دہکایا گیا تھا۔

اُس نے فیصلہ کیا کہ پہلے ایک ڈرنک لینے میں کوئی حرج نہیں۔ ایک جام کی تو اسے ضرورت بھی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ ایسا دن تھا، جب جام کی ضرورت محسوس ہوتی ہی ہے۔

بار کے مالک سرخ گالوں، چمکتی آنکھوں، بڑی بڑی گھنی مونچھوں اور بڑی بھاری توند والا آدمی تھا۔ فلپ بریئن نے برانڈی کا ایک بڑا جام طلب کیا۔

''امریکی جناب؟''

''نہیں، بس ذرا سوڈے کا چھڑکاؤ کر دینا'' فلپ بریئن نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔

''بار والا ہنستے ہنستے دہرا ہو گیا۔'' ''میرا مطلب یہ نہیں تھا جناب۔''

''تو پھر؟'' فلپ نے بے حد معصومیت سے پوچھا۔

''میں یہ پوچھ رہا تھا کہ کیا آپ امریکی ہیں؟''

''اوہ......ہاں۔''

''فلپ برینن نے ادھر اُدھر دیکھا۔آتش دان کے پاس دیہاتیوں کا ایک گروہ بیٹھا تھا۔ان میں سے ایک نے مسکراتے ہوئے اُسے آنکھ ماری۔فلپ برینن بھی جواب میں مسکرایا۔وہ سوچ رہا تھا،ابھی وہ انہیں موقع دے تو ایک جام کے بدلے ان میں سے ہر ایک اسے دسیوں کہانیاں گھڑ کر سنا دے گا۔اور اُس کے جانے کے بعد سب مل کر اُس کا مذاق اُڑائیں گے۔

بار والا پراسے بتا رہا تھا کہ اُس کی بیٹی امریکا میں، لاس اینجلز میں رہتی ہے۔پچھلے موسم سرما میں وہ اُس سے ملنے کے لیے گیا تھا۔وہ خوش مزاج اور فیاض آدمی تھا اور اس کا مشاہدہ زبردست تھا۔اُس نے فلپ کو ایک جام اپنی طرف سے پیش کیا۔

تیسرے جام کے بعد فلپ پر اعتماد ہو گیا۔اب وہ تفتیش شروع کر سکتا تھا۔چنانچہ اُس نے سوال کر ڈالا......

''ہاں......ہاں......ہمارے بنجارے، بہت رہتے رہے ہیں۔بڑے گندے ہوتے ہیں۔''

''تمہیں یہاں ہونے والی ایک عجیب ولادت کے بارے میں بھی کچھ معلوم ہے؟ یہی کوئی بیس سال پہلے کی بات ہے۔''

''بار والا پھر ہنس دیا''بنجاروں کے ہاں تو ہر ولادت ہی عجیب ہوتی ہے۔مگر آپ کی عجیب سے کیا مراد ہے جناب۔''

فلپ برینن نے کندھے جھٹک دیے۔''بات یہ ہے کہ میں نے اس سلسلے میں کچھ کہانیاں سنی ہیں۔''

''آپ رپورٹر ہیں جناب؟''

''نہیں بھئی۔میں تو بس ایک سیاح ہوں۔''

بار والے نے سر کو تفہیمی جنبش دی اور پھر ایک اور گاہک کا آرڈر سرو کرنے لگا۔فلپ نے اپنا جام ختم کیا اور اٹھنے لگا۔اسے مایوسی کا احساس بھی ستا رہا تھا اور غصہ بھی آ رہا تھا۔غصہ اسے خود پر تھا کہ اُس نے اپنا قیمتی وقت ضائع کیا۔آخر وہ یہاں آیا ہی کیوں تھا۔کیا دیکھنے کی امید لے کر آیا تھا اور یہاں اُس نے سوچا، بس ذرا گردوپیش کا جائزہ لے گا اور پھر گھر لوٹ جائے گا۔اپنی بیوی کے پاس

دیہاتیوں اور بار کے مالک کو شب بخیر کہہ کر وہ پب سے نکل آیا۔وہ اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔اُس کے نکلتے ہی بار والے نے بار کا فلیپ اٹھایا اور ایک بہت چھوٹے سے دروازے کو کھول کر اپنے کتے کو باہر نکال دیا۔کتا باہر نکلا اور فلپ برینن کے پیچھے چل دیا۔باہر اُس نے سر اٹھا کر نتھنے پھڑپھڑائے، جیسے کچھ سونگھ رہا ہو۔پھر وہ بڑی خاموشی سے کیچڑ میں چل دیا۔کیچڑ میں اُس کے پنجوں کے نشان نہیں بن رہے تھے۔

وہ اُس اجاڑ اور بنجر علاقے میں افسردہ کھڑا تھا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا کسی نے اسے دھوکہ دیا ہے...... اسے لوٹ لیا ہے۔ وہاں کیچڑ اور جھاڑیوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ ہاں ایک عجیب بات اُس کے محسوسات کے ضمن میں ضرور تھی۔ وہاں اسے اس تقدیس کا احساس ہو رہا تھا، جو کبھی چرچ میں داخل ہونے کے بعد ہوتا تھا۔ اور نمی اور ٹھنڈک اُس کے جوتوں کے پار ہو کر اُس کے تلوؤں کو چھو رہی تھی۔

ایک بار پھر اسے اپنے وقت کی بربادی پر جھنجھلاہٹ ہونے لگی۔

اُس نے پلٹ کر دیکھا۔ اب اسے پب بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ پلکیں جھپکاتے ہوئے آگے بڑھ کر دیکھنے پر اسے چھت کی آؤٹ لائن نظر آنے لگی انہوں نے روشنی گل کر دی تھی۔ اُس نے گھڑی میں وقت دیکھا اور حیرت سے سوچا کہ شراب خانے اتنی جلدی تو بند نہیں کیے جاتے۔ پھر اُس نے کندھے جھٹک دیے۔ اُس کا اس سے کیا تعلق کہ وہ پب کس وقت بند کرتے ہیں۔

وہ اپنی کار کی طرف بڑھنے لگا۔ اُس کے جسم میں تھرتھری سی دوڑ رہی تھی۔ اچانک ہی ٹھنڈی ہوا چلنے لگی تھی۔ اس کے نتیجے میں سردی ہوگئی تھی۔

کار میں بیٹھتے ہوئے اسے پھر بدبو کا احساس ہوا۔ لیکن بدبو اب باہر سے نہیں، کار کے اندر سے آ رہی تھی۔ اُس نے انجن اسٹارٹ کیا اور پنکھا چلانے کے لیے بٹن دبایا۔ لیکن پنکھا کام نہیں کر رہا تھا۔ سرخ تنبیہی روشنی بتا رہی تھی کہ برقی نظام میں کوئی خرابی واقع ہوئی ہے۔ اب وہ دعا ہی کر سکتا تھا کہ خرابی بس پنکھے ہی کی حد تک ہو۔ اور وہ عافیت سے گھر پہنچ جائے۔

اُس نے گاڑی کو برآمدے سے نکالا تو بارش کی پہلی بوندیں ونڈ شیلڈ سے ٹکرائیں۔ پھر شیشے پر پتنگے جمع ہونے لگے۔ اُس نے واپر چلانے چاہے تو پتا چلا کہ ان میں بھی خرابی ہوگئی ہے۔ ادھر بدبو اور بڑھ گئی تھی۔ اس نے کار کی کھڑکی کھولنے کے لیے بٹن دبایا، مگر بے سود، ادھر جوتوں میں بھرنے والی کیچڑ کی نمی اس کی پنڈلیوں تک سرایت کرنے لگی تھی۔

وہ بڑبڑا کر رہ گیا۔ گاڑی نے اسپیڈ پکڑی تو اس نے بائیں جانب دیکھا۔ اسے ایسا لگا کہ وہاں کوئی کتا کھڑا اُسے گھور رہا ہے۔ لیکن گاڑی کے آگے جانے کے لیے اُس نے عقب نما آئینے میں دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

اُس نے سوچا، شاید میں نے برانڈی کچھ زیادہ ہی پی لی ہے۔ دماغ پر دھندلاہٹ سی طاری تھی۔ کچھ گوبر کی بو بھی دماغ ماؤف کر رہی تھی۔ اُس نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ اس نے کتنے جام پیئے تھے۔ تین...... صرف تین۔ اتنے میں تو ایسا نشہ نہیں ہوتا!

بارش اب تیز ہو رہی تھی۔ ونڈ شیلڈ سے پتنگوں کا تو صفایا ہو گیا تھا۔ لیکن وائپرز کے بےکار ہو جانے کا مسئلہ اپنی جگہ تھا۔ اُس نے نگاہ پر زور دے کر سامنے دیکھا۔ سامنے جنکشن نظر آیا اور T ساخت کا ایک بورڈ، جو بتا رہا تھا کہ لندن جانے کے لیے بائیں جانب مڑنا ہے۔

سڑک سنسان تھی۔ اُس نے اسٹیئرنگ گھمایا اور بلا ارادہ عقب نما آئینے میں دیکھا۔ بے ساختہ اُس نے بریک پر پاؤں مارا۔ T شکل کے بورڈ سے کوئی چھوٹی سی گلابی چیز لٹک رہی تھی۔ اسے کیلوں کے ذریعے بورڈ پر گاڑا گیا تھا۔

اُس نے گاڑی کو ریورس کیا۔ تاکہ قریب سے دیکھ سکے۔ لیکن وہاں تو کچھ بھی نہیں تھا۔ شاید وہ کوئی فریب نظر تھا یا روشنی کی کرشمہ کاری اُس نے گہری سانس لی۔ اسے اپنے منہ سے خود بھی بو آتی محسوس ہو رہی تھی۔

اُس نے ایکسلیٹر پر دباؤ ڈالا۔لیکن کچھ بھی نہیں ہوا۔

اُس نے کلچ دبایا، گیئر تبدیل کیا اور پھر سر جھٹکا، کیونکہ ایک بار پھر اسے سر گھومتا محسوس ہوا تھا۔ بدبو کیوجہ سے الگ دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ وہ کھانسا۔ اُس کا جی بری طرح متلا رہا تھا۔ پھر اُس کی نظر عقب نما آئینے پر پڑی۔ وہاں اُس کے تخیل کا خوف مجسم ہو گیا تھا۔ وہ ایک ننھے بچے کا چہرہ تھا، جس کے منہ میں ایک بھی دانت نہیں تھا۔ اور وہ اسے دیکھ کر ہنس رہا تھا۔

فلپ برینن چلایا اور اُس نے اپنے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لیے۔ کار لہراتی ہوئی پانی سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کی طرف بڑھنے لگی۔ جھٹکے کی وجہ سے اُسکا سر ونڈ شیلڈ سے ٹکرایا۔ وہ اس وقت بھی چیخ رہا تھا۔

❁

مارگریٹ برینن خالی خالی نظروں سے ٹی وی اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ درحقیقت اسے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ بھی نظر گھما کر کلاک میں وقت دیکھ لیتی تھی۔

فون کی گھنٹی کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

''ہائی۔'' اُنے ماؤتھ پیس میں چہک کر کہا۔ پھر کندھے جھٹک دیے۔ ''نہیں...... وہ ابھی تک واپس نہیں آئے ہیں۔ ٹھیک ہے۔ میں تمہیں بتادوں گی۔''

ریسیور رکھ کر وہ صوفے میں ڈھیر ہوگئی۔ اُس کی نظریں اب بھی پھر ٹی وی اسکرین پر تھیں۔ لیکن دھیان کہیں اور تھا۔

مزید آدھا گھنٹا گزر گیا۔ فون کی گھنٹی پھر بجی۔

''ہیلو؟'' اس نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

دوسری طرف کی بات سن کر اُس نے وقفے وقفے سے تین بار ہاں کہا اور پھر بولی۔ ''کونسا ہاسپٹل؟ جگہ سمجھاؤ مجھے۔''

پھر ریسیور رکھ کر اُس نے دروازے کی طرف دوڑ لگا دی۔

❁

پھیلی ہوئی آنکھوں والا بچہ اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ پھر اُسکے چہرے پر اذیت جھلکنے لگی۔ فلپ برینن نے اسے چپکارتے ہوئے اُس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ لیکن بچے کے ہاتھ اسے نہیں مل سکے۔ بچے کا جسم سرد ہو رہا تھا اور اس کے پہلو میں ایک گہرا گھاؤ تھا۔ اُس نے اس کے کندھوں کو چھوا۔ وہ صلیب کے افقی حصے پر گڑے ہوئے تھے۔ اُس نے اس کی انگلیوں کو چھوا تو وہاں اسے کیل گڑی محسوس ہوئی۔

وہ چلایا لیکن کوئی آواز نہیں نکلی۔ اُس منظر سے بچنے کے لیے سر گھمانے کی کوشش کی۔ لیکن ناکام رہا۔ اُس نے آنکھیں بند کرنی چاہیں۔ لیکن یہ بھی نہیں ہو سکا۔ پریشان ہو کر اُس نے کیل اکھاڑنے کی کوشش کی لیکن بچے نے اسے بھینچ لیا تھا۔ اور اپنی شدید تکلیف اور اذیت کے باوجود وہ اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اُس کے لیے ترحم اور درگزر تھا۔

اُس نے اُس کے ننھے سے دھڑکتے ہوئے سر کو چھوا۔ پھر اُس نے چوبی صلیب پر کندہ عبارت کو پڑھنے کی کوشش کی۔ لیکن پڑھ نہیں سکا۔ کیونکہ وہ لاطینی زبان میں تھی۔ اور لاطینی اسے نہیں آتی تھی۔

کوئی نہ کوئی تو اس کی مدد کر ہی سکے گا۔ اس خیال سے وہ پلٹا اور ایک طرف دوڑنے لگا۔ لیکن بدبو اُس کا پیچھا کر رہی تھی۔ وہ اس دوسرے بچے کی بدبو تھی، وہ جو بال دار تھا اور گندگی میں لتھڑا ہوا تھا۔ جس کا منہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔

اب اسے آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ لیکن وہ کچھ دیکھ نہیں سکتا تھا۔

''یہ ان سو سے زیادہ بچوں کے بارے میں ہے، جنہیں قتل کر دیا گیا۔'' ایک مردانہ آواز نے کہا۔ ''اور دوسری بات ایک مصلوب بچے کے متعلق ہے۔''

''ہاں۔'' فلپ نے چیخ کر کہا۔ لیکن اپنی آواز وہ خود بھی نہیں سن سکا۔

''لیکن جسمانی طور پر وہ بالکل ٹھیک ہے۔'' ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

وہ اُس عورت کا نام لے کر اسے پکارنا چاہتا تھا۔ لیکن اسے اس کا نام یاد نہیں آ رہا تھا۔ اسے تو اپنی بیوی کا نام بھی یاد نہیں تھا۔ پھر ایک ہاتھ اُس کی طرف بڑھا اور اُس نے اسے تھام لیا۔ پھر اسے ایک سوئی کے چبھنے کا احساس ہوا اور اُس کے چاروں طرف تاریکی چھانے لگی وہ اندھیرا اُس کے ذہن پر بھی چھایا تھا۔ اُس کے باوجود نجانے کیسے وہ اب بھی رو رہا تھا..... مدد کے لیے پکار رہا تھا۔ وہ التجا کر رہا تھا کوئی آئے اور اُس مصلوب بچے کو صلیب سے اتار لے.....

٭

اُس ہاتھ کا دباؤ نرم اور مہربان تھا۔ وہ ایک نسوانی ہاتھ تھا جو اُس کی بھوؤں کو سہلا رہا تھا۔ اُس نے ہاتھ بڑھایا اور اس ہاتھ کو تھام لیا۔ اُس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ لیکن اُس سے آنکھیں نہیں کھولی گئیں۔ اُس نے اس ہاتھ کو اپنے ہاتھ سے ٹٹولا، اور اُس کی انگلیاں اس کی ایک انگلی پر رک گئیں۔ وہ محسوس کر سکتا تھا کہ اس انگلی پر کچھ گدا ہوا ہے۔

''سب ٹھیک ہے۔ بے فکر ہو جاؤ۔'' وہ نسوانی آواز کہہ رہی تھی۔

مگر وہ اس انگلی کو بچوں کی طرح تھامے رہا۔ اس گودنے کے نشان کی انگارے جیسی حدت وہ اپنی دونوں انگلیوں پر محسوس کر رہا تھا، جو اس انگلی کو تھامے ہوئے تھیں۔ اس نے اس نشان کو محسوس کرنے کی کوشش کی۔ وہ چھوٹے چھوٹے تین دائرے تھے..... دو نیچے اور ایک ان دونوں کے اوپر اور درمیان میں بھی اسے احساس ہوا کہ وہ مکمل دائرے نہیں تھے۔ اور ایک گھنڈی بھی تھی.....

اُس نے اس انگلی کو بھینچا۔ ردعمل کے طور پر ایک تکلیف بھری چیخ سنائی دی۔ پھر اس کے بازو میں ایک اور سوئی چبھوئی گئی اس بار اس کا وجود مکمل طور پر اندھیرے میں ڈوب گیا۔

اور جب وہ جاگا تو وہ تصور مٹ چکا تھا۔ اُس نے اپنے جانے پہچانے پردوں کو پہچان لیا۔ اُس کی دھڑکتی ہوئی کنپٹیاں بری طرح دکھ رہی تھیں۔ لیکن خوشی کی بات یہ تھی کہ اس ڈراؤنے خواب سے جان چھوٹ گئی تھی۔

اُس نے پلکیں جھپکائیں اور یہ یاد کرنے کی کوشش کی کہ کیا ہوا تھا۔لیکن اس کی یادداشت اس کا ساتھ نہیں دے پائی۔ اُس نے اپنے چہرے کو چھوا تو پیشانی پر پٹی بندھی ہونے کا احساس ہوا۔ وہ آہستہ سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کمزوری کی وجہ سے اسے چکر آ رہے تھے۔ وہ پھر لیٹ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر اٹھا۔اس بار اس نے پاؤں بیڈ سے نیچے لٹکائے اور اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھنے کی کوشش کی۔ اُس نے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھا آئینہ اُٹھایا۔ مگر آئینہ دیکھتے ہوئے اسے ڈر لگ رہا تھا کہ نجانے وہاں کیا نظر آئے گا۔ پھر بھی اُس نے ہمت کر کے دیکھ ہی لیا۔

اُس نے سکون کی گہری سانس لی۔ کیونکہ آئینے میں کئی جگہ پٹیوں سے ڈھکا سہی، بہر حال اُس کے اپنے چہرے کا عکس نظر آ رہا تھا۔

''فلپ!''

اُس نے چونک کر دیکھا۔ دروازے میں اُس کی بیوی مارگریٹ کھڑی تھی۔ وہ اُس کے پاس آئی۔ اُس نے اُس کے رخسار کو ہلکے سے چوما اور پھر اُس کی لٹکی ہوئی ٹانگوں کو اٹھا کر بیڈ پر کر دیا۔

''تم نے خود کو خوب اچھی طرح وبال میں ڈالا۔'' وہ خوش گوار لہجے میں بولی۔

''کچھ بتاؤ بھی تو۔''

''تم نے کار ٹکرا دی تھی۔ اور تم ادھر ادھر بھٹکتے پھر رہے تھے۔ تمہارا چہرہ خونا خون ہو رہا تھا، اور......''

''یہ بتاؤ، انہوں نے بچے کو بھی بچالیا؟''

''اوہ...... تم فریب نظر کا شکار ہو رہے تھے۔'' وہ مسکرائی۔ وہ اسے ایسی نظروں سے دیکھ رہی تھی، جیسے وہ کوئی چھوٹا سا بچہ ہو۔ ''سر پر چوٹ لگے تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ کچھ بھی دیکھ سکتا ہے آدمی۔''

وہ اُس کی بھوؤں کو سہلانے لگی۔ فلپ برینن نے اُس کی کلائی تھام لی۔ کوئی بھولی بسری یاد اس کے دماغ میں سرسرا رہی تھی۔ اُس نے سوچا، مارگریٹ نے میری خیریت بھی نہیں پوچھی...... یہ بھی نہیں پوچھا کہ میں کیسا محسوس کر رہا ہوں۔ ایسا لگتا تھا کہ اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

اُس نے ایک سرد آہ بھری اور دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔ سونے سے پہلے وہ خدا سے دعا کرتا رہا کہ وہ اس بچے کی حفاظت کرے...... اسے اپنی امان میں رکھے۔

......✲......

ایمبیسیڈر کی سیکریٹری کی زندگی میں وہ پہلا موقع تھا کہ اُس کے پاس کچھ کہنے کو لفظ نہیں تھے۔ وہ اپنے باس کو اوور نائٹ بیگ پیک کرتے دیکھ رہی تھی۔ وہ جسم کا بوجھ کبھی ایک پاؤں پر منتقل کرتی اور کبھی دوسرے پاؤں پر اور پھر بالوں میں انگلیاں لہراتی۔ اُس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

''لیکن سر روم کس لیے؟'' بالآخر وہ بولی۔ ''اور وہ بھی ان دنوں میں؟''

''ٹوتھ پیسٹ، برش، ریزر......''

''سر، آج آپ کو وائٹ ہال جانا ہے۔ آپ یہ غیر ذمے داری......''

''تم وہاں ہیری کو بھیج دینا۔'' فلپ برینن نے بیگ کی زپ لگاتے ہوئے کہا۔ ''یہ کوئی اہم کام نہیں۔ میرا کام ویسے بھی محض ایک آبزرور کا ہے۔ تم کوئی بھی عذر پیش کر دینا۔ اس فن میں تو تم ویسے بھی طاق ہو۔ میں کل لنچ تک واپس آجاؤں گا۔''

سیکرٹری کے لہجے میں اب بے بسی تھی۔ ''لیکن سر، آپ کم از کم مجھے یہ تو بتا دیں کہ وہاں آپ کو کس سے ملنا ہے۔''

''اگر میں کہوں کہ مجھے وہاں ایک پاگل راہب سے ملنا ہے تو تم یقین کر لو گی؟'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

سیکرٹری نے کندھے جھٹک دیے۔ دل میں اس نے سوچا...... ہاں، بالکل یقین کر لوں گی۔ پچھلے ایک ہفتے سے جو آپ کی حرکتیں ہیں ان کے پیش نظر تو ہر بات پر یقین کیا جا سکتا ہے۔

''ٹھیک ہے۔ اب کل ملاقات ہوگی۔'' فلپ نے کہا اور بیگ کو کندھے سے لٹکا کر کمرے سے نکل گیا۔ اُس کی پیشانی پر کراس کی شکل کی چھوٹی بینڈ تیج تھی۔ آنکھ کے نیچے بڑے نیل کو چھپانے کے لیے اُس نے سیاہ شیشوں والا چشمہ لگا لیا تھا۔

سیکرٹری اسے گیراج میں لے جانے والی لفٹ میں جاتا دیکھتا رہی۔ پھر وہ دھم سے فلپ برینن کی کرسی پر گر گئی۔ اُس نے کرسی کو گھمایا اور امریکا کی سرکاری مہر کو گھورتی رہی۔ پھر وہ سامنے رکھے دونوں ٹیلی فونز کو چھیڑنے لگی۔ اُس کے بعد اُس نے انٹرکوم کو لٹو کی طرح گھمایا، اور آخر میں میز پر طبلہ بجانے لگی۔

''یہ ہوتا ہے پریشر۔'' وہ بلند آواز میں بڑبڑائی۔ ''پریشر بڑھ جائے تو یہ حال ہو جاتا ہے آدمی کا۔ خدا کا شکر ہے کہ میں محض ایک سیکرٹری ہوں۔ بڑے بڑے وبالوں سے محفوظ ہوں۔''

وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی اور کرسی کو تھپ تھپایا۔ ''میں تمہیں اپنے قابل نہیں سمجھتی۔ مجھے تم پر کبھی نہیں بیٹھنا۔'' اُس نے کہا اور اپنی میز کی طرف بڑھ گئی۔

٭

چھوٹا جیٹ جنوب مشرق کی سمت پرواز کر رہا تھا۔ اس وقت وہ فرانس پر سے گزر رہا تھا۔ فلپ برینن نے پیشانی کی بینڈ تیج کو دبایا۔ بینڈ تیج کے نیچے اسے ٹانکوں کی موجودگی کا احساس ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ پیشانی پر ہلکا سا نشان رہ جائے گا۔ لیکن اس کا چہرہ بدنما نہیں ہوگا۔ فلپ برینن کو اس بات کی پروا نہیں تھی۔ اسے تو دماغ پر رہ جانے والے بدنما نشان کی فکر تھی، جو آسانی سے مٹنے والا نہیں تھا۔

اُس نے اپنی جیب سے ٹیلی گرام نکالا اور ایک بار پھر اسے پڑھنے لگا۔ وہ ایک جذباتی التجا تھی، جو مشینی حروف کے پردے میں چھپی تھی۔ پادری مر رہا تھا اور مرنے سے پہلے اُس سے ملنا چاہتا تھا۔ اُس نے ہاسپٹل کے ایڈریس کو دیکھا۔ وہاں پہنچنا دشوار نہیں تھا۔

اُس نے کھڑکی سے باہر جھانکا تو اسے احساس ہوا کہ جہاز ایک جانے پہچانے روٹ پر پرواز کر رہا ہے۔ اُس سے پہلے رابرٹ تھورن، فادر ڈولان اور مائیکل فن بھی اسی روٹ پر پرواز کر چکے تھے۔

اُس نے اسٹیوارڈ کو بلا کر اپنے لیے ڈرنک لانے کو کہا۔ پھر وہ آپ ہی آپ بڑبڑایا۔ ''لیکن ابھی تو میرا جذبہ سرد نہیں ہوا ہے۔ پھر اس کی

کیا ضرورت ہے؟''

''جی سر کیا کہا آپ نے؟''اسٹیوارڈ گڑبڑا گیا۔

''کچھ نہیں۔تم جاؤ۔''

جیٹ نے بیرونی رن وے پر لینڈ کیا۔فلپ بریٹن نے جلدی سے رسمی تکلفات سے جان چھڑائی اور کار کی طرف چل دیا، جو اُس نے پہلے ہی کرائے پر حاصل کرلی تھی۔اُس کی سیکرٹری نے فون کے ذریعے تمام رکاوٹیں پہلے ہی دور کرادی تھیں۔تاکہ اس کا وقت ضائع نہ ہو۔اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ روم کے سفارت خانے کو جو اُس نے اپنی آمد کا راز رکھنے کی ہدایت کی ہے، وہ اُس کے بارے میں کیا سوچیں گے۔ویسے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اسے زیادہ اہمیت نہ دیں۔ان کی اپنی مصروفیات،اپنے مسائل کم تو نہیں ہیں۔

مشرق کی سمت دو گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد وہ اُس گاؤں میں پہنچا۔اسپتال سڑک سے ہٹ کر تھا اور نظر نہیں آرہا تھا۔اُس نے سائن بورڈ کو دیکھا اور کراہ کر رہ گیا۔یہ تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ دماغی امراض کا اسپتال ہوگا۔

اُس نے کار داخلی دروازے پر روکی اور پشت گاہ سے ٹیک لگا کر سرد آہ بھری ایک بار پھر اُس نے اپنا قیمتی وقت ضائع کیا تھا۔اُس نے تصور میں خود کو بستر پر دراز ایک بہت بوڑھے شخص سے باتیں کرتے دیکھا تھا۔بوڑھے شخص نے اسے دعا دی اور عزت کے ساتھ مر گیا۔پھر قبر پر پھول ڈالنے کا مرحلہ.....مگر یہاں تو اُس کا واسطہ ایک سچ مچ کے پاگل سے پڑنے والا تھا۔

اُس نے غصے سے اسٹیئرنگ کو پوری طاقت سے گھمایا۔مگر ایسے غصہ کہاں کم ہوتا ہے۔

اسپتال کی ایک منزلہ عمارت چھوٹی سی تھی۔اُس میں چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں تھیں۔وہ اندر داخل ہوا تو خوف زدہ تھا۔اور یہ کوئی غیر فطری بات نہیں تھی۔اگر انہوں نے اسے بھی پکڑ کر پاگل خانے میں بند کردیا تو کیا ہوگا؟ کبھی کسی کو اُس کا سراغ بھی نہیں مل سکے گا۔لندن میں......لندن کیا، دنیا میں کسی کو بھی نہیں معلوم کہ اس وقت وہ کہاں ہے۔

وہ دل ہی دل میں اپنی اس غیر ذمے دارانہ رازداری کو کوس رہا تھا۔تاہم استقبالیہ کلرک کو اس نے بڑی خوب صورت مسکراہٹ سے نوازا۔''میرا نام فلپ بریٹن ہے،اور میں فادر ڈی کارلو سے ملنے کے لیے آیا ہوں۔''

''ایک منٹ انتظار کریں سر۔''

ایک منٹ بعد راہ داری میں ایک جوان آدمی نمودار ہوا۔بریٹن نے اسے پہچان لیا وہ برادر فرانس تھا۔اسے دیکھ کر فلپ کو احساس جرم ستانے لگا۔اگر اس نے پہلے ہی اُس کی بات کو اہمیت دی ہوتی تو کئی انسانی جانیں بچ سکتی تھیں۔

''آپ نے اتنے طویل سفر کی زحمت اٹھائی۔میں شکر گزار ہوں۔''برادر فرانس نے اس سے ہاتھ ملایا۔پھر اسے لپٹا لیا۔چند لمحے بعد فلپ پیچھے ہٹا تو اُس نے دیکھا کہ راہب کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''کیا حال ہے اس کا؟''فلپ بریٹن نے پوچھا۔

''بس کچھ دیر کی بات ہے۔ پھر انہیں دائمی سکون مل جائے گا۔'' برادر فرانس نے کہا۔ پھر اُس کا ہاتھ تھام کر راہ داری میں چلنے لگا۔

''مگر وہ یہاں کیوں ہے؟ کیا......'' فلپ سے بات پوری نہیں کی گئی۔ دماغی امراض کے اسپتال کا سوچ کر ہی اُس کے تصور میں مزاحمت کرتے مریض اور الیکٹرک شاک لگاتے ہوئے ڈاکٹر در آئے تھے۔

''وہ شور مچاتے تھے کہ دنیا کے اختتام کا وقت آ پہنچا ہے۔ وہ انگلینڈ کے کسی گاؤں بھیجنے کے لیے رضا کار طلب کرتے تھے۔ ہم نے بہت کہا کہ ہم وہیں خانقاہ میں ان کی دیکھ بھال کر لیں گے۔ مگر وہ ضد کر کے انہیں یہاں سے لے آئے۔''

فلپ برینن پوچھنا چاہتا تھا کہ وہ ضد کرنے والے کون تھے۔ لیکن اُس نے پوچھا نہیں۔ وہ خاموشی سے راہب کے ساتھ چلتا رہا۔ اسپتالوں میں ہمیشہ اُس کی مخصوص کیفیت ہو جاتی تھی۔ وہ سوچتا کہ یہاں جو لوگ موجود ہیں، وہ ہمدردی کے مستحق ہیں۔ اور اُس کا دم بھی گھٹتا تھا۔ وہ جلد از جلد وہاں سے نکل کر کھلی ہوا میں پہنچ جانا چاہتا تھا۔

راہب کو شاید اُس کے انداز سے اُس کے محسوسات کا پتا چل گیا۔ اُس نے مضبوطی سے اُس کا بازو تھام لیا۔

وہ سیڑھیاں اتر کر بیس منٹ کے ایک کاری ڈور میں پہنچے۔ وہاں خنکی تھی۔ لیکن روشنی بہت کم تھی۔ شاید اس لیے کہ انتظامیہ نہیں چاہتی ہوگی کہ وزٹرز کو صاف نظر آئے۔

برادر فرانس نے کاری ڈور کے اختتام پر ایک دروازے پر دستک دی۔ سبز یونیفارم پہنے ایک میل نرس نے جھانکا، سر کو تفہیمی جنبش دی اور پھر ایک طرف ہٹ کر انہیں اندر آنے کا راستہ دیا۔ فلپ برینن کو کمرے کی فضا میں کاربولک ایسڈ کی بو محسوس ہوئی۔

وہ دونوں کمرے میں داخل ہوئے۔ کمرا کیا، وہ محض ایک کوٹھری تھی۔ اس میں ایک پلنگ، ایک واش بیسن اور ایک ٹوائلٹ تھا۔ فلپ نے کھڑکی کی طرف دیکھا۔ کھڑکی میں سلاخیں تو نہیں تھیں۔ لیکن وہ اتنی تنگ تھی کہ اس میں سے کوئی فرار نہیں ہو سکتا تھا۔

پلنگ پر پڑے جسم میں کسمساہٹ نظر آئی۔ ایک ہاتھ اوپر اٹھا ''مسٹر برینن'' آواز میں ایسی نقاہت تھی کہ اسے بہ مشکل سنا جا سکتا تھا۔

فلپ برینن نے جھکتے ہوئے وہ استخوانی ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ فادر ڈی کارلو کے چہرے پر بھی ہڈیوں کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اُس کا ذہن جیسے ایک تاریک خلا تھا۔ اُس کی سرد جلد سے ہاتھ مس ہوا تو فلپ کے جسم میں تھرتھری سی دوڑ گئی۔ یہ وہ شخص تھا، جس نے اپنے تئیں دنیا کو تباہی سے بچانے کی کوشش کی تھی۔ بے چارہ...... دیوانہ! اور اس کا صلہ اسے کیا ملا تھا۔ پاگل خانے کی تنہائی میں موت کا انتظار!

''بیٹھ جاؤ مسٹر برینن۔'' راہب راہ داری سے ایک کرسی اٹھا لایا تھا۔

''مجھے افسوس ہے کہ آپ سے اس حال میں ملاقات ہوئی۔'' فلپ نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

ڈی کارلو نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اپنی ہمدردی ان لوگوں کے لیے بچا رکھو، جنہیں اس کی ضرورت ہے۔'' وہ نحیف آواز میں بولا۔

دونوں چند لمحے خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر ڈی کارلو نے پوچھا۔ ''تم مذہبی آدمی تو نہیں ہو مسٹر برینن۔''

فلپ برینن نے نفی میں سر ہلایا۔

''تو پھر یہاں کیوں آئے ہو؟''

فلپ نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔''میں نے آپ کے نوٹس پڑھے تھے۔اور وہ خطوط بھی۔میری تو کچھ سمجھ میں نہیں......''

''یہ آسانی سے سمجھ میں آنے والی باتیں نہیں ہیں۔''

''دیکھیں، میں شیطنت پر تو یقین کر سکتا ہوں، شیطان پر نہیں۔''

''تو پھر میں دوبارہ پوچھنے پر مجبور ہوں کہ تم یہاں کیوں آئے ہو؟''

''شاید انسانی ہمدردی کے تحت۔''

''ڈی کارلو نے نفی میں سر ہلایا۔

''تو پھر شاید تجسس مجھے کھینچ لایا ہے۔''

ڈی کارلو مسکرایا۔فلپ برینن کو احساس ہوا کہ اُس کی یہاں آمد کا سبب شاید خالص خود غرضانہ ہے۔وہ شرمندہ ہو کر اپنے جوتوں کو دیکھنے لگا۔

''مجھے لگتا ہے کہ میں پاگل ہو رہا ہوں۔'' یہ اعتراف شاید وہ کسی اجنبی ہی کے سامنے کر سکتا تھا۔فوری طور پر اسے یہ خوش آئند احساس ہوا کہ اُس کے دل و دماغ پر سے کوئی بھاری بوجھ ہٹ گیا ہے۔

''میری طرف دیکھو۔'' ڈی کارلو نے کہا۔

فلپ برینن نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔کیسی عجیب بات تھی۔وہ اپنے پاگل پن کا اعترف ایک ایسے شخص کے روبرو کر رہا ہوں، جسے پاگل قرار دے کر پاگل خانے میں بند کر دیا گیا تھا۔

''تم ایسا کیوں سوچتے ہو؟''

فلپ برینن اسے اپنے ڈراؤنے خوابوں کے بارے میں بتانے لگا۔ابتدا میں اُس کے انداز میں ہچکچاہٹ اور بے یقینی تھی۔وہ بار بار کندھے جھٹکتا، معذرت خواہانہ انداز میں مسکراتا۔لیکن ہر گزرتے لمحے کے ساتھ وہ پراعتماد ہوتا گیا۔اُس کے انداز میں روانی آ گئی۔اُس نے مصلوب بچے کے بارے میں بتایا، اور اس مکروہ بدبودار بچے کے بارے میں بتایا، جس کے جسم پر جانوروں کی طرح بڑے بڑے بال تھے۔اُس نے سب کچھ بتایا......

ڈی کارلو نے زور لگایا اور کہنی کے بل اٹھ بیٹھا۔پھر اُس نے فلپ کے ہاتھ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔''ان برے خوابوں کے لیے انگریزی میں کیا لفظ ہے، جو خواب نہیں، حقیقت ہوں؟''

''فریبِ خیال......دماغی واہمہ۔''

ڈی کارلو نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔''شیطان کو بہت زیادہ طاقتیں دی گئی ہیں۔فاصلے اُس کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں۔وہ خیال کو گندا کر سکتا ہے برے خیال تو ہوتے ہی اُس کی طرف سے ہیں۔اور دجال......اینٹی کرائسٹ انسانوں کے دماغ کو تباہ کر سکتا ہے۔بلکہ ایک بات بتاؤں، وہ

جانوروں پر بھی غلبہ پاسکتا ہے۔'' اُس نے گہری سانس لی۔ اتنا زیادہ بولنے کی وجہ سے وہ نڈھال ہوگیا تھا۔ ''شیطان کی طاقت انسان کو پاگل کرسکتی ہے...... خاص طور پر ایسے انسانوں کو جن کا خدا سے رابطہ نہ ہو۔ جو ایمان سے محروم ہوں۔ تمہیں ڈیمین تھورن سے پہلے والا امریکی سفیر یاد ہے۔ اُس کا نام ڈوائل تھا۔''

فلپ برینن نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ڈیمین تھورن کو سفیر کا عہدہ حاصل کرنے کے لیے اُس سے جان چھڑانی تھی۔ سو اُس نے اُس کے دماغ پر غلبہ حاصل کیا اور اسے پاگل بنا دیا ڈوائل نے خودکشی کر لی تھی۔ خودکشی کی وجہ آج تک کوئی نہیں سمجھ پایا۔''

''جنہیں دیوتا تباہ کرنا چاہیں تو پہلے وہ انہیں پاگل کر دیتے ہیں۔' فلپ بڑبڑایا۔

''نہیں بیٹے۔'' دیوتا نہیں۔''

برادر فرانسس دروازے کے پاس کھڑا تھا۔ ڈی کارلو نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور لرزتا ہوا ہاتھ اٹھا کر اشارے سے اسے پاس بلایا۔ اس وقت اسے دیکھ کر فلپ برینن کو کسی مرتے ہوئے پرندے کا خیال آیا

برادر فرانسس نے اپنے لبادے میں ہاتھ ڈالا ایک چرمی تھیلی برآمد کی۔ وہ تھیلی اُس نے فادر ڈی کارلو کو دے دی۔

فادر ڈی کارلو نے تھیلی کو کھولا اور اس میں سے ایک خنجر نکالا۔ ''اسپتال والے۔ اب اسے میرے پاس نہیں رہنے دیتے۔'' اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''اس لیے یہ برادر فرانسس کی تحویل میں رہتا ہے۔

فلپ برینن دستے پر کندہ مسیح کی شبیہ کو سحر زدہ سا دیکھ رہا تھا۔

''یہ وہ خنجر ہے، جس نے ڈیمین تھورن کی جسمانی زندگی کا خاتمہ کیا تھا۔'' فادر ڈی کارلو نے کہا۔ اور ایک لمحے کے توقف کے بعد بولا۔ ''اب اسے ایک بار پھر استعمال ہونا ہے۔'' اُس نے خنجر کو پھل کی طرف سے تھام کر فلپ کی طرف بڑھایا۔

فلپ کا ہاتھ دستے پر جم گیا۔

''کرائسٹ کے جسم کو تھامے رہو۔'' ڈی کارلو نے کھانستے ہوئے کہا۔ پھر وہ لیٹ گیا۔ ''تم جانتے ہو کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔ دیکھو وقت بہت کم ہے۔ قبیلوں کے جارح ہاتھ ایک دوسرے کے گلوں پر ہیں۔ جلد ہی سب کچھ ختم ہوجائے گا۔'' اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔

فلپ برینن اُس کی سرگوشی سننے کے لیے اُس کی طرف جھکا۔ ''زمین کے باسیوں پر وقت کڑا ہے۔ کیونکہ شیطان ان پر چھا گیا ہے اور وہ بڑے غیظ و غضب میں ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اُس کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔'' ڈی کارلو بڑبڑا رہا تھا۔

پھر اُس نے آنکھیں کھولیں اور ڈی کارلو کو گھورنے لگا۔ ''سمجھے مسٹر برینن، اُس کے پاس وقت بہت کم رہ گیا ہے۔'' اُس نے دہرایا۔ ''سو تم اُس کا خاتمہ کر دو۔ اپنے ہاتھوں میں تھام کر کرائسٹ کے جسم کو محسوس کرو......'' اُس کی آنکھیں دھندلا گئیں اور گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔

فلپ برینن اٹھ کر کھڑا ہوا اور پلنگ سے دور ہٹا۔ ''میں تمہارے جیسے ایمان سے محروم ہوں فادر۔'' اس نے کہا۔ ''لیکن میری خواہش ہے

کہ تمہیں سکون حاصل ہو۔''

''یہ تو اب تمہارے ہاتھ میں ہے۔''

فلپ دروازے کی طرف بڑھا۔

''اور ہاں......'' نحیف آواز نے پکارا۔''یاد رکھنا، تمہارے ڈراؤنے خواب شیطان کی کارروائی ہیں۔لیکن زندہ مسیح پر یقین رکھنا۔ وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا۔''

فلپ نے سر کو تفہیمی جنبش دی اور برادر فرانس کے پیچھے کمرے سے نکل آیا۔ میل نرس نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا۔ کاریڈور میں بڑھتے ہوئے اسے فادر ڈی کارلو کی گھٹی گھٹی آواز سنائی دی۔ وہ موت کی کھڑکھڑاہٹ تھی۔ فلپ کا جسم لرزا۔ اُس نے خدا کا شکر یہ ادا کیا کہ اُس نے موت کو فادر پر جھپٹتے نہیں دیکھا۔

٭

شمال کی سمت ڈرائیو کرتے ہوئے فلپ برینن غیر معمولی طور پر پرسکون تھا۔ اُس نے خنجر کی طرف دیکھا، جو برابر والی سیٹ پر پڑا تھا۔ اسے دیکھ کر اس نے طمانیت کی سانس لی۔ وہ خنجر اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ پاگل نہیں ہے۔ اُس کے ڈراؤنے خواب شیطان کی طرف سے تھے بات اب سمجھ میں آنے لگی تھی۔ کڑیوں سے کڑیاں مل رہی تھیں۔

مگر چند لمحے بعد اُس نے سوچا کہ اگر یہ بات اس کی سمجھ میں آ رہی ہے تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ واقعتاً پاگل ہے۔ کیونکہ کوئی پاگل ہی اس دیو مالا پر یقین......

وہ مسکرایا۔ یہ شیطان کا ایک اور حملہ ہے۔ مگر اب میں اُن کی چالوں کو سمجھنے لگا ہوں۔ اُنے عقب نما آئینے میں اپنے عکس کو دیکھا وہاں کوئی بال دار، بدبودار گھناؤنا بچہ نہیں تھا۔ اُس کا اپنا مسکراتا ہوا چہرہ تھا!

٭

پچھلے پریس آفیسر کی طرح کینتھ ایوانز بھی میٹروپولیٹن پولیس کا اسسٹنٹ کمشنر تھا۔ فلپ برینن کی ایمبیسی میں لنچ کی دعوت اُس کے لیے حیران کن تھی۔ کیونکہ بہ ظاہر ایسی کوئی وجہ نہیں تھی کہ سفیر بذات خود اسے مدعو کرتا۔

کینتھ چند بار فلپ سے مل چکا تھا، اور وہ اسے اچھا بھی لگا تھا۔ وہ بہت خوش مزاج اور من موہنا آدمی تھا۔ بناوٹ اور غرور اس میں نام کو بھی نہیں تھا۔ سیاست دانوں والا چھل اور ٹیڑھا پن اگر اُس میں تھا بھی تو وہ اسے بے حد کامیابی سے چھپاتا تھا

کینتھ کمرے میں داخل ہوا تو فلپ برینن اُس کی پزیرائی کے لیے کرسی سے اٹھا۔ انہوں نے ہاتھ ملائے۔ ''میں معافی چاہتا ہوں کہ اتنے برے حال میں تم سے مل رہا ہوں۔'' فلپ نے کہا۔

''کوئی بات نہیں سر۔'' کینتھ نے مزاحیہ لہجے میں کہا ''سیٹ بلیٹ باندھے بغیر بہت تیز ڈرائیونگ کے بعد ایسا ہی ہوتا ہے۔

''تمہاری بات خطرناک حد تک درست ہے۔''

لنچ کی ٹرالی لائی گئی اور وہ دونوں کھانے کے لیے بیٹھ گئے۔ پہلے تو ان کے درمیان شہری علاقے میں ہونے والے لائی فسادات کے بارے میں بات ہوتی رہی۔ پھر سیاسی مظاہروں کا موضوع نکلا اور بات ٹریفلگر اسکوائر کے سانحے تک پہنچی۔ بالآخر کینتھ کا پسندیدہ ترین موضوع چھڑ گیا......فٹ بال!

ایک گھنٹا گزر گیا۔ کینتھ ایوانز کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیوں مدعو کیا گیا ہے۔

کافی کے دوران فلپ برینن نے اس کو تفصیلاً بتایا کہ وہ اُس سے کس طرح کی مدد چاہتا تھا۔

ایوانز سوچ میں پڑ گیا۔ ''پانچ خنجر؟ یہی کہا ہے نا آپ نے؟''

''ہاں......اور ایک چیسے۔ میرا خیال ہے، وہ تمہارے بلیک میوزیم میں موجود ہیں۔ اب بات یہ ہے کہ چند برس پہلے وہ شکاگو کے ایک تباہ ہونے والے میوزیم کے ملبے میں سے برآمد ہوئے تھے۔ اب ہمارا میوزیم کچھ عرصے کے لیے انہیں اپنی نمائش میں رکھنا چاہتا ہے۔ اس نمائش کے بعد وہ تمہیں واپس مل جائیں گے۔''

''میں یقین سے نہیں کہہ......''

''کیس سے متعلق تمام معلومات مع نشاناتِ انگشت فائلوں میں موجود ہیں۔ خنجر بالکل صاف ہیں۔''

کینتھ ایوانز نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ان کی ضرورت اسی صورت میں پڑ سکتی ہے کہ اس سلسلے میں مشتبہ شخص کو گرفتار کرنا ہو۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''

''جبکہ آئندہ چند ہفتوں کے دوران ایسی کسی بات کا کوئی امکان نہیں ہے۔'' فلپ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یہ بھی درست ہے۔'' کینتھ بھی مسکرانے لگا۔

''لیکن اگر تمہیں ان خنجروں کی ضرورت پڑتی ہے تو انہیں فوری طور پر واپس کر دیا جائے گا۔ میں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں۔''

''میں اصرار کروں گا سر کہ انہیں کسی بھی صورت میں نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔ انہیں حفاظت سے رکھا جائے گا۔''

''میں اس کی بھی ضمانت دیتا ہوں۔''

''تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ وہ خنجر آپ کو نہ دیے جا سکیں......''

''بہت خوب۔ میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ تمہارا بہت بہت شکریہ۔ میوزیم والے بھی تمہارے احسان مند ہوں گے۔''

وہ پھر فٹ بال کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ کوئی بیس منٹ بعد کینتھ ایوانز جانے کے لیے اٹھا۔ دل میں وہ سوچ رہا تھا کہ آخر سفیر کو ان خنجروں کی کیا ضرورت پڑ گئی۔

باہر نکل کر اپنی کار میں بیٹھتے ہوئے۔ وہ بلند آواز میں بڑبڑایا۔ ''خیر...... مجھے اس سے کیا۔''

اور یہ حقیقت تھی۔ وجہ چاہے کچھ بھی ہو، ان خنجروں کی وجہ سے اس کا احسان مند رہے گا، اور یہ شہری پولیس کے ایک معمولی اسسٹنٹ کمشنر کے لیے کوئی معمولی بات نہیں۔ کبھی وہ بڑا فائدہ بھی حاصل کر سکتا ہے۔

......✿......

''مارگریٹ۔''

وہ پورے گھر میں مارگریٹ کو پکارتا پھر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ گھر میں نہیں ہے۔ شاید ابھی شاپنگ کر کے واپس ہی نہیں آئی ہے۔ لیکن یہ بات یقینی طور پر جاننا اُس کے لیے بے حد ضروری تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ اچانک آئے اور پھر اُس سے سوال کرے۔ کیونکہ وہ اُن کے جوابات کو قبول نہیں کرے گی۔

''اُس نے اپنے لیے برانڈی کا ایک بڑا جام بنایا اور ہال وے میں ٹہلنے لگا۔ بار بار وہ گھڑی پر نظر ڈالتا۔ اسے احساس تھا کہ وہ کچھ زیادہ ہی پی رہا ہے۔ لیکن کوئی بات نہیں۔ اس معاملے کو نمٹا کر وہ اپنی مے نوشی پر قابو پائے گا۔ مگر موجودہ صورتِ حال میں یہ ممکن نہیں۔

''کم آن، کم آن۔'' وہ بڑبڑایا۔ اُس کے لہجے میں بے تابی تھی۔ کینیتھ ایوانز نے چھ بجے تک پیکٹ بھجوانے کا وعدہ کیا تھا۔

اطلاعی گھنٹی بجی تو وہ لپکا اور دروازہ کھولا۔ باہر پولیس کے محکمے کا قاصد کھڑا تھا۔ اُس نے اُس سے رسید پر دستخط لیے، پیکٹ دیا اور سلیوٹ کر کے اپنی موٹر سائیکل پر واپس چلا گیا۔

فلپ برینن دروازہ بند کر کے پھر اسٹڈی میں چلا گیا۔ اُس نے دروازہ بند کیا اور ریپنگ کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر پیکٹ کو بڑے سلیقے سے پیک کیا گیا تھا۔ اور کچھ اُس کی جلد بازی کی وجہ سے بھی دشواری ہو رہی تھی۔ وہ جھنجھلانے لگا۔

بالآخر اُس نے قینچی نکالی اور اسے کاٹ ڈالا۔ کام بے ترتیبی سے ہوا۔ لیکن ہو گیا۔ پیکٹ کھولنے میں ایک خنجر نے اُس کی ہتھیلی پر خراش ڈال دی۔ پیکٹ اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا میز سے جا لگا۔ خون بڑی روانی سے بہہ رہا تھا۔

خنجر فرش پر گرے ہوئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک پر ایک لیبل لگا تھا۔ ایک خنجر نوک کے بل گرا تھا۔ اس کی تیزی کا یہ عالم تھا کہ وہ پکے فرش میں بھی ایک انچ دھنس گیا تھا۔ اُس کا دستہ جھول رہا تھا۔ ایسے میں لیبل پرچم کی طرح لگ رہا تھا۔

اُس نے خنجر کو نکالنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اُس کے ہاتھ کا بہتا ہوا خون خنجر کے دستے پر گر رہا تھا۔ اسے احساس ہوا کہ خون کا جریان بہت تیز ہے تو وہ بڑبڑاتا ہوا واش روم کی طرف لپکا۔ پٹی باندھتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ خنجر نے ہاتھ کی اس لکیر پر خراش ڈالی ہے، جسے دست شناسی زندگی کی لکیر کہتے ہیں۔ وہ انقطاعی لکیر اس مقام پر بنی تھی، جو ادھیڑ عمری کا مقام کہلاتا ہے۔

وہ پھر بڑبڑاتا ہوا اسٹڈی میں چلا گیا۔ فرش میں گڑا ہوا خنجر اب بھی جھول رہا تھا۔ اس کا دستہ اُس کے خون سے آلودہ ہو رہا تھا۔ اُس نے خنجر کو کھینچ کر باہر نکالا اور ٹشو پیپر کی مدد سے دستے پر لگے خون کو صاف کیا۔ خون دستے پر ابھرے ہوئے کرائسٹ کے چہرے اور گلے سے گرا تھا۔ وہ خنجر

کو لے کر واش روم گیا۔ وہاں اُس نے دستے کو اچھی طرح دھویا اور پھر تولیے سے خشک کیا۔ پھر وہ اسٹڈی میں واپس آیا۔ اُس نے اپنی میز کی دراز کھولی اور اُس میں سے وہ خنجر نکالا جو فادر ڈی کارلو نے اسے دیا تھا۔ اُس نے اسے دوسرے خنجروں کے درمیان ترتیب میں رکھ دیا۔ ان خنجروں کے دستے ترتیب سے رکھنے پر صلیب کی شکل بنا رہے تھے۔

کرائسٹ کے ان ایک جیسے چہروں پر ایک جیسا کرب تھا۔ وہ انہیں ٹکٹکی باندھے دیکھے جا رہا تھا۔ نظر ہٹانا اُس کے لیے ناممکن ہو گیا تھا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا، جیسے وہ آگ کے کسی روشن الاؤ کو دیکھ رہا ہو۔ اس کی کیفیت کسی تنویم زدہ معمول کی سی تھی۔

اسے نہیں معلوم کہ وہ وہاں کتنی دیر کھڑا رہا۔ بہر حال داخلی دروازہ کھلنے کی آواز نے اسے چونکا دیا...... بلکہ ہڑبڑا دیا۔ وہ بہت تیزی سے حرکت میں آیا۔ اُس نے خنجر اکٹھے کیے اور انہیں دراز میں ٹھونس دیا۔ پھر اپنی بیوی کے ہیلو کے جواب میں ہیلو کہنے کے بعد وہ سوچنے لگا کہ اب وہ کیا کرے گا۔

⁂

وہ اس سال کا گرم ترین دن تھا۔ ریڈیو پر ہوا میں زرگل کی مقدار کا اشاریہ بتاتے ہوئے موسمیاتی رپورٹر کی سانسیں رکنے لگی تھیں۔

پال بوہر لڑکے کے ساتھ پیری فورڈ میں چہل قدمی کر رہا تھا۔ کتا ان دونوں کے پیچھے پیچھے کسی پہرے دار کی طرح چل رہا تھا۔ فضا میں معمول کی تمام آوازیں رچی ہوئی تھیں۔ مکھیوں کی بھن بھناہٹ، جھینگروں کی آواز اور پرندوں کے چہچہے۔

پال بوہر قدرت کے اس آرکسٹرا کے بارے میں خواب ناک انداز میں سوچ رہا تھا کہ لڑکے کی چھینک اسے حقیقت کی دنیا میں واپس کھینچ لائی۔

''بلیس یو۔'' اُس نے خودکار انداز میں کہا۔ لہجے میں مسخرا پن تھا۔

لیکن لڑکے کو ہنسی نہیں آئی۔ وہ زرد رو اور تھکا تھکا لگ رہا تھا۔ اور عجیب بات تھی، وہ کتنا ہی تیز دھوپ میں چل پھر لے، اس کی رنگت پر زردی ہی غالب رہتی تھی، بلکہ دھوپ میں وہ اور کمزور لگنے لگتا تھا۔ اُس کے رخساروں میں گہرے گڑھے تھے اور آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے۔

''اُس میٹنگ کے سلسلے میں اور کچھ کیا جا سکتا ہے؟'' لڑکے نے پوچھا۔

''نہیں۔ اب کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ زمین اچھی طرح ہموار کر لی گئی ہے۔''

''یعنی فصل کاٹنے کا وقت آ پہنچا؟''

پال بوہر نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ آخر اس بات کا مطلب کیا ہے۔ مگر اس وقت لڑکا چلتے چلتے اچانک رک گیا، جیسے کسی نے عقب سے پکڑ کر اسے روک دیا ہو۔ وہ پلٹا اور درختوں کی قطار کی طرف دیکھنے لگا۔

پال بوہر نے بھی اُس کی نظروں کے تعاقب میں اُس طرف دیکھا۔ کوئی آدھا میل دور جنگل میں اسے کسی چیز پر دھوپ پڑ کر منعکس ہوتی دکھائی دی۔

کتے کے حلق میں غراہٹیں نکلنے لگیں۔ اُس کی پشت پر بال کھڑے ہو گئے تھے۔

''اس نے اپنے چچے کو بھیجا ہے مجھ سے لڑنے کے لیے۔'' لڑکے نے کہا۔ ''خدا کے بیٹے کا ایجنٹ مجھے تباہ کرنے کے لیے آیا ہے۔''

کتا آگے بڑھا...... اور پھر اُس روشنی کی طرف دوڑنے لگا۔ لڑکا اسے دیکھتا رہا۔

''میں ہر جگہ...... ہر جگہ اُس کی موجودگی محسوس کرتا ہوں'' لڑکے نے سرگوشی میں کہا۔ ''وہ میری روح میں سرایت کرتا ہے۔ اُس کا تقویٰ میری ہڈیوں کے گودے تک میں اترتا محسوس ہوتا ہے۔''

پال بوہر پر لرزہ طاری ہونے لگا۔ کیونکہ یہی سب کچھ خود اسے بھی محسوس ہو رہا تھا۔ ہر رات جب وہ ذرا بے خبری میں ہوتا تو اُس کے وجود میں اُس کی آواز گونجنے لگتی۔ لیکن صبح جب اُس کا شعور بیدار ہوتا تو وہ آواز معدوم ہو جاتی۔ ایسے میں اُس کے پاس ایسے خواب رہ جاتے جو کسی حد تک یاد ہوتے اور کسی حد تک مٹ گئے ہوتے۔

کتا جھاڑیوں میں غائب ہو گیا تھا۔ لڑکے نے پلٹ کر حویلی کی طرف دیکھا۔ ''میرے لیے دعا کرو پال۔ چیلوں سے بھی میرے لیے دعا کرنے کو کہو۔ مجھے ان کی تمام طاقت چاہیے۔ یہ میری ضرورت ہے۔''

''لڑکا حویلی کی طرف چل دیا۔ پال بوہر اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ لڑکے کی چال بڈھے لوگوں کی سی تھی۔ تھکی تھکی، نڈھال نڈھال۔ اُس نے سر گھما کر پہاڑی کی طرف دیکھا۔ وہ روشنی اب بھی چمک رہی تھی۔ بوہر چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر وہ بھی پلٹ کر حویلی کی طرف چل دیا۔ اتنی گرمی کے باوجود اسے سردی لگ رہی تھی۔

٭

دوربین اپنے تسمے سے بندھی فلپ برینن کے گلے میں جھول رہی تھی۔ اُس نے ایک گہری سانس لی اور نمی سے بوجھل ہوا کو پھیپھڑوں میں اُتارا۔ اُس کے جسم میں کپکپاہٹ تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ آنکھیں تھیں...... مردہ اور بے تاثر آنکھیں۔ وہ دیوار سے ٹانگیں دوسری طرف لٹکائے بیٹھا رہا۔ اُس نے پلٹ کر جنگل کی سمت دیکھا۔ اُس کے کندھے پر لدی چھوٹی بوری میں پانچ خنجر تھے اور چھٹا اس کے ہاتھ میں تھا۔

اُس نے سمجھ لیا کہ فادر ڈی کارلو جو چاہتا تھا، وہ اُس کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ بے تکی بات تھی...... خرافات تھی۔ اُس کے بارے میں سوچنا بھی پاگل پن لگتا تھا۔

وہ دیوار سے چھلانگ لگانے ہی والا تھا کہ وہ کتا دوڑتا ہوا جھاڑیوں سے نکلا اور اُس کی طرف جھپٹا۔ فلپ برینن نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ اتنا بڑا...... اتنا جسیم کتا اُس نے کبھی نہیں دیکھا تھا اور اُس کی ایک ایک حرکت اُس کی بے پناہ توانائی اور جوش کا اظہار کر رہی تھی۔ فلپ نے جلدی سے پاؤں اوپر کیے اور دیوار پر رکھے، اور توازن قائم کر کے بیٹھ گیا۔ کتا رکا نہیں۔ اُس نے خود کو دیوار سے ٹکرا دیا۔ وہ اپنے پنجے دیوار میں گاڑ کر اوپر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُس کا جبڑا فلپ برینن کے جسم سے صرف تین فٹ دور تھا۔

فلپ برینن غور سے اسے، اُس کے کھلے ہوئے جبڑے کو دیکھتا رہا۔ اُس کے اندر بار بار کتے کی طرف کودنے کی دیوانی خواہش مچلتی۔ جیسے کبھی کشتی میں بیٹھے آدمی کو سمندر دیکھ کر سمندر میں کود جانے کا خیال آتا ہے۔ جیسے بلندی سے نیچے دیکھنے پر کود جانے کی دیوانی خواہش ذہن میں سراتی ہے۔ یہ ویسی ہی خواہش تھی۔ خوف کی شدت میں ایسا ہی ہوتا ہے۔

کتا بار بار اُس پر جھپٹ رہا تھا، لیکن خاموشی سے۔ اس کے حلق سے کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ بس اُس کے دانتوں کے دیوار سے ٹکرانے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

فلپ نے آنکھیں بند کیں تو اُس کے تصور میں مصلوب بچہ ابھر آیا۔

اُس نے اس تصور سے پیچھا چھڑانے کے لیے بار بار سر کو جھٹکا۔ لیکن اب وہ سڑاند بھی اُس کے تصور میں گھس آئی تھی۔ پھر اسے احساس ہوا کہ بدبو اُس کے تصور میں نہیں، یہ نیچے اس پر جھپٹتے ہوئے کتے کے جسم سے آ رہی ہے۔

جبلی طور پر اُس نے خنجر کو ہاتھ میں لے لیا۔ دستے پر ہاتھ کی گرفت مضبوط کرتے ہوئے کرائسٹ کے سر پر موجود کانٹوں کا تاج اُس کی ہتھیلی میں چبھنے لگا۔ اس تکلیف نے اسے چونکایا اور اُس کی آنکھیں کھل گئیں۔ اُس کے ساتھ ہی فریب خیال بھی دور ہو گیا۔

اُس نے گہری سانس لی اور کتے کو دیکھا۔ کتا اب ساکت کھڑا اسے گھور رہا تھا۔ اُس کا سر ایک طرف جھکا ہوا تھا اور آنکھوں سے الجھن جھانک رہی تھی۔

''جس کا جوتا اس کے سر۔'' فلپ بریٹن بڑبڑایا۔ ''یہ شیطان کو بہت اچھا لگتا ہے۔''

پھر وہ دیوار کے دوسری طرف کود گیا۔ اُس نے خنجروں کی بوری اٹھائی اور اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔

اندر سے کتے کے رونے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ اپنی ناکامی پر رو رہا تھا۔

☆

پیٹر اسٹیونسن نے کھڑکی سے دیکھا تو پہلی لیموزین آ کر رکتی نظر آئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے گاڑی سے اترنے والے پریس فوٹو گرافرز اور ٹی وی کیمروں کے نرغے میں آ گئے۔

وہ طمانیت بھرے انداز میں مسکرایا۔ سب کچھ ٹھیک ہی ہو رہا تھا۔ اور اب جو کچھ ہوگا، وہ یقینی طور پر تاریخ کا حصہ بن جائے گا۔ اور سارا کریڈٹ اسے ملے گا۔ اس نے تن تنہا اس میٹنگ کا اہتمام کیا تھا اور ان سب کو مذاکرات کی میز پر یکجا کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اسرائیلیوں نے پہلی بار پبلک میں شامیوں اور لبنانیوں سے ہاتھ ملائے تھے۔ ان میں ایک ایسا لبنانی بھی تھا، جس کا پی ایل او سے براہ راست تعلق رہا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ تمام فریقوں نے کشادہ دلی اور عالی ظرفی کا مظاہرہ کیا تھا...... اپنے امیج اور سیاسی پوزیشن کی پرواہ کیے بغیر۔ اور اب ایک گھنٹے بعد مشترکہ اعلامیہ جاری ہونے والا تھا، جسے تاریخ کبھی بھلا نہیں سکے گی بس یہ ضروری تھا کہ اب کوئی گڑبڑ نہ ہو۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں اور جاگتی آنکھوں خواب دیکھنے لگا۔ بس ایک کمی رہ گئی تھی۔ کاش وہ کسی طرح پی ایل او والوں کو بھی قائل کر لیتا۔ لیکن وہ کام تقریباً ناممکن تھا۔

اُس نے تصور میں اخبارات کی شہ سرخیاں دیکھیں۔ اس کانفرنس کو انور السادات کے اسرائیل کے ساتھ معاہدۂ امن کے بعد امن کی جانب بہت بڑی پیش رفت قرار دیا جائے گا۔ اب وہ دعا ہی کر سکتا تھا کہ کاش یہ اس سے بھی بڑی کامیابی ثابت ہو۔

لیکن سچی بات یہ ہے کہ اسے ڈر بھی لگ رہا تھا۔ اب اگر کوئی گڑبڑ ہو جائے تو کیا ہوگا۔ خطرناک بات یہ تھی کہ اب ایٹمی اسلحے سے کوئی

بھی محروم نہیں تھا۔ اسرائیل تو بیسویں صدی میں ہی ایٹمی طاقت بن چکا تھا۔ اکیسویں صدی کی دوسری دہائی شروع ہوتے ہی شام، لبنان اور لیبیا بھی ایٹمی اسلحے سے لیس ہو چکے تھے، حتیٰ کہ کرسچن ملیشیا کے پاس بھی ایٹمی اسلحہ موجود تھا۔ ان میں سے کوئی بھی کسی کمزور لمحے میں دنیا کی تباہی کا سامان کر سکتا تھا۔

لیکن سوال یہ تھا کہ اب کیا گڑبڑ ہو سکتی ہے۔ متفقہ طور پر منظوری کے بعد معاہدے کے کاغذات تیار کرائے جا چکے تھے۔ اور اب اگلے ایک گھنٹے میں جو کچھ ہونے والا تھا، اسے محض رسمی ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔

اُس نے کنگ چارلس اسٹریٹ پر نگاہ ڈالی۔ اب اسرائیلیوں کی کار آ رہی تھی۔ پریس والے ایک بار پھر پر جوش نظر آنے لگے۔ سڑک کے دونوں کناروں پر تماشائی موجود تھے۔ لیکن اس بار کہیں کوئی بینر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ آپ ہی آپ مسکرا دیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بچوں کو بتائیں گے کہ انہوں نے تاریخی معاہدہ کرنے والوں کو کانفرنس ہال میں جاتے اور معاہدے پر دستخط کرنے کے بعد واپس آتے دیکھا تھا۔

وہ خوش تھا کہ تماشائیوں میں سب امن کے خواہاں لوگ ہیں۔ کسی کے پاس کوئی مذمتی بینر نہیں تھا۔ جو احتجاج کرنے والے تھے، وہ ٹریفلگر اسکوائر کے المیے کے بعد سوگ منانے میں مصروف تھے۔ دوسرے اب وہ لیڈر سے بھی محروم تھے۔

اُس نے ایک گہری سانس لی اور آئینے میں خود کو تنقیدی نظروں سے دیکھا۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر وہ باہر آیا اور سیڑھیوں کی طرف چل دیا۔ ایک گھنٹے کے بعد اسے قیامِ امن کے لیے ناقابلِ فراموش خدمات انجام دینے والے سیاست داں کی حیثیت سے امر ہو جانا تھا۔ اور کون جانے کہ اس کے حصے میں امن کا نوبل پرائز بھی......

٭

سیکورٹی وجوہات کے تحت فلپ برینن اپنے سیکرٹری آف اسٹیٹ کی کار میں نہیں تھا۔ اُس نے جماہی لی اور ہجوم کی طرف دیکھا۔ اسے احساس تھا کہ اس وقت کئی کیمروں کا رخ اُس کی طرف ہے۔

وہ اپنی گاڑی سے اترا فوری طور پر اسے گھیر لیا گیا۔

''مسٹر ایمبیسیڈ، آپ ان افواہوں پر کوئی تبصرہ کریں گے، جن کے مطابق آپ کو خرابی صحت کی بنیاد پر امریکا واپس بلایا جارہا ہے؟'' ایک رپورٹر نے پوچھا۔

''بالکل کروں گا۔'' فلپ نے کہا۔ ''ان افواہوں میں ذرا بھی صداقت نہیں ہے۔''

''آپ کیسا محسوس کررہے ہیں جناب؟'' دوسرے نے سوال کیا۔

''شان دار۔'' فلپ کو احساس تھا کہ اُس کی جماہی مزید افواہوں کو جنم دے گی۔

وہ کھلے دروازے سے اندر گھسا تو ان سے جان چھوٹی۔ کاری ڈور میں اس کا ایک ایڈی اُس کے آگے چل رہا تھا۔ دوسرا اُس کے پیچھے تھا۔ کانفرنس روم میں داخل ہو کر اُس نے سکریٹری آف اسٹیٹ کے پیچھے اپنی مخصوص نشست سنبھالی۔ سکریٹری آف اسٹیٹ نے پلٹ کر اسے دیکھا اور سر کے اشارے سے سلام کیا۔ لیکن اُس کی نگاہوں میں تشویش تھی۔

فلپ سوچنے لگا، کہیں ایسا تو نہیں کہ سکریٹری آف اسٹیٹ نے گزشتہ روز اس کی غیر حاضری کے بارے میں سفارت خانے میں پوچھ گچھ کی ہو۔ اگر ایسا ہے تو وہ کیا بتائے گا کہ وہ کہاں تھا۔ وہ اپنے روم کے وزٹ کو کیسے جسٹی فائی کرے گا۔

بہر حال اب تو اس سلسلے میں کچھ کیا نہیں جاسکتا تھا۔ میٹنگ شروع ہوگئی۔ وہ بڑی توجہ سے مختلف مندوبین کی تقریریں سنتا رہا۔ شامی اور لبنانی ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے تھے۔ ان کے پیچھے روسی تھی۔ اوپیک کا گروپ ایک ساتھ بیٹھا تھا۔ اسرائیلی امریکیوں کے داہنے ہاتھ پر تھے۔

تقریریں سنتے ہوئے فلپ برینن انہیں ایجنڈے کی کسوٹی پر پرکھتا رہا۔ اسے احساس تھا...... وہ جانتا تھا کہ یہی اس کی دنیا ہے...... اُس کی حقیقی دنیا! اور وہ شیطانوں اور دیوانے پادریوں کی دنیا نہیں تھی۔ وہ اُس کے لیے محض ایک افسانوی دنیا تھی۔

پیٹر اسٹیونسن کی آواز اسے حقیقی دنیا میں کھینچ لائی۔ ''یہ منصوبہ مشرقی یروشلم کے متنازعہ علاقے کے متعلق ہے۔ میں شامی وفد کا تعارف کراتا ہوں......''

ایک ٹی وی کیمرے کا رخ دراز قد شامی کی طرف ہوگیا، جو انگلی سے مائیکروفون کو تھپتھپاتے ہوئے اپنے سامنے رکھے نوٹس کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ کیمرا وہاں میڈیا کی نمائندگی کرنے والی واحد چیز تھا۔ اسے خاص طور پر اجازت دی گئی تھی، کیونکہ اسے معاہدے پر دستخط ہونے کی تقریب کی مکمل ریکارڈنگ کرنی تھی۔

شامی اپنی زبان میں تقریر کررہا تھا۔ فلپ برینن نے ہیڈ فونز کا سیٹ اٹھا کر لگایا اور ترجمہ سننے لگا۔ سب لوگ خاموشی سے سن رہے تھے، یہاں تک کہ شامی نے یاسر عرفات کا حوالہ دیا۔ یاسر عرفات جو اپنے دور میں بے شمار قاتلانہ حملوں سے بچ کر نکلتا رہا تھا اور اس کی سیاسی قوت برقرار رہی تھی۔

یاسر عرفات کا نام سنتے ہی اسرائیلی وفد کا ایک رکن اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ سائمن تھا۔ فلپ برینن سمیت سب لوگوں نے اسے حیرت سے دیکھا۔

سائمن نے عبرانی زبان میں گلا پھاڑ کر چلاتے ہوئے کچھ کہا۔

پیٹر اسٹیونسن اٹھ کر کھڑا ہوا۔ اُس کا چہرہ پھیکا پڑ گیا تھا۔ اُس نے باکسنگ کے مقابلے کے ریفری کے سے انداز میں دونوں ہاتھ اٹھائے۔

مگر سائمن نے بالکل اچانک میز کو پھلانگا اور سامنے کی طرف لپکا۔ کوئی اُس کا راستہ روکنے کے لیے بڑھا۔ لیکن اسے دیر ہوگئی تھی۔ اور سائمن کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی۔ اُس نے ہاتھ اوپر اٹھایا تو اس چیز سے روشنی منعکس ہوتی نظر آئی۔

فلپ برینن نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ وہ سنگ سلیمان کی بنی ایش ٹرے تھی

سائمن کا ہاتھ قوس شکل میں گھوما۔ ایش ٹرے اُس کے ہاتھ سے نکلی اور شامی کے منہ سے ٹکرائی۔ شامی کے حلق سے طویل کراہ نکلی اور وہ پیچھے کی طرف گرا۔ دانتوں کے ٹوٹ کر گرنے کی آواز بے حد واضح تھی۔ خون کا فوارہ سا میز پر اچھلا۔ سائمن اب بھی چیخ رہا تھا۔ پھر چیختے ہوئے اُس نے لہولہان چہرے والے شامی پر چھلانگ لگائی اور اُسے مارنے لگا۔

لوگوں نے بڑی مشکل سے گھسیٹ کر اسے شامی سے دور ہٹایا۔

چند لمحے تو خاموشی رہی۔ سب لوگ شاک میں تھے، اور احمقوں کی طرح منہ کھولے وہ منظر دیکھ رہے تھے۔ مگر شاک کی کیفیت ختم ہوتے ہی وہاں ہنگامہ ہو گیا۔ اسرائیلی سائمن کی طرف لپکے۔ جبکہ شامی اور لبنانی زخمی کے گرد جمع ہو گئے۔

پھر وفود نے ایک دوسرے پر برسنا شروع کیا۔ وہاں موجود ہر شخص کھڑا ہو گیا تھا...... سوائے پیٹر اسٹیونسن کے، جو یوں بیٹھ گیا تھا، جیسے اب کبھی نہیں اُٹھ سکے گا۔ اور وہ بار بار سر جھٹک رہا تھا، جیسے ایش ٹرے اُس کے سر پر لگی ہو۔

روسی وفد نے کاغذات سمیٹے اور خاموشی سے کانفرنس روم سے نکل گئے۔ ان کے پیچھے امریکا کا سیکرٹری آف اسٹیٹ نکلا۔ پھر فلپ برینن بھی کمرے سے نکلا۔ اس وقت کانفرنس روم میں مچھلی بازار کا سا سماں تھا۔ کانفرنس کے شرکا جانوروں کی طرح لڑ رہے تھے۔ کسی نے بلند آواز میں انگریزی میں کہا۔ ''آرڈر...... آرڈر۔''

لیکن کوئی سننے والا نہیں تھا۔

☼

فلپ برینن کے اپنی کار تک پہنچتے پہنچتے وہ خبر ریڈیو سے نشر ہو چکی تھی۔ اور جب وہ اپنے دفتر میں پہنچا تو ٹیلیکس مشینیں کھڑکھڑا رہی تھی اور ہر فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔

تین گھنٹے بعد کہیں اسے سر اٹھانے کا موقع ملا۔ فون کا ریسیور پکڑے پکڑے اُسکا ہاتھ سن ہو گیا تھا۔

اُس کی سیکرٹری نے کمرے میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''آپ کی وائف کا فون آیا تھا۔''

''کیا کہہ رہی تھی وہ؟''

''انہوں نے کہا ہے کہ پال بوہر کی ڈنر کی دعوت کینسل نہیں ہوئی ہے۔''

فلپ برینن نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ پال بوہر نے ڈنر پر مدعو کیا ہے، یہ تو اسے معلوم ہی نہیں تھا۔ ''کیسا ڈنر؟''۔

''ڈنر جناب...... پیری فورڈ میں، ساڑھے آٹھ بجے۔'' سیکرٹری نے وضاحت کی۔ ''وہ کہہ رہی تھیں کہ شاید آپ بھول گئے ہوں گے۔''

''شکریہ۔''

''اور وہ کہہ رہی تھیں کہ موجودہ صورتِ حال کی وجہ سے مسٹر بوہر کو آپ کے لیٹ ہونے پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔''

''شاندار...... زبردست۔'' فلپ برینن نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

سیکرٹری مسکرائی۔ جواب میں فلپ بھی مسکرایا لیکن دونوں کی مسکراہٹ بے جان تھی۔

......✿......

فلپ برینن کو اپنی بیوی کسی تقریب کے لیے تیار ہوتے ہوئے ہمیشہ بہت اچھی لگتی تھی۔ ایسے میں اس کے جذبات برانگیختہ ہو جاتے تھے۔ ازدواجی زندگی کے چھ برس گزر جانے کے باوجود اس کی یہ کمزوری آج بھی ویسی ہی تھی۔ اس وقت نازک صورتِ حال میں بھی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر بال سنوارتی مارگریٹ کو دیکھ کر تمام ٹیلیکس اس کے ذہن سے محو ہو گئے۔

اس نے ٹی وی کی خبروں پر توجہ مرکوز کرنے کی کوشش کی۔ خبروں میں اس تازہ ترین بحران کو ایش ٹرے میں طوفان، قرار دیا جا رہا تھا۔ پھر بتایا گیا کہ شام نے اس سلسلے میں ایک بے حد سخت احتجاجی مراسلہ اسرائیلی پارلیمنٹ کو بھیجا ہے۔ یہ امکان بھی توانا تھا کہ روس تل ابیب سے اپنے سفیر کو واپس بلا لے گا۔

میڈیا کو صرف اتنا ہی معلوم تھا۔ لیکن فلپ برینن جو سیکورٹی سسٹمز پر ہر بات چیت سنتا رہا تھا اور تمام ڈپلومیٹک ٹیلیکسز پڑھتا رہا تھا، جانتا تھا کہ صورتِ حال اس سے کہیں زیادہ خطرناک ہے۔ فی الحال سب سے سنگین مسئلہ یہ تھا کہ مشرقِ وسطیٰ میں جنگ ناگزیر معلوم ہو رہی تھی۔

''تمہارے خیال میں کیا ہونے والا ہے؟'' مارگریٹ نے پوچھا، جیسے اس کا ذہن پڑھ رہی ہو۔ پھر اس نے ریوالونگ اسٹول کو گھمایا اور بڑی معصومیت سے اسے دیکھنے لگی۔

فلپ نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ اتنی سنگین صورتِ حال میں بھی مارگریٹ کا فتنہ خیز حسن اسے اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ اس کے وجود میں خواہشات کا طوفان مچلنے لگا۔

شاید خوف کی حالت میں ایسا ہوتا ہے اس نے سوچا۔ بہرحال اس کے پیچھے کوئی نفسیاتی مسئلہ ضرور ہوگا۔ دنیا تباہی کے سنگین ترین خطرے سے دوچار ہے، اور میں......

وہ اٹھ کر مارگریٹ کی طرف بڑھا۔ ''صورتِ حال اچھی نہیں ہے۔'' اس نے کہا۔ وہ جو کچھ جانتا تھا، مارگریٹ کو نہیں بتا سکتا تھا۔ اگر وہ اس کا نصف بھی اسے بتا دیتا تو وہ خوف سے بے حال ہو جاتی۔

وہ اُس کے قریب پہنچ گیا۔ مگر مارگریٹ کی طرف سے کوئی حوصلہ افزا ردِعمل سامنے نہیں آیا۔ بلکہ وہ دوبارہ آئینے کی طرف متوجہ ہوگئی اور اُس نے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی لپ اسٹک کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

فلپ نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''ذرا پھر سے بتاؤ مجھے کہ پال بوہر نے کب یہ دعوت دی تھی۔''

''میں نے تمہیں بتایا نا کہ پچھلے ہفتے۔ اُس نے مشین پر میسج ریکارڈ کرایا تھا۔ اور مجھے یاد ہے کہ میں نے تمہیں بتایا تھا۔ بلکہ یہ سن کر تم کراہے بھی تھے، جیسے جانا نہیں چاہتے ہو۔''

فلپ نے کندھے جھٹک دیے۔ اسے ایسی کوئی بات یاد نہیں تھی۔ لیکن مارگریٹ کہہ رہی ہے تو پھر ایسا ہی ہوگا۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر مارگریٹ دوبارہ اس کی طرف پلٹی۔ ''صدر صاحب اس سلسلے میں کیا کر رہے ہیں؟''

''فی الحال کچھ بھی نہیں'' فلپ نے کہا۔ اب وہ مارگریٹ کو یہ تو نہیں بتا سکتا تھا کہ صدرِ امریکا اس وقت زمین پر نہیں۔ وہ اپنے قریبی مشیروں کے ہمراہ کسی ایر کمانڈ پوسٹ پر پہنچ چکا ہے اور یہ کہ کنٹرول کنسول پر سے پلاسٹک کا سیفٹی کور ہٹا لیا گیا ہے۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟''

''وہ ایک کمزور آدمی ہے۔'' فلپ نے کہا۔ ''یہ قوم کی بدنصیبی ہے کہ اس کے دورِ صدارت میں یہ بحران آیا۔''

''اور آج جو شخص ہماری میزبانی کر رہا ہے، اُس نے اُس کی پشت پناہی کی تھی۔ ہے نا؟'' اُس نے سر اٹھا کر فلپ کو دیکھا۔ اُس کے لہجے میں زہریلا پن تھا۔ ''تو پھر ڈارلنگ، تم آج پال کے گھر کیسے جا سکتے ہو؟ جس شخص نے قوم کو اس بدنصیبی سے دوچار کیا، تم اُس کی ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کر کھانے کو درست کیسے قرار دے سکتے ہو۔''

فلپ مسکرایا اور اُس نے جھک کر مارگریٹ کے رخسار پر ہونٹ رکھ دیے۔ ''دشمن سے رابطہ بھی ضروری ہے۔ بے خبری اچھی نہیں ہوتی۔''

مارگریٹ نے بڑبڑا کر کچھ کہا اور منہ پھیر کر اسٹول سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ کپڑے بدل کر پلٹی تو فلپ بیک لائٹ کا ایک چھوٹا سا پیں اپنے کوٹ کاج میں فٹ کر رہا تھا۔ ''اوہ..... تو صورتِ حال اتنی خراب ہے؟'' اُس نے پوچھا۔

''رابطے میں تو رہنا ہے نا۔ کون جانے، صدر صاحب کو کب رابطے کی ضرورت پڑ جائے۔'' فلپ نے کہا۔ ''تم سناؤ، تیار ہوگئی ہو؟''

''تقریباً۔''

''تو میں کار نکالتا ہوں۔''

''وہ کمرے سے نکلا اور سیڑھیوں تک گیا۔ نیچے جانے کے بجائے اس نے پلٹ کر دیکھا کہ مارگریٹ بھی باہر تو نہیں آئی ہے۔ اس کی طرف سے مطمئن ہو کر وہ دبے قدموں اسٹڈی کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے چابی نکال کر میز کی دراز کھولی اور اُس میں سے تھیلا نکال لیا۔ خنجروں کی نوکیں سوئیوں کی طرح چبھتی محسوس ہو رہی تھیں۔

باہر نکلنے سے پہلے اُس نے پھر چیک کیا اور میدان صاف پا کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

دروازے سے نکل کر اُس نے نم ہوا میں سانس لی۔ مشرق کی طرف سے زبردست گھٹا اٹھ رہی تھی۔ اُس نے ہوا کو سونگھا۔ اسے اپنا باپ یاد آیا، جو دیہاتی تھا۔ وہ سونگھ کر بتا دیتا تھا کہ بارش ہونے والی ہے۔ ایک بار اُس نے بجلی کی کڑک کے بارے میں کہا تھا کہ یہ خدا اپنے گھر میں فرنیچر ادھر اُدھر کر رہا ہے۔ فلپ نے سوچا، آج لگتا ہے کہ بہت سارا فرنیچر جگہ تبدیل کرنے والا ہے۔

بجریلے راستے پر گیراج کی طرف بھاگتے ہوئے اُس نے نہیں دیکھا کہ پردوں کی آڑ سے اُس کی بیوی اسے دیکھ رہی ہے۔

اُس نے کار اسٹارٹ کی اور تھیلے کو ڈرائیونگ سیٹ کے نیچے رکھ دیا۔

داخلی دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی اور مارگریٹ بھاگتی ہوئی کار کی طرف آئی۔ اُس کے دونوں ہاتھ اپنے سر پر تھے۔ کیونکہ بارش کی ابتدائی بوندیں برسنے لگی تھیں۔

اُس نے سیٹ سے ٹیک لگاتے ہوئے مارگریٹ کے لیے دوسری طرف کا دروازہ کھولا۔ اسی لمحے اسے تھیلے کا تسمہ گیئر اسٹک میں پھنسا نظر آیا۔

اُس نے اسے نکال کر سیٹ کے نیچے چھپانے کی کوشش کی۔ اس دوران مارگریٹ کار میں بیٹھ گئی۔

''یہ تم کس چیز میں الجھ رہے ہو؟'' مارگریٹ نے پوچھا۔

فلپ نے اُس کا رخسار چوم لیا۔ ''اف...... کتنی حسین لگ رہی ہو تم۔''

اُس نے شکریہ ادا کیا اور گاڑی کی سائیڈ میں لگے آئینے میں خود کو دیکھنے لگی کہ کہیں بارش نے اس کا میک اپ تو خراب نہیں کر دیا۔

وہ سنسان سڑکوں پر سفر کرتے رہے۔ کیسٹ پلیئر آن تھا۔ کار کے پچھلے حصے میں لگے دونوں اسپیکرز نغمہ اگل رہے تھے۔ مارگیریٹ بھی گانے میں آواز ملانے لگی۔

فلپ نے سر گھما کر اسے دیکھا۔ یہ سچ تھا کہ وہ بہت...... بہت حسین لگ رہی تھی۔ اُس کا چہرہ جگمگا رہا تھا۔ فلپ کا جی چاہا کہ اسے باہوں میں لے لے۔ وہ اسے لپٹا کر اُسکے چہرے کو سب سے چھپا دینا چاہتا تھا۔ وہ اسے ساری دنیا سے بچانا چاہتا تھا۔ حالانکہ وہ بے حد پر اعتماد عورت تھی۔ اسے کسی تحفظ کی ضرورت نہیں تھی۔

کیسٹ ختم ہو گیا۔ اب درخواست کرنے کے لیے مناسب وقت تھا۔ ''اگر وہاں میں کچھ دیر کے لیے غائب ہو جاؤں تو تم اتنی دیر پال کو الجھائے رکھو۔ کیا یہ ممکن ہے؟''

وہ ہنسنے لگی۔ ''کیا مطلب ہے تمہارا؟ میں تمہارے لیے ادا فروشی کروں؟'' اُس نے شوخ لہجے میں کہا اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''کیا میں تم سے کبھی ایسا کہہ سکتا ہوں۔''

''تم ذرا سوچو تو۔ 70 سال کے آدمی کے ساتھ کیسا لگے گا۔'' وہ چہکی۔

''اُس میں سے تمہیں وقت کی گرد کی بو آتی محسوس ہو گی۔''

''وہ پھر ہنسنے لگی۔ پھر اُس نے کیسٹ پلیئر کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ فلپ نے سکون کی سانس لی۔ مارگریٹ نے اُس سے یہ نازک سوال نہیں کیا تھا کہ وہ کیوں غائب ہوگا؟ وہاں کس چیز کی تلاش ہے اسے۔ ایسا لگتا تھا کہ مارگریٹ کو اس بات میں کوئی دلچسپی نہیں۔ اور یہ اچھا ہی تھا۔ ورنہ اس کے لیے کوئی معقول جواب سوچنا آسان نہیں ہوتا۔''

وہ موٹروے سے پتلی سڑک پر آگئے تھے۔ فلپ نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ پھر کیسٹ پلیئر کو روک کر ریڈیو لگا دیا۔ خبریں شروع ہو چکی تھیں......

''......روسیوں نے تل ابیب میں اپنے سفارت خانے کو مکمل طور پر خالی کر دیا ہے۔ مشرق وسطیٰ میں تصادم کا خطرہ بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ بحران اتنا سنگین پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ ہمارے پولیٹیکل ایڈیٹر فرینک لایونز کا کہنا ہے کہ......''

فلپ اب بے دھیانی سے سن رہا تھا۔ وہ تو دل ہی دل میں نیوز ترتیب دینے والوں کو سراہ رہا تھا۔ انہوں نے خبر چھپائی بھی نہیں۔ لیکن اسے غیر ضروری طور پر سنگین بنا کر پیش بھی نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے خبر کو اس انداز میں پیش کیا کہ لوگوں میں گھبراہٹ بھی نہ پیدا ہو۔

پھر وہ یہ سوچنے لگا کہ نیوز والوں کو بھی اصل حقیقت معلوم ہے یا نہیں۔ کس حد تک جانتے ہیں وہ۔ اُس نے اپنے کوٹ سے منسلک بیک لائٹ کے پیس کو چھوا۔ پتا نہیں اسے اس لڑکے کا سامنا کرنے کا موقع بھی ملے گا یا نہیں۔ اُس کے تصور میں لڑکے کی آنکھیں لہرائیں۔ ان میں زندگی کی کوئی رمق نہیں تھی۔ ایسی آنکھیں اُس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ وہ زندہ آدمی کی نہیں، مردے کی آنکھیں لگتی تھیں۔

یہ عین ممکن تھا کہ اسے مہلت نہ ملے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ذمے داری اُس سے لے کر کسی اور کو سونپ دی جائے۔ بہر حال وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ اُسے کیا کرنا ہے۔ وہ لڑکے کا سامنا کرے گا اور بس۔ آگے کا معاملہ فادر ڈی کارلو جانے۔ وہ معاملات سنبھالے اُس کی مدد کرے۔ خدا کی مرضی اگر ہونی ہے تو خدا ہی سب کچھ کرنے والا ہے۔ جہاں تک اُس کا...... فلپ برینن کا تعلق ہے تو اُس کا کام صرف لڑکے کا سامنا کرنا ہے۔ اُس کے آگے قدرت کی ذمے داری ہے۔ وہ خود اگر کچھ کرے گا تو وہ ڈی کارلو کے خدا کی مرضی ہی ہوگی۔ یہ بات اگرچہ عدالت میں اپنے دفاع میں نہیں کہی جا سکتی لیکن اُس کی ذات کی حد تک یہ درست ہے۔

''تم پہلے کبھی یہاں آئے؟'' مارگریٹ کی آواز اسے خیالوں کی دنیا سے باہر کھینچ لائی۔

اُس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''کیوں پوچھ رہی ہو؟''

''اس لیے کہ تم گاڑی ایسے چلا رہے ہو، جیسے اس راستے سے اچھی طرح واقف ہو۔''

''میں نے نکلنے سے پہلے نقشہ ذہن نشین کر لیا تھا۔''

مارگریٹ نے کندھے جھٹک دیے اور باہر کے منظر کی طرف متوجہ ہوگئی۔ ایک خرگوش نے سڑک سے جست لگائی اور سڑک کے کنارے جھاڑی میں کود گیا۔

''بال بال بچا ہے کم بخت۔''

فلپ نے تعجب سے اسے دیکھا۔ وہ جب پہلی بار اس سے ملا تھا تو وہ کتنی شرمیلی تھی۔ بات بات پر شرما جاتی، اس کے رخسار دہک اُٹھتے۔

اُس کی زبان بہت میٹھی تھی۔ سخت لفظ تو اُس کی زبان پر آتے ہی نہیں تھے اور اب......

ہیری فورڈ کے بہت بڑے گیٹ نظر آئے۔ اس نے گیٹ سے لگا کر گاڑی روک دی۔ پھر کار کی کھڑکی کھول کر اُس نے گیٹ پوسٹ پر لگا ایک بٹن دبایا اور اپنا نام بتایا۔

گیٹ کھل گئے۔ وہ گاڑی اندر لے گیا۔

حویلی نظر آئی تو اُس کے دروازے پر کھڑا پال بوہر بھی نظر آنے لگا۔

''وقت کی گرد کی بو آنی شروع ہوگئی۔'' مارگریٹ نے کہا اور مزے لینے والے انداز میں ہنسنے لگی۔

فلپ نے کار روکی۔ اترتے وقت اُس کا پاؤں خنجروں کے تھیلے سے اُلجھا۔ دھاتی کھنک سنائی دی۔ لیکن مارگریٹ نے اگر وہ آواز سنی بھی تو اس کی طرف توجہ نہیں دی۔

پال بوہر ان کی طرف بڑھا۔ اُس نے مارگریٹ کے لیے کار کا دروازہ کھولا۔ وہ اتری تو رسمی انداز میں اُس کے رخسار کو ہلکا سا بوسہ دیتے ہوئے اسے خوش آمدید کہا۔ پھر وہ فلپ برنین کی طرف مڑا اور اس سے ہاتھ ملایا۔'' تمہاری آمد کا بہت بہت شکریہ۔ مجھے امید نہیں تھی کہ ان حالات میں تم آسکو گے'' اس نے کہا۔

فلپ نے اپنے کوٹ کے کاج میں لگے بلیپر کو تھپ تھپایا۔ ''اب یہ ہماری قسمت کہ ہمارے ڈنر میں کتنی بار مداخلت ہوتی ہے۔''

بوہر نے مارگریٹ کا بازو تھام لیا اور اسے اندر لے چلا۔ فلپ ان کے پیچھے تھا۔ اندر داخل ہوتے ہوئے اُس نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔ طوفانی بارش کا امکان ٹل چکا تھا۔ لیکن فضا میں نمی بھی تھی اور گرمی بھی۔ وہ اچھا کھانا کھانے، اچھی شراب پینے اور اچھی باتیں کرنے کے لیے اور اس کے بعد باغیچے میں چہل قدمی کے لیے بے حد مناسب رات تھی۔

وہ ہال وے میں داخل ہوا۔ اُس نے سر کے اشارے سے بوڑھے بٹلر کو سلام کیا۔ پھر اُس نے گیلری کی طرف جاتے ہوئے بل کھاتے زینے کو دیکھا۔ اُس کے آگے راہداری تھی، جس کے آگے اقامتی ونگ تھا۔ وہ سوچنے لگا، یہ کیسے پتا چلے گا کہ لڑکا کہاں ہوتا ہے اس نے سونگھنے کی کوشش کی۔ لیکن وہاں آتش دان کے دھوئیں کی بو کے سوا کچھ نہیں تھا۔

پال بوہر انہیں فرنچ ونڈوز کی طرف لے گیا۔ وہ ایک پیشہ ور گائیڈ کے سے انداز میں انہیں حویلی کے بارے میں بتا رہا تھا۔ اُدھر بٹلر ڈرنک بنا رہا تھا۔ آتش دان میں لکڑیاں چیخ رہی تھیں۔ باہر لان اور روز گارڈن جگمگا رہے تھے۔

فلپ مسحور سا دیکھتا رہا۔ یہ عجیب رات تھی۔ اس کی بیوی بے حد حسین اور خواہش انگیز لگ رہی تھی۔ میزبان بے حد مہذب اور خوش اطوار آدمی تھا۔ فلپ کو تو وہ منظر کسی مہنگے پروڈکٹ کے ٹی وی کمرشل کا لگ رہا تھا۔ اور یہ فلپ برنین کی زندگی کا کمرشل بھی ہوسکتا تھا...... کامیاب، خوش بختی اور خوش گواریت سے بھرپور ازدواجی زندگی کا حامل فلپ برنین، جسے دنیا کے امیر ترین اور بارسوخ افراد میں سے ایک نے انگلینڈ کے قدیم ترین محل میں مدعو کیا تھا۔ یہ پورا منظر ہر طرح سے پرفیکٹ تھا۔ سوائے ان چھ خنجروں کے جو ایک تھیلے میں بند اُس کی ڈرائیونگ سیٹ کے نیچے پڑے تھے۔

''بعد میں میں تم لوگوں کو گارڈن دکھاؤں گا۔'' پال بوہر کہہ رہا تھا۔

''مجھے شک ہے کہ تم ایسا کر سکو گے۔'' فلپ نے کہا۔ ''کیونکہ طوفان آنے والا ہے۔''

پال بوہر نے اسے غور سے دیکھا۔ اُس کا منہ بن گیا تھا۔

''میں سچ مچ کے طوفان کی بات کر رہا ہوں..... گرج، چمک اور کڑک والا طوفان۔''

''اوہ...... ہاں۔''

مارگریٹ ٹہلتی ہوئی کمرے کے افتادہ ترحصے کی طرف بڑھی، جہاں دیوار پر پینٹنگز آویزاں تھی۔ پال بوہر نے فلپ برینن کے قریب ہوتے ہوئے دھیمی آواز میں پوچھا۔ ''صورت حال کتنی خراب ہے؟''

''فلپ برینن مسکرایا۔ ''یہ دعا کے لیے ہاتھ پھیلانے کا وقت ہے۔''

''میں تو کہوں گا کہ ہاتھ کیا، پاؤں کیا، ایڑیاں...... جو پھیلا سکتے ہو، پھیلاؤ۔''

فلپ نے سر گھما کر مارگریٹ کو پکارا جو ایک پورٹریٹ کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ خود ہی اُس کی طرف بڑھ گیا اور پورٹریٹ کو دیکھنے لگا، جس کے نیچے لکھا تھا...... ڈیمن تھورن! برطانیہ میں امریکی سفیر

''میں نے کہا تھا نا کہ وہ بہت خوب صورت شخص تھا۔'' مارگریٹ نے سرگوشی میں اُس سے کہا اور اُسے آنکھ ماری۔

پال بوہر بھی وہاں آ گیا تھا۔ اُس نے مارگریٹ کو مسکرا کر دیکھا اور بولا۔ ''عورتوں کے لیے اُس میں بے پناہ کشش تھی۔''

''اور اس کے باوجود اُس کے کوئی اولاد نہیں تھی۔'' فلپ نے کہا۔

مارگریٹ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''کیا بے تکی بات کی ہے تم نے۔ ان دونوں باتوں کا آپس میں کیا تعلق؟''

''فلپ نے کندھے جھٹکے اور پال بوہر کی طرف دیکھا۔ ''مجھے حیرت ہے کہ اُس نے اپنی نسل آگے بڑھانے کے سلسلے میں کچھ نہیں کیا۔''

''وہ جب مرا تو صرف 32 سال کا تھا۔''

''ہاں، اُس کی تدفین مجھے یاد ہے۔''

کچھ دیر عجیب سی خاموشی چھائی رہی، جسے دروازے پر ہونے والی دستک نے توڑا۔ انہوں نے پلٹ کر دیکھا۔ دروازے پر بٹلر کھڑا تھا۔

''ڈنر تیار ہے خاتون و حضرات۔'' بٹلر نے اعلان کیا۔

بوہر نے پھر مارگریٹ کا ہاتھ تھام لیا اور سر خم کرتے ہوئے بولا۔ ''مجھے امید ہے کہ آپ دونوں کو بہت اچھی بھوک لگی ہوگی آیئے...... '' یہ کہہ کر وہ انہیں ڈائننگ روم کی طرف لے چلا۔

وہ ہال عبور کر کے ڈائننگ روم میں داخل ہوئے۔ بٹلر نے انہیں ان کی کرسیوں پر بٹھایا۔ میز کے وسط میں شمع دان تھا، جس میں چھ سیاہ شمعیں روشن تھیں۔ لان میں کھلنے والے فرنچ ونڈوز کو اٹھا دیا گیا تھا۔ آسمان پر منتشر بادلوں کے درمیان ستارے جگمگا رہے تھے۔

کرسی پر بیٹھنے کے بعد فلپ کا جی چاہا کہ پال بوہر سے پوچھے کہ اُس نے انہیں ڈنر پر کیوں مدعو کیا، اور ان کے علاوہ کوئی بھی مہمان نہیں ہے۔ کیوں؟ وہ جانتا تھا کہ بوہر جب بھی دعوت کرتا ہے تو اپنے لیے ایک ساتھی عورت کو ضرور منتخب کرتا ہے۔ کوئی بھی سیاست دان اپنی بیوی کو ہیری فورڈ میں عارضی میزبان کی حیثیت دینے پر اسے اعزاز ہی تصور کرے گا۔ اور اس سلسلے میں کبھی کوئی اسکینڈل نہیں بنا تھا۔ آج رات بہر حال ڈنر ٹیبل صرف تین افراد کے لیے سجائی گئی تھی۔

فلپ نے پھر اپنی بیوی کی طرف دیکھا۔ دل میں پھر سرکش جذبے مچلنے لگے۔ وہ پوری سچائی کہہ سکتا تھا کہ مارگریٹ اتنی پرکشش کبھی نہیں لگی۔ بلکہ پرکشش اس کے لیے بہت ہلکا لفظ تھا۔ اصل لفظ تو ''اشتہا انگیز'' تھا۔

اُس نے کرسی پر پہلو بدلا اور مسکرا کر مارگریٹ کو دیکھا۔ اسی وقت بٹلر نے بوہر کو وائن کا ایک گلاس دیا۔ بوہر نے اسے چکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ایک بات بتاؤں۔'' مارگریٹ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''میں چھوٹی سی بچی تھی۔ اپنے ڈیڈی کے ساتھ ایک دعوت میں گئی...... رہوڈز آئی لینڈ میں...... میزبان ایک بے حد متمول فرانسیسی تھا۔ اس کا نوکر جب وائن لایا تو اُس نے چکھ کر وائن واپس بھجوا دی۔'' وہ مسکرائی۔ ''ہے نا عجیب بات۔ اُس نے اپنی وائن خود ہی مسترد کر دی۔''

''وہ دونوں بھی مسکرا دیے۔ پھر پال بوہر اپنی ایک کہانی سنانے لگا۔ کھانے سے پہلے کورس کے دوران گفتگو زور و شور سے ہوتی رہی۔ باہر آسمان پر مشرق کی سمت سے گہری گھٹا اٹھ رہی تھی۔ اس کی وجہ سے کمرے میں اندھیرا لگنے لگا تھا۔ شمعوں کی مدھم روشنی میں مارگریٹ کا چہرہ بہت زیادہ تمتمایا ہوا لگ رہا تھا۔ فلپ بریٹن کو یہ بات عجیب سی لگی کہ مارگریٹ ہمیشہ کے مقابلے میں آج کچھ زیادہ ہی پی رہی ہے۔

ادھر حبس بڑھ گیا تھا۔ فلپ نے اپنی ٹائی کی گرہ ڈھیلی کر دی۔

مچھلی سرد کی گئی اور اُس کے بعد بچھڑے کا گوشت فلپ کو بھوک نہیں تھی۔ پھر بھی وہ کھا رہا تھا۔ مگر وہ گفتگو میں زیادہ دلچسپی لے رہا تھا۔ حالانکہ اُسی کے پاس کہنے کو کچھ بھی نہیں تھا۔ اصل میں تو وہ کھانے کی میز سے اٹھ جانا چاہتا تھا۔ وہ حویلی کا جائزہ لے کر لڑکے کو تلاش کرنا چاہتا تھا۔

خوش قسمتی سے اسی وقت اس کے کالر میں لگا ہوا ریسیور بھن بھنانے لگا۔ پال بوہر نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

''ایکسکیوز می۔'' یہ کہہ کر فلپ بریٹن کھڑا ہو گیا۔

''ڈرائنگ روم والا فون استعمال کر لو۔'' پال بوہر نے کہا۔

فلپ نے شکریہ ادا کیا اور کمرے سے نکل آیا۔ دروازہ بند کرتے ہوئے اُس نے پلٹ کر دیکھا۔ مارگریٹ اور پال بوہر خاموش اور ساکت بیٹھے ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔

اسے اس کال کی توقع تو تھی۔ لیکن اس کا خیال تھا کہ یہ معمول کی چیکنگ کال ہو گی۔ لیکن مطلوبہ نمبر ملاتے ہوئے اُس کی ہتھیلیاں پسینے میں بھیگنے لگی تھیں۔ فون ملا کر اُس نے ماؤتھ پیس میں صرف اتنا کہا۔ ''بریٹن اسپیکنگ۔''

کال سنتے ہوئے دوبار اُس کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکلیں۔ پھر اُس نے ریسیور رکھ دیا۔

چند لمحے وہ یونہی کھڑا رہا۔ پھر اُس نے سر اٹھا کر آئینے میں اپنے عکس کو دیکھا۔ وہ ٹھیک ہی لگ رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر زردی نہیں چھائی تھی۔ اُس کے دل کی دھڑکن معمول کے مطابق تھی۔ اُس کی نبض بھی نارمل تھی۔

جبلی طور پر اُس نے کھڑکی سے باہر آسمان کو دیکھا۔ پھر وہ پلٹا اور بھاری قدموں سے ڈائننگ روم کی طرف چل دیا۔ بڑی آہستگی سے اُس نے دروازہ کھولا وہ دونوں اسی طرح بیٹھے تھے، جیسے وہ انہیں چھوڑ کر گیا تھا۔ وہ میز کے پاس کھڑا ہوا اور اُس نے نرمی سے مارگریٹ کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''تباہی کا آغاز ہو چکا ہے۔'' اُس نے کہا۔ ''تل ابیب اور یروشلم میں بم گرا دیے گئے ہیں۔''

ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا لیکن کچھ بولے نہیں۔

''سیٹلائٹ پر دیکھ لیا گیا ہے۔ نیوکلیر وار ہیڈز کا مطلب ہے مکمل تباہی۔ بیروت کے بارے میں فی الحال کوئی خبر نہیں۔ لیکن جلد ہی آجائے گی۔ اسرائیل پر حملے کے جواب میں کاروائی ضرور ہوگی۔''

''آنکھ کے بدلے آنکھ'' مارگریٹ نے کہا۔

فلپ نے چونک کر اسے دیکھا۔ اُس کے کندھے سے اسٹریپ پھسل گئے تھے اور اس کا بالائی جسم تقریباً عریاں تھا۔ لیکن ایسا لگتا تھا کہ اسے اس بات کا احساس ہی نہیں ہے۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ کسی جادو کے زیر اثر ہے۔ اُس کی آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ وہ بہت زیادہ پی چکی ہے۔

اور فلپ خود اپنے خیالات کو مجتمع کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اگر مشرقِ وسطیٰ کا آتش فشاں پھٹ چکا ہے تو اب ہر طرف میزائل برسیں گے۔ وہ ممکنہ وار گیم پلان سے پوری طرح باخبر تھا۔ لیکن اب جبکہ کھیل حقیقت بن گیا تھا تو اُس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

پال بوہر اُٹھا۔ وائن کا جام اُلٹ گیا۔ میز پر فرش پر ٹپکتی ہوئی شراب خون جیسی لگ رہی تھی۔ لیکن اسے جیسے کوئی پروا نہیں تھی۔ ''جن لوگوں نے یروشلم کے خلاف جنگ چھیڑی ہے، اُن کے جسموں کا گوشت گل جائے گا۔'' وہ بائبل سے حوالہ دے رہا تھا۔

مارگریٹ نے بھی اپنی کرسی پیچھے ہٹائی اور کھڑی ہوگئی۔ وہ ٹکٹکی باندھے پال بوہر کو دیکھ رہی تھی۔ ''ان کی آنکھیں ان کے حلقوں میں سڑ جائیں گی، اور ان کی زبانیں ان کے مونہوں میں'' وہ بھی بائبل سے اقتباس سنا رہی تھی۔

فلپ نے اُس کا نام لے کر اسے پکارا، اُس کی طرف بڑھا۔ لیکن مارگریٹ نے اسے نظر انداز کر دیا۔

''اسرائیل کی سرزمین ہل کر رہ جائے گی۔'' پال بوہر نے کہا۔

''سمندروں میں مچھلیاں، فضاؤں میں پرندے، جنگلوں میں درندے اور چوپائے، اور زمین پر رینگنے والے جانور...... '' مارگریٹ بولی۔

''اور وہ تمام انسان جو روئے زمین پر موجود ہیں...... '' پال بوہر نے اُس کی بات کو آگے بڑھایا۔ وہ اسی مشینی لہجے میں بول رہا تھا، جس میں اس نے بات شروع کی تھی۔ ''...... سب خوفناک زلزلہ دیکھیں گے۔ زمین ہلا دی جائے گی۔ اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ زمین ایسے ہموار ہو جائے گی کہ جیسے اس پر کبھی کوئی دیوار تھی ہی نہیں۔''

''مارگریٹ۔'' فلپ نے اُس کا بازو چھوا۔ مگر فوراً ہی پیچھے ہٹ گیا۔ اُس کا جسم انگارہ ہو رہا تھا، جیسے بہت تیز بخار میں جل رہا ہو۔ اُس نے سر جھٹکا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ دونوں مل کر بائبل سے پیش گوئیاں سنا رہے ہیں۔ وہ سب اسے بھی دھندلا دھندلا سا یاد تھا۔ لیکن اُسے گمان بھی نہیں تھا کہ مارگریٹ کو وہ سب ازبر ہوگا۔

وہ دونوں باری باری بول رہے تھے، جیسے ٹی وی پر کمنٹری ہو رہی ہو۔

''ہر شخص کی تلوار اپنے بھائی پر اُٹھے گی، وہ خون میں نہائیں گے اور میں ان پر متعدی بیماریاں بھیجوں گا۔ ایسی بیماریاں جن کے متعلق انہوں نے سنا بھی نہیں ہوگا۔ اور طوفان اور آگ کا عذاب اور پتھروں کی بارش......''

مارگریٹ ہنسی۔ وہ ہذیانی ہنسی تھی۔ فلپ بریفن اس سے دور ہٹنے لگا۔ وہ دروازے پر پہنچا تو وہ ایک دوسرے کا ہاتھ تھام چکے تھے۔ اسے مارگریٹ کے الفاظ یاد آئے...... کیا مطلب ہے تمہارا؟ میں تمہارے لیے ادا فروشی کروں! اور اس وقت اس کی بے حیائی، اس کا حلیہ، اُس کے چہرے کے تاثرات ایسی ہی بری عورتوں کے سے تھے۔

''اور جب تم یروشلم میں فوجوں کا اجتماع دیکھو تو سمجھ لینا کہ تباہی کا وقت آ پہنچا ہے۔'' پال بوہر نے کہا۔

فلپ بریفن کو جوان راہب کا خیال آیا۔ اب تو وہ سب بہت پہلے...... زمانوں کی بات لگتی تھی۔ اس وقت امید تھی...... امید کی جا سکتی تھی، لیکن اب......

''کیونکہ وہ انتقام کے دن ہوں گے، اور جو کچھ لکھ دیا گیا ہے، پورا ہو جائے گا۔''

وہ الٹے قدموں چلتا دروازے سے گزر کر ہال وے میں آ گیا۔ ان کی آوازیں اسے اب بھی سنائی دے رہی تھی۔

''اور یروشلم کو کافر روند ڈالیں گے...... روندتے رہیں گے، یہاں تک کہ کافروں کا وقت پورا ہو جائے گا۔''

فلپ دروازے سے ٹکرا کر لڑکھڑایا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ بس اسے یہ یاد تھا کہ وہ اپنے ساتھ خنجر لایا تھا، اور اب اسے ان خنجروں کی ضرورت ہے۔ اور اُس کے بعد اسے لڑکے کو تلاش کرنا ہے۔

وہ باہر نکلا۔ اس نے کار کا دروازہ کھولا اور ڈرائیونگ سیٹ کے نیچے خنجر کا تھیلا نکالا۔ اسے کندھے پر لاد کر وہ حویلی کی طرف چلا۔ خنجروں نے اُس کی جیکٹ کو چھید ڈالا تھا۔ وہ اُس کی پیٹھ میں چبھ رہے تھے۔

اسے بوڑھے پادری کے الفاظ یاد آئے: زندہ مسیح پر یقین رکھنا۔ وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا۔

اب تم جانو فادر اور زندہ مسیح جانے۔ وہ بڑبڑایا۔ یہ ذمے داری میری نہیں ہے، اُس کی ہے۔ اب اسے تو بس لڑکے کو تلاش کرنا ہے۔ اُس کے بعد باقی کام ڈی کارلو کے خدا کے ہاتھ کو کرنا ہے۔

سیڑھیاں چڑھتے ہی اسے کتا نظر آیا...... وہی جسیم کتا اسے گھور رہا تھا، جو پچھلی بار اسے ختم کرنے کے لیے دیوار پر چڑھنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ مگر کتا پلٹا اور بغیر آہٹ پیدا کیے راہ داری میں چل دیا، جیسے اسے راستہ دکھا رہا ہو۔ فلپ بھی خنجروں کا تھیلا پیٹھ پر لٹکائے اُس کے پیچھے چلتا رہا۔

اب اُس کے ذہن میں اس کے سوا کوئی خیال، کوئی مقصد نہیں تھا کہ لڑکے کو تلاش کرنا ہے۔

راہ داری میں اندھیرا تھا۔ اور راہ داری کے اختتام پر ایک سیاہ دروازہ تھا، جو کھلا ہوا تھا۔ کتے نے دیوار سے ٹیک لگائی اور اسے اندر جانے کا راستہ دیا۔

فلپ اندر داخل ہوا۔ اندر جو کچھ اُس نے دیکھا۔ اُس نے ایک لمحے میں اسے یقین دلا دیا کہ جو کچھ اُس نے سنا تھا، سچ تھا۔

لڑکا سیاہ چوغہ پہنے لاش کے سامنے جھکا کھڑا تھا۔ اُس کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ مگر بے آواز۔ شاید وہ دعا کر رہا تھا۔

فلپ دو قدم آگے بڑھ گیا۔ خنجر کھنکے۔ لیکن لڑکے نے پلٹ کر نہیں دیکھا، جیسے کسی نے اسے ہپناٹائز کر دیا ہو۔

فلپ دبے قدموں کرائسٹ کے پتلے کی طرف بڑھا اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔ ایک خنجر پتلے کی ریڑھ کی ہڈی میں پیوست تھا۔ تو سب کچھ سچ تھا۔ اُس نے سوچا۔ میں اسے افسانہ سمجھنے کی غلطی کرتا رہا۔ اور اب مجھے ساتواں خنجر بھی مل گیا۔

اُس نے سر گھما کر لاش کے چہرے کو دیکھا۔ اس پر کپکپی چڑھ گئی۔ ایک لمحے کو اُس نے آنکھیں بند کیں اور اپنی رہ نمائی کے لیے دعا کی۔ پھر اُس نے آنکھیں کھولیں اور سر اٹھا کر دیکھا تو جیسے وہ جان چکا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ لیکن اسے یہ یقین نہیں تھا کہ اس میں اس کام کی طاقت ہے۔ وہ تو بس مارگریٹ کا ہاتھ تھام کر یہاں سے دور، بہت دور بھاگ جانا چاہتا تھا۔ لیکن کرائسٹ کے پتلے کے پُر اذیت چہرے نے جیسے اُسے مسحور کر لیا تھا۔ وہ اسے یوں گھور رہا تھا، جیسے پتلا نہ ہو، جیتا جاگتا مسیح ہو۔

وہ گھوم کر گیا اور اُس نے مسیح کی چوبی پتلے کی پشت میں گھونپا ہوا وہ خنجر کھینچ لیا۔ خنجر لکڑی میں سے آسانی سے پھسل آیا۔ اُس نے اسے ہاتھ میں تھاما۔ شمعوں کی تھرتھراتی روشنی میں اُسکا پھل چمک رہا تھا۔ اُس نے کرائسٹ کے چہرے کو دیکھتے ہوئے سوچا کہ آخر اسے ہی کیوں منتخب کیا گیا۔ وہ تو ایسا آدمی ہے، جو برسوں پہلے ایمان سے دور ہو گیا تھا۔ اُس نے پتلے کے چہرے کو چھوا۔ کسی کو یہ مسیح لگتا ہوگا، مجھے تو نہیں لگتا۔ اُس نے سوچا۔ بہر حال اب اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

اُس نے کرائسٹ کے سر پر کانٹوں کے تاج کو چھوا۔ پھر اُس نے تھیلے کو فرش پر رکھا اور اس میں سے ساتوں خنجر نکال لیے۔

لڑکا اب بھی لاش کے پیروں میں جھکا ہوا تھا۔ فلپ نے جو خنجر کرائسٹ کے چوبی پتلے کی پشت سے کھینچا تھا، اسے نکال کر مضبوطی سے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ ”پہلا خنجر جسمانی زندگی کا خاتمہ کرتا ہے۔“ وہ بڑبڑایا۔

لڑکا بے حد دُبلا پتلا تھا۔ چوغے میں سے اُس کی پشت، اُس کی ریڑھ کی ہڈی کا ایک ایک مہرہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ لیکن فلپ جانتا تھا کہ وہ یہ کام ایسے نہیں کر سکے گا۔ یہ ضروری ہے، کہ لڑکا پلٹ کر دیکھے۔ چاہے اسے اُس کی زندگی سے محروم آنکھوں میں دیکھنا پڑے۔ مگر وہ پیچھے سے اس پر وار نہیں کر سکتا تھا۔

”مجھے معاف کر دینا۔“ اس نے آہستہ سے کہا اور ہاتھ بڑھا کر لڑکے کا کندھا تھام لیا اور اسے گھمایا۔

لڑکے نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اُس کا چہرہ سفید ہو رہا تھا اور آنکھوں میں زردی کھنڈی ہوئی تھی۔ وہ مسکرایا۔

فلپ بریٹن نے خنجر بلند کیا اور اپنی ہمت مجتمع کر کے اُس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے وار کرنے کے لیے گہری سانس لی۔

اسی وقت دروازہ دھڑ سے کھلا اور دروازے پر روشنی نے کمرے کو جگمگا دیا۔ اسی لمحے کوئی اُس پر جھپٹا۔ سڑاند جیسی بدبو اس کے وجود میں اتر گئی جھٹکا ایسا شدید تھا کہ اس کے منہ سے کراہ سی نکلی اور وہ آگے کی سمت جا پڑا۔ خنجر اُس کی گرفت سے پھسل گیا۔

کتا اب اُس کے گلے کی طرف لپک رہا تھا۔ اُس نے کتے کے بہت بڑے سر کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اُسکے انگوٹھے کتے کے دونوں آنکھوں پر دباؤ ڈال رہے تھے۔ اُس کی کہنیاں کتے کے سینے میں کھب رہی تھیں۔ پھر وہ پلٹا اور ایک ہاتھ سے اُسکے نچلے جبڑے کو تھام لیا۔

کتے نے سر جھٹکا۔ اُس کے دانت فلپ کے ہاتھ میں گھس گئے۔ تکلیف ایسی تھی کہ فلپ کی چیخ نکل گئی۔ کتے نے اپنا وزن ڈال کر اسے فرش سے چپکا دیا وہ بار بار سر جھٹک رہا تھا اور اُسکی رال فلپ کے چہرے پر گر رہی تھی۔ اُس کا منہ کھلا تو کتے کی رال اُس کے منہ میں بھی گرنے لگی۔ کراہت کی وجہ سے اسے پھندا لگ گیا۔ اُس نے کتے کی زرد آنکھوں میں تھوک دیا۔ کتے کی گرفت قدرے ڈھیلی پڑی۔ فلپ کو موقع ملا تو وہ لڑھکتا ہوا اُس سے دور ہوا اور خنجر کی طرف لپکا۔ اُس کا ایک ہاتھ اب بھی کتے کا جبڑا تھامے ہوئے تھا۔

اُس نے خنجر کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ادھر کتے نے پھر اُس کے ہاتھ کو دونوں جبڑوں میں دبایا اور اسے دوبارہ فرش سے لگا دیا۔ پھر اچانک کتے نے غیر متوقع طور پر اپنا ہدف تبدیل کیا اور اُسکے کندھے میں دانت گاڑ دیے۔ وہ یوں ہلا رہا تھا، جیسے اس کی گردن توڑ دینا چاہتا ہو فلپ درد سے کراہتا رہا۔ اپنے کندھے میں اسے کچھ ٹوٹتا ہوا محسوس ہوا اور اُس کا وہ ہاتھ نیچے تک سن ہو گیا۔ اُس نے جسم کو لچکاتے ہوئے خنجر اوپر کی سمت لہرایا۔ لیکن اس سے ہوا کے سوا کچھ نہیں کٹا۔

اُس نے دوبارہ خنجر لہرایا۔ اس بار خنجر کارآمد ثابت ہوا۔ خنجر کا پھل موٹی کھال کو کاٹتا ہوا گوشت میں اتر گیا۔ کتا چیخا اور الٹ کر گرا۔ فلپ نے اپنے گھٹنے ٹھوڑی سے ملائے اور لڑھکتا ہوا دور گیا۔ وہ سنبھل ہی رہا تھا کہ کتے نے دوبارہ اس پر حملہ کیا۔ وہ اُس کے گلے کو دبوچ لینا چاہتا تھا۔ اس بار اس کے منہ سے گرنے والی رال میں خون زیادہ اور رال کم تھی۔

ایک لمحے کو فلپ کو کتے پر ترس آیا۔ اس کے اندر دیوانی خواہش ابھری کہ وہ کتے کا سر اپنے سینے سے لگا کر اسے تھپکے۔ مگر اسے نظر انداز کر کے اُس نے خنجر اُس کے گلے میں گھونپا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ خنجر کتے کے گلے میں اتنی تیزی سے اترا کہ اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ کتا اُس کے اوپر آ گرا۔ اس کے ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ ایسے میں لکڑی کے چٹخنے کی سی آواز ابھری۔ وہ صلیب تھی، جو اس پر گری اور ٹوٹ گئی کتا اب رو رہا تھا اور فلپ کا چہرہ اُس کے خون سے لتھڑ گیا تھا۔

اُس نے لات مار کر کتے کو ہٹایا۔ کرائسٹ کا چہرہ اسے گھور رہا تھا۔ صلیب کے گرتے ہوئے لکڑی چوبی کرائسٹ کی پشت پر اس جگہ سے ٹوٹی تھی، جہاں پہلے خنجر گڑا ہوا تھا۔

☼

اُس نے اُٹھ کر کھڑے ہونے کی کوشش کی۔ مگر لڑکا مسکراتا ہوا اُس کی طرف بڑھا۔ فلپ نے پھر کتے کو لات مار کر دور کیا۔ تب اُس نے دیکھا کہ خنجر کتے کے کندھے میں پیوست ہوا تھا۔ ترحم کے اس کمزور لمحے میں اُس کا گلا خنجر کا نشانہ نہیں بن سکا تھا۔

اُس نے گھسیٹ کر خود کو ہٹایا اور صلیب سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اُس نے لڑکے کو دیکھا۔ اُس کی سمجھ میں آ گیا کہ اسے یہاں کیوں بلایا گیا ہے۔ پال بوہر نے کیوں اسے مدعو کیا تھا۔ وہ اُس سے پیچھا چھڑانا چاہتے تھے۔ وہ ایک آخری تصادم کے خواہاں تھے۔ یہ تمام خنجر حاصل کرنا چاہتے تھے، تاکہ لڑکا ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے۔

اسے بہت تکلیف ہو رہی تھی۔ اس کے باوجود اُس نے کوشش کر کے خود کو گھٹنوں کے بل اٹھایا۔ اُس کا دایاں بازو بے کار ہو چکا تھا، بے جان سا ہو کر اُس کے پہلو کے ساتھ لٹکا ہوا تھا۔ اُس نے انگلیوں کو حرکت دینے کی کوشش کی۔ لیکن نہیں دے سکا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اُس کی گردن سے بہنے والا خون اُس کی پیٹھ پر بہہ رہا ہے۔ اور اُس کے دل میں بس ایک ہی خواہش تھی۔ آنکھیں بند کرے اور سکون کی نیند سو جائے۔ یا کسی طرح اس منحوس جگہ سے دور چلا جائے۔

لڑکا اسے دیکھتا رہا۔ پھر پلٹا۔ اسی لمحے دروازے سے آنے والی روشنی منقطع ہو گئی۔ جیسے کوئی اُس کے سامنے آ گیا ہو۔ فلپ برینن نے سر گھما کر دیکھا تو دروازے کے خلا میں کھڑی مارگریٹ کا ہیولا نظر آیا۔ بادی النظر میں وہ برہنہ لگ رہی تھی۔

وہ فلپ کی طرف بڑھی۔ فلپ نے کراہتے ہوئے اپنا بایاں ہاتھ اُس کی طرف بڑھایا۔ تاکہ وہ اسے سہارا دے کر کھڑا ہونے میں مدد دے سکے۔ لیکن مارگریٹ نے اسے نظر انداز کر دیا اور لڑکے کے پہلو سے جڑ کر کھڑی ہو گئی۔

فلپ نے پلکیں جھپکاتے ہوئے نفی میں میں سر ہلایا۔ کیا پھر وہ فریب خیالی میں مبتلا ہو رہا تھا۔ یہ شیطان کی کارگزاری تھی۔ ورنہ اُس کی باوفا بیوی...... اسے فادر ڈی کارلو کے الفاظ یاد آئے: وہ تخیل پر بھی حکمراں ہے......

اُس نے سوچا، جو کچھ وہ دیکھ رہا ہے، فریب نظر ہی ہو سکتا ہے۔ اور ایسا پہلے بھی ہوتا رہا ہے وہ مصلوب بچہ فریب نظر ہی تو تھا اور اب اس کی بیوی اس مکروہ لڑکے کا ہاتھ سہلا رہی تھی، اور پھر وہ اُس کے سامنے گھٹنوں کے بل جھک گئی۔ یہ حقیقت تو نہیں ہو سکتا۔

اُس نے آنکھیں بند کیں اور اپنے حلق میں ایک چیخ کو مچلتا محسوس کیا۔ پھر اُس نے آنکھیں کھولیں تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا مارگریٹ کتے پر جھکی بڑی نرمی اور ممتا بھری آہستگی سے کتے کے کندھے سے خنجر کھینچ رہی تھی۔

پھر وہ خنجر دونوں ہاتھوں میں تھام کر اُس کی طرف بڑھی، تب بھی اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ اور وہ مسکرا رہی تھی۔ پھر اُس نے خنجر کو ہوا میں بلند کیا۔

اُس نے نفی میں سر ہلایا اور اپنا واحد کارآمد ہاتھ اٹھایا۔ مگر اس وقت تک دیر ہو چکی تھی۔ خنجر بہت نیچے آ چکا تھا۔ پھر اسے اپنے شاک اور اپنی اذیت پر بھی یقین نہیں آیا۔ اُس نے منہ کھولا اور پیچھے کی طرف گر گیا۔ اُس کی نظریں خنجر کے دستے پر جمی تھیں، جو لرز رہا تھا۔ اسے یقین نہیں آیا کہ خنجر دستے تک اس کے گلے میں اتر چکا ہے اور یہ جو خون کا فوارہ اچھل رہا ہے، یہ اُس کا اپنا خون ہے اور یہ کہ خنجر گھونپنے والے ہاتھ اُس کی بیوی کے تھے، جس سے اُس نے بہت محبت کی تھی، یہی نہیں، وہ بھی اس سے بہت محبت کرتی تھی۔ آخری نظارہ جو اُس نے مرنے سے پہلے کیا وہ کرائسٹ کا تھا، جو

خنجر کے دستے سے اسے گھور رہا تھا، جس کا چہرہ اُس کی اپنی اذیت کا آئینہ دار تھا۔

٭

وہ پھڑکتے تڑپتے جسم سے دور ہٹی۔ اُس نے اپنے لباس کو دیکھا جو خون میں تر بہ تر ہو رہا تھا۔ اور ابھی تو مرتے ہوئے فلپ بریلن کی شہ رگ سے خون فوارے کی طرح اچھل رہا تھا۔ اور ٹوٹی ہوئی صلیب پر چوبی کرائسٹ کا بالائی دھڑ خون میں نہا رہا تھا۔

لڑکے نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنی طرف کھینچا اور ڈیمین تھورن کی حنوط شدہ لاش کے روبہ رو کھڑا کر دیا۔ ''جھک جاؤ'' اس نے کہا۔

مارگریٹ نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر اُس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ شمعوں کی جھلملاتی روشنی میں لاش کی آنکھیں مسکراتی محسوس ہو رہی تھیں، جیسے وہ زندہ ہو اور جو کچھ اُس نے ابھی کیا، اس پر اسے سراہ رہا ہو۔

''اس کی روح مجھ میں زندہ ہے۔'' لڑکے نے کہا۔ ''اور اب تباہی کا وقت آ گیا ہے۔''

''آمین۔''

مارگریٹ نے سر گھما کر دیکھا۔ کتا کھڑے ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر اُس نے اپنے زخم کو چاٹا اور لنگڑاتا ہوا اُس کی طرف بڑھا۔ اُس نے لڑکے کو، اور پھر مارگریٹ کو دیکھا، پھر لاش کے ہاتھ چاٹنے لگا۔ لاش کی انگلیاں اُس کے خون میں لتھڑ گئیں۔

لڑکے نے ہاتھ بڑھایا اور مارگریٹ کو دوبارہ اٹھا کھڑا کیا۔ ''اس سے طاقت حاصل کرو'' اُس نے حکم دیا۔

مارگریٹ نے لاش کو خود سے لپٹا لیا۔ اس دوران لڑکا گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ مارگیٹ نے سر گھما کر دیکھا۔ وہ کرائسٹ کو گھور رہا تھا۔

''دیکھا نزارین'' لڑکے نے کہا۔ ''تم شکست کھا گئے۔ اب سوچو، کہاں کھڑے ہو تم؟ کیا رہ گیا تمہارے پاس۔'' اس نے مارگریٹ کی طرف اشارہ کیا ''یہ ہے وہ لڑکی، جسے بچانے کے لیے تم مصلوب ہوئے تھے۔ یہ مخلوق، جسے خدا نے اپنی شکل میں پیدا کیا، کیا یہ اس قابل تھی۔ اسے غور سے دیکھو۔ اس نے اپنے شوہر کو قتل کیا۔ یہ اُس کے خون میں نہائی ہوئی ہے۔ یہ میرے باپ کی پیروکار ہے۔ یہ ہوس کی بیٹی ہے۔ اب ذرا سوچو نزارین، تم نے جو اذیتیں اٹھائیں، اس کا کچھ حاصل ہے؟'' اس نے سر پر رکھے کانٹوں کے تاج سے اسے تھاما اور اس کے چہرے کو گھورتا رہا۔ ''دنیا اس وقت نزع کے عالم میں ہے۔ طوائف درندے پر چڑھی بیٹھی ہے۔ پیش گوئیاں پوری ہونے والی ہیں۔ جلد ہی سب کچھ ختم ہو جائے گا۔''

وہ اٹھ کھڑا ہوا اور مسکرایا۔ معبد میں مارگریٹ کی بڑبڑاہٹ اور کتے کے رونے کی آواز کے سوا کوئی آواز نہیں تھی۔

٭

پال بوہر نے ایک گھونٹ لے کر جام خالی کر دیا اور پھر آسمان کی طرف دیکھا۔ مشرق کی سمت اسے ایک روشن ہالہ سا دکھائی دیا۔ شاید وہ اُس کا تصور تھا۔ بہرحال تھوڑی دیر بعد اسے تصور کو زحمت دینے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ منظرنامہ بہت پہلے لکھا جا چکا تھا۔ ضرورت صرف واقعات کی درست ترتیب اور موزوں اداکاروں کی تھی۔ انسانیت نے خود اپنے لیے تباہی کا انتخاب کر لیا تھا۔ لطف کی بات یہ تھی کہ ایٹم بم کی سیفٹی پن کو کھینچنے کا کام ایش ٹرے کے ذریعے انجام پایا تھا...... راکھ سے راکھ!

وہ کھانے کی میز سے اٹھا اور ڈرائنگ روم میں آگیا۔ آتش دان سرد ہو چکا تھا۔ اس نے ریڈیو کھولا اور اپنے لیے ایک ڈرنک بنانے لگا...... ''مصدقہ رپورٹس کے مطابق یروشلم، تل ابیب اور بیروت پر ایٹمی حملہ ہوا ہے۔ واشنگٹن میں وائٹ ہاؤس اور پینٹا گون اس امر کی تردید کر رہے ہیں کہ صدرِ امریکا اس وقت فضا میں ہیں۔ ہمارا ماسکو کا نمائندہ رپورٹ فائل نہیں کر سکا ہے۔ وارسا معاہدے میں شامل تمام ممالک کا باقی دنیا سے مواصلاتی رابطہ منقطع ہو چکا ہے۔ برطانوی وزیرِ اعظم اب سے تھوڑی دیر بعد ایک اہم اعلان کرنیوالے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ناٹو کے تمام ممالک کے سفیر ایک گھنٹے کے اندر وزیرِ اعظم کی سرکاری رہائش گاہ پر پہنچنے والے ہیں......''

اُس نے ریڈیو بند کر دیا اور ایک گہری سرد آہ بھری۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ بوڑھا آدمی ہے، اور اب اسے مر جانا ہے۔

''تین بیس اور دس۔'' وہ بڑبڑایا۔ پھر وہ پلٹا اور دھیرے دھیرے چلتا کمرے سے نکل آیا۔

بٹلر ہال میں کھڑا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور کندھے جھٹک دیے، جیسے کہنے کو اب کچھ بھی نہیں رہا ہو۔ پال بوہر نے ریلنگ کا سہارا لیا اور اوپر چڑھنے لگا۔ اوپر پہنچ کر وہ راہ داری میں معبد کی طرف چلنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ مارگریٹ آخر کہاں چلی گئی۔

دروازے تک پہنچنے سے خاصا پہلے ہی اسے کتے کے رونے کی آواز سنائی دینے لگی تھی۔ معبد کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ لیکن ابتدا میں روشنی عقب میں ہونے کی وجہ سے وہ تفصیل نہیں دیکھ سکا۔ دیر تک وہ دروازے سے ٹیک لگائے کھڑا رہا۔ بالآخر اس کی آنکھیں اندر کے ماحول سے ہم آہنگ ہوگئیں۔ پھر اُس نے جو کچھ دیکھا۔ اسے اس پر یقین نہیں آیا۔ معبد کا فرش فلپ برینن کے خون میں نہایا ہوا تھا مارگریٹ اور لڑکا ڈیمین تھورن کی لاش کے سامنے جھکے ہوئے تھے۔ ان کی آواز اُس کے لیے محض بے لفظ بڑبڑاہٹ تھی۔

وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ اُس کی نظریں فلپ برینن کے چہرے پر جمی تھیں، جس پر گہری بے یقینی کا تاثر تھا۔ اُس نے خنجر کے دستے کو چھوا، پھر اپنے ہاتھ کو اس کی پینٹ سے صاف کیا۔ اس نے خنجر نکالنے کی کوشش کی۔ لیکن اس میں اتنی طاقت نہیں تھی۔ اسے لاش کے سینے پر پاؤں رکھ کر زور لگانا پڑا۔ تب کہیں وہ خنجر نکال پایا۔

خنجر نکالنے کے بعد اُس نے تمام خنجر جمع کیے اور لڑکے کی طرف دیکھا۔ ''وہ مجھے تباہ کرنے آیا تھا پال اور خود تباہ ہوگیا۔'' لڑکے نے کہا۔

پال بوہر نے سر کو تفہیمی جنبش دی اور خنجروں کا تھیلا کندھے پر رکھ لیا۔ ''اب میں ان سے ہمیشہ کے لیے جان چھڑا لوں'' وہ بولا۔

لیکن لڑکے نے اُس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔

پال بوہر نے فلپ برینن کے چہرے کو دیکھا۔ کیسی معصومیت تھی اُس کے چہرے پر۔ مگر کیسا بہادر تھا وہ انہوں نے اسے پاگل کر دینے کی کیا کیا کوششیں نہیں کیں۔ لیکن وہ ناکام رہے۔ آخر انہیں اُس کو پھانسنے کے لیے جال بچھانا پڑا۔ اُس نے خنجروں کو چھوا۔ پھر پلٹ کر دیکھا اور مارگریٹ کے کندھے پر تھپکی دی اُس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اُس کے بھیگے بھیگے ہونٹوں پر بلاوے تھے اور آنکھوں میں دھندلاہٹ۔ پال بوہر کو وہ دن یاد آئے، جب اسے جسم فروش عورتوں کی ضرورت پڑتی تھی، وہ اسے اس طرح دیکھتی تھیں، اُس کے جسم پر لگا ہوا خون ابھی سوکھا نہیں تھا۔ پال نے ہاتھ بڑھایا اور اُسکے نیچے اترے ہوئے گاؤن کو کھینچ کر اوپر کر دیا۔ لیکن وہ مسکرائی اور اُس نے اسٹریپ ہٹا کر اسے پھر نیچے کر دیا۔ وہ ہونٹوں پر

زبان پھیرتے ہوئے بے حیائی سے اسے اشارے کر رہی تھی۔ پال بوہر کو وہ رات یاد آ گئی، جب مارگریٹ نے سوتے میں اُس کی انگلی پکڑی تھی، اور اُس کی انگلی کا نشان ابلیس اُس کی انگلی پر مرتسم ہو گیا تھا۔

پال بوہر کو یاد آیا۔ مارگریٹ دو سال پہلے شیطان کے چیلوں میں شامل ہوئی تھی۔ دوسرے بہت سے چیلوں کی طرح اسے بھی جنس کے ذریعے پھنسایا گیا تھا۔ ایک ایسے ویک اینڈ پر جب فلپ برینن ملک سے باہر تھا، اسے ہیری فورڈ میں مدعو کیا گیا تھا۔ اُس نے دوسرے چیلوں کی رپورٹ پڑھی تھی۔ اُس وقت مارگریٹ برینن بہت شرمیلی اور پاک باز تھی، اور اُس نے زبردست مزاحمت کی تھی۔ لیکن بالآخر اُس نے ترغیبات کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے۔ اس لیے تو ترغیبات سے دور، بہت دور رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ انسان کی فطرت ایسی ہے کہ وہ بہت زیادہ لڑ نہیں سکتا۔ بہرحال جب مارگریٹ ایک بار ہار گئی تو پھر وہ دوسروں سے کہیں زیادہ پرجوش ثابت ہوئی۔ اُس نے بہت تیزی سے بے حیائی کو اپنایا۔ اور جب بالآخر اسے شریک راز کیا گیا تو وہ بے حد خوش ہوئی۔

رپورٹ کے مطابق وہ تبدیلی مذہب کا اب تک کا موثر ترین اور اہم ترین کیس تھا۔

اب اس وقت پال بوہر نے اسے دیکھا اور بدمزگی سے سر جھٹکا۔ انسان کیسی کمزور مخلوق ہے۔ برائی اسے کتنی آسانی سے زیر کر لیتی ہے۔

مارگریٹ لگاوٹ بھرے انداز میں اُس کی طرف بڑھی۔ لیکن پال بوہر نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ وہ اپنے ذہن سے بے حیائی کی باتیں اگل رہی تھی اور پال بوہر اسے نظرانداز کر رہا تھا۔

وہ پیچھے ہٹا اسے فائل میں لگی مارگریٹ کی ایک تصویر یاد آئی۔ وہ روشن چہرے والی بہت خوبصورت بچی تھی...... بے حد معصوم۔ تصویر میں اس نے سر ایک طرف جھکا رکھا تھا۔ اور آج وہ معصومیت......

وہ اُس کے پاس سے گزرا، اس نے کتے کو پھلانگا، جو فرش پر پڑا ہانپ رہا تھا۔ پھر وہ حنوط شدہ لاش کے سامنے جھک گیا، اس لاش کو ایک نازک سے اسٹیل کے فریم نے سہارا دیا ہوا تھا۔ وہ لاش کے کولہوں پر لگے پیچ کھولنے لگا۔

''پال؟'' لڑکے نے سر اٹھا کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''یہ اس کی وصیت تھی...... آخری خواہش۔'' پال نے کہا۔ ''وہ چاہتا تھا کہ ارمگیدون کے لمحے میں ان کے ساتھ آخری مذاق کرے۔''

لڑکا سوچ میں پڑ گیا۔ ''مجھے تو ایسا کچھ معلوم نہیں۔''

''وہ چاہتا تھا کہ اس موقع پر وہ دشمن کی زمین پر موجود ہو...... آخری وقت میں وہ ''اس'' کی سب سے بڑی توہین کرنا چاہتا تھا۔

لڑکے کے انداز میں اب بھی بے یقینی تھی...... شک تھا۔''

''یہ صلیب اٹھاؤ اور میرے پیچھے آؤ۔ اب پال بوہر کے لہجے میں تحکم تھا۔

لڑکے نے اثبات میں سر ہلایا۔

پال بوہر نے آخری پیچ کھولا، لاش اس کی بانہوں میں آ گئی۔ وہ زیادہ بھاری نہیں تھی۔ لیکن پال بوہر میں طاقت کم تھی۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا

دیوار سے جا ٹکا۔ مارگریٹ اُس کی مدد کے لیے لپکی۔ وہ دونوں لاش کو گھسیٹتے ہوئے معبد سے نکال لائے۔

دروازے پر وہ رکے۔ پال بوہر نے پلٹ کر دیکھا۔ لڑکے نے صلیب کندھے پر اٹھالی تھی۔ مگر اس کے بوجھ سے اُس کے گھٹنے مڑے جا رہے تھے۔ کتے نے بھی جیسے تیسے خود کو اٹھا لیا تھا اور اُس کے پیچھے چل رہا تھا۔ وہ لنگڑا رہا تھا اور اُس کے زخموں سے مسلسل خون بہہ رہا تھا۔

آہستہ آہستہ انہوں نے راہ داری پار کی اور سیڑھیوں پر پہنچے۔ لاش کے پاؤں سیڑھیوں پر دھڑ دھڑ کی آواز کے ساتھ گرتے رہے۔ اُس کی خاک اس کے عقب میں لکیریں بنا رہی تھی۔

ان کے عقب میں لڑکا لڑکھڑا رہا تھا۔ وہ بار بار ریلنگ کا سہارا لیتا اور کوشش کرتا کہ صلیب نہ گرنے پائے۔ آدھے زینے پر وہ پھسلا۔ چوبی مجسمے کا کانٹے کا تاج اُس کے کندھے اور گردن میں گھسا تو اُس کی چیخ نکل گئی۔ اُس نے گالیاں بکتے ہوئے زور لگا کر کانٹوں کے تاج کو کھینچ کر نکالا۔ پھر نیچے اترنے لگا لیکن اُس کے زخموں سے بھی خون نکلنے لگا تھا۔ گردن اور کندھے سے بہنے والا خون اُس کے چوغے کو بھگو رہا تھا۔

باہر بڑے زور سے بجلی کڑکی۔ وہ ڈرائیو وے میں پہنچے تو بارش کے ابتدائی قطرے برسنے لگے تھے۔ حویلی سے متصل چھوٹا سا تباہ شدہ چرچ جھاڑیوں کے عقب میں ایک ٹیلے پر تھا۔ وہ مغربی ونگ سے کوئی دو سو گز کے فاصلے پر تھا۔ بوہر کو یاد تھا۔ اُس نے سنا تھا کہ ڈیمین اپنے لڑکپن کے دنوں میں اسے ڈھا دینا چاہتا تھا۔ مگر پھر اسے قائل کر لیا گیا تھا کہ وہ اسے عیسائیت کی ختم ہوتی ہوئی طاقت کی علامت کی حیثیت سے کھنڈر بننے کے لیے چھوڑ دے۔ پھر اپنے عرصہ جوانی میں نے خود پر جبر کر کے چرچ میں گھسنے کی عادت ڈالی تھی۔ وہ چرچ سے خوف کو تسخیر کرنا چاہتا تھا۔ تاکہ پختگی کی عمر میں پہنچنے تک اُسکے لیے مقدس زمین پر قدم رکھنا اور اُس کی بے حرمتی کرنا آسان ہو جائے اس بے حرمتی سے اسے قوت مل سکتی تھی۔

لڑکے نے کبھی چرچ میں قدم رکھنے کی ہمت ہی نہیں کی تھی۔ وہ اپنے باپ جیسا باہمت نہیں تھا۔ وہ چرچ سے کم از کم پچاس گز دور ہی رہتا تھا۔

اب وہ ٹیلے پر چڑھ رہے تھے، جو اپنے اپنے بوجھ کے ساتھ ان میں سے کسی کے لیے بھی آسان نہیں تھا۔ کہیں زندگی کے کوئی آثار نہیں تھے، نہ کوئی پرندہ، نہ کیڑا، نہ حشرات الارض میں سے کوئی۔ جھاڑیاں اور خودرو گھاس تک میں جنبش نہیں تھی۔ جیسے ہر زندہ شے سانس روکے دیکھ رہی ہو اور منتظر ہو۔

وہ چرچ کے قریب پہنچے تو لڑکے نے چیخ کر رکنے کو کہا۔ لیکن پال بوہر آگے بڑھتا رہا۔ مارگریٹ اب ہانپ رہی تھی۔ اُس کے جسم پر بہتا ہوا پسینہ اُس کے جسم پر جمے ہوئے خون میں لکیریں بنا رہا تھا۔ وہ کچھ بڑبڑا رہی تھی، اور بار بار وہ دعوت دینے والی نظروں سے پال بوہر کو دیکھتی۔ لیکن پال بوہر مسلسل اسے نظر انداز کر رہا تھا۔ وہ لاش کو اوپر گھسیٹ رہا تھا۔ اُس کی سانس اُکھڑ رہی تھی اور دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اب تو سانسیں ان کے حلق میں پھنس رہی تھیں۔

''پال۔'' لڑکے نے دہاڑ کر اسے پکارا۔

پال بوہر چرچ کے گیٹ پر رک گیا۔ لاش کو اس نے گیٹ سے ٹکا دیا۔

لڑکا صلیب اٹھائے ہانپتا کانپتا اُس کے پاس پہنچ گیا۔

''اسے یہاں رکھ دو...... دیوار کے ساتھ۔'' پال نے کہا۔'' تاکہ فتح منداور شکست خوردہ یکجا ہو جائیں۔''

لڑکے نے ایک بار پھر اُس کی ہدایت کی تعمیل کی۔ پھر اُس نے اپنی گردن کو چھوا، جہاں تاج کے کانٹوں نے سوراخ کردیے تھے۔اُس کی پھیلی ہوئی آنکھوں میں خوف تھا اور وہ چرچ کو دیکھ رہا تھا۔

''یہ تمہارے باپ کی آخری خواہش تھی۔'' پال بوہر نے کہا۔ اُس نے مشرق کی طرف دیکھا۔ سڑک کی سوڈیم لائٹس اور مین روڈ کی نسبتاً زرد روشنیوں کے پس منظر میں پہاڑیاں نظر آرہی تھیں۔ ''وقت آگیا ہے۔'' اس نے کہا۔ لڑکا چرچ سے دور ہٹ رہا تھا۔ پھر وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔''تم اس کے پاس جاؤ۔'' پال نے مارگریٹ سے کہا۔'' جا کر اسے طاقت دو، اور اس کے ساتھ دعا کرو۔''

مارگریٹ اور لڑکا چرچ سے بیس گز کے فاصلے پر سر جھکائے گھٹنوں کے بل بیٹھے دعا کررہے تھے۔ کتا لنگڑاتا ہوا ان کی طرف بڑھا اور ان کے قریب ہی گھاس پر بیٹھ گیا۔ پال بوہر نے انہیں دیکھا اور ایک گہری سانس لے کر دونوں بازوؤں میں ڈیمین کی لاش کو تھام کر اسے دھکیلتے ہوئے گیٹ سے اندر لے گیا۔ اُسکے پیروں میں کنکر چبھ رہے تھے۔ سامنے لکڑی کا پرانا بورڈ نصب تھا، جس پر لکھا تھا۔

دی پیرش چرچ آف سینٹ جان

اُس کو ٹھوکر لگی اور لاش منہ کے بل گر گئی۔ اُس نے اسے اٹھایا۔ اسی وقت لڑکے نے چیخ کر اسے پکارا۔ اور بھاگتا ہوا گیٹ کی طرف آنے لگا...... ہانپتے ہوئے پال بوہر نے لاش کو چرچ کے دروازے کی طرف گھسیٹا۔ وہ دل میں دعا کر رہا تھا کہ دروازہ لاک نہ ہو۔ اس نے لاش کو کھڑا کر کے دیوار سے ٹکایا۔ اور دروازے کو دھکیلا۔ دروازہ چرچرایا۔ اس کے قبضے جام ہو رہے تھے۔ پال بوہر نے پلٹ کو دیکھا۔ لڑکا گیٹ پر پہنچ گیا تھا۔ مگر اب سہما ہوا کھڑا تھا۔ خوف اسے آگے نہیں بڑھنے دے رہا تھا۔

بوہر نے کندھوں کا دباؤ ڈال کر پورا زور لگایا۔ اس بار دروازہ کھل گیا۔ اُس نے لاش کو اندر دھکیلا، پھر خود اندر گھس کر دروازہ بند کر لیا۔ اندھیرے میں دروازے کی چٹخنی تلاش کرتے ہوئے اُس نے نجانے کسی کو پکارا...... پلیز، میری مدد کرو۔ اور اسی لمحے چٹخنی اسے مل گئی۔ اُس نے چٹخنی لگانے کی کوشش کی۔ لیکن اسے ہلا بھی نہ سکا۔ شاید زنگ آلود ہونے کی وجہ سے......

''پلیز گاڈ۔'' وہ زیر لب بڑبڑایا۔ پھر وہ چٹخنی پر زور آزمائی کرنے لگا۔ اُس کی انگلیاں چھل گئیں۔ مگر بالآخر وہ چٹخنی لگانے میں کامیاب ہو گیا۔

اسی لمحے اسے بھاگتے ہوئے قدموں کی قریب آتی چاپ سنائی دی۔ پھر لڑکا دہاڑا اور دروازے سے ٹکرایا۔ وہ اپنا پورا زور لگا رہا تھا۔ پال بوہر مطمئن تھا کہ دروازہ ٹوٹنے والا نہیں۔

وہ لاش کو گھسیٹتا ہوا قربان گاہ کی طرف لے چلا......

''بوہر۔'' لڑکے کی چیخ کمرے میں گونجی۔

پال لاش کو چبوترے پر چڑھا رہا تھا۔ سوکھی ہوئی جلد کے ذروں کی لکیر دروازے سے قربان گاہ تک نظر آرہی تھی۔

لڑکا اب چرچ کی عمارت کے چاروں طرف پاگلوں کی طرح دوڑ رہا تھا......

پال بوہر نے لاش کو چبوترے پر کھڑا کیا، پھر اسے چھوڑ دیا۔ لاش گری، اس کی کھوپڑی قربان گاہ کے پتھروں سے ٹکرائی۔ اُس نے جا کر لاش کو سیدھا کیا۔ گرنے کی وجہ سے اب اس کا چہرہ ٹوٹ پھوٹ کر نا قابلِ شناخت ہو گیا تھا۔ اُس نے اسے گھسیٹ کر ایک طرف کیا اور پھر کندھے سے خنجروں کا تھیلا اتارا اور خنجروں کو نکال کر فرش پر ڈھیر کر دیا۔

''بوہر'' لڑکے کے لہجے میں اب التجا تھی۔

پال بوہر نے سر اٹھا کر دیکھا۔ دیوار کے اوپر لڑکے کی انگلیاں نظر آ رہی تھیں۔ پال بوہر نے پہلے خنجر کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے لاش کی طرف دیکھا۔ ''تم نے کنٹرول کا وعدہ کیا تھا ڈیمین، لیکن تباہی کا سامان کیا۔ تم جھوٹے پیغمبر تھے۔'' یہ کہہ کر اُس نے خنجر دونوں ہاتھوں سے تھام کر سر سے بلند کیا اور تیزی سے نیچے لایا۔ اُس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

خنجر نے جلد کو چیرا تو گولی چلنے کی سی آواز سنائی دی، اور دیوار کے اس طرف سے لڑکا چلایا۔ خنجر کے پیدا کیے ہوئے شگاف سے گیس نکل رہی تھی۔ پال بوہر لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹا۔ وہ بدبو دار گیس تھی۔

اُس نے جھک کر دوسرا خنجر اٹھایا اور لاش کی طرف دیکھا۔ بدبو دار گیس شگاف سے پھنکارتی ہوئی خارج ہو رہی تھی۔ اُس کی وجہ سے خنجر کے دستے سے بندھا پولیس کا لیبل پھڑ پھڑا رہا تھا۔

اس بار پال بوہر نے قوت ارادی کے زور پر اپنی آنکھوں کو کھلا رکھا اور دوسرا خنجر لاش میں پیوست کیا۔ پھر تیسرا...... چوتھا...... اور ڈیمین کی لاش میں جب بھی کوئی خنجر پیوست ہوتا، باہر موجود لڑکا دردناک آواز میں چلاتا۔ چھٹے خنجر کے پیوست ہونے تک اُس کی آواز گیدڑ کے رونے کی آواز میں تبدیل ہو چکی تھی۔

اب ایک ہی خنجر رہ گیا تھا۔ پال بوہر نے اس کے دستے پر نقش کرائسٹ کو دیکھتے ہوئے اپنے سینے پر کراس کا نشان بنایا۔ پھر اُس نے وہ وقت یاد کیا، جب وہ شیطان کے ٹولے میں شامل ہوا تھا۔ اُس نے ایک جوان آدمی کا جس کا نام اب وہ بھول چکا تھا، تین بیس اور دس برسوں کے بارے میں بات کرتے سنا تھا۔ پھر ابھی کچھ عرصہ پہلے جب وہ بوڑھی نرس، جس نے لڑکے کی پیدائش میں ہاتھ بٹایا تھا، لڑکے کا آشیرباد لینے آئی تھی اور دُھتکار سن کر گئی تھی تو اسے اس پر کیسا ترس آیا تھا۔ اور پھر جب اُس نے لڑکے کے کمرے میں مردہ لڑکی کی تصویریں دیکھی تھیں۔ تو وہ کیسا دہشت زدہ ہوا۔ تب اسے پہلی بار یہ لرزہ خیز احساس ہوا تھا کہ یہ سب دھوکہ ہے، زندگی کے ساتھ مذاق ہے۔ شیطان کو انسانوں سے کوئی ہمدردی نہیں۔ وہ تو اپنی خاطر قربانی دینے والوں کی بھی تذلیل کرتا ہے۔

اُس نے آخری خنجر اُٹھایا اور اُسے لاش کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ ڈیمین تھورن کے کھلے منہ سے گیس کی آخری پھنکار خارج ہوئی۔ پال بوہر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اُسکے جسم میں ترتیب سے پیوست خنجروں کی دو قطاروں کو دیکھتا رہا۔ وہ صلیب کی شکل بنا رہے تھے ✝۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں اسے ایک یاس انگیز سسکی سنائی دی۔ اُس نے آنکھیں کھولیں تو ڈیمین تھورن کا جسم غائب ہو چکا تھا، خنجر گلی ہوئی ہڈیوں کے ڈھیر میں گڑے ہوئے تھے۔ پال بوہر اٹھا، اُس نے گیدڑ کے سر اور جبڑے والے اس ڈھانچے کے پاس کھڑے ہو کر ایک بار پھر صلیب کا نشان بنایا۔ پھر وہ پلٹا اور

تھکے تھکے قدموں سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

چٹخنی گرا کر اُس نے دروازہ کھولا اور باہر نکلا۔ لڑکا گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔ پال بوہر نے غور سے اسے دیکھا۔ اُس کی حالت قابلِ رحم تھی۔ وہ تو جیسے روح سے ہی محروم ہو گیا تھا۔ اُس نے پتھرائی ہوئی آنکھوں سے بوہر کو دیکھا، پھر رینگتا ہوا اُس سے دور چلا گیا۔ وہیں قریب ہی کتا بھی پڑا تھا۔ وہ مر چکا تھا۔

پال بوہر مارگریٹ کی طرف بڑھا جو گیٹ کے پاس کھڑی تھی۔ وہ اپنے ہاتھوں کو پھٹی پھٹی دہشت زدہ آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ پھر اُس نے اپنے خون آلودہ ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی۔ اسے دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ ابھی کسی خواب سے بیدار ہوئی ہے۔

''اپنے جسم کو ڈھانپ اے عورت۔ یہ بھی انسانیت کی تذلیل ہے۔'' پال بوہر نے نرم لہجے میں اُس سے کہا۔

مارگریٹ نے اُسے یوں دیکھا، جیسے وہ کوئی اجنبی ہو۔ پھر اُس نے جلدی سے اپنا لباس اوپر کر لیا۔

''کام ہو چکا ہے۔'' پال بوہر نے کہا۔

وہ دونوں حویلی کی طرف چل دیے۔ آسمان پر اب کہیں بادل نہیں تھا۔ ستارے چمک رہے تھے۔ ارمیگدون ٹل چکا تھا۔ دنیا تباہی سے بچ گئی تھی۔

⁂

تین دن تک بوڑھا بٹلر اپنے بیڈ پر تقریباً ساکت وصامت پڑا رہا۔ وہ چھت کو گھورتا رہا۔ اسے نہ تو بیڈ کے سائیڈ پر رکھے ریڈیو کی آواز کا ہوش تھا اور نہ ہی کارنر میں رکھے ٹی وی کی خبر۔

وہ اپنے کام کے لباس میں تھا۔ ٹیل کوٹ اور دھاری دار پینٹ، چمکتے ہوئے سیاہ جوتے اور کالر میں نکٹائی۔

وہ گنجا تھا۔ مسلسل رونے کی وجہ سے اُس کا چہرہ گلابی اور متورم ہو رہا تھا۔ اُس کا کمرا اُس کی اپنی وجہ سے بدبو سے بھرا ہوا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ پہلی ہی رات اُس کا پیشاب نکل گیا تھا۔

''رات اور دن'' دن اور رات نیوز ریڈر ایک ہی بات کرتے رہے تھے۔ اس جنگ کی باتیں جسے ارمگیڈون کا نام دیا گیا تھا، جس نے مشرق وسطیٰ کو بے آب وگیاں صحرا میں تبدیل کر دیا تھا۔ تل ابیب اور یروشلم صفحۂ ہستی سے مٹ گئے تھے اور جوابی کارروائی میں بیروت مکمل طور پر تباہ ہو گیا تھا۔

ٹیلی وژن پر پناہ گزینوں کے کیمپ دکھائے گئے تھے اور ان کیمپوں میں وہ لوگ تھے، جو جنگ میں بچ گئے تھے پھر سیٹلائٹ سے لی گئی ریڈی ایشن کے بادلوں کی تصویریں دکھائی گئی تھیں۔ وہ بادل مغرب کی طرف حرکت کر رہے تھے۔ ماہرین کا کہنا تھا کہ ماحولیاتی تباہی کے نتیجے میں دنیا کا موسم مکمل طور پر تبدیل ہو جائے گا۔

بڈھے کے دماغ تک ان میں سے کوئی خبر، کوئی بات نہیں پہنچ سکی تھی۔ وہ تو بس روئے جا رہا تھا...... بغیر رکے۔ صرف اس کی تھوڑی پر اور تھوڑی سے کالر پر بہتے ہوئے آنسو ہی اس بات کا ثبوت تھے کہ وہ زندہ ہے۔

تیسری رات بادل چھٹ گئے اور پردوں سے چاندنی چھن چھن کر اندر آنے لگی۔ بڈھے نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں اور اٹھ بیٹھا۔ وہ بیڈ سے اترا اور باتھ روم گیا۔ پوری زندگی وہ بے حد صاف ستھرا اور مرتب ومہذب آدمی رہا تھا۔ اب جبکہ وہ اٹھ گیا تھا تو اسے معلوم تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

اس نے شیو کیا، نہایا، صاف ستھری یونیفارم پہنی اور اپنے وارڈ روب سے ایک اور نائٹ بیگ لے کر باہر نکل آیا۔ راہ داری سے گزر کر وہ زینے پر پہنچا۔ نیچے اتر کر وہ داخلی ہال سے گزرا۔ ایک لمحے کے لیے وہ ڈائننگ روم میں رکا۔ اس نے ڈائننگ روم پر اُس رات کے ڈنر کی باقیات کا جائزہ لیا۔ وہ چھ عدد سیاہ موم بتیاں پگھل چکی تھیں۔ پگھلے ہوئے موم کا وہ ڈھیر بہت مکروہ اور بدنما لگ رہا تھا۔ مہاگنی کی میز پر سے اُس کے نشان آسانی سے نہیں مٹیں گے۔ یہ سوچ کر اُس نے بہت برا منہ بنایا۔ بہرحال یہ سب تو بعد کے کام ہیں۔ ابھی تو سب سے ضروری کام کرنا ہے۔

وہ موسم گرما کی ایک گرم رات تھی۔ لان عبور کر کے وہ اسٹور میں گیا۔ وہاں سے ایک پھاوڑا لے کر وہ ٹیلے کی طرف چل دیا، جہاں وہ تباہ شدہ چرچ موجود تھا۔

اب اُس کی آنکھوں میں آنسو بھی نہیں تھے۔ نمی تک نہیں تھی۔ اس وقت اُس کا وجود دکھ کا ایک مہیب صحرا تھا۔ اپنی پوری زندگی اُس کو شیطان کی قوتوں پر یقین رہا تھا۔ اپنے اس ایمان پر وہ خوش تھا۔ اس کے بدلے اُس سے ابدی لعنت کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اور وہ اس میں بھی خوش تھا۔

لیکن تباہی کی اس رات کے بعد وہ جان گیا تھا کہ اب اس کی روح کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔

گاؤں کی جانب سے چرچ کی گھنٹیوں کی آواز سنائی دی تو وہ تیز تیز چلتے ہوئے اسے کوسنے لگا۔ وہ ناکام ہو گیا تھا۔ تمام چیلے ناکام ہو گئے تھے۔ یہ گھنٹیاں اس بات کا ثبوت تھیں۔ اور اب ان میں کبھی حوصلہ پیدا نہیں ہوگا۔

چرچ تک پہنچتے پہنچتے وہ ہانپ گیا۔ ایک لمحے کو وہ چرچ کے سائن بورڈ سے ٹک کر کھڑا ہوا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کیا دیکھے گا......وہی جو اس نے تین رات پہلے دیکھا تھا۔ کاش اس بار اس کی وہ کیفیت نہ ہو۔ تین رات پہلے تو وہ اس منظر کو دیکھ کر شاک میں چلا گیا تھا۔

کتا......وہ بہت بڑا جسیم درندہ وہیں پڑا تھا، جہاں وہ گرا تھا۔ اس کی سیاہ کھال پر خون کے چمکتے جم گئے تھے۔ زرد بے نور آنکھیں جیسے اسے گھور رہی تھیں وہ دیوار سے ٹکا کر کھڑی کی گئی صلیب کے قدموں میں پڑا تھا۔ وہ کرائسٹ کا ایک قدم آدم چوبی پتلا تھا، جسے کیلوں کی مدد سے صلیب پر گاڑا گیا تھا اس کے چہرے اور گلے پر خشک خون جما ہوا تھا۔

بڈھے نے پھاوڑا ایک طرف رکھا اور کتے کی لاش کو پھلانگتے ہوئے آہستہ آہستہ چرچ کی طرف بڑھا۔ پوری زندگی وہ اس مقدس زمین پر قدم رکھنے کے تصور سے بھی ڈرتا رہا تھا۔ مگر اب جبکہ جنگ ہی ہاری جا چکی تھی تو ڈرنے کی بات ہی نہیں رہی تھی۔ اب آدمی لڑے تو کیسے لڑے۔

چرچ کی چھت نہیں تھی۔ نہ ہی وہاں نشستیں تھیں۔ البتہ قربان گاہ اور منبر موجود تھے۔ بڈھا اپنے بیگ کو گھسیٹتا ہوا اس درمیانی راستے پر بڑھا، جس کے اطراف میں کبھی نشستیں رہی ہوں گی۔

قربان گاہ پہنچ کر وہ رک گیا۔ وہاں ایک ڈھانچہ پڑا تھا۔ بوسیدہ ہڈیوں کے درمیان سات خنجر گڑے ہوئے تھے۔ اس نے کھوپڑی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اُس کی انگلیاں لرزنے لگیں۔ اُس نے آنکھیں بند کیں اور کھوپڑی کو اٹھا کر بیگ میں ٹھونس دیا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ ڈیمین تھورن کی توہین کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اسے کوئی باکس لانا چاہیے تھا۔ لیکن وہ تو اس کے پاس تھا ہی نہیں۔ ڈیمین تھورن کی باقیات لے جانے کے لیے اس کے پاس بس یہی بیگ تھا، جس پر جا بجا ایر لائنز کے اسٹکر لگے تھے۔

اس کام میں ایک منٹ بھی نہیں لگا۔ لیکن ران کی ہڈیاں بیگ میں نہیں سما پا رہی تھیں۔ بڈھے نے سر توڑ کوشش کر لی۔ لیکن وہ بیگ سے باہر ہی نکلی رہیں۔ بڈھا بڑبڑایا۔ پھر وہ خنجر جمع کرنے لگا۔ وہ خنجر ایک سے تھے۔ اسٹیل کا تکونا چھ انچی پھل، صلیب کی شکل میں تراشے گئے دستے، جن پر کرائسٹ کی ابھری ہوئی شبیہہ لگی تھی۔

اُس نے خنجروں کو بھی بیگ میں رکھ لیا۔ پھر اُس نے قربان گاہ سے گرد جھاڑی اور بیگ اٹھا کر تیز قدموں سے باہر کی سمت چل دیا۔ چرچ سے نکل کر اس نے سکون کی سانس لی اب صرف تدفین کا اور جلانے کا مرحلہ رہ گیا تھا۔

کتے کے سائز کی قبر کھودنے میں اسے ایک گھنٹہ لگا اور صلیب کے گرد لکڑیاں اور سوکھی ٹہنیاں جمع کرنے میں بیس منٹ۔ پھر جب سب تیار ہو گیا تو اُس نے کوٹ کی جیب میں سے ایک لائٹر نکالا۔ ابتدا میں تو پتلی سوکھی ٹہنیوں نے آگ نہیں پکڑی۔ رات کی ٹھنڈی ہوا بھی رکاوٹ بن رہی تھی۔ مگر بالآخر لکڑیوں نے آگ پکڑ لی۔

وہ پیچھے ہٹ آیا۔ اُس کے نزدیک وہ محض ایک معمولی سی بدتمیزی تھی۔ صلیب اب دھڑا دھڑ جل رہی تھی۔

اس مرحلے سے نمٹنے کے بعد وہ کتے پر جھکا۔ اس نے اپنے انگوٹھوں سے دباؤ ڈال کر اس کی آنکھیں بند کر دیں۔ پھر وہ اسے اُس کے گلے پنجوں سے گھسیٹ کر قبر تک لایا۔ کتے کا وزن 150 پونڈ سے کم نہیں تھا۔ ایک لمحے کو تو بڈھے کو ایسا لگا کہ مرنے کے بعد کتا خود اسے بھی موت کے منہ میں پہنچا کر دم لے گا۔ اس نے سوچا، کیوں نہ پہلے وہ اپنے لیے بھی ایک قبر کھود لے۔

اب ایک آخری کوشش کرنی تھا۔ اُس نے جھک کر کتے کی پسلیوں پر دباؤ ڈالتے ہوئے دھکیلنے کے لیے زور لگایا۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹا۔ کیونکہ کتے کے جسم میں اسے لرزش محسوس ہوئی تھی۔ وہ کھڑا ہو کر چند لمحے اسے تکتا رہا۔ اب کتے کے جسم میں جنبش واضح تھی۔ پھر اس کی پچھلی ٹانگیں باقاعدہ حرکت کرنے لگیں۔

بڈھے کو بالکل معلوم نہیں تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ اُس نے بے اختیار بیگ میں ہاتھ ڈال کر ایک خنجر نکال لیا۔ پھر وہ جھکا اور اس نے بڑی نرمی سے کتے کا پیٹ چاک کیا۔ اُس میں سے خون بالکل نہیں نکلا۔ یہ ایسا ہی تھا، جیسے وہ اسنیک کا کوئی ٹکڑا کاٹ رہا ہو۔

اُس نے ایک سر کو نمودار ہوتے دیکھا تو دوبارہ گھبرا کر پیچھے ہٹ آیا۔ وہ چھوٹا سا کتا تھا، جو مرے ہوئے کتے کے پیٹ سے باہر آنے کے لیے پنجے چلا رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں بند تھیں۔ پھر وہ باہر نکل آیا اور کھدی ہوئی تازہ مٹی پر چند لمحے ساکت وصامت پڑا رہا۔ اُس کے بعد اس نے سر گھمایا اور دانتوں سے اُس نال کو کاٹنے لگا جو اسے اب بھی مردہ کتے سے منسلک کیے ہوئے تھی۔

بڈھا اور پیچھے ہٹ گیا۔ مشقت کی وجہ سے اُس کا تمتمایا ہوا چہرہ سیاہ پڑ گیا تھا۔ وہ بڑبڑایا۔ ''بے شک موت کے بطن سے نئی زندگی جنم لیتی ہے۔'' پھر بے ساختہ اس نے سینے پر الٹی صلیب کا نشان بنایا، جو کہ شیطان کے پجاریوں کا شیوہ ہے۔

اُس نے سر گھما کر جلی ہوئی صلیب پر مصلوب مسیح کے چوبی پتلے کو دیکھا، جس کے چہرے کے نقوش جلنے کے باوجود واضح تھے۔ پھر اُس نے دوبارہ کتے کی لاش کو دیکھا اسی وقت بجلی چمکی اور قبر جگمگا گئی۔ کتے کے پلے نے خود کو نال سے آزاد کر لیا تھا۔

بڈھا اٹھ کر بھاگا۔ اسی وقت بارش کے ابتدائی قطروں نے آگ کو بجھا دیا۔ بڈھا بٹلر اندھا دھند بھاگ رہا تھا اسی لئے وہ ان دو آنکھوں کو نہیں دیکھ سکا، جو جنگل سے جھانک رہی تھیں۔ وہ زرد آنکھیں، جو بے تاثر تھیں، جن میں زندگی کی رمق تک نہیں تھی۔

⁂

لڑکا جھاڑیوں میں دبکا ہوا تھا۔ اسے بارش کا احساس بھی نہیں تھا۔ اس کے جسم پر لباس کے نام پر ایک تار بھی نہیں تھا۔ اُس کے بال چکٹ رہے تھے اور ہاتھ اور پاؤں پر منوں میل جمی تھی۔ اس کی گردن اور کندھے کے زخموں سے خون رس رہا تھا۔ پہلے بہا ہوا خون الگ جما ہوا تھا۔ اُس نے سر اٹھا کر فضا میں کچھ سونگھا۔ صلیب کے اردگرد جلتی ہوئی، آگ کو بارش نے بجھا دیا تھا وہ اُس کی طرف بڑھنے لگا۔

اچانک اُس کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ کھدی ہوئی قبر کے پاس اسے کوئی شے حرکت کرتی دکھائی دے رہی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ رینگتا ہوا اس طرف بڑھتا رہا۔ پھر اسے کتے کا وہ پلا نظر آیا۔ وہ اس کے پاس گیا۔ پھر وہ جھکا اور زبان سے چاٹ کر کتے

کے پلے کو صاف کرنے لگا۔ جواب میں پلا اُس کے پاؤں چاٹنے لگا۔ پھر پلے نے گیلی مٹی میں پنجے چلائے۔ وہ کچھ لائنیں اور کچھ کراس بنا رہا تھا۔ اس کے بعد وہ دوڑتا ہوا چرچ کی طرف بڑھا۔ بار بار وہ پلٹ کر لڑکے کو دیکھتا، جیسے اسے اپنے پیچھے آنے کو کہہ رہا ہو۔

پہلے تو لڑکا ساکت رہا۔ پھر رینگتا ہوا اُس طرف بڑھنے لگا۔ وہ رو رہا تھا۔ چند لمحے وہ دروازے پر رکا رہا۔ پھر رینگتا ہوا اندر چلا گیا پلا منبر کی طرف جا رہا تھا وہ بھی اس کے پیچھے گھٹنوں کے بل چلتا رہا۔ ضخیم بائبل کو دیکھ کر وہ غرایا۔ پھر اُس نے سر جھکا کر پلے کو دیکھا۔ منبر پر جمی ہوئی گرد میں پلا پھر پنجے چلا رہا تھا۔ یہ بھی وہی تحریر تھی، جو اُس نے باہر مٹی پر اپنے پنجوں سے لکھی تھی۔

XXII-III-VIII

اب پلا اوپر چڑھنے لگا یہاں تک کہ لیکڑن سے ٹک کر بیٹھ گیا۔

لڑکے نے اپنے کندھے کے زخم کو چھوا اور پلے کے پیچھے گیا وہ اب بھی گھٹنوں کے بل چل رہا تھا۔ منبر کے پاس پہنچ کر وہ سیدھا ہو بیٹھا۔ اُس نے بائبل کو سونگھا۔ اُس میں عہد نامہ قدیم بھی تھا اور عہد نامہ جدید بھی۔ اس پر گرد کی دبیز تہہ تھی۔

اُس نے ہاتھ بڑھایا۔ اُس کی انگلیوں میں کپکپاہٹ تھی۔ اُس نے انڈیکس کھولی اور اس میں رومن ہندسے تلاش کرنے لگا۔ اُسے ترجمے کی ضرورت نہیں پڑی۔ پیغام اُس کے لیے تھا اور صاف اور واضح تھا۔

اس نے بائیسویں (XXII) کتاب کھولی۔ اس کی انگلی بوسیدہ کاغذ پر حرکت کر رہی تھی...... اپنے پیچھے لہو کے نشان چھوڑتی ہوئی۔ پھر اُس کی انگلی رکی اور وہ پڑھنے لگا۔ اُس کے ہونٹ بے آواز حرکت کر رہے تھے۔ پھر وہ مسکرایا...... اور پہلی بار وہ اٹھ کر پورے قد کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

اُس کی آنکھیں احساسِ فتح سے چمک اُٹھیں، مٹھیاں بھنچ گئیں، پھر اچانک اُس کا جسم تنا، اُس نے سر گھما کر ادھر اُدھر دیکھا۔ پہلی بار اسے گرد و پیش کا اور اپنی عریانی کا احساس ہوا۔ اُس نے چرچ کو صرف اس لیے باقی رہنے دیا تھا کہ وہ عیسائیت کی بے طاقتی کی علامت ہے۔ وہ کھنڈر بن چکا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ تھا تو خدا کا گھر ہی۔ اُس کے اندر پھر سے خوف ابھرنے لگا۔ لیکن اس خوف سے اسے خوشی ہوئی۔ کیونکہ خوف تو زندگی کی علامت ہے۔ خوف کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی روح پھر زندہ ہو گئی ہے۔

وہ پلٹا اور بھاگا۔ مقدس زمین پر اسے اپنے تلوے جلتے محسوس ہو رہے تھے مگر وہ اس تکلیف میں بھی خوش تھا۔ باہر نکل کر اُس نے ادھر جلی صلیب کو دیکھا۔ پھر بڈھے بٹلر کے چھوڑے ہوئے بیگ میں سے ساتوں خنجر نکال لیے۔ ایک لمحے وہ ساکت کھڑا دعا کرتا رہا پھر وہ ادھر جلی صلیب کے پیچھے گیا پہلا خنجر اُس نے مصلوب مسیح کے پتلے کی ریڑھ کی ہڈی میں گھونپا۔ پھر باقی خنجر ہی ترتیب سے گھونپ دیے...... گردن سے لے کر کولہے تک پانچ خنجر عمودی شکل میں اور دو افقی شکل میں...... جیسے کوئی صلیب ہو......

پھر وہ سامنے آیا اور اُس نے کرائسٹ کے اذیت زدہ چہرے کو دیکھا اور فاتحانہ لہجے میں بولا ''ایک دن نزارین، ایک ہزار سال کے برابر ایک دن'' پھر وہ حویلی کی طرف دوڑنے لگا۔ بارش تیز ہو گئی تھی۔ مصلوب مسیح کی آنکھوں میں بارش کا پانی بھر گیا تھا۔ اسے دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ رو رہا ہے۔

......۞......

پال بوہر تقریباً ایک سال سے موت کا انتظار کر رہا تھا۔ اب تو اس کا صبر و تحمل جواب دینے لگا تھا۔ اس جنگ کے بعد کی صبح جسے ارمگیدون کا نام دیا گیا تھا، اس پر اسٹروک کا ہلکا سا حملہ ہوا تھا، جس سے اُس کا بازو بے جان ہو گیا تھا اور زبان میں لکنت آ گئی تھی۔ وہ سوچتا تھا کہ کاش اس اسٹروک نے اسے ختم ہی کر دیا ہوتا۔ کیونکہ اُس کی زندگی اب بے مصرف اور رائیگاں تھیں۔ زندگی کے 71 سال ضائع ہو گئے تھے، جس کے اختتام پر اس نے شیطان کو چھوڑ کر کرائسٹ کا دامن تھام لیا تھا۔

اب وہ تھک چکا تھا زندگی کے اس آخری عرصے میں اس نے سب عیش و آرام چھوڑ دیا تھا اور ویسٹ لندن کی ایک چھوٹی سی کوٹھری میں منتقل ہو گیا تھا۔ وہ موسم سرما کے ختم ہونے کا منتظر تھا۔ لیکن سردی جان ہی نہیں چھوڑ رہی تھی۔ جنگ کے چار دن بعد جولائی کے وسط میں پہلی بار برف گری، اور اُس کے بعد تو ہر وقت بادل چھائے رہنے لگے۔

موسموں کا بھی عجیب حال تھا۔ جولائی سے سردی چلی تو اب جون تک سردی ہی تھی۔ اس دوران نہ تو موسم خزاں آیا نہ ہی موسم بہار۔ اب جون میں درجہ حرارت 4 درجہ سینٹی گریڈ تھا۔ جبکہ سرد ہواؤں کے جھکڑ چلتے رہتے تھے۔ کلیاں نمودار ضرور ہوئیں، لیکن پھول بننے کا انتظار کرتے کرتے مرجھا گئیں بیشتر درخت تقریباً ایک سال سے مر چکے تھے۔ سڑک پر چلنے والوں کو دیکھ کر لگتا تھا کہ ان کی کمریں جھک گئی ہیں۔ انہیں بتایا جاتا تھا...... سمجھایا جاتا تھا کہ جنگ نے موسمی توازن کو بگاڑ دیا ہے۔ لیکن تکلیف کی وجہ معلوم ہونے سے تکلیف میں کوئی کمی تو نہیں ہوتی ہے۔

اُس صبح پال بوہر بیٹھا برانڈی کے گھونٹ لے رہا تھا۔ اب وہ دن بھر میں ڈیڑھ بوتل پی جاتا تھا۔ لیکن اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ اس پینے کے نتیجے میں اُس پر بے زاری اور پژمردگی طاری ہو جاتی، جو اسے سخت ناپسند تھی۔ لیکن پیے بنا گزارا بھی نہیں تھا۔

آہستہ سے وہ بیڈ سے اترا اور اُس نے ٹی وی کا سوئچ آن کیا۔ پھر اس نے ان تحریری پیش گوئیوں پر نگاہ ڈالی جنہیں اس نے دیوار پر آویزاں کر رکھا تھا۔ وہ تمام کی تمام بائبل کی پیش گوئیاں تھیں۔ اُس نے انہیں بڑا کرا کے فریم کرا لیا تھا۔

اُس کے سرہانے چار مربع فٹ کے رقبے پر یہ لفظ تحریر تھے...... جب تم دیکھو کہ یروشلم میں فوجوں کا زبردست اجتماع ہے تو سمجھ لو کہ تباہی کا وقت اب ذرا بھی دور نہیں۔ کیونکہ یہ عرصہ انتقام ہے اس میں وہ سب کچھ پورا ہو جائے گا، جو کتاب میں لکھ دیا گیا ہے۔

اُس کے برابر میں دمشق پر گرائے جانے والے بم کے ایک شکار کی تصویر تھی، جس کے نیچے لکھا تھا...... جو لوگ جنگ شروع کریں گے، ان کے جسموں سے گوشت گل سڑ کر بہہ جائے گا۔ اُن کی آنکھیں اُن کے حلقوں میں گل سڑ جائیں گی اور ان کی زبانیں ان کے مونہوں میں......

دروازے کے اوپر ایک اور تحریر تھی، تاکہ وہ اسے ہر وقت دیکھتا رہے:

جو ایمان والا ہے، اسے بتا دو
بتا دو اسے عفریت کے عدد کے بارے میں
کہ عفریت کا عدد انسانی عدد ہے
اور وہ عدد ہے چھ سو چھیاسٹھ

جب بھی وہ اس عبارت کو دیکھتے تو اپنے سیدھے ہاتھ کی انگشت شہادت پر اُس زخم کے نشان کو دیکھتا اور سہلاتا...... بادی النظر میں تو ایسا لگتا تھا کہ وہاں جلد سخت ہوگئی ہے اور وہ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تین دائرے نہیں، ابھرے ہوئے دھبے ہیں کوئی جلدی بیماری لیکن غور سے دیکھنے پر وہ تین چھکے صاف نظر آتے تھے۔

اسے یاد تھا، جب وہ نشان اُس کی انگلی پر نمودار ہوا تھا تو فخر سے اُس کا سینہ چوڑا ہوگیا تھا۔ اسے فخر تھا کہ اسے شیطان نے اپنے خاص چیلوں میں شامل کرلیا ہے۔ لیکن اب وہ اس منحوس نشان سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ لیکن یہ اس کے اختیار میں نہیں تھا۔ اس لیے کبھی وہ کسی کے ساتھ بیٹھا ہوتو انگوٹھے سے اس انگلی کو ڈھانپ لیتا۔ اب وہ اس پر شرمندہ تھا۔ گزری ہوئی پوری زندگی اُس کے لیے بے بندگی شرمندگی تھی۔

اخبارات میں ایک سال گزر جانے کے باوجود سیاسی پنڈت جنگ کے سلسلے میں نظریاتی مباحث جاری رکھے ہوئے تھے۔ وہ سب یہ سمجھنا چاہتے تھے کہ اتنی بڑی جنگ ایک دم سے، اس قدر اچانک کیسے ختم ہوگئی۔ یہ تو وہ جنگ تھی، جس کے لیے باقاعدہ حکمتِ عملی ترتیب دیتے ہوئے منصوبہ بندی کی گئی تھی۔ تو پھر وہ منصوبے کیوں دھرے کے دھرے رہ گئے۔

پال بوہر کو وجہ معلوم تھی۔ لیکن وہ بتا نہیں سکتا تھا۔ بتاتا تو کسے بتاتا۔ بنیاد پرستوں اور مذہبی جنونیوں کے علاوہ کون اُس کی بات پر یقین کرتا۔ کون یقین کرتا کہ کتاب مقدس کی تمام پیش گوئیاں پوری ہو رہی ہیں۔ کون یقین کرتا کہ یہودی کے بیت المقدس پر قابض ہونے کے بعد مسیح کی پیدائش ہوئی ہے اور وہ اُس وقت زمین پر چل پھر رہے ہیں، یہاں تک کہ ارمگیدون میں ان کا دجال...... اینٹی کرائسٹ سے مقابلہ ہوگا۔

اُس نے برانڈی کی بوتل کو ایک بار پھر جھکایا اور دوپہر کی خبروں پر توجہ مرکوز کرنے کی کوشش کی۔ وہ تباہی کی جانی پہچانی خبریں تھیں۔ چین اور غیر وابستہ ملکوں کی فیڈریشن نے امریکا اور روس کی اس تجویز کو مسترد کر دیا تھا کہ ہتھیار بنانے کا سلسلہ موقوف کر دیا جائے۔ دوسری طرف چینی فوج روسی سرحدوں پر بڑی تعداد میں جمع ہو رہی تھی۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے ہنگامی طور پر بلائے گئے اجلاس میں تازہ ترین سرحدی خلاف ورزیوں کی پرزور مذمت کرتے ہوئے چینیوں کو فوجیں سرحد سے ہٹانے کو کہا تھا۔ لیکن چینی حکومت نے ہمیشہ کی طرح اسے نظرانداز کر دیا تھا۔

پال بوہر نے ایک سرد آہ بھری اور برانڈی کا ایک گھونٹ لیا۔ یہ وہی پرانا عالمی خبط تھا، وہ کھیل جو مدت سے کھیلا جا رہا تھا۔ بس کھلاڑیوں کے نام تبدیل ہوگئے تھے۔ ہر سیاسی مبصر کے لبوں پر ایک اور خوف ناک تصادم کے امکان کی خبر تھی۔ یہ سینار یو اتنی کثرت سے بیان کیا جا رہا تھا کہ اب تو ناگزیر معلوم ہونے لگا تھا۔

روزمرہ کے وحشیانہ واقعات بین الاقوامی انارکی کا ثبوت تھے۔ ڈکیتی کی وارداتوں میں آبروریزی لازمی قرار پا گئی تھی۔ قتل اب انفرادی سے بڑھ کر اجتماعی ہوگئے تھے۔ آج صبح سرے کاؤنٹی میں بوڑھے لوگوں کے ایک ہوم پر وحشیانہ حملہ ہوا تھا۔ تیرہ معذور مردوں اور عورتوں کو وحشیانہ انداز میں بری طرح مارا پیٹا گیا تھا۔ اور لوٹ بھی لیا گیا تھا۔

پال بوہر کی برداشت جواب دینے لگی۔ اُس نے ٹی وی بند کیا اور اُس طرف والی دیوار پر نظر ڈالی۔ وہاں بائبل کی سب سے طویل کوٹیشن لگی تھی۔ وہ اسے سینکڑوں بار پڑھ چکا تھا۔ اس وقت بھی وہ اسے بلند آواز میں پڑھنے لگا:

میں نے ایک فرشتے کو آسمان سے اترتے دیکھا۔ اُس کے پاس پاتال کی کنجیاں تھیں اور ہاتھ میں ایک بہت بڑی زنجیر۔ اُس نے اس سے ڈریگون کو باندھ دیا...... وہ بوڑھا سانپ جو شیطان ہے، اسے ایک ہزار سال کے لیے باندھ دیا گیا۔ اور اسے پاتال کے ایک گہرے گڑھے میں پھینک دیا گیا۔ پھر گڑھے کو بند کر کے اُس میں ایک مہر لگا دی گئی۔ اب وہ قوموں کو ایک ہزار سال تک دھوکہ نہیں دے سکتا تھا۔ لیکن ایک ہزار سال کے بعد اسے مختصر سے ایک موسم کے لیے رہائی ملے گی۔

ارمگیڈون کے ایک ہزار سال بعد...... اگلے ہزاریے میں۔ یہ پیش گوئی بھی تھی اور وعدہ بھی۔ لیکن یہ وعدہ جھوٹا تھا...... ایک خوفناک دھوکہ! ساری دنیا میں منفی رجحانات خوب پنپ رہے تھے۔ جنگ نے لوگوں کے ہوش وحواس چھین لیے تھے اور ان کے دکھوں میں بے پناہ اضافہ کر دیا تھا۔ اب کوئی عورت حاملہ ہوتی تو نہ خوشی منائی جاتی اور نہ ہی اسے مبارک باد دی جاتی۔ کیونکہ زمین برقناطیسیت سے بری طرح آلودہ ہو چکی تھی سب لوگ اس حمل کے نتیجے کا انتظار کرتے...... دھڑکتے دل کے ساتھ، اور بچہ خوش قسمت ہوتا تو مردہ ہی پیدا ہوتا۔ ورنہ زیادہ تر معذور بچے ہی پیدا ہوتے تھے، جو علاقے محفوظ تھے، وہاں تک بچوں کی پیدائش پر خوشی نہیں منائی جاتی تھی۔

نسلِ انسانی بڑی خاموشی سے اپنے مٹنے کی منتظر تھی۔ اور بیش تر لوگوں کا خیال تھا کہ وہ اس انجام کی مستحق تھی۔

پال بوہر نے گھڑی میں وقت دیکھا اور فون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ہر روز اس وقت وہ فون کر کے معلوم کرتا تھا کہ مارگریٹ خیریت سے ہے یا نہیں۔ اُس نے نمبر ملایا اور انتظار کرنے لگا۔ دوسری طرف سے فون اٹھایا نہیں گیا۔ ہو سکتا ہے، اُس نے غلط نمبر ملایا ہو۔ یہ سوچ کر اُس نے دوبارہ نمبر ڈائل کیا۔ لیکن ابھی بھی جواب نہیں ملا۔ پال بوہر پریشان ہو گیا۔ اسے تو گھر میں ہی ہونا چاہیے۔ اور اگر وہ گھر میں نہیں ہے تو گھر کو ایسے چھوڑ کر تو وہ جانے والی نہیں۔ کسی کو تو گھر میں چھوڑ کر گئی ہو گی...... نرس کو یا گھر کی ملازمہ کو۔

اُس نے جلدی سے اپنا کوٹ اٹھایا اور پہننے لگا۔ پھر وہ کمرے سے نکلا اور سیڑھیوں کی طرف لپکا۔ ہال وے میں رچی پیشاب کی بو سے اُس کا جی متلانے لگا۔ اُس غلیظ مقام پر رہنا اُس جیسے آدمی کے لیے بے حد خوف ناک تھا...... وہ جس نے ہمیشہ عیش وآرام میں زندگی گزاری تھی۔ لیکن ایک عجیب سے انداز میں یہ سب کچھ اسے اچھا لگتا تھا۔ یہ ایک طرح سے اُس کے گناہوں کا کفارہ تھا۔ اُس کے نزدیک وہ اسٹروک بھی کفارہ ہی تھا۔ اُس دن کے بعد اُس نے ہمیشہ یہی دعا کی تھی کہ اسے اپنے گناہوں کی سزا اس دنیا میں ہی مل جائے۔ اور بعد کی ابدی زندگی میں خدا اسے معاف کر کے سکون عطا فرمائے۔

ٹیکسی میں بیٹھ کر وہ ساؤتھ کینسنگٹن کے علاقے میں دو میل آگے گیا۔ وہاں بولٹن کے علاقے میں مارگریٹ بریٹن کا فلیٹ تھا۔ مارگریٹ کو بھی یہ غریبانہ زندگی گزارنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اُس کے پاس اتنا تھا کہ وہ پرآسائش زندگی گزار سکتی تھی۔ اُس خوف ناک رات کے بعد وہ ہر روز اُس سے ملتا رہا تھا اصل میں اب وہ دونوں ایک دوسرے کی ضرورت تھے۔ کیونکہ دنیا میں اور کوئی نہیں تھا جو اُن کی بات سمجھ سکے۔ لیکن مارگریٹ کی ضرورت اس کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھی۔ کیونکہ وہ اُس سے کہیں بڑی گناہ گار تھی۔

وہ ٹیکسی سے اترا تو اُس کے انداز میں تشویش کے علاوہ گھبراہٹ بھی تھی۔ دروازے پر ایک پولیس والے کو کھڑے دیکھ کر وہ اور گھبرا گیا۔ اُ

س نے اسے اپنا نام بتایا۔ پولیس والے نے ریڈیو پر کسی سے بات کی۔ پھر ایک طرف ہٹ کر اندر جانے کا راستہ دیا۔

''ہوا کیا ہے؟'' پال بوہر نے اُس سے پوچھا۔

''حادثہ ہی کہہ لیجیے۔'' پولیس والا اس سے زیادہ، کچھ بتانے کو تیار نہیں تھا۔

فلیٹ کا دروازہ کھلا تھا۔ پال چند لمحے ڈوروے میں کھڑا رہا۔ وہ پچھلی صبح بھی وہاں آیا تھا۔ اُس کی موجودگی میں مارگریٹ پر رونے کا دورہ پڑا تھا وہ اُسے تسلی دیتا رہا تھا۔ ایسے دورے اسے پڑتے رہتے تھے۔ اس وقت فلیٹ کی حالت بہت ابتر تھی۔ مگر اب فلیٹ صاف ستھرا تھا۔ کھڑکیاں چمک رہی تھی۔ فضا میں فرنیچر پر کی جانے والی پالش کی مہک تھی۔ ہر چیز اپنی جگہ پر قرینے سے رکھی تھی۔ بس ایک بات خلافِ معمول تھی۔ وہاں اوور کوٹ پہنے ہوئے دو آدمی بیٹھے تھے، اور اب وہ اسے متوقع نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

وہ تعارف کے مرحلے سے گزرے۔ ایک ڈیٹیکٹیو سارجنٹ تھا اور دوسرا کانسٹیبل۔ دونوں کے چہروں پر ایک جیسا تاثر تھا...... سنگینی اور تجسس کا ملا جلا تاثر!

''وہ کہاں ہے؟'' پال بوہر نے پوچھا۔

انہوں نے اسے ایک اسپتال کا نام بتایا۔

پال بوہر اور پریشان ہوگیا۔ ''مگر وہ تو......''

''یس سر، وہ دماغی امراض کا اسپتال ہے۔''

وہ اسے سہارا دے کر باتھ روم کی طرف لے گئے۔ اُس نے دروازے پر رک کر اندر دیکھا۔ سفید فرش پر جا بجا خون کے بڑے بڑے دھبے تھے۔ یہ یقین کرنا مشکل تھا ایک کمزور سی خاتون کے جسم میں اتنا خون بھی ہوسکتا ہے۔

پال بوہر کو اپنے گھٹنے بے جان ہوتے محسوس ہوئے۔ پولیس والے نے بازو تھام کر اسے سہارا دیا۔ پال نے سر گھما کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا......

''اسے حمل گرانے کی کوشش ہی کہا جاسکتا تھا......'' سارجنٹ نے کہا۔ ''لیکن چیک اپ کرنے پر ثابت ہوگیا کہ حمل تھا ہی نہیں۔ ایمبولنس والے نے بتایا کہ وہ تمام وقت بڑبڑاتی رہی تھی اور اس کی باتیں ہوش مندانہ نہیں تھیں۔ وہ کچھ شیطان کے اور اینٹی کرائسٹ کے بارے میں بولے جارہی تھی۔'' سارجنٹ نے کندھے جھٹکے اور خاموش ہوگیا۔ اُس کے انداز میں شرمندگی ظاہر ہورہی تھی۔

پال بوہر نے آنکھیں موند لیں۔ وہ متلی کے احساس سے نجات پانے کی کوشش کررہا تھا۔

اُس نے آنکھیں کھولیں تو اسے وہ گراری والا چاقو نظر آیا، جو اُس نے برسوں پہلے مارگریٹ کو دیا تھا۔ اس پر ان کے درمیان مذاق بھی ہوا تھا مارگریٹ نے کہا تھا کہ ایک حسین عورت کو تحفے میں چاقو دینا کتنی عجیب بات ہے۔ اس پر اُس نے کہا تھا کہ اُس جیسی حسین عورت کو یہ چاقو ہر وقت اپنے پاس رکھنا چاہیے۔ کیونکہ اسے دیکھ کر کوئی بھی بہک سکتا ہے۔

اس وقت وہ چاقو سارجنٹ کے ہاتھ میں تھا اور اُس کے پھل پر مارگریٹ کا ہی خون لگا تھا۔

''اور خاتون نے یقینی نتائج حاصل کرنے کے لیے اس کے پھل کو بلیچ میں ڈبو رکھا تھا۔'' سارجنٹ نے بتایا۔

پال بوہر کی ٹانگیں جواب دینے لگیں۔ اُس نے جلدی سے دیوار کا سہارا لیا۔

''خاتون یقیناً ذہین...... بلکہ اختراعی ذہن کی مالک ہوں گی۔''

''بے چاری۔'' پال بوہر نے بہ مشکل کہا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس صورتِ حال میں پولیس والے نے کیا نتیجہ اخذ کیا ہے۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ مارگریٹ کے اور اُسکے درمیان تعلقات تھے۔ خیر...... اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

سارجنٹ اب اُس سے دریافت کر رہا تھا کہ مارگریٹ کے اس اقدام کی اُس کے خیال میں کیا وجہ ہو سکتی ہے بوہر نے نفی میں سر ہلایا۔ اگر وہ اسے سچ بتاتا، وضاحت کرنے کی کوشش کرتا تو سارجنٹ اسے یا تو شرابی سمجھتا یا پاگل...... یا پاگل اور شرابی...... بہ یک وقت۔

''میں اُس سے مل سکتا ہوں؟''

''فی الوقت یہ ممکن نہیں جناب۔ وہ جواب دینے کے قابل ہوں تو پہلے ان سے پوچھ گچھ کرنی ہوگی۔''

پال بوہر نے سر ہلایا، پلٹا اور دروازے کی طرف چل دیا۔ ذرا سی دیر میں وہ بری طرح ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ اسے چکر آرہے تھے۔ مگر سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ جانتا تھا کہ اب عمر بھر وہ احساسِ جرم میں مبتلا رہے گا۔

......✿......

ٹیلکس مشینوں اور ٹیلی فون کے ذریعے شکاگو میں تھورن کارپوریشن کے ہیڈ کوارٹرز سے کیا جانے والا اعلان پوری دنیا میں پہنچ چکا تھا۔ وہ ایک سادہ اور مختصر سا بیان تھا۔

ڈیمین تھورن کے سترہ سالہ بیٹے نے اپنے باپ کی وصیت کے عین مطابق اپنے باپ کا نام اختیار کرتے ہوئے تھورن کارپوریشن کی چیئرمین شپ سنبھال لی۔ ولیم جیفریز کو کارپوریشن کا نائب صدر بنا دیا گیا ہے۔

مغربی دنیا کے تمام نیوز رومز میں اس وقت یہی سوال گردش کر رہے تھے۔ یہ نوجوان کون ہے...... کہاں سے آٹپکا؟ اس کی ماں کون تھی؟ اور یہ سترہ سال کہاں رہا؟ پریس کانفرنس کب ہوگی؟ ہمیں اس کی تصویر کب ملے گی؟

چند گھنٹے بعد یہ خبر بوہر تک پہنچ گئی۔ مارگریٹ برینن کے فلیٹ سے واپس آنے کے بعد سے تین دن ہوگئے تھے کہ وہ پیے جا رہا تھا۔ وہ اپنے دماغ کو سن کر دینا چاہتا تھا۔ وہ خود کو نشے میں غرق کر رہا تھا۔ لیکن یہ خبر سنتے ہی وہ سوبر ہوگیا۔ سارا نشہ بھاپ بن کر اُڑ گیا۔ وہ بڑی بے یقینی سے ٹی وی اسکرین کو دیکھتا رہا۔ اُس نے کرسی کے ہتھے کو مضبوطی سے تھام لیا تھا۔ مگر اُس کا ہاتھ لرز رہا تھا۔

اُس نے ٹی وی اسکرین پر اپنے عکس کو دیکھا۔ اُس کا چہرہ سیاہ ہوگیا تھا۔ اُس کا دماغ اس خبر کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ہنگامی صورتِ حال سے نمٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ٹی وی پر تھورن کارپوریشن کے ہیڈکوارٹرز کے بعد اب لندن کے ساؤتھ بینک پر واقع تھورن کارپوریشن یو کے کی عمارت دکھائی جا رہی تھی۔ پھر شکاگو میں تھورن فیملی کی قدیم اقامت گاہ اور پھر لندن میں پیری فورڈ کی اقامت گاہ کا منظر نظر آیا۔ ہر جگہ منظر ایک جیسا تھا۔ وہاں ٹی وی کیمروں، مبصروں اور اخباری نمائندوں کا ہجوم تھا، جو اپنے سوالات کے جوابات کے لیے بے صبرے ہو رہے تھے۔

پال بوہر کو معلوم تھا کہ انہیں کوئی جواب نہیں ملے گا۔ تھورن کارپوریشن کسی کو جواب دہ نہیں تھی۔ وہ کوئی پبلک کمپنی نہیں تھی۔ اُس میں اسٹاک ہولڈرز نہیں تھے۔ باہر والے اس کی ٹرن اوور کے بارے میں بس قیاس ہی کر سکتے تھے۔ اور حقیقت سے بعید ترین اندازہ بھی اربوں ڈالر میں ہی کیا جا سکتا تھا۔

پال بوہر نے آنکھیں موند لیں۔ وہ جانتا تھا کہ ٹی وی پر دکھائی جانے والی تصویریں بس یہی ثابت کرتی ہیں کہ وہ ناکام ہو گیا ہے۔ اُس رات کو جسے ارمگیڈون کہا جاتا تھا، اُس نے جو کچھ بھی کیا تھا، وہ ناکافی ثابت ہوا تھا۔ اس سے پہلے بھی کچھ لوگوں نے ایسی ہی کوششیں کی تھیں۔ وہ بھی اسی خوش فہمی میں مبتلا رہے تھے کہ وہ کامیاب ہو گئے ہیں۔ لیکن بعد میں انہیں پتا چلا کہ وہ عفریت کا خاتمہ نہیں کر سکے۔ ان کی جرات، ان کی دلیری رائیگاں گئی۔ ڈراؤنا خواب جاری رہا

اچانک پال بوہر نے وہ کچھ کیا، جو لڑکپن سے اب تک نہیں کیا تھا۔ وہ بچوں کی طرح سسکنے لگا۔ دھیرے دھیرے اُس کی سسکیوں کی لے تیز ہوتی گئی۔ اُس کا پورا جسم سوکھے پتے کی طرح لرزنے لگا۔ پھر اُس کا جسم دکھنے لگا۔ لیکن اسے کوئی پروا نہیں تھی۔ اب اس کے سوا کسی بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی کہ اسے لڑکے سے ملنا ہے۔ اور یہ اُس کی زندگی کا آخری کام ہو گا۔ اُس کا سامنا کیے بغیر وہ مر بھی نہیں سکتا تھا، نہ اذیت میں اور نہ عالم سکون میں۔ وہ ملاقات بہت ضروری تھی۔

٭

وہ ٹیکسی میں بیٹھا تھا، اور ٹیکسی لندن سے باہر برک شائر جانے والے روٹ M4 پر دوڑ رہی تھی۔ پال بوہر اس عرصے کو یاد کر رہا تھا، جسے وہ کبھی سنہرا ماضی قرار دیتا تھا...... کرائسٹ سے ناتا جوڑنے، سے پہلے، جب مستقبل کے دامن میں اس کے لیے عیش ہی عیش تھی۔

ڈیمین تھورن پوری دنیا پر اور اقوام عالم کی روحوں پر حکم راں ہونے والا تھا۔ وہ غیر محدود کامیابیوں کا اور توانائی کا دور تھا۔ اس وقت ایسا لگتا تھا کہ وہ لافانی ہیں۔ تھورن کارپوریشن دنیا کا واحد سب سے بڑا صنعتی دیو بن چکی تھی۔ غذائی اجناس اور کیمیائی کھادوں کی دنیا بھر کی پیداوار پر غالب تھے اور سب سے بڑے تقسیم کار تھے۔ تیسری دنیا غذا کے معاملے میں پوری طرح ان کے رحم و کرم پر تھی۔ ہر سیاسی دارالحکومت میں ان کا بے پناہ اثر و نفوذ تھا۔ سب کسی نہ کسی طور ان کے مقروض تھے۔ وہ کبھی نہ رکنے والا سلسلہ لگتا تھا۔ مگر پھر وہ خوف ناک رات آئی، جب کیٹ رینالڈ نامی عورت نے جو ڈیمین تھورن کی محبوبہ تھی، اُس کی ریڑھ کی ہڈی میں خنجر اتار دیا۔

اس کے باوجود وقت نہیں بدلا۔ وہ اب بھی ان کا ساتھ دے رہا تھا۔ ان کے لیے امیدیں ہی امیدیں تھیں۔ کیٹ رینالڈ نے ایک بیٹے کو جنم دیا تھا۔ اور وہ بچہ ہو بہو ڈیمین تھورن تھا...... شکلاً، جسماً...... اور وہ ڈیمین کی روح کا رکھوالا بھی تھا۔

پال بوہرا سے بڑا ہوتے دیکھتا رہا تھا۔ ابتدا میں وہ اس کا خیال بھی رکھتا تھا۔ لیکن پھر باپ بیٹے کا فرق واضح ہونے لگا۔ ڈیمین تھورن پر کشش اور من موہنا تھا اور اُس کا بیٹا چڑچڑا اور بداخلاق۔ ڈیمین کا مقصد طاقت اور اقتدار کا حصول تھا، جبکہ اس کا بیٹا انتقام اور تباہی کا علم بردار تھا۔ اور ارمگیدون کی رات میں وہ اپنے مقصد میں تقریباً کامیاب بھی ہو گیا تھا۔

کیب موٹر وے سے مڑی اور ہیری فورڈ جانے والی سڑک پر آ گئی۔ پال بوہر کے جسم میں تھرتھری سی دوڑ گئی۔ وہ جانتا تھا کہ ذہنی اور جسمانی طور پر نوجوان ڈیمین تھورن سے اُس کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔ لیکن بہرحال اُس کا مردانہ وار سامنا کرنا ضروری تھا۔ اپنی ناکامی کا چہرہ دیکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اگر اس رات اُس نے اپنے مشن کو کامیابی کے ساتھ منطقی انجام تک پہنچا دیا ہوتا تو آج یہ سب کچھ کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ مگر اُس وقت تو اس نے یہی سوچا تھا کہ اُس نے اپنا فرض اچھی طرح پورا کر دیا ہے۔

اُس نے اپنے داہنے ہاتھ کی مدد سے مفلوج بائیں ہاتھ کو اٹھایا اور دعا کرنے لگا...... وہ دعا جو بچپن میں اسے سکھائی گئی تھی۔ وہ خدا سے طاقت مانگ رہا تھا...... آخری لمحے تک کے لیے...... ہر مرحلے سے سربلند گزرنے کے لیے۔

ڈرائیور نے عقب نما میں اسے دعا مانگتے دیکھا تو کندھے جھٹک دیے۔ ایک اور پاگل آدمی...... اُس نے سوچا۔ بھلا اب دعا مانگنے کے لیے رکھا ہی کیا تھا۔

............✡............

گیٹ پر موجود سیکورٹی گارڈ کے لیے وہ بدترین دن تھا۔ اتنا بڑا مجمع اُس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہاں ہر شخص یا تو کسی اخبار کا نمائندہ تھا یا کسی چینل سے وابستہ تھا۔ اور وہ سب اندر گھس جانا چاہتے تھے۔ وہ اُس کی خوشامدیں کر رہے تھے اور یوں مطلب برآوری نہ ہونے پر اسے برا بھلا کہنے لگتے۔ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں وہ ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے...... نروس نروس سے۔ وہ بار بار حویلی کے اندر ڈرائیو وے کو تاکتے۔ فضا میں کھنچاؤ بے حد واضح تھا۔ ان کا انداز شکاری کتوں کا سا تھا، جنھوں نے شکار کی بو پالی ہو، لیکن وہ ان کی دسترس سے باہر ہو۔

شاید کوئی سوویں مرتبہ اُس نے ان میں سے کسی کو بتایا کہ یہاں سے انہیں کچھ نہیں ملے گا...... نہ کوئی بیان نہ تصویر۔ اس کے لیے انہیں لندن والے آفس کا رخ کرنا چاہیے۔ رپورٹر بڑبڑانے لگا۔ اور گارڈ یہ سوچنے لگا کہ اب کسی لمحے یہ لوگ اس پر جھپٹ تو نہیں پڑیں گے۔ کیونکہ وہ بہت بے صبرے ہو رہے تھے۔ ویسے وہ یہ حماقت کرتے تو اچھا ہی تھا۔ اسے کتوں کو کھولنے کا بہانہ مل جاتا اور اس کی اپنی جان چھوٹ جاتی۔

کالی ٹیکسی آتی نظر آئی تو سب اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ کیمرے کندھے پر لاد لیے گئے۔ ہاتھوں میں نوٹ بکس پھڑپھڑانے لگیں۔ ٹیکسی گیٹ پر رکی۔ پہلے تو گارڈ دیکھ ہی نہیں پایا کہ آنے والا کون ہے کیونکہ اُس کے گرد رپورٹرز کا ہجوم تھا۔ مگر پھر جب اُس نے آنے والے کو دیکھا تو حیرت سے پلکیں جھپکا کر رہ گیا۔

آخری بار جب اُس نے پال بوہر کو دیکھا تھا تو اُس وقت کے مقابلے میں وہ کم از کم دس سال بڑا لگ رہا تھا۔ پہلے اُس کی کمر سیدھی تھی۔ اور وہ دراز قد تھا مگر اب اُس کی کمر جھک گئی تھی اور دبلا اور کمزور نظر آ رہا تھا اب وہ ایک کھنڈر جیسا آدمی تھا۔ لیکن اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ وہ پال

بوہر ہی تھا۔

گارڈ لمحاتی طور پر بے یقینی کا شکار ہو گیا۔ وہ سیدھی سادی زندگی گزارتا آیا تھا۔ زندگی کے اُس کے اپنے کچھ ضابطے تھے۔ بیس سال تک وہ پال بوہر کو جھک کر سلام کرتا اور ایک طرف ہٹ کر اسے راستہ دیتا رہا تھا۔ وہ اسے بہت بڑے اور اہم آدمی کی حیثیت سے جانتا تھا۔ پھر اُس کے بعد اس سلسلے میں نئی ہدایات جاری ہو گئیں: پال بوہر کو ایک عام آدمی کی حیثیت دی جائے!

گارڈ مجمع کو ہٹاتا ہوا، اُس کی طرف بڑھا...... سوالات کو نظر انداز کرتے ہوا۔ ایک سال پہلے سب جانتے تھے کہ وہ پال بوہر ہے۔ مگر اب وہ سب پوچھ رہے تھے کہ وہ کون ہے۔ وہ تبدیلی ہی اتنا ہو گیا تھا۔

گارڈ پال بوہر کے سامنے احترام سے جھکا۔ پال کی طرف مائیکروفون بڑھائے گئے۔ مگر اُس نے انہیں نظر انداز کر دیا۔ ''وہ اندر ہے؟'' اُس نے گارڈ سے پوچھا۔

اس 'وہ' کا ایک ہی مطلب ہو سکتا ہے۔ ''جی ہاں جناب۔'' گارڈ نے میکانکی لہجے میں کہا۔

''اسے فون کرو۔ بتاؤ کہ میں آیا ہوں۔''

گارڈ نے سکون کی سانس لی۔ پال بوہر نے اسے اندر جانے سے روکنے کی گستاخی سے بچا لیا تھا۔ وہ گیٹ سے ملحقہ کیبن میں گیا اور فون پر اندر رابطہ کیا گیا۔ چند لمحے وہ سنتا اور اثبات میں سر ہلاتا رہا۔ پھر وہ باہر آیا اور پال بوہر کو سہارا دے کر گیٹ کی طرف لے چلا۔ ''ٹیکسی اندر نہیں جا سکے گی۔ میں نے گیٹ کھولا تو یہ سب لوگ اندر گھس جائیں گے۔'' اُس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ ''آپ کو پیدل ہی جانا ہو گا سر۔''

کیمرے حرکت میں آ گئے تھے۔ رپورٹر سوالات کر رہے تھے مگر پال بوہر انہیں نظر انداز کر کے اندر چلا گیا۔

''راستہ تو آپ کو معلوم ہے نا سر؟''

پال بوہر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر وہ ڈرائیو وے کی چڑھائی پر چلنے لگا۔ اسے جاتے ہوئے دیکھ کر گارڈ نے سوچا، نجانے یہ وہاں پہنچ بھی پائے گا یا نہیں۔ اُس نے اتنا نروس انسان پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

پال بوہر نے وہ فاصلہ پیدل کبھی نہیں طے کیا تھا۔ وہ یہاں ہمیشہ اپنی لیموزین میں آیا تھا۔ اور اس وقت اس کا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ ڈرائیو وے اسے بہت طویل اور پر پیچ لگ رہا تھا۔ آخری موڑ مڑتے ہی اسے حویلی نظر آئی، اور ساتھ ہی اسے خوف محسوس ہونے لگا۔ اب جبکہ موت اس قدر قریب تھی تو وہ اس سے بچنا چاہ رہا تھا۔ اپنے کمرے میں سکون سے مر جانا ایک بات تھی۔ اور بے رحم لڑکے کی سوچی ہوئی موت مرنا بالکل مختلف تھا۔

اُس نے گردوپیش کا جائزہ لیا۔ روز گارڈن ختم ہو چکا تھا۔ درختوں پر ایک پتا بھی نہیں تھا۔ یہاں تک کہ اب حویلی بھی اجڑی ہوئی لگ رہی تھی۔ اُس کے در و دیوار سے بے رونقی ٹپک رہی تھی۔ ہیری فورڈ انگلینڈ کے پرانے محلات میں سے تھا۔ کبھی اسے دیکھ کر خوشی کا احساس ہوتا تھا 400 ایکڑ کی جاگیر، حویلی کے 63 کمرے ساڑھے تین سو سال پرانی اس اقامت گاہ کو اس نحوست نے چاٹ لیا تھا، جو نصف صدی پہلے ڈیمین

تھورن کے نام سے اس پر مسلط ہوئی تھی۔

صدر دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اُس نے داخلی ہال میں قدم رکھا۔ ایک لمحہ وہ ساکت و صامت کھڑا، کتے کی طرح جیسے ہوا میں کچھ سونگھتا رہا۔ حویلی کی فضا میں ایسی کوئی خوشبو نہیں تھی، جیسی آباد گھروں میں ہوتی ہے۔ وہ جیسے مردہ اور غیر آباد تھی۔ پال بوہر کے لیے وہ پہلا موقع تھا کہ بٹلر جارج نے وہاں اس کا خیر مقدم نہیں کیا تھا۔ گلابی چہرے والا بوڑھا بٹلر، جس کی کوشش ہمیشہ یہی ہوتی تھی کہ اسے خوش کر دے۔

پال بوہر نے جارج کو پکارا۔ مگر جواب میں اسے اپنی آواز کی بازگشت کے سوا کچھ نہیں ملا۔ اور اس بازگشت نے پہلی بار اسے احساس دلایا کہ اُس کی آواز بڑھاپے کی وجہ سے پتلی، کمزور اور مرتعش ہوگئی ہے۔ بہت آہستہ آہستہ وہ زینے پر چڑھنے لگا۔ وہ یہاں اپنی آخری بار آمد کا وقت یاد کر رہا تھا۔ جب لڑکا پہلی بار عجیب و غریب اور اوندھی صلیب لے کر اس زینے سے اترا تھا۔ اسے یاد تھا کہ لڑکے سے وہ صلیب اٹھائی نہیں جا رہی تھی۔ بار بار وہ اُس کے کندھے سے پھسل رہی تھی کانٹوں کا تاج اُس کی گردن میں چبھتا رہا تھا اور لڑکے کا خون بہتا تھا۔

بیڈ روم کے قریب پہنچ کر اُس کا جسم پھر لرزنے لگا۔ اُس نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ بالکل ویسا ہی تھا۔ جیسا اُس کی یادداشت میں تھا۔ دیواروں پر گہرا عنابی پینٹ تھا۔ پتلا بیڈ، سرہانے لڑکے کے باپ کی تصویر اور اُس کی ماں کی قبر کی تصویر۔ البتہ دوسری تمام تصویریں غائب ہو چکی تھیں...... وارسا کی گندی بستی کا منظر، ہیروشیما اور ڈریسڈن کی تباہی کے مناظر، جن کے نیچے لڑکے نے ریہرسل لکھا ہوا تھا۔ پال بوہر کو یہ دیکھ کر جھٹکا لگا کہ اب ان تصویروں کی جگہ اُس کی اپنی تصویر لگی ہے۔ اور تصویر پر جا بجا کچھ لکھا ہوا تھا، لیکن وہ پڑھا نہیں جا رہا تھا۔

آہستگی سے بیڈ روم کا دروازہ بند کر کے وہ راہ داری میں آگے بڑھ گیا وہ جانتا تھا کہ لڑکا کہاں ہوگا...... راہ داری کے اختتام پر اس سیاہ کمرے میں، جسے وہ معبد کہتا تھا۔ اب وہ خدا سے اس کمرے میں داخل ہونے کی ہمت کی دعا کر رہا تھا۔

پہلے تو اسے لگا کہ یہ وہی کتا ہے مگر جب اُس نے اُس کی آنکھوں میں دیکھا تو وہ پرانے کتے سے مختلف تھیں۔ اور یہ کتا جوان بھی تھا اور پرانے والے سے زیادہ جسیم بھی۔ ان کے درمیان چھ فٹ کا فاصلہ تھا، اور کتا اسے دیکھ کر غرا رہا تھا۔

پال بوہر گھبرا کر پیچھے ہٹا۔ کتے کی غراہٹوں سے بھی بلند اسے وہ جانے پہچانے منتروں کی آواز سنائی دے رہی تھی، جو سیاہ دروازے کے پیچھے سے آرہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ کہ لڑکا اندر کمرے میں ہے...... دعائیں کر رہا ہے...... اپنے لیے طاقت طلب کر رہا ہے...... وہ جانتا تھا کہ وہ کمرے میں نہیں جا سکے گا۔

وہ پلٹا اور تیزی سے واپس چلا۔ وہ دل ہی دل میں اپنی بارہ مہینوں کی بے خبری اور خود فریبی کو کوستا رہا۔ کیسے غرور سے اُس نے یہ یقین کر لیا کہ وہ شیطنت کو تسخیر کر سکتا ہے۔ یہ تو اس کی حماقت تھی۔ کہاں وہ کمزور اور فانی انسان اور کہاں وہ شیطان!

اب وہ ایک ہی کام کر سکتا تھا۔ اسے کسی طرح ان خنجروں کو تلاش کرنا تھا۔ اب اس میں انہیں استعمال کرنے کی طاقت تو نہیں تھی۔ مگر وہ انہیں کم از کم محفوظ کر لینا چاہتا تھا، کسی ایسے شخص کے لیے جو جوان اور طاقت ور ہو اور اُس کے ادھورے چھوڑے ہوئے کام کو مکمل کر سکے۔

بہت آہستہ آہستہ وہ زینے تک گیا اور سیڑھیاں اتر کر لان میں آیا۔ اسکے پیروں کے بوجھ سے گھاس پر جما ہوا پالا چٹخنے لگا۔ وہ پہاڑی پر

بنے چرچ کی طرف چڑھائی کا سفر طے کرنے لگا۔ انداز ایسا تھا، جیسے آخری بار زیارت کے لیے جا رہا ہو۔

چرچ کی دیوار کے سامنے زمین میں صلیب گڑی ہوئی تھی۔ وہ کچھ دور تھا، اس لیے اس میں فرق محسوس نہ کر سکا۔ پھر اچانک ہی اسے احساس ہوا کہ کرائسٹ کے پتلے کی دونوں ٹانگیں رانوں تک جل چکی ہیں اور کانٹوں کے تاج میں کانٹوں کی جگہ جو کیلیں لگی تھیں، وہ زنگ آلود ہو چکی ہیں اور پتلے کی آنکھوں کے ڈھیلوں میں برف جمی ہوئی ہے پھر اسے پتلے کے کندھوں سے خنجروں کے دستے جھانکتے نظر آئے۔ اس نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا، جس نے اُس کی درست سمت میں رہ نمائی کی تھی۔

وہ عقب سے صلیب کی طرف پہنچا اور چند لمحے صلیب کی بے حرمتی کے اس منظر کو دیکھتا رہا۔ اُس کا دل دکھ سے بھر گیا تھا۔ دنیا میں ایک ہی ایسا شخص تھا، جو خنجروں کے اس مرتب استعمال کا شعور رکھتا تھا۔ خنجروں کو اس ترتیب سے استعمال کرنا ضروری تھا کہ گاڑے جانے کے بعد وہ صلیب بناتے نظر آئیں۔ ورنہ وہ بے تاثیر ثابت ہوتے۔

اُس نے ایک ایک کر کے ہر خنجر کو چھوا۔ تاج کی کیلوں کی طرح خنجروں کے دستوں پر بھی زنگ لگ گیا تھا۔ اس کی وجہ سے کرائسٹ کی ابھری ہوئی شبیہہ کے چہرے قابلِ شناخت نہیں رہے تھے۔ بہر حال اہم بات یہ تھی کہ وہ خنجر اسے مل گئے تھے۔

اُس نے قریب ترین خنجر کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اسے نکالنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اسے ہلا بھی نہیں سکا۔ اُس نے دونوں ہاتھوں سے زور لگا کر کھینچا۔ مگر ناکام رہا۔ اُس کے بائیں ہاتھ میں تو طاقت ہی نہیں تھی۔ پھر اُس نے ایک پاؤں پتلے کے کندھے پر رکھ کر زور لگایا۔ اُس کی پیشانی سے پسینہ پھوٹ نکلا۔ لیکن خنجر میں جنبش بھی نہیں ہوئی۔

اُس نے سمجھ لیا کہ وہ اتنا ناتواں ہو چکا ہے کہ اب یہ کام اُس کے بس کا نہیں۔

سانس درست کرتے ہوئے وہ چرچ کی طرف بڑھا، تا کہ ایک بار پھر خدا سے رہنمائی حاصل کرے۔ وہ اندر داخل ہوا اور قربان گاہ کے سامنے جا کر رکا۔ اُس نے قربان گاہ کے پتھر کی گرد کو ہاتھ سے صاف کیا۔ اسی لمحے اسے منبر پر رکھی بائبل نظر آئی۔ تھکے تھکے انداز میں سیڑھیاں چڑھ کر وہ اوپر پہنچا۔ بائبل کھلی ہوئی تھی، اُس نے بائبل کو دیکھا۔ اس آیت پر خون کا دھبہ تھا اور بائبل جہاں سے کھلی ہوئی تھی، وہ عہد نامہ جدید کی بائیسویں کتاب کے تیسرے باب کی آٹھویں آیت تھی اُس نے بغیر دھیان دیے اس آیت کو پڑھا۔

لیکن اے میرے عزیز، اس بات سے بے خبر نہ رہنا کہ خداوند کے ہاں کا ایک دن دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے

اور ایک ہزار سال ایک دن کے برابر ہوتے ہیں......

پہلے تو اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ چند لمحے وہ غور کرتا رہا۔ اُس کے چہرے پر تفکر تھا۔ پھر اسے اپنے کمرے میں لکھی ہوئی ایک آیت یاد آئی، جس کے مطابق شیطان کو ایک ہزار سال کے لیے قید کر دیا گیا تھا...... ہزار یہ...... ہزار سال! اور ایک دن کے برابر!!

اُس کے سینے میں اُس کا دل جیسے پھڑ پھڑایا۔ اُس کے بائیں ہاتھ میں درد کی ایک لہری دوڑ گئی۔ پھر وہ بولا تو اُس کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔

اور وہ اذیت کی ایک چیخ تھی...... الفاظ سے محروم!

وہ سمجھ گیا کہ اس پیش گوئی میں کوئی حقیقت نہیں تھی۔ کیونکہ وقت ایک بے معنی چیز تھا امن قائم ہونا ناممکن تھا۔

دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا وہ چرچ سے نکلا۔ اب ایک کام تھا جو وہ کرسکتا تھا۔ وہ خنجر حاصل تو نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن انہیں محفوظ تو کرسکتا تھا...... وہ صلیب کے پاس پہنچا اور اسے لے کر چرچ کی طرف بڑھنے لگا۔ صلیب اٹھانا تو اُس کے بس میں نہیں تھا۔ اس لیے وہ صلیب کو گھسیٹ رہا تھا۔ اس طرف سے اسے اطمینان تھا کہ لڑکے کی چرچ میں قدم رکھنے کی ہمت نہیں ہوگی۔

اس نے صلیب کو قربان گاہ سے ٹکا کر کھڑا کیا اور چرچ کی شکستہ چھت سے آسمان پر بادلوں کو دیکھا۔ اُس کا دل مطمئن نہیں تھا۔ ممکن ہے، لڑکا اپنے چیلوں میں سے کسی کو چرچ میں بھیج کر یہ صلیب اٹھوالے، واپس منگوالے۔ وہ یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

اُس نے چرچ کا جائزہ لیا۔ چھت کا ایک ہی شہتیر سلامت تھا۔ وہ دو فٹ نصف قطر کا بھاری شہتیر تھا، جو دو شکستہ دیواروں پر ٹکا ہوا تھا۔ فرش سے وہ کوئی بیس فٹ بلند تھا۔

اسے یاد تھا کہ چرچ میں ایک سیڑھی بھی ہے اور رسی بھی۔ بس خدا اسے طاقت دے کہ وہ یہ کام کرسکے۔ اس لیے وہ دعا ہی کرسکتا تھا۔

ایک گھنٹے بعد اس نے طمانیت سے گہری سانس لی۔ وہ اپنا کام کرچکا تھا۔ اُس نے سر اٹھا کر رسی کی مدد سے شہتیر سے بندھی صلیب کو دیکھا وہ اسے دیکھ کر مسکرایا۔

"اب اپنی تو ہی جان اے میرے خدا، جو میں کرسکتا تھا، وہ میں نے کردیا۔" وہ بڑبڑایا۔

پھر وہ پلٹا اور چرچ سے نکل آیا۔

حویلی کے باہر ڈرائیوے پر چلتے ہوئے وہ رکا اور اُس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ کھلی ہوئی ایک کھڑکی میں لڑکا کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ چند لمحے وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے۔ پھر پال بوہر آگے بڑھ گیا۔ وہ جان گیا تھا کہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ کیونکہ اس میں اسے کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ اور جو کچھ اُس کے ذہن میں ہے، لڑکا اُسے جان لے گا۔

........۞........

اپنے کمرے میں پہنچ کر پال بوہر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر دس منٹ تک دعا مانگتا رہا۔ پھر وہ بڑی دشواری سے اٹھا۔ جسم کا بایاں حصہ بری طرح سن ہو رہا تھا۔ جس کی وجہ سے اٹھنے میں اسے مشکل ہوئی۔

اُس نے شیلف سے چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر اٹھایا۔ پھر اپنے لیے برانڈی کا ایک جام بنایا اور اپنا اعتراف ریکارڈ کرنے کے لیے بیٹھ گیا۔

''فادر، میں اپنی ہکلاہٹ کے لیے آپ سے معذرت خواہ ہوں۔ اسٹروک کے بعد سے ہی یہ کیفیت ہے۔ کبھی کبھی تو اپنی بات خود میری سمجھ میں نہیں آتی۔ خدا کرے، میری بات آپ سمجھ لیں۔ کم از کم سمجھنے کی کوشش ضرور کریں......'' اُس نے ری وائنڈ کر کے ان جملوں کو سنا اور طمانیت نے سر ہلایا۔ اُس کی بات واضح طور پر سمجھ میں آ رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اُس کا آخری پیغام بغیر کسی ابہام کے سنا جا سکے گا۔

''میرا نام پال بوہر ہے......'' اس نے اعتراف ریکارڈ کرنا شروع کیا۔ ''ہم کبھی ملے نہیں۔ لیکن میں آپ کے ایمان کی طاقت سے واقف ہوں۔ میری خدا سے دُعا ہے کہ آپ زندہ سلامت اور خیریت سے ہوں۔ اگر خدانخواستہ ایسا نہ ہو تو پھر یہ اعتراف آپ کے جانشین کو ملنا چاہئے۔ آپ کو یقیناً یہ بات عجیب لگے گی کہ میں اتنی دور آپ کو ہی یہ اعتراف کیوں بھیج رہا ہوں، جبکہ ہماری زبان بھی الگ ہے اور قومیت بھی۔ مگر سچ یہ ہے کہ...... میں اپنے وطن میں کسی پر اعتماد نہیں کر سکتا......''

اپنا مکمل اعتراف ریکارڈ کرنے میں اسے دو گھنٹے لگے۔ پھر اُس نے اسے ایک گدے دار بیگ میں سیل کیا اور اس پر پتا لکھا: فادر ڈی کارلو، خانقاہ سانتا بنی ڈکٹس، سوبیا کو، اٹلی۔ اس کے بعد اُس نے اپنا کوٹ اٹھایا اور اسے پوسٹ کرنے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ پیکٹ اس کی موت سے پہلے اپنی منزل پر نہیں پہنچ سکے گا۔ تاہم اسے یقین تھا کہ اسے پچھلی تاریخ میں معافی مل جائے گی۔

وہ پارسل پوسٹ کرنے کے بعد اسے سکون کا احساس ہوا۔ اس نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا تھا۔ اب آگے خدا کی مرضی۔

وہ پوسٹ آفس سے نکلا تو تیز ہوا چل رہی تھی۔ گھر صرف چند سو گز کے فاصلے پر تھا۔ لیکن ہوا کے مخالف چلنے کی وجہ سے ایک ایک قدم اُس کے لیے مشقت بن گیا تھا۔ ایک راہ گیر نے دوبارا سے دیکھا۔ شاید اُس کی سمجھ میں اُس کی مسکراہٹ کا سبب نہیں آیا ہوگا۔ شاید وہ اسے پاگل سمجھ رہا ہوگا...... وہ شاید سوچ رہا ہوگا کہ یہ شخص بڑبڑا کیوں رہا ہے...... خود سے کچھ کہہ رہا ہے کیا؟

پال بوہر تمام راستے ایک ہی بات کہتا رہتا رہا تھا...... اینٹی کرائسٹ آدمی کے دماغ کو پڑھنے کی صلاحیت رکھتا ہے......

ابتدا میں تو دروازہ کھل ہی نہیں رہا تھا۔ ہوا نے اسے بند کر رکھا تھا۔ اور پلٹ کر دیکھنے کی اس میں ہمت نہ میں تھی۔ وہ جانتا تھا کہ یہ اُس پر حملہ ہوا ہے۔ جن لوگوں پر شیطان حملہ کرتا تھا، سب سے پہلے ان کے دماغ خراب کر دیتا تھا۔ واہمے انہیں حقیقت نظر آتے تھے۔ لڑکا اُس سے کھیل رہا تھا...... آخری بار گھٹیا مذاق کر رہا تھا۔

جیسے تیسے دروازہ کھلا اور وہ عمارت کے ہال میں داخل ہوا۔ دروازہ بند کر کے وہ اُس سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے وہ سانس درست کرتا رہا۔ پھر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ ریلنگ تھام کر اکھڑی ہوئی سانسوں کے ساتھ وہ بڑی دشواری سے ایک ایک قدم چڑھتا رہا۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر وہ بستر پر دراز ہو گیا۔ برانڈی کا گلاس اور گولیاں پاس ہی رکھی تھیں، اور وقت ہی آ گیا تھا۔ اُس نے ان کی طرف ہاتھ

بڑھاپا۔ اسے مرنے میں بہت وقت لگ رہا تھا۔ روح کمزور ہو گئی تھی۔ مگر جسم کا پنجرہ کھلنے کو تیار نہیں تھا۔ اسے خود ہی کچھ کرنا ہوگا۔

وہ دعا ہی کر سکتا تھا...... امید ہی کر سکتا تھا کہ خدا اُس کی مجبوری سمجھ لے گا۔ موت تو آنی ہے۔ اسے مرنا تھا۔ بس وہ موت کو قریب اور جلدی لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ اس کی مجبوری تھی۔ کاش خدا اسے گناہ قرار نہ دے۔

بیڈ سائیڈ ٹیبل پر نوٹ بک اور قلم رکھا تھا۔ اُس نے قلم اٹھایا اور اپنی زندگی کو چند لفظوں میں بیان کرنے کی کوشش کی...... انسان اگر دنیا کی ہر چیز حاصل کر لے اور اپنی روح کھو بیٹھے تو یہ نفع تو نہیں کہلا سکتا!

اُس نے قلم رکھا اور اپنی انگشت شہادت کو دیکھا۔ نشان اب بھی موجود تھا۔ پال بوہر نے آہ بھری اور برانڈی کا گلاس اٹھا لیا۔ ''کاش اُس نے آہ بھر کے کہا۔ ''کاش......!''

......✿......

نیویارک ٹائمز نے پال بوہر کی موت کی خبر اپنے صفحہ اول پر شائع کی۔ دوسرے صفحے پر اُس کی زندگی کے بارے میں ایک طویل سوانحی خاکہ تھا لکھنے والے نے اس اصول کو بھی نظر انداز کر دیا کہ مرنے والوں کے عیب بیان نہیں کیے جاتے۔ اُس نے پال بوہر کو ایک ایسا بے رحم آدمی قرار دیا جس نے اوپر پہنچنے کے لیے بے شمار لوگوں کو روند ڈالا۔ تاہم نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اس بات کا اعتراف کرنا پڑا کہ یہ بوہر کی پیش بینی اور مستقبل میں دور تک دیکھنے کی صلاحیت ہی تھی۔'' جس نے تھورن کارپوریشن کو دنیا کی سب سے بڑی صنعتی کمپنی بنا دیا۔ تھورن کارپوریشن کو سویابین اور کیمیاوی کھادوں کے میدان میں لے جانے والا وہی تھا۔ غذائی اجناس پر کنٹرول کے ذریعے بے پناہ مالی اور سیاسی فائدے حاصل کرنے کا آئیڈیا بھی اسی کا تھا۔ لکھنے والے نے اُس کے مشہور جملے کا حوالہ بھی دیا تھا...... ہمارے منفعت بخش مستقبل کا انحصار قحط پر ہے۔ ہماری خوش قسمتی دوسروں کی بدقسمتی میں مضمر ہے۔

آخر میں لکھنے والے نے تلخ انداز میں لکھا تھا کہ تھورن کارپوریشن کے تمام بڑے اور اہم لوگوں کی طرح پال بوہر نے بھی کبھی کوئی انٹرویو نہیں دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اُس کے اور اُس کے نظریات کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہیں۔

تعزیتی مضمون میں اس امر پر بھی تمسخر بھری حیرت کا اظہار کیا گیا تھا کہ اتنا بڑا اور کامیاب آدمی ایک کمرے کے گندے فلیٹ میں حسرت کی زندگی گزارتے ہوئے موت سے ہم کنار ہوا۔ جبکہ صرف ایک سال پہلے وہ کاروباری دنیا کا طاقت ور ترین آدمی تھا۔ اور اتنی تنخواہ پاتا تھا کہ اس میں تیسری دنیا کے کسی ملک کا سالانہ بجٹ سما سکتا تھا۔ یہ بھی ایک لاینحل معما تھا کہ ایک سال پہلے اُس نے کارپوریشن کی صدارت سے استعفا کیوں دیا...... اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ جیسے ہی نوجوان ڈیمین تھورن نے تھورن کارپوریشن میں اپنا آبائی عہدہ سنبھالا، پال بوہر چل بسا۔

مضمون پڑھتے ہوئے یہ آخری نکتہ تھا، جو جیک میسن کے دماغ میں پھنس گیا۔ اُس نے اخبار رکھا اور کھڑکی سے باہر ایسٹ ریور سے اٹھتی ہوئی کہر کو گھورنے لگا۔ وہ مین ہٹن کے مڈ ٹاؤن میں تیسویں منزل پر رہتا تھا۔ اس جگہ کا کرایہ دس ہزار ڈالر ماہانہ تھا، اور سال بھر وہاں وہ صرف دھند اور کہر ہی دیکھتا تھا۔ البتہ وہاں سے لانگ آئی لینڈ کا بہت خوب صورت منظر دکھائی دیتا تھا۔

اُس نے دوبارہ اخبار اٹھایا اور تعزیتی مضمون کو ایک بار پھر پڑھا۔ اُسکے اندر وہ جانا پہچانا ہیجان امنڈ رہا تھا، جو کسی نئی کتاب کا آئیڈیا

سوجھنے پر اُس کے وجود میں دوڑتا تھا۔

اخبار ہاتھ میں لیے وہ اس چھوٹے سے بیڈروم میں لے گیا، جسے اُس نے اپنا آفس بنا رکھا تھا، اُس کی ایک دیوار پر ان پندرہ کتابوں کے ٹائٹل لگے تھے، جو اُس نے آج تک لکھی تھیں۔ مقابل والی دیوار بالکل خالی تھی۔ اُس پر کارک کے ٹائلز لگے تھے۔ وہ پوری دیوار اُسکے لیے بورڈ کا کام دیتی اُس نے تعزیتی مضمون کاٹ کر پنوں کی مدد سے دیوار پر لگایا۔ پھر وہ ذرا پیچھے ہٹ کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔ اگر یہ آئیڈیا کتاب کی صورت میں یہاں ڈیولپ ہوا، تو جلد ہی یہ دیوار اخباری تراشوں سے اور نوٹس سے ڈھک جائے گی۔

جیک میسن ہیجانی انداز میں ہاتھ ملنے لگا۔ پھر اُس نے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا......

تین گھنٹے بعد وہ اپنے ایجنٹ کے ساتھ لنچ کر رہا تھا۔ اُس نے ایسٹ سائیڈ کے علاقے میں ایک چھوٹے سے بار میں اپنے ایجنٹ کو بلایا تھا، جہاں اس بات کا امکان بہت کم تھا کہ وہاں اُس کے پہچاننے والے موجود ہوں گے۔ اور نہ ہی کوئی اس کی گفتگو میں دلچسپی لے گا۔ اس مرحلے پر وہ اس آئیڈے میں صرف ہیری کو شریک کرنا چاہتا تھا۔

''پاگل ہوگئے ہو؟'' ہیری نے کہا۔

''میں جانتا تھا کہ تم یہی کہو گے۔''

''کبھی کوئی تھورن کارپوریشن کے قریب بھی نہیں پھٹکا۔'' ہیری نے مسترد کرنے والے انداز میں کہا۔ وہ بے حد پروفیشنل آدمی تھا...... شکی مزاج اور ہر چیز کا انکار کرنے والا۔ وہ ہر آئیڈیے کی پر روز مخالفت کرتا تھا۔ اُس کا نظریہ یہ تھا کہ اگر اُس کے رائٹر اسے قائل کر سکتے ہیں تو پھر وہ انہی دلائل کے زور پر کسی بھی پبلشر کو قائل کر سکتا ہے۔

لیکن اس بار معاملہ مختلف تھا۔ اس بار وہ سچ مچ مخالفت کر رہا تھا۔ اور وہ جیک میسن کو قائل کرنا چاہتا تھا کہ یہ کام ناممکن ہے اُس نے اسے صاف لفظوں میں یہ بات بتا بھی دی۔ ''دیکھو، کینیڈی گھرانے کے متعلق تمہیں خوش قسمتی سے معلومات کا دفینہ مل گیا تھا۔ عدنان خشوگی کے معاملے میں بھی قسمت تمہارے ساتھ تھی۔ مافیا والوں میں بھی کبھی کوئی مخبر مل جاتا ہے۔ برطانیہ کے شاہی گھرانے کے بارے میں بھی کسی نہ کسی طرح سن گن مل ہی جاتی ہے۔ لیکن تھورن فیملی؟'' اُس نے کندھے جھٹک دیے۔ ''ناممکن''

''اس لیے تو میں اس پر کام کرنا چاہتا ہوں۔'' جیک میسن نے کہا۔

ہیری نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ تھا بھی ایسا ہی کہ لوگوں کو اسے سر اٹھا کر دیکھنا پڑتا تھا۔ قد اُس کا 6 فٹ 3 انچ تھا اور وزن 200 پونڈ۔ گھنی داڑھی کا وزن اس میں شامل نہیں تھا۔ عمر اس کی پچاس سال تھی اور وہ ہر معاملے میں اعتدال سے تجاوز کرنے والا تھا۔ کبھی کسی نے اُس کے بارے میں لکھا تھا کہ اسکے مقابلے میں تو ہیمنگوے بھی عورت لگتا ہے صحافی اُس کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین رہتے تھے۔ وہ لوگ بھی جو اسے ناپسند کرتے تھے کہ وہ اس نسل کا سب سے اچھا رائٹر ہے۔

ہیری نے پانی کا گھونٹ لیا، اور خود کو اُس کام کے لیے تیار کرنے لگا، جس کے بارے میں وہ جانتا تھا کہ ناممکن ہے جیک میسن کے دماغ

میں کوئی خیال گھس جاتا تو اسے نکالنا ناممکن ہوتا تھا۔ اس کے باوجود اسے کوشش کرنی تھی۔

چھ گھنٹے بعد وہ تھرڈ ایونیو کے پی جے کلارک میں تھے۔ اور ہیری کی کوشش اب بھی جاری تھی۔ اب وہ کوڈ ورڈ میں گفتگو کر رہا تھا۔ اس ڈر سے کہ ان کی بات کوئی سن نہ لے۔ میسن کی آخری کتاب نے اُس کی مقبولیت اور بڑھا دی تھی۔

''میرا خیال ہے، اگلی کتاب کے لیے ابھی تمہیں دو سال اور آرام کرنا چاہیے۔'' ہیری نے کہا۔ ''اور مت بھولو کہ تم دو پلٹزر ایوارڈ جیت چکے ہو۔''

''تم بھی مت بولو کہ دو سابقہ بیویوں کے اخراجات میرے ذمے ہیں اور دونوں کے پاس میرے دیے ہوئے کریڈٹ کارڈ ہیں، جنہیں وہ بے دردی سے استعمال کرتی ہیں۔

''تو ایک اور ناول لکھ ڈالو۔''

''جیک میسن نے پھاوڑے جیسے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور ہیری کو اپنے اگلے کی عافیت مشکوک لگنے لگی۔ ''ایک منٹ...... میری بات سنو۔ میں نے تمہیں پہلے بھی بتایا تھا، اور اب پھر بتا رہا ہوں۔ آج صبح مجھے تھورن فیملی کے بارے میں اخباری تراشے ملے تو مجھے ان کو پڑھنے کا وقت نہیں ملا۔ میرا مطلب ہے، ٹھیک سے پڑھنے کا۔ لیکن ایک بات واضح ہوگئی۔ جو کوئی بھی ان کے رابطے میں رہا......''

''میں جانتا ہوں...... میں جانتا ہوں۔'' ہیری نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔ ''تم مجھے پہلے ہی بتا چکے ہو۔ ان کا انجام اچھا نہیں ہوا۔''

''فلپ برینن......'' جیک میسن نے کہا اور ایک انگلی اٹھائی۔ ''برطانیہ میں امریکی سفیر اس کی محض ایک مثال ہے۔ جانتے ہو، اپنی زندگی کی آخری رات وہ کہاں گیا تھا؟''

''مجھے کیسے پتا......؟''

''وہ پیری فورڈ گیا تھا۔ تھورن فیملی کا برطانیہ میں مضافاتی محل۔ وہ وہاں کیوں گیا؟ اُس کا کیا تعلق تھا ان سے؟''

''مجھے کیا معلوم۔''

''اور دس دن بعد اُس کی لاش ملی۔'' جیک میسن اپنی کہتا رہا۔ ''اس کے گلے میں خنجر گھونپا گیا تھا۔ کندھوں پر دانتوں کے نشان تھے اور جب اُس کی چتا جلائی جانے لگی تو اُس کی بیوی جلتی ہوئی چتا پر کود گئی۔ وہ اچھی خاصی جلی......''

''تو پھر؟''

''یہ ایک کہانی تو ہے نا؟''

''تم اسے صحافیوں کے لیے چھوڑ دو۔''

''نہیں...... میں خود تھورن فیملی پر کام کرنا چاہتا ہوں۔''

''تم اس کا پہلا صفحہ بھی مکمل نہیں کر سکو گے۔'' ہیری نے بھنا کر کہا۔

بات منہ سے نکلتے ہی ہیری کو احساس ہو گیا کہ اس سے بہت بڑی غلطی سرزد ہو گئی۔ اسے یہ نہیں کہنا چاہیے تھا۔ اسے لگا کہ اس بار میں واقعی اُس کا گلا گھونٹ دے گا۔

''اچھا فرضی کرداروں پر کہانی لکھ ڈالو اس کی۔ ناول لکھ دو۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

جیک میسن نے نفی میں سر ہلایا۔ اس وقت تک وہ شراب کی خاصی مقدار معدے میں اُتار چکا تھا۔ اور ابھی تک اپنے ایجنٹ کو قائل بھی نہیں کر سکا تھا۔ اس نے دو اسٹول لڑھکا دیے۔ لیکن کوئی معترض نہیں ہوا۔ سب اُس کی عزت کرتے تھے۔ وہ اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

ہیری اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ جیک غصے میں ہے۔ اس وقت وہ شوق کے بادلوں پر سوار، دھند میں اڑ رہا ہے اس وقت بات اُس کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ البتہ ایک یا دو ماہ بعد شاید وہ سمجھ جائے......

٭

اُس رات جیک میسن کو نیند نہیں آئی۔ اُس کے ٹائمز والے دوست نے تراشوں کا جو بنڈل اسے بھیجا تھا، وہ اسے پڑھتا رہا۔ اور پڑھا جانے والا ہر نیا تراشا اسے یقین دلا رہا تھا کہ یہ تو اسٹوری آف دی سینچری ہے۔ تھورن فیملی کے لوگوں پر، اور ان سے تعلق رکھنے والوں پر جس درجے کی نحوست چھائی نظر آتی تھی، اُسکے سامنے کینیڈی فیملی کو تو مبارک اور مسعود بھی کہا جا سکتا تھا۔

اور کہانی میں سب کچھ تھا، نحوست بھی، کرپشن بھی، رشوت اور بدعنوانی بھی۔ ان کو تو جیسے کسی کی بددعا تھی یا خدا کی طرف سے لعنت......اور اب تازہ ترین یہ کہ اچانک یہ عجیب سالڑ کا نمودار ہو گیا تھا، جس کا دعوا تھا کہ وہ ڈیمین تھورن کا بیٹا۔ عین ممکن ہے کہ وہ جعلی ہو......کوئی طالع آزما! لیکن اسے ثابت کیسے کیا جائے؟

٭

بوہر کی موت کی خبر سوبیا کو کی خانقاہ میں نہیں پہنچ سکی۔ وہاں نہ تو ٹی وی تھا اور نہ ہی اخبارات کا گزر تھا۔ وہ تو بارھویں صدی میں تعمیر کی گئی ایک سنگی عمارت تھی۔ روم سے ساٹھ میل اور پانچ سو برس کے فاصلے پر!

اُس صبح نوجوان راہب فرانس معمول کے مطابق پادری کی قبر پر گیا قبر پر سادہ سا کتبہ لگا تھا:

انٹونیو ڈی کارلو

1938ء تا 2018ء

وہ ایک پرسکون جگہ تھی۔ بوڑھے ڈی کارلو کو اپنے پیش روؤں کے درمیان جگہ ملی تھی۔

براؤن رنگ کا چوغہ اور پاؤں میں سینڈل پہنے برادر فرانس اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ سر جھکائے قبر کے پاس کھڑا ہر روز کی طرح دعائیں پڑھتا رہا۔ وہ اس رحمت پر خدا کا شکر ادا کرتا تھا کہ اپنے آخری ایام میں فادر ڈی کارلو پوری طرح ہوش و حواس میں تھا۔

فادر ڈی کارلو اس جنگ کے شروع ہونے کے اگلے دن مرا تھا، جسے ارمگیڈون کا نام دیا گیا تھا۔ وہ واحد موقع تھا کہ خانقاہ میں ریڈیو لانے کی اجازت دی گئی تھی۔ اور پادریوں اور راہبوں نے ساتھ بیٹھ کر یہ حیرت انگیز خبر سنی تھی کہ امریکیوں اور روسیوں کے درمیان سالٹ 4 نامی امن معاہدے پر دستخط ہو گئے۔ مشرقِ وسطیٰ میں انسانی جانوں کا عظیم اتلاف عالمی لیڈروں کو جھنجھوڑ گیا تھا۔

برادر فرانس کو فادر ڈی کارلو کی وہ طمانیت آمیز مسکراہٹ یاد تھی، جو اس خبر کو سن کر اُس کے ہونٹوں پر مچلی تھی اور اُسے فادر ڈی کارلو کے مرنے سے پہلے کے آخری الفاظ یاد تھے...... اس نے خوشی سے کہا تھا کہ اب دُنیا میں امن قائم ہوگا۔

برادر فرانس کو فادر ڈی کارلو پوری زندگی کے شیطان سے برسرِ پیکار رہا تھا۔ اُس نے شیطانی قوتوں کے سامنے کبھی ہتھیار نہیں ڈالے تھے۔ پہلے ایک بار جب اس کا گمان تھا کہ وہ جیت گیا ہے اور پھر اسے پتا چلا تھا کہ اُس کی جیت ہار میں بدل گئی ہے تو وہ تقریباً مر ہی گیا تھا۔ وہ تو خدا کا رحم تھا کہ وہ زندہ رہا۔ اور یہ بھی خدا کی رحمت تھی کہ اُس کے بعد وہ احساسِ فتح سے سرشار یوں مرا کہ اُس کے ہونٹوں پر طمانیت بھری مسکراہٹ تھی۔ فرانس اُس وقت بھی اُس کے پاس موجود تھا۔ اگر اس وقت وہ زندہ ہوتا تو ناکامی کے صدمے سے مر جاتا اور مرتے وقت اس کے چہرے پر اذیت ہوتی۔ فرانس ہر روز خدا کے اس کرم پر اُس کا شکر ادا کرتا تھا۔

برادر فرانس پلٹا اور واپس چل دیا۔

سفر کی تیاری وہ پہلے ہی مکمل کر چکا تھا۔ ایک چھوٹا سا سوٹ کیس تھا، جس میں اس کی گنی چنی چیزیں موجود تھیں۔ کپڑوں کے اوپر کیسٹ رکھے تھے، اس صدی کی نشانی، جس میں جیتا رہا تھا۔ لیکن جس سے اُس نے کوئی تعلق نہیں رکھا تھا۔

اُس کے دو دن اس کام میں لگے تھے کہ وہ شہر گیا اور وہاں سے عاریتاً کیسٹ ریکارڈر لایا۔ پھر اپنے کمرے کی تنہائی میں اُس نے پال بوہر کا اعتراف سنا۔ تب وہ دیر تک بچوں کی طرح روتا رہا۔ کیسا المیہ تھا کہ ڈراؤنے خواب سے نجات نہیں ملی تھی، وہ جاری تھا اور اسے ختم کرنے کا راستہ پال بوہر نے دکھایا تھا۔

راہبوں میں سب سے تجربہ کار وہی تھا۔ وہ اینٹی کرائسٹ کے غضب کا سامنا اور مقابلہ کرنے کے لیے ایک بار پہلے بھی لندن جا چکا تھا۔ اور اُس نے سوچا تھا کہ وہ کامیاب ہو گیا۔ بلکہ فادر ڈی کارلو نے اُس کی بہادری پر اسے داد بھی دی تھی۔ لیکن جو کچھ اُس نے کیا تھا، وہ ناکافی ثابت ہوا تھا۔

اب روم جانے والی بس کا انتظار کرتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ کیا اس کے اعصاب میں اتنی جان ہے کہ وہ دوبارہ کوشش کر سکے۔ اب تو اس کو فادر ڈی کارلو کی روحانی طاقت کا سہارا ابھی میسر نہیں تھا۔ اب تو ایمان کے سوا اُس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ مگر ایمان تو بڑی طاقت ہے۔ اُس نے دل میں سوچا۔ ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ خدا ایمان والوں کا ساتھ دیتا ہے۔

روم ایرپورٹ پر اُس نے اپنا بورڈنگ پاس لیا۔ لاؤنج کی طرف جاتے ہوئے وہ نیوز اسٹینڈ کے پاس سے گزرا، مگر اُس نے اخبارات کو نظر انداز کر دیا۔ اگر وہ رک گیا ہوتا تو اسے اخباروں اور ٹائم میگزین کے کور پر پال بوہر کا چہرہ نظر آ جاتا۔ لیکن برادر فرانس کو اخباروں اور رسالوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی جہاز پر سوار ہوتے ہوئے وہ اس بات سے بے خبر رہا کہ جس شخص سے ملنے کے لیے وہ اتنی دور جا رہا ہے، اس کی تدفین کو بھی تین دن گزر چکے ہیں۔

⁂

وہ لیموزین گاڑیوں کا ایک قافلہ تھا، جو ڈوروے میں داخل ہوا۔ کیمروں کی روشنیاں چمکنے لگیں۔ ہر رپورٹر یہ دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ گاڑیوں کی عقبی نشستوں پر کون لوگ بیٹھے ہیں۔ لیکن یہ وہ سوال تھا، جس کا جواب کسی کو نہیں مل سکا۔

گاڑیاں گزر گئیں اور گیٹ دوبارہ بند کر دیا گیا۔

وہ سات گاڑیاں تھیں...... چھ لیموزین اور ایک رولز رائس اسپورٹس کار۔ رپورٹرز یہ اندازے لگانے میں ناکام ہو گئے کہ دھندلے رنگین شیشوں کے پیچھے گاڑیوں میں کون لوگ تھے۔ اب ان بے چاروں کے پاس اس کے سوا کیا چارہ تھا کہ ایک دوسرے کا انٹرویو شروع کر دیں۔ چنانچہ گاڑیوں کی نمبر پلیٹس پر تبادلہ خیال ہونے لگا۔ آخر میں متفقہ فیصلہ یہ ہوا کہ یہاں تھورن کارپوریشن کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کی میٹنگ ہو رہی ہے۔

اس اندازے میں کچھ حقیقت بھی تھی۔ گاڑیوں کے اس بیڑے سے اترنے والا پہلا شخص ولیم جیفریز تھا جو پہلے اسسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ میں ہوا کرتا تھا اور اب تھورن کارپوریشن کا چیئرمین تھا۔ وہ رولز رائس سے اترا تو بوڑھے بٹلر جارج نے اُس کا خیر مقدم کیا۔ پھر دوسری گاڑیوں سے لوگ مرتب انداز میں اترنے لگے...... بہ لحاظ اہمیت و مرتبہ۔ وہ سب سیاہ سوٹ میں تھے اور تجسس سے بے حال ہو رہے تھے۔

بٹلر ان سب کو بڑے ڈرائنگ روم میں لے گیا، جہاں موسم گرما میں بھی آتش دان دہکتا رہتا تھا، جیسے وہاں آتش پرست رہتے ہوں۔ اسی آتش دان کی روشنی مینٹل پیس کے اوپر آویزاں ڈیمین تھورن کے قد آدم پورٹریٹ پر پڑتی تھی۔

ولیم جیفریز نے مینٹل کے پاس کھڑے ہو کر اس پینٹنگ کو دیکھا۔ یہ وہ چہرہ تھا، جسے وہ پوجتا تھا۔ ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی اس چہرے کو دیکھ کر اُس کے وجود میں تعجب و تحیر کی ایک لہر اٹھی، جس میں ہلکی سی حسد کی آمیزش بھی تھی۔ ڈیمین تھورن دراز قد اور وجیہہ شخص تھا اُس کی رنگت

سنولائی ہوئی تھی۔ جبکہ جیفر یز دبلا پتلا اور زرد رو تھا۔ اُس کی آنکھیں بے رنگ تھیں اور چھدرے چھدرے بال، جن میں اب سفیدی جھلکنے لگی تھی۔ کبھی کبھی اسے یہ سوچ کر بڑی جلن ہوتی کہ ڈیمین تھورن کو وہ سب کچھ ملا، جس کی اُس نے آرزو کی تھی۔

ایک آواز اسے خیالوں کی دنیا سے باہر کھینچ لائی۔ اُس نے سر گھما کر دیکھا۔ بوڑھا بٹلر اُس کی طرف شیری کا جام بڑھا رہا تھا۔ پھر اُس نے سرگوشی میں کہا۔ ''آپ کو اوپر بلایا گیا ہے جناب۔''

جیفر یز نے دیکھا۔ دوسرے لوگ کافی ٹیبل کے گرد بیٹھے تھے۔ اور ان کی ترتیب وہی تھی، جو بورڈ روم میں ہوا کرتی تھی...... مرتبے کے اعتبار سے اُس نے ان سے معذرت کی اور بٹلر کے پیچھے چل دیا۔

بوڑھے جارج کو زینہ چڑھنے میں بہت وقت لگا۔ ہر دوسری سیڑھی پر تو اسے سانس لینے کے لیے رکنا پڑ رہا تھا۔ جیفر یز بڑے تحمل سے اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔'' جارج کی سانس کھڑ کھڑاہٹ سے مشابہ تھی۔

اوپر پہنچ کر جارج سانس درست کرنے کے لیے رکا۔ پھر اس نے مغربی ونگ کو جانے والی راہ داری کی طرف اشارہ کیا۔ ''وہ چاہتا ہے کہ آپ یہ سب دیکھیں''۔

جارج پھر چل دیا۔ وہ کسی زخمی کیڑے کی طرح رینگ رہا تھا۔ جیفر یز اس کے پیچھے تھا۔ اب اس کے اعصاب کشیدہ ہو رہے تھے۔ اس نے ڈیمین تھورن کے بیٹے کو آج تک نہیں دیکھا تھا۔ صرف پال بوہر ہی اس سے ملتا رہا تھا۔ پال بوہر ہی اس لڑکے اور تھورن کارپوریشن کا درمیانی پل تھا۔ پال بوہر جس نے بعد میں لڑکے سے دغا کی تھی۔ لیکن کیوں؟ جیفر یز کے ذہن میں بار بار یہ سوال ابھرا تھا۔ یہودا اسقر یوتی نے مسیحؑ سے دغا کی تھی تو اُس کے پاس محرک بھی تھا اور اسے غداری کا انعام بھی ملا تھا۔ لیکن پال بوہر کو کیا ملا تھا...... غربت اور حسرت کی زندگی اور گمنامی کی موت کے سوا۔

جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہے تھے، راہ داری میں اندھیرا ہوتا جا رہا تھا۔ کارنر پر پہنچ کر وہ بائیں جانب مڑے۔ جیفر یز نے کتے کو نہیں دیکھا۔ مگر اُس کی بدبو اسے محسوس ہوگئی۔ پھر اُس کی دبی دبی غراہٹیں سنیں۔ وہ ہمیشہ کتوں سے خوف زدہ رہتا تھا...... اور خاص طور پر جسیم اور قد آور کتوں سے۔ مگر جیسے ڈیمین کے پاس ہمیشہ ایک کتا رہا تھا، ویسے ہی لگتا تھا کہ اُس کے بیٹے کو بھی کتوں میں دلچسپی ہے۔ جیفر یز جانتا تھا کہ اُس کا خوف بے معنی اور نامعقول ہے۔ کیونکہ وہ کتا قد آور اور جسیم سہی، لیکن ایک تو رکھوالی کا کتا ہے۔ دوسرے وہ اُس کا حلیف ہے، دشمن نہیں۔ اُس کے باوجود اس کا عقل و شعور اس کے جبلی خوف کو دور نہیں کر پایا۔

کتا اب کھڑا ہو گیا تھا اور اُس کی زرد آنکھیں جارج کے عقب میں اسے گھور رہی تھیں۔ اُسکے دانت نکیلے تھے اور آنکھوں میں شیطنت تھی۔ جیفر یز کو یاد آیا، اُس نے کہیں پڑھا تھا کہ اگر کتا آپ پر حملہ کرے اور آپ اُس کے دونوں اگلے پنجے پکڑ کر دونوں کو باہر کی طرف چیر دیں تو کتے کا دل پھٹ جاتا ہے اُس نے سوچا، مگر اس کا کیا حاصل، کیونکہ اس سے پہلے وہ آپ کا حلق ادھیڑ چکا ہوگا۔

اسے اب خود اپنے جسم سے بھی بو آرہی تھی...... خوف کی بو۔ کتے کی کمر پر بال کھڑے ہو گئے تھے اور اُس کی خراہٹیں تیز ہوگئی تھیں۔ مگر جیسے ہی جارج نے اسے ہشکارا، وہ پرسکون ہو گیا جارج نے اُسکے بہت بڑے سر کو تھپتھپایا۔ پھر پلٹ کر جیفر یز کو دیکھا اور مسکرایا۔ ''میں یہ کہہ سکتا ہوں

کہ اُس کی پیدائش میرے ہاتھوں ہوئی ہے اس لحاظ سے میں اس کی دائی ہوں۔''

جیفر یز ابھی بات کی معنویت پر غور کر رہا تھا کہ جارج نے اُسکے لیے دروازہ کھول دیا۔ جیفر یز اندر داخل ہو گیا۔

پال بوہر نے ایک بار اس معبد کا نقشہ بیان کیا تھا۔ مگر آج وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک سیاہ، بڑا اور گول کمرا تھا۔ وہاں چھ ستون تھے کمرے کے وسط میں سنگی قربان گاہ تھی۔ لیکن ایک بات خلاف توقع تھی۔ اور وہ تھی کمرے میں رچی ہوئی بو۔ اور وہ ایسی بو تھی جیسی بوچڑ خانوں میں ہوتی ہے، جہاں جانور کاٹے جاتے ہیں۔

اُس کی آنکھیں کمرے کے اندھیرے سے ہم آہنگ ہوئیں تو اُس نے دیکھا کہ فرش پر جما ہوا خون لگا ہے۔ اور خون کے چھینٹے دیواروں پر بھی تھے۔

''میں نے کبھی اسے صاف نہیں کرنے دیا۔'' اُس کے بائیں جانب سے ایک آواز ابھری۔

''اُس نے سر گھما کر دیکھا۔ ایک جوان آدمی کھڑا اسے گھور رہا تھا۔ وہ سیاہ لبادہ پہنے ہوئے تھا اور ننگے پاؤں تھا۔ جیفر یز نے سر کے اشارے سے اسے سلام کیا اور اُس کی آنکھوں میں دیکھا۔ اُسکی آنکھیں گہرے رنگ کی تھی اور ان میں شدت تھی۔ مگر اس کے علاوہ بھی ان میں کوئی عجیب سی بات تھی، جیسے نیولا سانپ کو دیکھتا ہے، جیسے اژدھا خرگوش کو دیکھتا ہے۔

''اُس رات کے بعد میں نے اس خون کو ویسے ہی رہنے دیا۔ میں نے صفائی نہیں ہونے دی۔''

نوجوان اُسکا ہاتھ تھام کر اسے کمرے کے وسط میں لے گیا۔ وہاں قربان گاہ پر 2x3 فٹ کا ایک بکس نما تابوت رکھا تھا۔ اس پر سیاہ سائز کا کور چڑھا تھا۔ ''یہ میرے باپ کی باقیات ہیں۔'' نوجوان نے کہا۔

جیفر یز نے بڑی مشکل سے خود کو ہنسنے سے باز رکھا۔ اُس کو یہ بات بڑی بے محل لگی تھی۔

اس لمحے اسے اپنے ہاتھ پر سخت گرفت محسوس ہوئی۔ نوجوان نے اسے گھٹنوں کے بل جھکا دیا۔ اُس نے سر گھما کر نوجوان کے چہرے کو دیکھا۔

''میں تمہیں یہ دکھانا چاہتا ہوں۔'' نوجوان نے کہا۔

جیفر یز نے پلکیں جھپکائیں اور گھبرا کر پیچھے ہٹا۔

نوجوان نے اپنے لبادے سے منسلک کن ٹوپ کو ہٹایا تو اُس کی گردن نظر آئی۔ وہاں سات چھوٹے چھوٹے سوراخ تھے جن سے خون رس رہا تھا نوجوان نے اپنے بائیں ہاتھ سے ان سوراخوں کو چھوا۔ ''یہ نزارین کے علامتی نشان ہیں۔'' اُس نے کہا اور ہاتھ بڑھایا۔ جیفر یز پھر گھبرا کر پیچھے ہٹا مگر فوراً ہی جھجک گیا۔ اسے ڈر تھا کہ اسے گستاخی سمجھا جا سکتا ہے۔

''اس خون کو چکھو۔'' نوجوان نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

یہ کام جیفر یز کے بس کا نہیں تھا۔ اور وہ اس خوف ناک جگہ سے نکل بھاگنا چاہتا تھا۔ لیکن اُس کی ٹانگیں اُس کے دماغ کا حکم ماننے سے انکاری تھیں۔ اور وہ انگلیاں اب اُس کے ہونٹوں تک آ پہنچی تھی۔ اور لڑکا اسے گھور رہا تھا۔

''اسے چکھو۔'' لڑکے نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

لیکن جیفریز ساکت رہا۔

''نزارین کے پادری اُس کے ماننے والوں سے اُس کا خون پینے اور اُس کا گوشت کھانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ میرا مطالبہ تو اس سے بہت کم ہے۔'' لڑکے نے کہا اب اُس کی انگلیاں جیفریز کے ہونٹوں کو چھو رہی تھیں۔ ''میں تو صرف خون چکھنے کو کہہ رہا ہوں۔''

خون گرم تھا۔ جیفریز کو اپنے ہونٹوں پر آبلے پڑتے محسوس ہوئے۔ اور خون کا ذائقہ کسیلا تھا۔ لیکن جیفریز کے سامنے کوئی راہ فرار نہیں تھی۔ اسے لڑکے کے حکم کی تعمیل کرنی پڑی۔

پھر اُس نے سر اٹھا کر لڑکے کے چہرے کو دیکھا۔ لڑکے نے پھر انگلیوں سے اپنے رستے ہوئے زخم کو چھوا۔ اس بار اُس نے جیفریز کی پیشانی پر خون لگایا۔ ''یہ میں نے تمہارا مسح کیا ہے۔'' وہ بولا۔

پیشانی سے بہتا ہوا خون اُس کے چہرے پر آ رہا تھا۔ جیفریز نے ہاتھ بڑھایا کر اُسے پونچھا اور پھر اپنی انگلیوں کو دیکھا۔ وہ چمک رہی تھیں۔ پھر اُس نے دیکھا کہ اُس کی انگشتِ شہادت پر ایک چھوٹا سا کھرنڈ سا ابھر آیا ہے۔ غور سے دیکھنے پر وہ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے 6 کے تین ہندسے نظر آئے۔

لڑکا اسے بتا رہا تھا کہ اُس نے اپنے باپ کا نام اپنا لیا ہے۔ لیکن جیفریز کی ایسی کیفیت تھی کہ اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ بہر حال جب وہ کمرے سے نکلا تو اس بار کتا اُس پر غرایا نہیں۔ اور بوڑھا بٹلر بھی اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ بل جیفریز کو فتح کا احساس ہونے لگا۔

⁂

ڈرائنگ روم میں موجود چھ افراد اسی پوزیشن میں تھے، جس میں وہ انہیں چھوڑ کر گیا تھا۔ اور وہ بہت نروس لگ رہے تھے۔ ان کی اعصابی کشیدگی کم کرنے کے لیے جیفریز نے بٹلر سے شیری سرو کرنے کو کہا۔ وہ لوگ آپس میں باتیں کرنے لگے...... بلند آواز میں جیسے اپنی اعصابی کشیدگی کو چھپانے کی کوشش کر رہے ہوں۔

جیفریز نے باری باری ان سب کو دیکھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ طاقت کا موجودہ توازن ان پر کس طرح اثر انداز ہوگا۔ وہ جو مشرقِ وسطیٰ کی ڈیسک پر کام کر رہے تھے، بہت پہلے رخصت ہو چکے تھے، پیکنگ ڈیسک پر کام کرنے والے دونوں افراد اب زیادہ اہم ہو گئے تھے۔ واشنگ بیورو کے چیف اور ناٹو پر کام کرنے والوں کی اہمیت نسبتاً کم ہو گئی تھی۔

اب اصل اہمیت روس اور چین کی تھی۔ مغرب اب اپنی افادیت کھو بیٹھا تھا۔

دروازہ کھلا تو سب نے سر گھما کر دیکھا۔ ڈیمین تھورن ثانی دروازے میں کھڑا تھا۔ اب وہ قمیص اور پینٹ میں تھا، اور جیفریز نے دیکھا کہ گردن کے وہ نشان نظر آ رہے تھے۔

جیفریز نے تعارف کرانے کی ذمے داری پوری کی۔ انہوں نے ایک ایک کر کے ڈیمین سے ہاتھ ملایا اور پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو گئے

انہیں گھورے جانے کا احساس ہو رہا تھا۔ ان میں سے دو جو امریکی تھیں۔ وہ اس میٹنگ سے شاکی تھی، اور انہوں کھل کر یہ بات کہی تھی کہ ان کے خیال میں یہ ڈیمین تھورن جعلی ہے...... کوئی بہروپیا! لیکن اب وہ سمجھ گئے تھے کہ ان کا خیال غلط تھا۔ اور اب وہ ڈر رہے تھے کہ انہیں یقین تھا کہ ڈیمین ان کی سوچیں پڑھ چکا ہوگا۔ اب وہ امید ہی کر سکتے تھے کہ انہیں معاف کر دیا جائے گا۔

جارج ان لوگوں کے درمیان ٹرے لے کر گھوم رہا تھا...... جام تقسیم کر رہا تھا۔ انہیں ایسا لگ رہا تھا کہ بیٹے کے روپ میں باپ زندہ ہو گیا ہے۔ لڑکے میں ماں کی کوئی بات بھی نہیں تھی۔ نہ شباہت، نہ نرمی اور اور مہربانی اور نہ ہی نسوانیت۔ کچھ بھی نہیں تھا۔ لگتا تھا کہ کیٹ رینالڈ کی حیثیت محض ایک گملے کی سی تھی، جس میں بیج ڈال دیا گیا تھا...... کوئی خراب بیج!

جارج کو اچانک احساس ہوا کہ ڈیمین اسے بے حد ناپسندیدہ نظروں سے دیکھ رہا ہے، جیسے اُس کا کیٹ کے بارے میں سوچنا بھی اسے گوارا نہ ہو۔ وہ خاموشی سے وہاں سے ہٹ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ یہاں تو سوچیں بھی راز نہیں ہیں۔

میٹنگ ایک گھنٹا جاری رہی۔ ہر شخص نے اپنی رپورٹ پیش کی...... کسی مداخلت کے بغیر۔ جب وہ سب نمٹ چکے تو ڈیمین ان سے سوال کرتا رہا۔ جیفریز جو سب کچھ غور سے سنتا رہا تھا، بے حد متاثر ہوا۔ اُسے بوہر کی بات یاد آئی کہ لڑکا ہو بہو اپنے باپ جیسا ہے۔ اُس کا ذہن تفاصیل کا بہت تیزی سے تجزیہ کرتا ہے۔ اور اُس کی یادداشت کمپیوٹر جیسی ہے۔ بہرحال اُس میں حس مزاح بالکل نہیں تھی۔ وہ ادھر ادھر کی بات کرنے کا قائل نہیں تھا۔ ٹو دی پوائنٹ کرتا اور چبھتے ہوئے سوال کرتا۔

میٹنگ ختم ہوئی تو ڈیمین نے سر اٹھا کر اپنے باپ کے پورٹریٹ کو دیکھا اور پھر ان لوگوں کی طرف مڑا۔ ''حضرات...... میں آپ سب کی آمد پر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔''

ان سب نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ کچھ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور کچھ کے چہرے بے تاثر تھے۔

''بہرحال اب آئندہ میں آپ میں سے کسی سے نہیں ملوں گا۔ مجھے لوگوں کی نظروں میں آنے کا کوئی شوق نہیں۔ بل جیفریز تمام کاموں کی نگرانی کرے گا اور وہ میرے سامنے جواب دہ ہوگا۔'' ڈیمین نے ایک لمحہ توقف کیا اور پھر بولا۔ ''اب میٹنگ برخواست کی جاتی ہے۔''

وہ سب اٹھے اور اپنی اہمیت کے اعتبار سے قطار لگا کر رخصت ہو گئے۔

جیفریز نکلنے ہی والا تھا کہ اپنے نام کی پکار سن کر پلٹا۔ ڈیمین نے اُسے واپس آنے کا اشارہ کیا۔ ایک لمحے کو جیفریز کو غصہ آیا کہ وہ ایک ایسے شخص سے احکامات لینے پر مجبور ہے، جو ابھی بہ مشکل بلوغت کی حدوں میں داخل ہوا ہے۔ مگر جیسے ہی اس خیال نے اُس کے ذہن میں سر اٹھایا، ویسے ہی وہ ایک ثانیے میں معدوم ہو گیا۔ اسے اپنی زبان پر پھر خون کا ذائقہ محسوس ہوا۔ اُس نے دل ہی دل میں اپنی سوچ پر معذرت کی، اور اسی لمحے اسے ڈیمین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نظر آئی۔ جیسے اس کی معذرت قبول کر لی گئی ہو۔

ڈیمین اسے اپنے ساتھ روز گارڈن میں لے گیا۔ وہاں وہ مردہ پھولوں کو شاخوں سے نوچ کر انہیں پیروں تلے مسلتا رہا اور اپنی انگلیوں پر نکات گنتا رہا۔ ''سب سے پہلے تو ہمیں چین میں صرف ایک بچے کی پیدائش کے قانون کو ختم کرانا ہے۔''

جیفریز نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''اس وقت وہاں آبادی میں اضافے کی شرح دو کروڑ سالانہ ہے۔'' وہ مسکرایا۔

لیکن ڈیمین کے ہونٹوں پر جوابی مسکراہٹ نہیں ابھری۔

جیفریز اپنی شرمندگی چھپانے کے لیے کھانسنے لگا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ انہیں اپنی قومی بقا کے لیے سرحدوں میں توسیع کرنی ہوگی۔'' اُس نے مزید کہا۔

''جرمنی کے ہٹلر کی طرح۔'' ڈیمین نے تبصرہ کیا۔

''جی ہاں۔''

''اور تائیوان پر قبضے کی تاریخ طے کی جا چکی ہے۔''

''جی ہاں۔ اور وہ محض شمال کی طرف پیش قدمی کی ریہرسل ہوگی۔''

''اور آرمی؟''

''بھرتی کی موجودہ رفتار یہی رہی تو سال کے اختتام تک فوج کی تعداد پچاس لاکھ ہو چکی ہوگی۔''

''تباہ کن ٹڈی دل!'' ڈیمین پہلی بار مسکرایا۔ پھر اُس نے مشرق کی سمت دیکھا۔ ''اور ٹوکیو؟''

''کوئی مسئلہ نہیں۔ جاپانی ہر روز طاقت پکڑ رہا ہے، اور ڈالر ہر روز گر رہا ہے۔ عنقریب ری پبلکن اپنی پالیسی کا اعلان کریں گے۔ اب مغرب کو ٹھوس اقدامات کرنا ہوں گے، مسابقت کے بغیر کام نہیں چلے گا۔''

''نتیجہ؟''

''تجارت کی مسابقت جنگ میں تبدیل ہو جائے گی۔''

''کئی اور ہیروشیما!''

''اور کئی اور ناگاساکی!''

ڈیمین پھر مسکرایا۔ دو محاذوں پر چین اور غیر وابستہ ممالک روس کے لیے خطرہ ہوں گے اور جاپانی مغرب کی معیشت کو تہس نہس کر رہے ہوں گے اور جنگ مشرقِ وسطیٰ کی تیل کی پائپ لائنوں کو منقطع کر دے گی ایران اور عراق ایک بار پھر ایک دوسرے کا گلا دبوچیں گے۔'' اس نے دونوں بازو پھیلا دیے۔ ''اسے کہتے ہیں گلوبل انارکی۔'' اُس کے لہجے میں بے پناہ خوشی تھی۔

جیفریز نے اسے دیکھا اس کے وجود میں سرد لہری دوڑ گئی۔

''ایک ہزار سال امن کے! کیسا زبردست مذاق ہے۔''

''اب بس ایک سوال رہ گیا تھا...... معمولی سا ایک نکتہ۔ اور وہ ایسی ایک بات تھی، جو جیفریز نے کہیں پڑھی تھی اور اسے پریشان کر رہی تھی۔

''آپ نے کتاب کے بارے میں سنا، جو رائٹر جیک میسن لکھ رہا ہے؟'' بالآخر اُس نے پوچھ لیا۔

ڈیمین نے اثبات میں سر ہلایا۔

''آپ چاہتے ہیں کہ میں اس سلسلے میں کچھ کروں؟''

''کیوں؟''

''میں سوچ رہا ہوں کہ کہیں اس کی وجہ سے کسی طرح کی......''جیفریز مناسب لفظ تلاش کرنے لگا۔خطرہ......؟ افشائے راز؟ کیا کہا جائے وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ ڈیمین واپسی کے لیے پلٹ گیا۔اس نے واضح طور پر عدم دل چسپی کا اظہار کیا تھا۔

جیفری نے کندھے جھٹکے اور اپنی اس حماقت پر خود کو دل ہی دل میں کوسنے لگا۔وہ واقعی احمق تھا۔اتنی بڑی طاقت کے سامنے ایک رائٹر کی حقیر سی تحریک کیا کرلے گی؟ چاہے رائٹر دو پلٹزر پرائز جیت چکا ہو...... چاہے اسے کتاب کا صرف پیشگی معاوضہ دس لاکھ ڈالر دیا گیا ہو۔وہ ڈیمین کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا ہے ڈیمین کی بے پروائی اپنی جگہ حق بہ جانب تھی۔

سب سے سخت عرصہ ابتدائی عرصہ ہوتا ہے۔ یہ ابتدائی دن ہی تو ہوتے ہیں، جب آدمی کو اپنے آئیڈیے پر پورا اعتماد نہیں ہوتا ہے۔ جب ذہن میں شکوک ہی شکوک ہوتے ہیں۔ جب آدمی پریشان ہوتا ہے کہ کہیں کامیابی کے بجائے اس کے حصے میں لوگوں کا تمسخر نہ آئے۔ جب آدمی یہ سوچے کہ اگرچہ آئیڈیا اچھا ہے، لیکن وہ اُس کے ساتھ انصاف نہیں کر سکے گا۔ جب لکھنے والے کو یہ ڈر لگنے لگے کہ اُس کے تخلیق کے سوتے خشک ہو گئے ہیں۔

یہاں بہرحال ایک اہم بات یہ تھی کہ یہ فکشن کا معاملہ نہیں تھا۔ فکشن میں یہ خیال ہر وقت ستاتا ہے کہ آپ کو قارئین کو الجھائے رکھنا ہے۔ مگر اس وقت آپ کی تخلیقی صلاحیتیں ماند ہو گئی ہیں۔ مگر یہاں معاملہ حقائق کا تھا، جس کا تخلیقی صلاحیتوں سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔

کچھ بھی ہو، جیک میسن نے سوچا، یہ بہرحال ایک بھرپور اور زوردار اسٹوری ہے۔ بس مسئلہ یہ ہے کہ دھاگے کا سرا تلاش کرنا ہے۔ تین گھنٹے تک وہ اخباری تراشوں کے ڈھیر میں الجھا رہا۔ بہت پرانے تراشے اب زرد رنگ کے تھے اور ہاتھوں میں چرمرا جاتے تھے۔ اور نئے تراشوں کا یہ عالم تھا کہ انہیں چھونے سے انگلیوں پر روشنائی کے دھبے پڑ جاتے تھے۔ لیکن دونوں میں ایک قدرِ مشترک تھی۔ دونوں یہ بتاتے تھے کہ تھورن فیملی پر کسی بہت بڑی نحوست کا سایہ ہے۔ ڈیمین تھورن کی ماں کیتھی تھورن ایک اسپتال کی کھڑکی سے گر کر مری تھی۔ اور آخری کڑی خود ڈیمین تھا، جو 32 سال کی عمر میں حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے اپنے بستر پر موت سے ہم کنار ہوا تھا۔

اُس کو جماہی آئی۔ اُس نے ہاتھ پھیلا کر انگڑائی لی۔ ڈیسک پر مسلسل جھکے جھکے اُس کا جسم اینٹھ گیا تھا۔ اُس نے دوبارہ تراشوں کو دیکھا تو سب سے اوپر فلپ برینن والی خبر کا تراشا موجود تھا۔

اُس نے اس تراشے کو تیسری بار پڑھا۔ اُس کی لاش جنگل میں ملی تھی۔ اُس کے جسم پر بے شمار زخم تھے۔ کورونر کا کہنا تھا کہ اس کی موت کا سبب کم از کم چھ انچ لمبا تکونی ساخت کا پھل تھا...... کسی چاقو کا یا خنجر کا۔ اور تکونی ساخت کے خنجر کا زخم کبھی مندمل نہیں ہوتا۔ یہ معما ابھی تک حل نہیں ہو سکا تھا کہ وہ اس جنگل میں کیا کرنے گیا تھا۔

جیک میسن نے سوچا، تکونی ساخت کے خنجر سے کم از کم یہ فائدہ تو ہوا ہوگا کہ فلپ برینن فوری طور پر ختم ہو گیا ہوگا۔ لیکن نہیں، یہ بات بھی یقین سے نہیں کہی جا سکتی۔ دوسری دنیا میں پہنچے بغیر کوئی کیسے یہ بات کہہ سکتا ہے۔ کون جانے کہ وہ اذیت کے طویل اور لامتناہی لمحوں سے گزرا ہو۔ کیا پتا، اُس کی روح ابھی تک اذیت میں ہو کوئی وہاں جا کر آج تک اپنا حال بتانے کے لیے واپس ہی کب آیا ہے۔

فلپ برینن کے ایک ہاتھ اور ایک کندھے پر کسی بے حد جسیم کتے کے دانتوں کے نشان تھے۔ کورونر کا کہنا تھا کہ کتا یقیناً روٹ ویلر نسل کا رہا ہوگا جیک میسن پلکیں جھپکا کر رہ گیا۔ وہ کتوں کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ مگر وہ یہ سوچ رہا تھا کہ برک شائر کاؤنٹی کے کسی جنگل میں کسی روٹ ویلر کتے کو امریکی سفیر پر حملہ کرنے کی کیوں ضرورت پڑی۔

پھر ایک خبر یہ تھی کہ لندن میں فلپ برینن کی وصیت کے مطابق اُس کی لاش جلائی جا رہی تھی۔ تو اُس کی بیوی مارگریٹ جلتے ہوئے تابوت پر کود گئی تھی، اور کافی حد تک جل گئی تھی۔

اس اسٹوری کو پڑھ کر ذہن میں بے شمار سوالات سر اٹھاتے تھے۔ لیکن جیک میسن کو سب سے زیادہ دلچسپی امریکی سفارت خانے میں

فلپ برینن کی سیکرٹری کے بیان سے تھی۔ سیکرٹری نے بتایا تھا کہ فلپ برینن کو پال بوہر نے تھورن کی مضافاتی حویلی میں رات کے کھانے پر مدعو کیا تھا اور وہ وہیں جانے کے لیے نکلا تھا۔ اور یہ وہ رات تھی، جسے ارمگیڈون کے نام سے موسوم کیا گیا تھا۔

یہاں میسن کو کسی گڑبڑ کا احساس ہو رہا تھا۔ بہ ظاہر تو فلپ برینن کا پال بوہر کے ساتھ ڈنر کے لیے جانا کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ لیکن سب جانتے ہیں کہ تھورن کارپوریشن رشوت دینے اور مفادات حاصل کرنے میں ہمیشہ سب سے آگے رہی ہے۔ انہوں نے ہمیشہ اپنے مہروں کو سیاست اور اقتدار کی بساط پر آگے پہنچایا۔ اور وہ محدود بھی نہیں رہے۔ واشنگٹن سے بیکنگ، ٹوکیو اور ماسکو تک ایوان ہائے اقتدار میں ان کے روابط ہیں اور میسن اپنے ابتدائی عرصے میں کرپشن سے متعلق کئی کہانیوں پر کام کر چکا تھا۔ اسے اس کے ایک بوڑھے صحافی دوست نے ایک بار کہا تھا کہ کسی سیاست داں کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اُس کی ہر بات کو جھوٹ سمجھا جائے۔ اور میسن اس پر پورا یقین رکھتا تھا۔

میسن پیشے کے اعتبار سے شکی تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سیاست اور کاروبار میں جب بھی دوستی ہوتی ہے تو درمیان میں کہیں کرپشن ضرور ہوتا ہے تھورن کارپوریشن روئے زمین پر سب سے بڑی اور طاقت ور کاروباری سلطنت تھی۔ تھورن کارپوریشن کا کوئی ایگزیکٹو کسی سیاست دان سے گولف کلب میں ملے تو اُس کا مقصد محض گولف کھیلنا ہرگز نہیں ہوتا۔

جس رات یروشیلم پر بم گرائے گئے، اصولاً اس رات فلپ برینن کو لندن میں ہونا چاہئے تھا۔ اس شدید ترین بحران میں دوسرے سفیروں کی طرح اسے بھی برطانوی وزیر اعظم کی سرکاری رہائش گاہ میں طلب کیا گیا تھا۔ مگر اس اہم کام کو چھوڑ کر وہ برک شائر کے کسی جنگل میں ایک بے حد جسیم روٹ ویلر سے کشتی لڑنے چلا گیا تھا۔ آخر کیوں؟

وہ تراشوں کو پنوں کی مدد سے دیوار پر لگانے کے لیے کھڑا ہوا۔ وہ ایک تراشا دیوار پر پن کرتا، پھر پیچھے ہٹ کر اسے دیکھتا اور پھر اگلے تراشے کو دیوار پر پن کر دیتا۔ اچانک اسے خیال آیا کہ اس کتاب کے سلسلے میں تحقیقی کام کرنے کے لیے اسے طویل عرصہ لندن میں گزارنا ہوگا۔ یا پھر اسے لندن میں کسی کی خدمات حاصل کرنی ہوں گی۔ پھر اسے اس کام کے لیے موزوں ترین ہستی کا خیال آگیا......

٭

نیویارک سے کال آئی تو اینا بروسٹن نے ہاتھ کے سارے کام چھوڑ دیے۔ اس وقت وہ تین پروجیکٹس پر کام کر رہی تھی۔ لیکن وہ ایسے کام نہیں تھے کہ جنہیں التوا میں نہ ڈالا جا سکتا ہو۔ بلکہ وہ کام کسی اور کو بھی سونپے جا سکتے تھے۔ جیک میسن اگر کسی کام کے لیے فون کرے تو کسی اور چیز کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی۔

جو کام جیک میسن کرنا چاہ رہا تھا، وہ پہلی نظر میں...... بلکہ دوسری نظر میں بھی ناممکن لگ رہا تھا۔ لیکن اس کے معاملے میں اینا اپنے ہر انداز کو مسترد کر سکتی تھی۔ کیونکہ جیک میسن کے انداز میں کبھی غلط نہیں ہوتے تھے۔ اور پھر پیشہ ورانہ اصول کے تحت بھی یہ میسن کی ذمے داری تھی۔ اُس کی نہیں۔ اگر میسن سمجھتا ہے کہ یہ کام کیا جا سکتا ہے تو وہ اس کی تردید کرنے والی کون ہوتی ہے اس کے نزدیک تو جیک میسن کے ساتھ کام کرنا ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ اُس کے بینک اکاؤنٹ کی صحت اس کام سے بہت بہتر ہو جاتی۔

وہ جیک میسن کے بارے میں سوچنے لگی۔ اس سے ملے ہوئے اسے تین سال ہو چکے تھے۔ وہ بھول گئی تھی کہ اُس کی آواز بھی...... صرف آواز بھی جسم میں ہیجان جگا دیتی ہے۔ ابھی پانچ منٹ پہلے فون پر اُس کی آواز سن کر یہ بات اُس کی سمجھ میں آئی تھی۔ ورنہ پبلشنگ کی دنیا میں تو خشک اور بے کیف لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔

اگلی صبح اسے ایکسپریس ڈاک سے اخباری تراشوں کا ایک انبار موصول ہوا۔ اُس کے ساتھ ایک طویل خط بھی تھا، جس میں اختصار کے ساتھ تمام اہم اور ضروری نکات کی تصریح کی گئی تھی۔ اینا نے وقت ضائع کیے بغیر اس اسٹوری پر کام شروع کر دیا۔ اُس کا خیال تھا کہ فلپ برین سے اسٹارٹ لینا زیادہ بہتر ہے اور اس سمت میں اسے فوری طور پر کامیابی بھی نصیب ہوگئی۔

ڈونا ایلر وڈ اب کینٹ میں رہتی تھی اور تقریباً ریٹائرڈ زندگی گزار رہی تھی۔ اُس سے فون پر اینا نے بات کی تو اُسکا ردعمل مثبت تھا۔ وہ بات کرنے پر رضامند ہوگئی۔ اُس کا فون نمبر اینا کو امریکی سفارت خانے کے پریس سیکشن میں کام کرنے والے اپنی ایک دوست سے ملا تھا۔ لیکن اینا نے جب پہلے اُسے فون کیا تو وہ ہچکچائی۔ اس کی معقول وجہ بھی تھی۔ سیکریٹریوں سے ان کے باس کے بارے میں پوچھ گچھ کی جائے تو عام طور پر وہ تعاون نہیں کرتیں۔ ان میں احساسِ وفاداری اور رازداری کا احساس اتنا توانا ہوتا ہے کہ وہ اپنے سابقہ باس کے بارے میں بھی زبان کھولنا پسند نہیں کرتیں...... یہاں تک کہ اُس کی موت کے بعد بھی ان کا رویہ یہی ہوتا ہے۔ لیکن ابتدائی ہچکچاہٹ کے بعد بہر حال ڈونا نے ہامی بھر لی۔

اینا صبح ہی ڈونا کے کاٹیج پہنچ گئی۔ دوپہر ہوتے ہوتے وہ وائن کی دوسری بوتل پر پہنچ چکی تھی۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو پہلی ہی نظر میں پسند کیا تھا۔ اس لیے بہت اچھی فضا میں بات ہو رہی تھی۔

ڈونا کی عمر پچاس کے لگ بھگ ہوگی۔ اُس کے بال سیاہ تھے اور لہجہ مین ہٹن والوں کا سا تھا۔ طبعاً وہ باتونی تھی۔ اور انداز سے لگتا تھا کہ فلپ برین کے بارے میں بات کرنے سے اُس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو رہا ہے اور دکھ بھی کم ہو رہا ہے۔

''آخر میں وہ کچھ بولائی ہوئی حرکتیں کرنے لگے تھے۔'' ڈونا کہہ رہی تھی۔ ''مثلاً وہ اچانک روم جانا۔ خدا ہی جانے، وہ وہاں کیوں گئے تھے۔ میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔''

''انہوں نے کچھ بتایا تھا کہ وہ روم میں کہاں جا رہے ہیں؟''

''ہاں۔ وہ کسی خانقاہ میں گئے تھے۔ انہیں کسی فادر ڈی کارلو سے ملنا تھا۔ کچھ ایسا ہی نام تھا۔''

اینا نوٹس لے رہی تھی۔

''وہ عجیب آدمی تھے۔ موت سے پہلے وہ یہ سوچ رہے تھے کہ اپنی بیوی کے ساتھ چھٹیاں گزارنے کے لیے کہاں جائیں۔ پھر وہ بولے کہ یہ وقت ایسا ہے کہ کسی صاحب ضمیر انسان کے لیے اب کہیں کسی جگہ سکون نہیں۔ آدھی سے زیادہ دنیا میں انسانی حقوق کو پامال کیا جا رہا ہے...... مذاق بنا لیا گیا ہے۔'' وہ مسکرائی۔ ''اور مجھے یاد ہے، عربوں کے بارے میں انہوں نے کہا تھا کہ یا تو وہ بنیاد پرست ہوگئے ہیں یا بالکل ہی آزاد ہوگئے ہیں۔ مغرب سے بھی آگے نکل گئے ہیں......''

''اچھا!''

''بات ٹھیک ہے۔ اب یا تو وہ پرانے دور میں جی رہے ہیں یا پھر دھڑلے سے اسلحہ استعمال کر رہے ہیں۔''

وہ دونوں ہنسنے لگیں۔

''میں نے کہا، آپ اسپین چلے جائیں۔ وہ بولے اب فاشسٹ ہو گئے ہیں۔ ویسٹ انڈیز کو انہوں اس لیے رد کر دیا کہ وہاں یا تو غنڈوں کی حکومت ہے یا آمروں کی۔ کمیونسٹ ممالک میں بھی وہ نہیں جانا چاہتے تھے میں نے سویڈن کی تجویز پیش کی تو وہ بولے وہاں تو مجھے بکتر بند گاڑی کی ضرورت پڑے گی، مجھے یاد آیا، اسی روز وہاں لڑکوں نے ناروے کے سفیر کو شوٹ کر دیا، صرف اس جرم میں کہ وہ دائیں بازو والوں کا کچھ زیادہ ہی ساتھ دے رہا تھا۔'' اُس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ معدوم گئی۔ ''واقعی...... آج کل دنیا رہنے کے لائق نہیں رہی ہے۔'' اُس نے افسردگی سے کہا۔

اینا نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر گفتگو کا رخ دوسری طرف موڑا۔ ''آپ کو کچھ اندازہ ہے کہ انہیں کیوں قتل کیا گیا؟''

ڈونا نے نفی میں سر ہلایا۔ ''جب پولیس ہی یہ نہ جان سکی تو مجھے کیا معلوم۔''

''ہاں...... یہ تو ہے۔ لیکن......''

''اف کتنی خوفناک موت تھی۔'' ڈونا نے آہ بھر کے کہا۔ ''تکونے پھل والا چاقو...... میں تو تصور بھی نہیں کر سکتی۔'' اُس کی آواز چٹخنے لگی، ہونٹ تھرتھرانے لگے ''دیکھو تو...... انسان کتنا ظالم ہو گیا ہے۔ درندہ بن گیا ہے...... درندہ۔ اس سے تو بہتر ہے، یہ دنیا کیڑے مکوڑوں کو سونپ دی جائے۔'' وہ اداس ہو گئی۔

اینا نے اُسکا موڈ بدلنے کی کوشش کی۔ ''مجھے یاد ہے، ایک بار میں نے نیوز میگزین میں ایک مضمون پڑھا تھا اس میں یہی بات کہی گئی تھی پھر اُس کے اگلے شمارے میں ایک خط چھپا۔ مراسلہ نگار نے لکھا تھا کہ ''اگر مکھیاں اتنی ہی سمارٹ ہیں تو کھڑکی میں لگائی جانے والی جالیوں کا توڑ انہوں نے کیوں نہیں سوچا اب تک۔'' لیکن ڈونا نہیں ہنسی۔ ''تمہیں پتا ہے، مکھیوں پر ریڈی ایشن کا اثر نہیں ہوتا۔'' وہ بولی۔ ''اور یہ سوچو کہ انسانی جسموں کو کھا کر وہ کتنی موٹی ہو جائیں گی۔''

اینا نے سمجھ لیا کہ اب چل دینے ہی میں بہتری ہے۔

لندن واپس جاتے ہوئے اینا نے ڈونا سے گفتگو کا ٹیپ چلا کر سنا۔ کام کی کوئی بات نہیں تھی۔ بس اسے اتنا ہی معلوم ہو سکا تھا کہ عام سیکرٹری کی طرح ڈونا بھی اپنے باس کی محبت میں گرفتار ہو گئی تھی...... اور اب اس غلطی کی سزا بھگت رہی ہے۔

....

دعوت نامہ ایک پبلشنگ کمپنی کی دسویں سالگرہ کی تقریب کا تھا، جو کہ ایک شاندار ریسٹورنٹ میں منعقد ہو رہی تھی۔ اینا نے یہ سوچ کر دعوت قبول کر لی کہ چند گھنٹے سکون کے بھی گزار لیے جائیں۔ تھورن فیملی کی کتاب کے سلسلے میں تحقیقی کام میں سر کھپاتے ہوئے اسے تین دن ہو گئے تھے، اور ابھی تک کوئی کامیابی بھی نہیں ہوئی تھی۔ ناکامی کے اس احساس نے اسے تھکا ڈالا تھا۔ اب تو وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی کہ اپنے طویل کیریئر کے دوران پہلی بار جیک میسن نے غلط کام میں ہاتھ ڈال دیا ہے۔

ویسے وہ پبلشنگ والوں کی ان پارٹیوں میں کبھی خوش نہیں ہوتی تھی۔ عام طور پر وہاں ناکام رائٹر جام پر جام لنڈھاتے نظر آتے تھے۔ اس کے علاوہ وہاں موجود ہر شخص کسی نہ کسی سے فلرٹ کر رہا ہوتا تھا۔ مینجنگ ڈائریکٹرز یہ ظاہر کرتے تھے کہ کسی نہ کسی سے اُن کی ڈیل ہو رہی ہے۔

ناپسندیدگی کے باوجود جب بھی وہ ایسی کسی پارٹی میں شریک ہوتی تو کسی ایسے شخص کی طرف بڑھ جاتی جو اسے اچھا لگتا۔ پھر وہاں سے وہ کہیں جا کر اچھا سا کھانا کھاتے اور پھر اگلی صبح وہ سو کر اٹھتی تو حیران ہوتی کہ وہ کہاں سوئی ہوئی ہے اس کے علاوہ اس کے سر میں بھی درد ہوتا اور یہ یاد نہ آتا کہ رات کیا کچھ ہوا، اور کہاں گزری۔

اُس نے آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ جدید فیشن کے لباس میں وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ عورتیں سلگتے ہوئے لہجے میں اسے جتاتی تھیں کہ وہ مٹاپے کی طرف مائل ہے۔ لیکن مردوں کی نگاہیں کچھ اور کہتی تھیں۔ اور اُس کے نزدیک اہمیت بھی انہی کی تھی۔

ایک بات وہ جانتی تھی۔ اُس کے پاس جو سب سے بری چیز ہے، وہ اُس کی زبان ہے۔ وہ اتنی تیز تھی کہ اسے ہمیشہ اس سے نقصان ہی پہنچتا تھا۔ لیکن اس کی تلافی اس کی مسکراہٹ کر دیتی تھی۔ وہ مسکراہٹ دیکھ کر لوگ اپنی توہین بھی بھول جاتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ مسکراتے وقت اُس کے دونوں رخساروں میں ننھے ننھے گڑھے پڑتے تھے...... ایسے کہ ان میں ڈوب جانے کو جی چاہے۔ لیکن آدمی یہ فیصلہ نہیں کر پاتا تھا کہ کس بھنور میں ڈوبا جائے۔ کاش خدا نے آدمی کو دو جسم دیے ہوتے۔

اسے یہ اچھا نہیں لگتا تھا کہ ان پارٹیوں میں پہلے پہنچے اور دوسروں کا انتظار کرے۔ اس لیے وہ ہمیشہ دیر سے ہی پہنچتی تھی۔ اس میں یہ فائدہ بھی تھا کہ اپنے مطلب کا آدمی آسانی سے مل جاتا تھا۔

''ہیلو ڈارلنگ......'' کسی نے اُس کا خیر مقدم کیا۔ مگر وہ اسے پہچان نہیں پائی۔ بہر حال اُس نے ایک ڈرنک لیا اور مہمانوں میں گھل مل گئی۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ اور رخساروں میں بھنور سجائے۔ وہ ادھر ادھر ڈولتی پھری کہ شاید کوئی شناسا چہرہ نظر آجائے۔ عام طور پر ایسی پارٹیوں میں وہ کام کی تلاش میں لوگوں سے ملتی تھی۔ مگر اس وقت جیک میسن کی مہربانی سے اس معاملے وہ خود کفیل اور بے نیاز تھی۔ اس وقت اسے صرف خوشی کی جستجو تھی۔

''مس برومپٹن۔'' کسی نے اُسے پکارا۔

اس آواز میں گہرائی تھی اور لہجہ غیر ملکیوں کا سا...... یقیناً اطالوی لہجہ۔ اُس نے سر گھما کر دیکھا۔ وہ جوان چہرہ تھا...... سنولایا ہوا...... خوب رو، لیکن بہت کم عمر، کم عمر شاید وہ اس لیے بھی لگ رہا تھا کہ اُسکے چہرے پر غیر معمولی معصومیت تھی۔ ''گڈ ایوننگ'' اُس نے کہا۔

''گڈ ایوننگ۔ میرا نام فرانسس ہے۔''

''فرانسس کون؟''

''اُس نے کندھے جھٹک دیے اور یہ ظاہر کیا، جیسے اُس کی بات سنی ہی نہیں۔ اینا نے دیکھا، کمرے میں ایک وہی ایسا تھا، جس کے ہاتھ میں جام نہیں تھا۔ ''آپ مس برومپٹن ہی ہیں نا؟''

''اینا نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ حیران تھی۔ وہ پبلشنگ کی دنیا کا آدمی نہیں لگ رہا تھا۔ بلکہ سچ پوچھو تو وہ اس دنیا کا آدمی بھی نہیں لگتا تھا۔

سوال یہ تھا کہ وہ معصومیت سے اس سے مخاطب کیوں ہوا۔ کمرے میں کئی کم عمر لڑکیاں موجود تھیں، جو اس سے کہیں زیادہ خوب صورت تھیں۔

''اور آپ تھورن فیملی پر لکھی جانے والی کتاب پر کام کر رہی ہیں؟''

اینا نے پلکیں جھپکائیں۔ ایک اور حیرت! اس بات کا اسے کیسے علم ہوا؟

''میں نے آپ کے بارے میں روزنامہ 'دی اسٹینڈرڈ' میں پڑھا تھا۔''

''اوہ۔'' اینا بولی۔ وہ جانتی تھی کہ اخبار کو کہیں سے سن گن مل گئی ہے۔ آج ہی اُس نے اس بارے میں دو قیاس پیراگراف چھاپے تھے۔

''میں نے آپ کے گھر فون کیا۔ مشین پر پیغام رکارڈ تھا کہ آپ یہاں ملیں گی۔''

اب تو اینا کا تجسس سے برا حال تھا۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ یہ شخص کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔

''آپ کہہ سکتی ہیں کہ میں زبردستی آپ کے گلے پڑ رہا ہوں۔'' وہ بے حد سنجیدگی سے بولا۔

اینا مسکرائی۔ ایسے آدمی کا گلے پڑنا کس عورت کو برا لگ سکتا ہے!

فرانس نے اپنی جیکٹ کی جیب تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ ''آپ چند منٹ کے لیے کسی ایسے گوشے میں چلیں، جہاں شور نہ ہو، اور تنہائی ہو۔ یہ سمجھ لیں کہ یہ زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔''

اینا کا تخیل انگڑائی لے کر بیدار ہو گیا۔ ایک جوان اور خوب رو اطالوی اپنی جیب تھپتھپا کر اسے کسی گوشۂ تنہائی میں لے جا رہا ہے، اور کہتا ہے یہ زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔ تو کیا یہ مافیا کا ہٹ مین ہے۔ چند لمحے وہ ڈری۔ مگر پھر اُس نے دیکھا کہ جیب سے نکلنے والی چیز محض ایک لفافہ تھا۔ اور اس وقت تک وہ ایک کھڑکی کے پاس گوشۂ تنہائی میں پہنچ چکے تھے۔

''مجھے یہ توقع نہیں کہ آپ میری کہانی پر یقین کریں گی۔'' اُس نے کہا۔ ''میں پہلے بھی کئی لوگوں کو یقین دلانے کی ناکام کوشش کر چکا ہوں۔''

اینا نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا......

فرانس نے ہاتھ اٹھا کر اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ اینا کا تجسس اور بھڑک گیا۔

''آپ کے لیے صرف اتنا جاننا کافی ہے کہ ساری عمر تھورن فیملی کے ساتھ ملوث رہا ہوں۔ میں نے ماضی میں بھی لوگوں کو خبردار کرنے کی کوشش کی۔ لیکن میرا واسطہ ہمیشہ بے یقینی سے پڑا۔ لوگ آخر میں یقین کرتے ہیں۔ مگر اس وقت ان کی بچت کا امکان نہیں رہتا۔''

اینا ہنس دی۔ وہ عجیب الفاظ استعمال کر رہا تھا۔ لیکن وہ رکنے والا نہیں تھا۔ اور وہ اسے روکنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

''اگر میں تمہیں سب کچھ بتا دوں تو تم یقین نہیں کرو گی۔ کہ میں......'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔ پھر وہ پہلی بار مسکرایا۔ ''تم کہو گی کہ میں تمہاری ذہانت کی توہین کر رہا ہوں۔''

''کوئی بات نہیں۔ میں برداشت کر لوں گی۔'' اینا نے ماحول کا بوجھل پن دور کرنے کے لیے کہا۔

''میں تم سے صرف اتنا کہوں گا کہ یہ پڑھ لو۔'' اُس نے ہاتھ میں موجود لفافے کو تھپتھپایا۔ ''اس میں ان لوگوں کی فہرست ہے، جو کسی نہ کسی طور پر تھورن فیملی کے ساتھ ملوث رہے۔ ان ناموں کے آگے میں نے نشان لگا دیا ہے، جنہیں میں ذاتی طور پر جانتا ہوں، یا جن سے تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی، ملا ہوں۔ ان سب میں ایک بات مشترک ہے۔''

اینا نے بے حد اشتیاق سے وہ لفافہ جھپٹ لیا۔ اُس نے لفافہ چاک کیا اور کاغذات باہر نکالے اس فہرست میں کچھ نام جانے پہچانے تھے۔ مگر ایسے نام بھی تھے، جو اُس نے پہلے کبھی سنے بھی نہیں تھے۔ وہ ایک طویل فہرست تھی۔ ہر نام کے آگے ایک تعارفی جملہ بھی تھا۔ ابھی اُس نے پڑھنا شروع کیا ہی تھا کہ فرانسس نے قدرِ مشترک بیان کر دی۔ ''ان میں سے ہر شخص یا تو متشددانہ موت سے ہم کنار ہوا یا غائب ہو گیا۔''

اینا کی نظریں فہرست سے نہیں ہٹیں۔ ''یہ تو بہت زبردست کام ہے۔''

''اب حیران ہونے کی باری فرانسس کی تھی۔ یہ ردِ عمل اس کی توقع کے خلاف تھا۔

اینا جائزہ لیتی رہی۔ پھر اُس نے ورق الٹا اور فہرست کے آخری نام کو دیکھا۔ اُس صفحے پر پہلا نام چیسا کا تھا اور آخری پال بوہر کا۔ جب اُس نے سر اٹھایا تو اُس کی آنکھوں میں دلچسپی کی بے پناہ چمک تھی۔ ''کیا میں یہ رکھ سکتی ہوں؟''

''جی، کیوں نہیں۔ یہ میں لایا ہی اس لیے ہوں۔''

اینا پنجوں کے بل اچکی اور اُس کے رخسار کو چوم لیا۔ وہ بے چارہ سٹ کر رہ گیا۔ ''مجھے نہیں معلوم سینور فرانسس کہ تم کون ہو یا کہاں سے آئے ہو۔ لیکن میں ازحد شکر گزار ہوں تمہاری۔ اب میری تجویز یہ ہے کہ ہم باہر چلتے ہیں۔ کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر کھانا کھائیں گے اور پھر تم مجھے ان لوگوں کے بارے میں بتانا۔'' یہ کہہ کر اُس نے اپنا ہینڈ بیگ کھولا اور ٹٹولنے لگی کہ اُس کی نوٹ بک اس میں موجود ہے یا نہیں۔

اچانک اسے اپنے بازو پر سخت، تکلیف دہ گرفت کا احساس ہوا۔ اس بار جسم چرانے والی وہ تھی۔ اُس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ فرانسس اسے گھورتے ہوئے نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ وہ احتجاج کرنا چاہتی تھی۔ لیکن نہ کر سکی۔

''بات سنو۔ یہ ان لوگوں کی فہرست ہے جو تھورن نام کی بیماری کا شکار ہوئے۔'' فرانسس نے کہا۔ ''یہ فہرست ایک طرح کی تنبیہ ہے کہ تم اس وائرس سے بچو۔ میں تمہیں بتا دوں کہ یہ طلسم توڑنا ناممکن ہے تم بھی ماری جاؤ گی۔''

اینا نے اپنی خوبصورت مسکراہٹ ہونٹوں پر سجانے کی کوشش کی۔ لیکن ناکام رہی۔ فرانسس اب اسے جھنجھوڑ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں موجود جام چھلکنے لگا۔ دوسرے لوگ بھی ان کی طرف متوجہ ہو رہے تھے۔

''میں تم سے التجا کر رہا ہوں۔'' فرانسس نے کہا۔ ''تم مداخلت کی مرتکب ہو گی تو تمہارا نام بھی اس فہرست میں شامل ہو جائے گا۔ اگر تم مجھے پاگل سمجھتی ہو تو اس فہرست پر تحقیقی کام کرو۔ حساب لگاؤ کہ ان میں سے ہر شخص کی متشددانہ موت کیوں آئی۔ اور پھر خود سے پوچھو کہ تمہیں بھی کیوں رعایت ملے گی۔ ایسا کیا ہے تم میں؟''

اور پھر وہ اچانک پلٹا اور لوگوں کو ہٹاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ اسے دیکھتی رہی۔ پھر اُس نے اپنے ہاتھ میں موجود فہرست کو

دیکھا۔ ''جینز ز۔'' وہ دھیرے سے بڑبڑائی۔ ''کیسی قسمت کھلی ہے میری!''

وہ پارٹی سے جلد ہی نکل آئی۔ کئی لوگوں نے ڈنر کی پیش کش کی تھی۔ مگر اُس نے ٹھکرادی۔ جن لوگوں نے اسے نوجوان اور خوب رو اطالوی کے ساتھ دیکھا تھا، انہوں نے اُس کے انکار پر اُس پر جملے کسے۔ وہ جانتی تھی کہ اُسکے جانے کے بعد وہاں اس کے بارے میں افسانہ طرازی ہوگی۔ مگر اسے اس بات کی کوئی پروانہیں تھی۔ افسانوں میں ہیرو کا کردار اس اطالوی کا ہوتو یہ اس کے لیے باعث لذت ہوگا۔ اگر وہ اس وقت ان لوگوں کو بتاتی کہ وہ شیفرڈز بش میں بی بی سی کی مائیکروفلم لائبریری میں جارہی ہے تو کوئی اُس کی بات پر یقین نہیں کرتا۔ اس لیے اُس نے کسی کو یہ بتایا ہی نہیں۔

وہ پوری رات کام کرتی رہی۔ اسے وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ وہ تو فہرست کے ناموں کو اخباری تراشوں کے حوالے سے چیک کررہی تھی، جیسا، تین سالہ ڈیمین تھورن کی آیا، جس نے گلے میں رسی کا پھندا ڈال کر اوپری منزل سے چھلانگ لگادی۔ تفتیش کرنے والوں نے اسے خودکشی قرار دیا...... محرک نامعلوم!

پھر گھر کے لوگ تھے...... کیتھی، اور پھر رابرٹ تھورن، پھر ایک پادری، پھر کئی اطالوی راہب، پھر فیملی کے کئی دوست، رشتہ دار اور کچھ اجنبی لوگ...... سب کی اموات پراسرار تھیں...... معما!

شکاگو سے لندن تک موت اور تباہی کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ تھا...... اور وضاحت کسی چیز کی بھی نہیں تھی۔ ایک اعتبار سے فرانس نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ تھورن فیملی ایک بیماری ہے...... طاعون!

صبح کو وہ نوٹس کا پلندہ لے کر وہاں سے نکلی تو نہ سونے کی وجہ سے اُس کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں۔ لیکن تھکن سے بے حال ہونے کے باوجود وہ احساسِ فتح سے سرشار تھی۔ ٹیکسی میں اپنے گھر جاتے ہوئے اُس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ نیویارک میں اس وقت آدھی رات ہوگی۔ لیکن اُس کے لیے انتظار ناممکن تھا۔ وہ ان معلومات کو فوری طور پر آگے بڑھانا چاہتی تھی۔ اُس نے سوچا، چاہے دوپہر تک جاگنا پڑے، وہ سب کچھ فوری طور پر ٹیلیکس کرے گی۔

اپنے کمرے میں وہ پہنچی تو اسے فرانس کے الفاظ یاد آئے...... تمہیں کیوں رعایت ملے گی؟ ایسا کیا ہے تم میں؟ تب پہلی بار اُس کے جسم میں خوف کی سرد لہر دوڑ گئی۔ اُس کی سمجھ میں آیا کہ یہ بات اُس نے صرف اس کے لیے نہیں، اپنے لیے بھی کہی تھی۔ تو کیا اب وہ اُس سے کبھی نہیں مل سکے گی؟

اُس نے لفافے کو دیکھا اور سکون کی سانس لی۔ اُس نے لفافے کی پشت پر اپنا نام اور فون نمبر لکھ دیا تھا۔

⁂

جیک میسن ناشتے کے دوران لندن سے آئے ہوئے ٹیلیکسز کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ وہ متعجب بھی تھا اور اپنی ریسرچر کے کام کو سراہ بھی رہا تھا۔ اتنے کم وقت میں اتنی زیادہ معلومات!

اُس نے آخری پیراگراف پڑھا، جو پال بوہر کی خودکشی کے بارے میں تھا۔ پھر اُس نے آخری شیٹ مشین سے نکالی۔ 'میں بہت تھک چکی ہوں۔ اور اب سونے جارہی ہوں۔ اپنی ستائش اور مبارک باد کو آٹھ گھنٹے کے لیے ملتوی کردینا...... اینا۔

میسن بڑے پیار سے کاغذ کے اس ٹکڑے کو سہلا رہا تھا، جیسے، وہ کوئی ریشمی کپڑا ہو۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کاغذ اعلاترین ریشم سے بڑھ کر بیش بہا ہے۔تھورن کے آئیڈے پر کام کرتے ہوئے اُس نے گمان بھی نہیں کیا تھا کہ نحوست، اموات اور تباہی کی فہرست اتنی طویل ہوگی کہ اسے کیٹلاگ کہنا زیادہ بہتر ہوگا۔اُس نے متاثرین کے نام گنے ان کی تعداد 32 تھی۔ اس نے حیرت سے سر جھٹکا۔تھورن نام کے سامنے تو متعدی بیماریاں بھی ہیچ تھیں۔

اب اُس کے پاس حوالوں کی اور ابواب کی کمی نہیں تھی۔ وہ ڈھانچے تھے، جن پر اسے الفاظ کا گوشت چڑھانا تھا۔اُس نے لندن فون کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا، مگر فوراً ہی ارادہ ملتوی کر دیا۔اینا نے درخواست کی تھی کہ اسے سوتے میں ڈسٹرب نہ کیا جائے، اور وہ اس کی پوری طرح مستحق بھی تھی۔ چنانچہ اُس نے ایرلائن کے دفتر فون کیا اور اپنے لیے شکاگو جانے والی اگلی فلائٹ پر سیٹ ریزرو کرالی۔ پھر اُس نے ٹائمز کے دفتر اپنے دوست کو فون کر کے فہرست میں موجود ان لوگوں کے نام لکھوائے۔جن کا تعلق شکاگو سے تھا۔''مجھے ان لوگوں کے بارے میں ہر خبر چاہیے۔خواہ وہ غیر اہم ہی کیوں نہ ہو۔''

دو گھنٹے بعد وہ جہاز میں بیٹھا ایک بار پھر لندن سے موصول ہونے والی معلومات کا جائزہ لے رہا تھا، یہ حنیف ارشد کون تھا؟ واحد شخص جو اس نحوست سے بچ نکلا تھا۔اور فادر تھامس ڈولان؟ اور پادری ٹیسون؟ آخر انہوں نے ایسا کیا کیا تھا کہ وہ اس قہر اور نحوست کی لپیٹ میں آئے۔فادر ڈولان زندہ دفن ہو گیا تھا۔اور ٹیسون مصلوب ہو گیا تھا!

اینا نے اس اطالوی نوجوان کے بارے میں لکھا تھا...... اُس نے اینا سے کہا تھا...... ہار جیت کا حساب لگاؤ......اور میسن طبعاً جواری تھا۔لیکن وہ جانتا تھا کہ یہ بھاؤ بک میکرز کے بس کا نہیں۔ ہاں، کمپیوٹر ضرور اُس کا جواب دے گا۔ واپس آ کر وہ یہ معلومات کمپیوٹر کو ضرور فیڈ کرے گا۔فی الحال تو اسے ایک شہر کا جائزہ لینا ہے۔

جیک میسن ایسا رائٹر تھا، جو ماحول کو جیتا جاگتا پیش کر کے لکھتا تھا۔اُس کے لیے ضروری تھا کہ وہ جس جگہ کے بارے میں لکھنے والا ہے، اسے دیکھے اور محسوس کرے۔اس لیے وہ تھورن فیملی کے گھروں کو دیکھنا، سونگھنا اور محسوس کرنا چاہتا تھا۔ وہ ان سڑکوں اور گلیوں میں پھرنا چاہتا تھا، جہاں وہ چلے پھرے تھے۔وہ بھوتوں کو نہیں مانتا تھا۔لیکن انسپائریشن کی قوت پر اسے کامل اعتماد تھا۔

ابھی تو وہ تحقیقی کام میں الجھا ہوا تھا۔جب وہ اس کہانی کو لکھنے بیٹھے گا تو اسے انسپائریشن بھرے الفاظ کی ضرورت ہوگی۔ وہ الفاظ جو پڑھنے والے کو اندر تک متاثر کر سکیں۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ کوئی خشک اور پر ذہانت کتاب نہ ہو۔ بلکہ اس میں تھورن فیملی کے لوگ جیتے جاگتے، چلتے پھرتے نظر آئیں۔اور نحوست کا جو وائرس انہیں لگا تھا، اسے اس کہانی کا ولن ہونا تھا۔

دو گھنٹے بعد اُس نے اس جلے ہوئے کھنڈر کا جائزہ لیا، جو آگ لگنے سے پہلے شکاگو کا قابل فخر میوزیم تھا...... تھورن میوزیم۔ وہ وہاں چل پھر کر اُس کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر اُس نے شکاگو کے شمالی حصے میں واقع شہر کے قبرستان کا رخ کیا۔ اس قبرستان میں تھورن فیملی کا قبرستان الگ سے موجود تھا۔وہ گرینائٹ سے تعمیر کی گئی گول عمارت تھی، جس کے بھاری دروازے شاہ بلوط کی لکڑی کے تھے۔ وہاں تھورن فیملی کی چار نسلیں ابدی نیند سو رہی تھیں۔ وہاں ڈیمین تھورن بھی تھا، جو اُن میں سب سے ممتاز تھا۔

اُس نے عمارت کی دیوار کو چھوا تو اسے اپنی ہتھیلی جلتی محسوس ہوئی۔ اُس کے جسم میں تھرتھری سی دوڑ گئی۔ اُس نے گھبرا کر ہاتھ کھینچ لیا۔ پھر اُس دروازے کو دھکیلا۔ لیکن دروازے میں جنبش بھی نہیں ہوئی۔ شاید کبھی یہ دروازے عام لوگوں کے لیے کھلے ہوں۔ لیکن اب ایسا نہیں تھا۔ تھورن فیملی کی ہڈیوں اور یادوں کی اجنبیوں کے تجسس سے بچانے کے لیے اس مقبرے کو سیل کر دیا گیا تھا۔

میسن کو غصہ آیا۔ وہ مقبرے کو دیکھنا، اُس کی جزئیات کو اپنے تصور میں محفوظ کر لینا چاہتا تھا۔ اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ مقبرے میں داخلے کی اجازت کے لیے اسے کس سے رجوع کرنا ہوگا۔

وہ پلٹا۔ جھیل کی جانب سے سرد کہر اٹھ رہا تھا۔ اسے سردی کوٹ سے گزر کر اپنی ہڈیوں کے گردے میں اترتی محسوس ہوئی۔ اُس نے اس احساس کو نظر انداز کیا اور قبرستان میں گھومنے لگا۔ کہیں وہ رک کر کوئی کتبہ پڑھنے کھڑا ہو جاتا۔

اُسے ایک دہرا کتبہ نظر آیا۔ وہ شوہر اور بیوی کی جڑواں قبر تھی۔ کتبے پر ان کا نام کارٹ رائٹ لکھا تھا۔ اُس نے ایک نظر کتبے پر ڈالی اور آگے بڑھ گیا۔ اسے اپنی دونوں بیویوں کا خیال آ گیا تھا۔ اگر اسے ان دونوں کے درمیان دفن کر دیا گیا تو اُس کا کیا حشر ہوگا؟ خاص طور پر قیامت کے دن اگر وہ انہی کے ساتھ اٹھایا گیا تو اور مصیبت ہوگی۔ پھر اسے اچانک ایتا کی بھیجی ہوئی فہرست میں سے کچھ یاد آ گیا۔ یہ وہ جگہ تھی، جہاں فادر ڈولان کو اذیت ناک موت نصیب ہوئی تھی۔ ایک رات وہ یہاں ایک کھلی ہوئی قبر میں گر گیا تھا اور پھر کسی نے اسے زندہ دفن کر دیا تھا۔

ایک اور معما! اُس کے ذمے دار کا پتا نہیں چل سکا تھا۔ تھورن اسٹوری کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ کبھی کوئی پکڑا نہیں گیا۔ کبھی کسی پر الزام بھی عائد نہیں کیا جا سکا۔ تحقیق کرنے والوں نے اسے حادثہ قرار دینے کی مخالفت کی اور قبر پر موجود پنجوں کے نشانات کو بنیاد بنایا۔ لیکن ان کی بات مذاق میں اڑا دی گئی۔ بعد میں ڈولان کی لاش کو وہاں سے نکال کر دوسری قبر میں دفن کر دیا گیا۔ جس قبر میں وہ گرا تھا، وہ ایک عورت کی تھی۔

میسن کو پھر تھرتھری چڑھ گئی۔

وہ پلٹ گیا۔ اسے یاد آیا۔ ایک بار مین نے بتایا تھا کہ اس رات ڈولان نے کافی شراب پی تھی۔

وہ قبرستان سے نکل کر سڑک پر آیا تو اس بار کے نام کا بورڈ اسے نظر آیا...... اولونیز بار! اسے دیکھ کر میسن کے دل میں بھی پینے کی طلب جاگ اٹھی۔

جس وقت اُس نے اخبار کا تراشا نکال کر بار مین کو دکھانے کا فیصلہ کیا، اس وقت وہ اسکاچ کے دوسرے جام سے گھونٹ لے رہا تھا۔

بار مین نے تراشے کو دیکھا اور اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''تم میسن ہو۔ رائٹر جیک میسن۔ ہے نا؟''

جیک میسن اپنی انا کو کوسنے لگا جس نے اسے ٹی وی کے کئی پروگراموں میں شرکت پر اکسایا تھا۔ ورنہ وہ یوں پہچانا نہ جاتا۔ اب وہ اثبات میں سر ہلانے کے سوا کیا کر سکتا تھا۔

''میں نے تمہاری دو کتابیں پڑھی ہیں۔ اچھی لگیں۔''

''شکریہ۔ اب مجھے اس پادری کے بارے میں بتاؤ۔''

بار مین نے کندھے جھٹک دیے۔ ''وہ پیے جا رہا تھا اور بڑبڑائے جا رہا تھا۔ بہت نروس تھا۔ اُس کے پاس ایک میٹل ڈیٹیکٹر بھی تھا۔''

''وہ بڑبڑا کیا رہا تھا؟''

''تھورن فیملی کے کسی فرد کے بارے میں بڑبڑا رہا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ اُس کی قبر میں اُس کی ہڈیاں نہیں ہیں۔'' بار مین ہنسنے لگا۔

''تم نے پولیس کو یہ بات بتائی؟''

''اور اُس نے اوور کوٹ پہنا ہوا تھا۔'' بار مین نے جواب دینے کے بجائے کہا اور پھر ہنسنے لگا۔

ایک گھنٹے بعد جیک میسن بار سے نکلا تو نہ اُس کی پیاس بجھی تھی اور نہ ہی تجسس کی تسکین ہوئی تھی۔ بلکہ وہ اور بھڑک گیا تھا۔ اس کہانی میں سوال ہی سوال تھے، مگر جواب نہیں ملتے تھے۔ کم از کم فی الحال تو ایسا ہی تھا۔

اُس کی فہرست میں اگلا نام جینٹ فن کا تھا۔ وہ مضافات میں رہتی تھی۔ وہ چھوٹے قد کی منحنی سی عورت تھی، جس کے چہرے پر سوگواری کی کیفیت مستقل لگتی تھی۔

جینٹ نے بے سوچے سمجھے اسے فوراً ہی اندر بلا لیا۔ اُس کی بات سننے کے دوران وہ سر ہلاتی رہی۔ پھر اُس نے اسے اپنا گھر دکھایا۔ ایک کمرے میں اُس نے اسٹڈی بنا رکھی تھی۔ وہاں ہر دیوار پر شیلف تھا اور ہر شیلف کتابوں سے بھرا تھا۔ وہ پرانی تاریخی اور دینی کتابیں تھیں۔

''مائیکل اس کمرے میں کام کرتا تھا۔'' اُس نے نرم لہجے میں کہا۔ ''آپ تو جانتے ہی ہوں گے کہ وہ علمی آدمی تھا۔ ہر ایک گھنٹے بعد میں اسے کافی لا کر دیتی تھی۔ وہ یہاں سے ہلتا ہی نہیں تھا۔''

پھر جینٹ نے بتایا کہ کوئی اٹھارہ انیس سال پہلے مائیکل فن کو ایک نیلام گھر سے چند خنجر ملے تھے، جو اُس نے نیلامی میں چھڑا لیے تھے۔ ان کے بارے میں وہ بہت پر جوش تھا۔ اُس نے اپنے چرچ کے فادر ڈولان کو راضی کیا کہ وہ ان خنجروں کو اٹلی لے جائے۔ ''اس نے خنجر اٹلی کیوں بھجوائے، یہ مجھے نہیں معلوم۔'' وہ بولی۔ ''میں نے اس سے پوچھا بھی نہیں۔ یہ بات نہیں کہ مجھے دلچسپی نہیں تھی۔ مگر وہ اپنے اور اپنے کام کے معاملات اپنی حد تک رکھتا تھا۔ پھر ہم انہیں بھول ہی گئے۔ یہاں تک کہ پچھلے سال اُس نے کسی میگزین میں ان خنجروں کے بارے میں پڑھا اور انگلینڈ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ مسکرائی۔ ''وہ پہلی بار ملک سے باہر جا رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ محتاط رہنا۔'' وہ مسکراہٹ ایک پل میں ہوا ہو گئی اور اُس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ ''مجھے اُس کو جانے ہی نہیں دینا چاہیے تھا۔ مگر کون کسی کو روک سکا ہے۔ پھر اُس نے مجھے فون کیا اور بتایا کہ اسے ایک بہت اہم بات معلوم ہوئی ہے اور یہ بہت ضروری ہے کہ وہ برطانیہ میں امریکی سفیر سے......''

''فلپ برینن سے؟'' میسن نے پوچھا۔

''ہاں۔ اور یہ اُس کے لیے دشوار کام تھا۔ وہ تو کسی سے ملنے ملانے والا تھا ہی نہیں۔ اسے تو کتابوں کے علاوہ دنیا میں کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا۔ اب ایسا آدمی اپنی لائبریری سے نکلے اور دنیا دیکھے، یہ کوئی آسان بات نہیں تھی۔'' اُس نے اپنے آنسو پونچھے اور بڑی بہادری سے مسکرائی۔ میسن محسوس کر رہا تھا کہ یہ سب کچھ بیان کرتے ہوئے اُس کا دل پارہ پارہ ہو رہا ہے۔ لیکن وہ واقعی بہادر عورت تھی۔ ''میں صرف اسے ایئر پورٹ پر ریسیو کرنے

کے لیے خاص طور پر نیویارک گئی۔ میں نے سوچا تھا کہ وہ مجھے دیکھ کر خوش ہو جائے گا۔ مگر مجھے کیا معلوم تھا کہ الٹا میں ہی دکھی ہو جاؤں گی۔ ہمیشہ کے لیے۔ میں نے جہاز کو آتے...... اترتے دیکھا۔ مگر اُس وقت مجھے کیا معلوم تھا کہ......'' اُس کی ہمت جواب دے گئی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

میسن نے اُس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔ باقی کی کہانی اسے جزئیات سمیت معلوم تھی۔ بے چارہ مائیکل فن نجانے کیسے جمبو جیٹ کے پہیے میں پھنس گیا تھا۔ جہاز نے لینڈ کیا تو اُس کا بھرتا بن گیا۔ یہ بھی ایک معما تھا کہ وہ پہیوں کے کمپارٹمنٹ تک پہنچا کیسے۔ ایک اور معما! میسن سوچ رہا تھا کہ تدفین کے لیے اُسکا جسم ہی کتنا بچا ہوگا۔

اُس نے جینٹ سے اجازت لی اور اُس کا شکریہ ادا کر کے نکل آیا۔ اب اسے لندن میں اپنا کو فون بھی کرنا تھا۔ سڑک پر پہنچ کر اُس نے پلٹ کر دیکھا۔ دروازے پر کھڑی جینٹ اسے دیکھ کر ہاتھ ہلا رہی تھی۔

اُس نے بھی اسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ اسے اس تنہا اور اداس عورت پر ترس آ رہا تھا!

.........✿.........

اصل میں بدترین چیز تنہائی تھی۔ وہ خوف سے بھی بدتر اور ڈراؤنی تھی۔ خوف سے تو فرانسس پھر بھی لڑ لیتا تھا، خاص طور پر دن کے وقت جب اسے سنگین معاملات پر غور و فکر کرنا ہوتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جن طاقتوں سے وہ نبرد آزما ہے، اگر اُس نے ان کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیا تو وہ کمزور ہو جائے گا اور میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوگا۔

اسے اپنا وجود بے حد حقیر اور غیر اہم لگتا تھا۔ وہ سوچتا کہ بیس سال پہلے جب فادر ڈی کارلو نے یہ سفر کیا تھا تو وہ اکیلا نہیں تھا۔ اُس کے ساتھ چھ آدمی تھے۔ فادر کے بارے میں سوچتے ہوئے اُس کا جسم کانپنے لگتا ہے۔ اپنے آخری عرصے میں فادر ڈی کارلو ان دنوں کو یاد کرتا اور بار بار دہراتا رہا تھا۔ کیسے وہ ساتوں مقدس خنجر میگیدو سے ان تک پہنچے تھے۔ وہ دنیا میں واحد ہتھیار تھے۔ جن سے دجال کو تباہ کیا جا سکتا تھا۔ پھر وہ بتاتا کہ کیسے ایک ایک کر کے سارے خنجر کھو گئے۔ مگر بالآخر ایک خنجر ڈیمین تھورن کے جسم میں اتار دیا گیا۔

بوڑھا ڈی کارلو سمجھتا تھا کہ اُس کے ساتھیوں کی قربانیاں رائیگاں نہیں گئیں، اور انہوں نے اپنا مشن پورا کر لیا۔ بعد میں انہیں پتا چلا کہ اگرچہ وہ جسمانی طور پر ڈیمین تھورن کو ختم کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے، مگر اُس کی روح اُس کے بیٹے کے جسد میں اب بھی زندہ تھی۔

اصل میں وہ پیغمبر کا پڑھایا ہوا سبق بھول گئے تھے۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ شیطانی روح کو ختم کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ نہ صرف ساتوں خنجر دجال کے جسم میں اتارے جائیں، بلکہ ان کی ترتیب بھی طے شدہ تھی۔ انہیں ایک صلیب کی شکل میں جسم میں اتارا جانا تھا۔ یعنی خنجر جسم میں اتارنے کے بعد دیکھا جائے تو وہ خنجر صلیب کی شکل بنا رہے ہوں۔

فادر ڈی کارلو کو جب اپنی ناکامی کا پتا چلا تو وہ تقریباً پاگل ہی ہو گیا۔ بہر حال مرتے وقت وہ اکیلا نہیں تھا۔ اُس کا وفادار چیلا برادر فرانسس اُس کے ساتھ تھا۔

مگر برادر فرانسس بہر حال اکیلا تھا!

وہ خود کو بار بار یاد دلاتا کہ یہ خیال گمراہ کن ہے...... شیطان کی طرف سے ہے۔ وہ اکیلا کیسے ہوسکتا ہے۔ جبکہ خدا اُس کے ساتھ ہے۔ اور جبکہ دوبارہ پیدائش کے بعد مسیح زمین پر چل پھر رہا ہے۔ لیکن خدا سے دعا کرتے وقت بھی اسے یہ احساس رہتا کہ اُس کے سہارے کے لیے محض اتنا کافی نہیں ہے۔ اسے ایک ایسے انسان کی ضرورت بھی تھی، جس کے ساتھ وہ اپنا بوجھ بانٹ سکے۔

اُس صبح وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر ایک گھنٹے تک دعا کرتا رہا، یہاں تک کہ اُس کی دکھتی ہوئی پنڈلیاں جواب دینے لگیں۔ اسے لگا کہ اب وہ ہمیشہ کے لیے معذور ہو جائے گا، کبھی اٹھ نہیں سکے گا۔ تب وہ اٹھا۔ نہا دھو کر اُس نے صاف ستھرے کپڑے پہنے۔ اپنا کنوارا جسم اسے قربانی کے لیے موزوں اور تیار لگنے لگا۔ اس خیال پر وہ آپ ہی آپ خوب ہنسا۔ لیکن اسے انداز ہو گیا کہ اس ہنسی کی بنیاد کوئی خوشی نہیں، بلکہ دہشت ہے۔

نکلنے سے پہلے اُس نے پال بوہر کے اعتراف کا ٹیپ ایک بار پھر سنا۔ اب تک وہ اسے زبانی یاد ہو چکا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کہاں بوہر سانس لینے کے لیے رکے گا اور کہاں اُس کی آواز لڑکھڑائے گی۔ اب وہ جان چکا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ پال بوہر نے ہی اسے راستہ دکھایا تھا۔ اُس نے بتا دیا تھا کہ خنجر کہاں ہیں...... اور یہ بھی کہ اسے کیا کرنا ہے اور کس طرح کرنا ہے۔ اب اسے اس ٹیپ کو سننے کی مطلق ضرورت نہیں تھی۔ لیکن وہ اس کی ایک اور ضرورت پوری کرتا تھا۔ وہ آواز اُس کی تنہائی کے احساس کا مداوا کرتی تھی۔ وہ ایک ایسے شخص کی آواز تھی، جسے وہ جانتا تھا۔ یہ الگ بات کہ وہ آواز قبر سے آرہی تھی۔

ٹیپ ختم ہوا تو اُس نے ریڈیو لگایا، تاکہ وقت کا پتا چلے۔ نیوز ریڈر روس چین سرحد پر زبردست فوجی اجتماع کے بارے میں بتا رہا تھا۔ دونوں طرف سے احتجاجی مراسلات کے تبادلے بھی ہوئے۔ اس سے کشیدگی اور بڑھ گئی تھی اس پر ستم یہ کہ وائٹ ہاؤس اس پورے معاملے سے بے تعلقی اختیار کیے ہوئے تھا۔ اقوام متحدہ نے ایک اور ہنگامی اجلاس طلب کر لیا تھا۔ فرانسس نے سوچا، خبریں تو وہی پرانی ہیں، بس تاریخ بدل گئی ہے۔

اُس نے ایک سرد آہ بھری اور گلے میں جھولتی ہوئی صلیب کو احترام سے چھوا۔ اب چلنے کا وقت آگیا تھا۔ وہ اس چھوٹے سے کمرے سے نکل آیا۔ وہ بلڈنگ سے نکل ہی رہا تھا کہ ہال سے لینڈ لیڈی نے اسے پکار لیا۔ ''آپ کا فون ہے؟''

''میرا فون؟'' اُس نے حیرت سے کہا۔ اسے کون فون کرسکتا ہے!

''جی ہاں۔ کوئی خاتون آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں۔''

اُس نے لینڈ لیڈی کا شکریہ ادا کیا اور ریسیور کان سے لگایا وہ بہت عجیب سا محسوس کر رہا تھا۔ ٹیلی فون پر بات کرنے کا اُسے تجربہ ہی نہیں تھا۔ کیونکہ خانقاہ میں فون بھی نہیں تھا۔ وہاں کبھی اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی گئی۔

فون اینا کا تھا۔ آواز سنتے ہی فرانسس کے چہرے پر رنگ دوڑ گیا۔ اسے وہ بھیگے بھیگے ہونٹ یاد آئے، جو اس وقت ریسیور کے واسطے سے اُس کے ہونٹوں سے بہت قریب تھے۔

''میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔''

''جی......''

''اینا نے اپنا پتا بتایا اور پھر بولی۔ ''یہ بہت ضروری ہے۔ اور سنو، ممکن ہے کہ ہم ڈنر بھی ساتھ ہی کریں۔''

فرانسس نے فون رکھا تو اُس کے جسم میں لرزش تھی۔ اُس سے اس انداز میں پہلے کبھی کسی نے بات نہیں کی تھی۔ وہ انداز تو لبھانے والا تھا اس میں ترغیب تھی، بلاوا تھا۔ اس انداز میں کسی نے اُس سے بات نہیں کی تھی، کیونکہ سب جانتے تھے کہ وہ کون ہے۔ اس لیے وہ اس کی عزت کرتے تھے۔ مگر یہ حسین عورت تو اسے صرف فرانسس کی حیثیت سے جانتی تھی۔

اینا کا ایڈریس اُس نے جلدی جلدی اپنی فون بک پر لکھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہاں اُس کے لیے گناہ کی ترغیب دیتی ہوئی قربت ہو گی۔ وہ خدا سے دعا کر سکتا تھا کہ وہ اسے استقامت عطا فرمائے اور اسے بچائے۔

وہ پیری فورڈ لاج پہنچا تو دوپہر ہو چکی تھی۔ اُس کے جسم میں تھرتھری سی دوڑ رہی تھی، کچھ سردی کی وجہ سے اور کچھ ٹینشن سے۔ وہ وہاں سے گزرا تو گیٹ پر اسے ایک باوردی پہرے دار کھڑا نظر آیا، جو اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے ایک لمحے کو پہرے دار کی آنکھوں میں دیکھا، اور بدستور آگے بڑھتا رہا۔ اسے بوہر کے الفاظ یاد آئے، جن میں سے بیشتر کے معنی اسے ڈکشنری میں ڈھونڈنے پڑے تھے...... الیکٹرونک ڈیٹیکشن یونٹ، چوبیس گھنٹے پہرہ۔ یہ سب سوچتے ہوئے وہ پھر خوف زدہ ہو گیا۔ اس کے کندھوں پر اُس کی حیثیت سے کہیں بڑی ذمے داری ڈال دی گئی تھی۔

وہ الیکٹرونکس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ کچھ سمجھتا ہی نہیں تھا۔ وہ تو بس بڑھئی کا کام جانتا تھا۔ بوہر کے لیے یہ کہنا بہت آسان تھا کہ گیٹ کے پار، حویلی کے باہر ایک چرچ ہے، جس کے اندر وہ خنجر موجود ہیں، اور یہ کہ اسے بڑی احتیاط سے کام لینا ہو گا۔ وہاں ہر طرف پہرہ بھی ہے۔ اور الیکٹرونکس آلات کا حصار بھی۔ لیکن فرانسس کی سمجھ میں اب آ رہا تھا کہ اس کام کے لیے ایک اچھی خاصی فوج کی ضرورت ہے۔ یہ ایک آدمی کا کام تو نہیں۔

جبلی طور پر فرانسس نے آسمان کی طرف دیکھا اور خدا سے رہنمائی کے لیے دعا کی۔ اگر وہ رہنمائی اسے نہیں ملی تو اُس کے لیے کامیابی کا کوئی امکان نہیں تھا۔

وہ آہستہ آہستہ مشرقی دیوار کے ساتھ ساتھ بڑھتا رہا۔ اُس کی سانس باہر آتے ہی جم رہی تھی۔ وہ بلند آواز میں لاطینی زبان میں کچھ بڑبڑایا، اور سیکورٹی گارڈ کا ہاتھ فون کی طرف لپکا......

بل جیفریز کا مشاہدہ بہت اچھا تھا۔لیکن وہ محسوس نہیں کرسکا کہ کمرے کی فضا میں کھنچاؤ ہے۔وہ اس وقت پیکنگ میں ہونے والی وزرائے خارجہ کی ایک میٹنگ کے بارے میں ڈیمین کو بریفنگ دے رہا تھا۔ پھر اُس نے سر اٹھا کر دیکھا۔اسے کتے کی ڈرائنگ روم میں آمد کا پتا ہی نہیں چلا تھا۔اور کتا سر اٹھائے ڈیمین کو دیکھے جا رہا تھا۔اُس کی کمر سے بال کھڑے تھے اور حلق سے دھیمی، رونے کی سی آواز نکل رہی تھی۔ دوسری طرف ڈیمین بھی کتے کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔اور وہ اپنی گردن کے زخمیوں کو بھی محسوس کر رہا تھا۔

جیفریز کو لگا کہ اس خاموش رابطے میں کوئی خطرناک بات ہے۔ان کے درمیان کچھ ہو رہا تھا۔

''ڈیمین۔''جیفریز نے کہا اور ڈیمین کے بازو کو چھوا۔مگر ڈیمین نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ آیا۔اُس کی آنکھیں محض جھری سی لگ رہی تھی۔اُس کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں اور اُس کی سانسیں متعفن تھیں۔ وہ کچھ بڑبڑا رہا تھا۔جیفریز کی سمجھ میں صرف ایک لفظ آسکا......وہ بائبل کی اصطلاح تھی، جو وہ بار بار سرگوشی میں دہرا رہا تھا......نزارین!

جیفریز کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے، کیا کرے۔اور جب اُس کے ہونٹوں پر سوال ابھرا تو وہ اسے خود بھی بے معنی لگا۔''کیا بات ہے ڈیمین؟''

''مگر اسی لمحے لڑکا لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے چلا گیا۔کتا بھی اُس کے پیچھے چلا گیا۔جیفریز آتش دان کے قریب ہو گیا۔اسے اچانک شدید سردی لگنے لگی تھی۔اس نے اُس رپورٹ کو دیکھا، جس میں سے وہ ڈیمین کو اہم نکات پڑھ کر سنا رہا تھا۔ایک لمحہ پہلے ایسا لگتا تھا کہ دنیا میں کوئی چیز اس رپورٹ سے بڑھ کر اہم نہیں ہے، مگر اب وہ دُنیا کی سب سے غیر اہم چیز تھی۔ڈیمین کے چہرے کے تاثر نے اسے خوف زدہ کر دیا تھا۔اُس نے سوچا، پیکنگ جائے جہنم میں۔پھر اُس نے برانڈی کی طرف ہاتھ بڑھایا......

......❁......

وہ جارج تھا، جس نے اسے سیاہ معبد میں دعا کرتے پایا۔بوڑھے بٹلر کو قدرتی طور پر پتا چل جاتا تھا کہ کب اور کہاں اُس کی ضرورت ہے۔اور اُس نے سمجھ لیا کہ یہ وقت ایسا ہی ہے۔

کتے نے ایک طرف ہٹ کر اسے اندر جانے کا راستہ دیا۔بوڑھا بٹلر چند لمحے دروازے میں کھڑا رہا۔اُس نے ڈیمین کے چہرے پر بہتے ہوئے آنسو دیکھے تو اُس پر ترس آنے لگا۔ایک وہی تو تھا، جو لڑکے کی تنہائی کی خوف ناکی اور اس کے عذاب کو سمجھ سکتا تھا۔ڈیمین نے یہ بوجھ خود سے طلب نہیں کیا تھا۔یہ تو اُس پر زبردستی تھوپ دیا گیا تھا۔اور یہ معمولی بات نہیں تھی۔ یہ اُس کا کمال تھا کہ اُس نے اس خوف ناک تنہائی کو اپنا ہتھیار بنا لیا تھا۔وہ دنیا کو تباہ کر کے انسانوں کو نیکی اور بدی کی ازلی کشمکش سے بچانا چاہتا تھا۔دنیا کی یہ تباہی انسان کو اس ازلی اذیت سے چھٹکارا دلا دیتی۔یونہی تو نہیں کہا جاتا کہ مر کے آدمی کی جان چھوٹ جاتی ہے۔مر کے سکون آ جاتا ہے۔

ڈیمین آہستہ سے مڑا اور اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔''بڑے میاں، مجھے اُس کی روحانی طاقت اپنی موجودگی کا شدت سے احساس دلا رہی ہے۔''اُس نے کہا۔''نزارین میرا پیچھا کر رہا ہے۔''

''یہ تو پہلے ہی لکھ دیا گیا تھا۔''بوڑھے بٹلر نے کہا۔

ڈیمین نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ پھر وہ اُس کے پاس سے گزر کر معبد سے نکلا اور اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ وہ ایک عجیب سا جلوس تھا۔ چوغہ پہنے ہوئے لڑکا، اُس کے پیچھے بوڑھا بٹلر، جس کا سینہ کھڑ کھڑا رہا تھا اور آخر میں کتا، جو زبان نکالے ہانپ رہا تھا۔ وہ باہر نکلے انہوں نے لان عبور کیا۔ اور آہستہ آہستہ پہاڑی پر چڑھ کر چرچ کی طرف بڑھنے لگے۔

گیٹ سے چند گز پیچھے ڈیمین رک گیا۔ اُس نے مضبوطی سے بوڑھے بٹلر کا ہاتھ تھام لیا۔ ''یہی جگہ ہے نا، جہاں تمہیں نشانی نظر آئی تھی؟''

''نہیں جناب۔ مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ وہ پیٹ سے ہے۔''

''کچھ بھی ہو، تم نے بڑا کام کیا تھا۔'' ڈیمین کے لہجے میں ہمدردی تھی۔ ''اب تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔''

جارج نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تمہیں بڑا انعام ملے گا۔''

''جارج نے چہرہ دوسری طرف گھما لیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ڈیمین اس کے چہرے پر خوف دیکھے۔ عمر کے اس حصے میں اس کا دماغ شکوک اور اندیشوں سے بھرنے لگا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ کیا ہے۔ وہ خدا کی طرف سے بہتری تھی، فلاح تھی جو آدمی تک پہنچ جاتی تھی۔ اس سے پال بوہر جیسا شخص بھی محروم نہیں رہا تھا۔ ایسے ہی تو وہ لمحوں میں نہیں بدل گیا تھا۔ خدا دلوں کو پھیر دینے کی قدرت رکھتا ہے۔ اُس کی قدرت کی کوئی حد نہیں۔ وہ جس سے جو چاہے، کام لے لیتا ہے۔

بری بات یہ تھی کہ بڈھا جارج جانتا تھا کہ یہ بات ڈیمین جونیر کو بھی معلوم ہے۔ اُس سے کچھ چھپا نہیں رہتا تھا۔ تو پھر وہ اس سے انعام کی بات کیوں کر رہا ہے۔ شاید وہ اُس کا مذاق اُڑا رہا ہے۔

جب اُس نے دوبارہ چہرہ گھمایا تو ڈیمین گیٹ کے پاس کھڑا چرچ کو دیکھ رہا تھا۔ بوڑھے جارج کو آرمگیڈون کی رات یاد آ گئی، جب پال بوہر نے ان سب کو روحانی طور پر تباہ کر دیا تھا۔ اور ڈیمین جونیر اسے روک نہیں سکا تھا۔ اپنے باپ کی طرح اسے بھی کبھی چرچ کی مقدس زمین پر قدم رکھنے کی ہمت نہیں ہوئی بوڑھا جارج اُس کی اذیت کو محسوس کر سکتا تھا۔ وہ خوف زدہ بھی تھا اور اسے احساس جرم بھی ستا رہا تھا۔

پھر ڈیمین جونیر زور زور سے دہاڑنے لگا۔ وہ چرچ پر اور اندر موجود صلیب پر اپنا غصہ اتار رہا تھا۔ ''نزارین، کیا تم اب بھی اس گمان میں ہو کہ تم مجھے شکست دے سکتے ہو۔'' چرچ کے کھنڈر میں اُس کی آواز گونج کر لوٹ آئی۔ ''تمہارا ایک ہزار سالہ امن کا پیغام کتنا مضحکہ خیز تھا، دیکھا تم نے۔ انسانیت آج بھی شیطنت ہی کی اسیر ہے۔ انسانیت کے دماغ میں جو سرطان پل رہا ہے۔ بالآخر اسے تباہ کر دے گا۔ یہ دنیا جنگ بازوں کو ورثے میں ملی ہے نزارین یہ سب سنتے ہوئے جارج کو چکر آنے لگے اور متلی کا جانا پہچانا احساس ہونے لگا۔ ساتھ ہی اسے اپنے سینے میں درد بھی محسوس ہوا۔ وہ ڈیمین کی پشت پر کسی غیر مرئی نقطے کو گھورتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ بے ہوش نہیں ہوگا...... کم از کم اس وقت تو ہرگز نہیں جبکہ ڈیمین کھڑا اپنے دشمن کو للکار رہا ہے۔

وہ اس وقت ایسا کچھ نہیں کر سکتا تھا، جس سے ڈیمین ڈسٹرب ہو۔ وہ اس وقت مر بھی جاتا تو لڑکا اس سے ناراض ہو جاتا۔ چنانچہ وہ اپنی

قوتِ ارادی کے زور پر کھڑا رہا۔ اُس کا جسم بری طرح لرز رہا تھا۔

اُس کی حالت سے بے خبر ڈیمین جونیر اپنے دشمن کو گالیاں بک رہا تھا۔ ''ایک اور کمزور، ناتواں حلیف! تم انہیں کہاں سے ڈھونڈ لاتے ہو نزارین؟ ایک اور مسخرا راہب! پہلے ہی کم تو بھینٹ نہیں چڑھائے تم نے۔ یہ بھی ویسا ہی ہے، جیسوں کو تم نے میرے باپ کے پیچھے بھیجا تھا وہ بے چارے بھی جانتے تھے کہ ان کی جیت کا کوئی امکان نہیں۔ اور یہ بھی جانتا ہے پھر یہ تماشا کیوں کرتے ہو تم؟ انہیں بھینٹ چڑھاتے ہو...... کیا خوشی ملتی ہے تمہیں اس سے؟ ان بے چاروں کی دکھی روحیں، لافانی روحیں...... تم انہیں ان کے خون سے دھو کر پاک کرتے ہو! تاکہ وہ تمہارے سیدھے ہاتھ پر بیٹھ کر جنت کے مزے لیں......''

وہ پلٹا اور اُس نے میدان کے پار دیکھا۔ ''یہ سب کچھ بہت بے معنی ہے۔'' اُس نے نرم لہجے میں کہا۔ ''یہ بے چارہ تو پہلے ہی تباہ ہو چکا ہے اور یہ تو خطرناک بھی نہیں۔ البتہ غلط راستے پر ضرور ہے۔''

٭٭٭

آدھے میل دور فرانسس مشرقی دیوار والے گیٹ کے پاس کھڑا سلاخوں کے پار دیکھ رہا تھا۔ اُس کے جسم میں تھرتھری سی دوڑنے لگی۔ اسے کچھ نظر آ رہا تھا۔ دور...... فاصلے پر دوز رد سے چھوٹے چھوٹے سوراخ، اور اس کی دعائیں اُس کے حلق میں پھنسنے لگیں۔

٭٭٭

تین راتیں ہو گئی تھیں۔ فرانسس ٹھیک سے سو نہیں پا رہا تھا۔ یہ بالکل ویسی ہی کیفیت تھی، جب وہ نیا نیا جوان ہوا تھا اور اُس نے بدترین گناہ کا ارتکاب کیا تھا۔ اُس نے اپنی ماں کی بائبل میں مقدس تصویریں دیکھی تھیں...... اور بار بار لفظ طوائف پڑھا تھا۔ اور جب اُس نے ایسی عورتوں کی کہانیاں پڑھی تھیں۔ جب وہ میڈونا کی تصویروں کو دیکھ کر مبتلائے ہوس ہوا تھا۔ وہ ایسے گناہ تھے، جن کا وہ کبھی کسی کے سامنے اعتراف نہیں کر سکا تھا...... یہاں تک کہ برسوں کے بعد فادر ڈی کارلو کے روبرو بھی نہیں۔

اور اب اینا کے روپ میں ترغیب پھر اُس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ رات کو خواب میں اُس کا چہرہ، اس کا جسم دیکھتا...... بے حجاب! ایسے میں نیم خواب نیم بیداری کی کیفیت میں ہوتا تھا۔ پھر صبح اُس کی آنکھ کھلتی تو وہ جسمانی طور پر نڈھال ہوتا۔ اپنا وجود اسے گندگی کا احساس دلاتا اور حساسِ گناہ کے بوجھ تلے دبا ہوتا۔

اور دن کا وقت اور بھی بدتر ثابت ہوتا۔ ہر صبح ٹرین میں بیٹھ کر وہ مضافات میں جاتا۔ وہاں سے وہ پیدل پیری فورڈ کا رخ کرتا۔ گیٹ کی سلاخوں سے اندر جھانکتے ہوئے وہ سوچنے کی کوشش کرتا۔ مگر اسے کچھ بھائی نہ دیتا۔ شکست خوردگی کے احساس کے ساتھ وہ لندن واپس آ جاتا ایک بغلی سڑک پر اسے چھوٹا سا چرچ مل گیا تھا۔ وہاں وہ جا کر خدا سے رہنمائی طلب کرتا تھا۔ اسے پرانی کہانیاں یاد آتیں۔ داؤدؑ کے ہاتھوں گولائتھ کا قتل۔ اور مسیحؑ کی واپسی کی خوش خبری۔ اور یہ وعدہ کہ بالآخر بدی کی قوتوں کو شکست ہوگی، خواہ دیر سے ہی ہو۔ یہ سب کچھ اپنی جگہ بے حد حوصلہ افزا سہی۔ لیکن وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ پیری فورڈ کی جاگیر میں اس چرچ تک وہ کیوں کر پہنچ سکتا ہے۔ پہلے تو اسے کیمروں سے بچنا ہوگا۔ اور اگر اس کے باوجود وہ گھسنے میں

کامیاب ہو بھی گیا تو اس جسیم اور خوں خوار کتے سے کیسے بچے گا۔ جب وہ سر اٹھا کر قربان گاہ پر آویزاں صلیب کو دیکھتا تو اسے کرائسٹ اپنی طرف ترحم آمیز نظروں سے دیکھتا نظر آتا۔

اسے رہنمائی نہیں مل رہی تھی۔ اسے جو کچھ کرنا تھا، اپنے طور پر کرنا تھا۔

چوتھی رات پھر ویسا ہی ہوا۔ وہ ایک ڈراؤنے خواب سے جاگا۔ ہر طرف اینا کے ہونٹ نظر آرہے تھے۔ وہ چاروں طرف سے اسے گھیرے ہوئے تھے۔ وہ اسے چوم رہی تھی، اسے کاٹ رہی تھی۔ وہ لرزتے ہوئے جسم کے ساتھ بیڈ سے اترا، اپنا لبادہ پہنا اور باتھ روم میں گھس گیا۔ وہاں وہ دیر تک شاور کے نیچے کھڑا ہو کر اپنے جسم کو یوں رگڑتا رہا، جیسے غلاظت کو چھڑانے کی کوشش کر رہا ہو۔ پانی کی پھوار کی طرف رخ کر کے اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ آئینے کی طرف نہیں دیکھنا چاہتا تھا کہ نجانے وہاں کیا نظر آئے۔ کیونکہ اسے پادری کی بات یاد تھی کہ شیطان آدمی کے ذہن پر قابض ہو جاتا ہے وہ انسان کی سب سے بڑی کمزوریوں پر وار کرتا ہے وہ ترغیب کے لیے سادہ اور آسان راستے دکھاتا ہے۔

آنکھیں بند کیے کیے وہ ٹٹولتا ہوا بیڈ کی طرف بڑھا۔ وہ کمبلوں میں گھسا اور ٹانگیں پھیلائیں اسی وقت اسے اپنے قریب خوشبو کا احساس ہوا۔ پھر لمس......اور پھر اینا کی آواز اُس کے کانوں میں سرگوشیاں کرنے لگی......اور وہ بڑی بے ہودہ سرگوشیاں تھیں۔

اُس نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔ آنکھیں اور سختی سے بند کر لیں اور گلے میں پڑی صلیب کو چھونے کی کوشش کی۔ لیکن درمیان میں کچھ اور حائل تھا......کوئی نرم سی، گیلی سی چیز۔ وہ چیختا ہوا اٹھا اور چادروں کو ایک طرف ہٹاتا دروازے کی طرف بھاگا۔ کمرے سے باہر راہ داری میں وہ گھٹنوں کے درمیان سر دبا کر بیٹھ گیا۔ اُسکا چہرہ دیوار کی طرف تھا۔

صبح اُس کی مکان مالکہ کو وہ اسی عالم میں ملا۔ ''کیا تم نیند میں چلتے ہو؟''

''جی ہاں۔'' اُس نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا۔

لیکن مکان مالکہ کو یقین نہیں تھا۔ اُسے اُس کی گردن پر کھرونچے اور دانتوں کے نشان نظر آگئے تھے۔ لپ اسٹک لگے ہونٹوں کے نشان اس پر مستزاد تھے۔

⁂

اطالوی جوان اسے انتظار کرا رہا تھا۔ یہ بات اینا کو بری لگی۔ اس نے فلیٹ کو چمکا دیا تھا۔ کھانا پکانے کے بعد وہ دو طرح کی وائن بھی خرید لائی تھی۔ مگر وہ نہیں آیا۔ اُس نے فون کر کے لیٹ ہونے پر بھی معذرت کی۔ اور جب وہ شام کے قریب آیا تو وہ اُس کے لیے تیار نہیں تھی۔ اُس کے بال الجھے ہوئے تھے۔ چہرے پر میک اپ بھی نہیں تھا۔ وہ اسی وقت نہا کر نکلی تھی۔ باتھ روب بھی وہ ٹھیک سے نہیں پہن سکی تھی۔ بہر حال جیسے تیسے اُس نے ہونٹوں پر خیر مقدمی مسکراہٹ سجالی، اور ایک طرف ہٹ کر اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔

وہ کچھ بدلا بدلا لگ رہا تھا، جیسے وہ پورے ہفتے نیند سے محروم رہا ہو۔ چہرہ پھیکا اور بے رنگ ہو رہا تھا۔ بہر حال یہی بڑی بات تھی کہ وہ آگیا تھا جیک میسن کو خوشی ہوگی کہ وہ اسے مل گیا۔

وہ اُس سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔ ''میرا فلیٹ تمہیں اچھا لگا؟''

اُس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اتنے سارے پودوں کی وجہ سے میرے ملنے والے اسے جنگل کہتے ہیں۔''

''نہیں......اچھا ہے۔''

اینا نے اسے ڈرنک کی پیش کش کی۔

''بات سنو۔ میں کل واپس جا رہا ہوں۔''

''اوہ......''

''پچھلی بار میں لندن آیا تھا تو میں نے ایک بہادر آدمی سے ایک بات کہی تھی۔ میں دہرانا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا تھا...... جو میں جانتا ہوں، وہ تمہیں بتا دوں تو تم مجھے پاگل سمجھو گے۔''

اینا مضطرب ہو گئی۔ یہ سب کچھ تو وہی تھا، جو اُس نے اس رات کہا تھا۔ مگر آج وہ اسے ان لڑکوں کی طرح گھور رہا تھا۔ جو نئے نئے جوان ہونے پر کسی لڑکی کو گھورتے ہیں۔ اُس نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لیے......

''میں ایک ایسے مشن پر جا رہا ہوں، جسے میرے سوا کوئی مکمل نہیں کر سکتا۔ پلیز...... میری بات پر یقین کرو۔''

''ٹھیک ہے۔ لیکن......''

''اور اگر میں کہوں کہ میں مر بھی سکتا ہوں تو تمہیں یہ بات ڈرامائی لگے گی۔''

''خدا کے لیے فرانسس......'' وہ اب اس تکرار سے عاجز آ چکی تھی۔ بغیر سوچے سمجھے اُس نے غصے میں اپنے دونوں ہاتھ کمر پر رکھ لیے۔ اس کی وجہ سے اُس کا باتھ روب کھل گیا۔ فرانسس نے منہ پھیرا اور جلدی سے آنکھیں بند کر لیں۔ ایک لمحے بعد وہ پلٹا تو اُس کے ہاتھ میں ایک پیکٹ تھا۔ وہ اُس نے اینا کی طرف بڑھایا۔ ''میں چاہتا ہوں کہ یہ تم رکھ لو۔''

اینا نے پیکٹ لے لیا۔ پیکٹ سربہ مہر تھا۔

''اگر میں واپس نہ آؤں تو اسے کھول لینا۔'' فرانسس نے کہا۔ ''مجھے یقین ہے، پھر تم اس تھورن فیملی کے بارے میں سب کچھ بھول جاؤ گی۔

اینا نے سر جھٹکا۔ وہ اُس سے کہنے والی تھی کہ وہ عجیب باتیں کر رہا ہے۔ مگر اُسی لمحے اُس نے دونوں ہاتھ اُس کے کندھوں پر رکھ دیے۔

''میری بات یاد رکھنا۔ میں جس راستے پر جا رہا ہوں، اس پر چلنے والا کوئی شخص زندہ واپس نہیں آیا۔ اگر میں بھی اس فہرست میں شامل ہو جاؤں تو مجھ سے وعدہ کرو کہ یہ تم صاحب اقتدار لوگوں تک پہنچا دو گی......''

''یہ تو اس پر منحصر ہے کہ......''

''مجھ سے وعدہ کرو......'' اُس کی گرفت اب اسے اذیت دے رہی تھی'' ......وعدہ کرو تم تھورن فیملی کو بھلا دو گی۔'' اُس کی بات اسے خوف

زدہ کر رہی تھی۔ پھر اُس کے خوف نے غصے کا روپ دھار لیا۔ وہ خود کو اُس کی گرفت سے آزاد کرانے کے لیے زور لگانے لگی۔ ''وعدہ کرو مجھ سے......''

اب فرانس کے مطالبے میں شدت تھی۔ اور آواز بلند آہنگ۔

''دور ہٹو مجھ سے۔''

''نفرت بھرے وہ الفاظ اسے گھونسے کی طرح لگے۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا نفی میں سر ہلاتا ہوا پیچھے ہٹا۔ اُسکا ہاتھ اینا کی طرف یوں بڑھا، جیسے اسے سہلانا چاہ رہا ہو۔

''نہیں......'' اب وہ بے حد مشتعل تھی۔ ''میرے دوست، تمہیں بالکل احساس نہیں کہ کون سی بات کے لیے کون سا وقت موزوں ہوتا ہے۔''

اسی لمحے فرانس اُس پر جھپٹا۔ اس نے اسے دبوچ لیا اور اُس کی گردن کو چومنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر وہ اُس کے لیے تیار تھی۔ اُس نے اپنا گھٹنا اُس کے پیٹ پر مارا۔ وہ ہلکی سی چیخ کے ساتھ جھکا تو اینا اُس سے دور ہٹ گئی۔ ''نکل جاؤ یہاں سے۔'' وہ چلائی۔

فرانس سیدھا ہوا اور پیچھے ہٹنے لگا۔ وہ بار بار سر جھٹک رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں ڈبڈبا رہی تھی۔ آنسو تکلیف کے تھے یا ان کا سبب توہین کا احساس تھا، یہ اینا نہیں جانتی تھی۔ اور اسے اس کی پروا بھی نہیں تھی۔

''اینا...... مجھے افسوس ہے میں شرمندہ ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔''

''نکل جاؤ یہاں سے۔ تم نفرت انگیز آدمی ہو۔''

''اینا نے پولیس کو فون کرنے کے لیے ریسیور اٹھایا تو وہ روتا ہوا، الٹے قدموں فلیٹ سے نکل گیا۔

⁂

اب کہیں کوئی بے یقینی نہیں تھی۔ اب فرانس جانتا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ وہ دیوار پھلانگے گا اور چرچ کی طرف لپکے گا۔ خنجر حاصل کرنے کے لیے اسے کتوں کا خطرہ مول لینا تھا۔ بس اُس کے لیے حوصلہ افزا یہ خیال تھا کہ خدا اُس کے ساتھ ہے اور اُس کی مدد کرے گا۔

اب اسے اپنے انجام کی کوئی پروا نہیں تھی۔ جو کچھ وہ کر چکا تھا، اُس کے بعد کسی کی اہمیت نہیں رہ گئی تھی۔ اُس نے تو جانوروں سے بھی بد تر حرکت کی تھی۔ اس کی کوئی تلافی ممکن نہیں تھی۔ سڑکوں پر چلتے ہوئے وہ دعائیں پڑھتا رہا، توبہ کرتا رہا۔ لیکن اسے امید تھی کہ خدا نے بھی اُس کی طرف سے کان بند کر لیے ہوں گے۔

اسے نہیں معلوم کہ کیسے وہ سوہو تک پہنچا۔ وہ تو اپنے ٹھکانے پر جانے کے لیے نکلا تھا۔ اور اب وہ روشنیوں سے جگمگاتے ہوئے اس علاقے میں تھا، جہاں نیون سائنز پر تمام گناہوں کے اشتہار تھے۔ وہ تو مرکز ترغیب گناہ تھا۔ مرد اسے اشارے کر رہے تھے کہ وہ ان کے پیچھے تاریک راہ داریوں میں چلے۔ میک اپ سے لتھڑی ہوئی عورتیں الگ اسے بلا رہی تھیں۔

شاید کہیں کسی مقام پر وہ کہیں غلط مڑ گیا تھا۔ اسے تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ دنیا میں ایسی جگہیں بھی موجود ہیں، جو گناہوں کے بازار ہیں۔ جہاں گناہوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ حکام نے کیسے انہیں کھلا چھوڑ رکھا ہے۔ ان پر پابندی کیوں عائد نہیں کی جاتی۔

ایک موٹی عورت اُس کی طرف بڑھی۔ "میں تمہیں دوستانہ رفاقت فراہم کر سکتی ہوں۔"

فرانسس گھبرا کر پیچھے ہٹا اور اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنایا۔ یہ عورتیں...... یہ خوب صورت بھی تو نہیں تھیں۔ ان میں سے بیشتر کو دیکھ کر کراہت کا احساس ہوتا تھا۔ مگر اس کراہت میں بھی اسے ایک عجیب طرح کی کشش محسوس ہو رہی تھی۔ یہ ایسا تضاد تھا، جسے وہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ اس دنیا کے بارے میں وہ کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ اور اس سے لڑنے کے لیے اس کے پاس ایمان کے سوا کوئی ہتھیار نہیں تھا۔

وہ دل ہی دل میں دعا کرتا پر ہجوم فٹ پاتھ پر چلتا رہا۔ اُس کے چہرے پر گھبراہٹ تھی، اور اُس نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے ہوئے تھے۔ فٹ پاتھ پر چلنے والے بیشتر لوگ تو اُس سے بے خبر تھے۔ اور جنہیں وہ نظر آتا، وہ اسے شکار سمجھتے۔

اسے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ ایک دائرے میں گھوم رہا تھا۔ بار بار اسے ایک جیسے اشتہاری بورڈ نظر آتے، ایک جیسی دکانیں اور تنگ گلیاں، جہاں سے آسمان بھی نظر نہیں آتا تھا۔ وہاں ایسی دھکم پیل تھی کہ کسی سے ٹکرائے بغیر چلنا ممکن ہی نہیں تھا۔ بار بار جسم ٹکراتے۔ کوئی برا بھلا کہتا، بڑبڑاتا اور کوئی دعوت گناہ دینے لگتا۔

وہ ایک گلی سے لڑکھڑاتا ہوا نکلا اور ایک چھوٹے سے اسکوائر میں پہنچا۔ ایک لمحے کو اُسے ایسا لگا کہ وہاں ایک بے حد جسیم کتا کھڑا اسے گھور رہا ہے۔ اور پھر وہ دوبارہ بھیڑ میں گم ہو گیا۔ اور وہ بھیڑ اسے کھینچ کر ایک طرف لے جانے لگی۔ اور جب وہ رکا تو وہاں ایک بورڈ نظر آیا۔ جس پر ایک فلم کا اشتہار تھا۔ اشتہار میں نیم عریاں اینا اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ اسے دوبارہ اسی خوشبو کا احساس ہوا، جس نے رات اسے اس کے کمرے سے بھگا دیا تھا۔ اسے اپنے کندھوں پر دانت گڑتے محسوس ہوئے اور وہ اندھا دھند وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اسے احساس بھی نہیں تھا کہ لوگ اسے برا بھلا کہہ رہے ہیں۔

نجانے کیسے وہ اپنے ٹھکانے پر پہنچا۔ رات ہو چکی تھی۔ وہاں سناٹا دیکھ کر اسے خوشی اور طمانیت ہوئی۔ وہ اب کسی سے ملنا نہیں چاہتا تھا بس وہ تو اپنا سامان سمیٹ کر مضافاتی علاقے کی طرف نکل جانا چاہتا تھا، جہاں تازہ ہوا تھی، جہاں گناہوں کی ترغیب نہیں تھی۔

اپنے کمرے میں پہنچا تو وہ ہانپ رہا تھا۔ اُس نے دروازہ کھولا اور اندر پاؤں رکھتے ہی تقریباً گر گیا۔ اُس نے آنکھیں موند لیں اور عقب میں دروازہ بند کر لیا۔ گہری گہری سانسیں لے کر اُس نے خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کی۔ پھر اچانک اُسکا جسم تن گیا۔ اسے احساس ہوا کہ وہ وہاں اکیلا نہیں ہے۔ کوئی اُس کے ساتھ ساتھ سانسیں لے رہا تھا۔ بلکہ وہ دو تھے...... ایک مرد اور ایک عورت!

دل میں دعائیں پڑھتے ہوئے اس نے گلے میں پڑی صلیب کو چھوا۔ مگر وہ تو انسانی جلد تھی۔ صلیب جیسے انسانی گوشت کی بنی ہوئی تھی اور اُس کے گلے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اُس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔

اینا اُس کے بستر پر تھی۔ اور وہ اکیلی نہیں تھی۔ اُس کے ساتھ ایک مرد بھی تھا۔ فرانسس کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی اور اُس نے دروازہ کھول دیا۔ ان دونوں نے مڑ کر اسے دیکھا۔ لڑکا ڈیمین تھورن کا ہم شکل تھا اور اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا اُس کی آنکھیں گول اور زرد تھیں...... جانوروں جیسی آنکھیں۔

پھر اپنا اشارے کرنے لگی۔ وہ اسے بلا رہی تھی۔

فرانس نے شدت سے نفی میں سر ہلایا اور پوری قوت ارادی استعمال کرتے ہوئے اُس دیوار کی طرف دیکھا، جہاں اس کی دو فٹ اونچی صلیب لٹکی تھی، جو وہ سوہیا کو کی خانقاہ سے اپنے ساتھ لایا تھا۔ لیکن وہ تو ٹوٹی ہوئی تھی۔ اُس کا نچلا حصہ غائب تھا اور ایک بازو ٹوٹ چکا تھا۔

فرانس نے اچھل کر اسے پکڑا اور اسے لے کر بیڈ کی طرف پلٹا۔ لڑکا اب اسے دیکھ کر دانت نکوس رہا تھا۔ اُس کے منہ سے رال بہہ رہی تھی۔ اُس کے جسم سے جنگلی جانوروں جیسی تیز بو اٹھ رہی تھی۔ فرانس کو جبلی طور پر احساس ہو گیا کہ اُسے کیا کرنا ہے۔ خنجر حاصل کرنا بعد کی بات تھی۔

''فادر...... مجھے طاقت عطا فرما۔'' اُس نے زیرِ لب کہا اور صلیب کو بلند کیا۔ لڑکے کے دانت اور نمایاں ہو گئے۔ اُس نے صلیب سے اس کے منہ پر ضرب لگائی۔ صلیب دانتوں کو توڑتے ہوئے اُس کے حلق میں گھس گئی۔ فرانس لڑکے کی اذیت کو محسوس کر رہا تھا۔ صلیب اُس کا سانس روک رہی تھی۔ اور اُسی کے حلق سے گھٹی گھٹی آوازیں نکل رہی تھیں۔

اُس کے باوجود ان زرد آنکھوں میں فرانس کو فاتحانہ تاثر نظر آ رہا تھا۔ اُس کا جی متلانے لگا۔ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اسے اینا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نظر آئی۔ اُس کا ہاتھ اُس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اُس کے ناخن سیاہ رنگ سے رنگے تھے۔ اور وہ گندی گندی باتیں کر رہی تھی۔

......✿......

اُس کی لاش مکان مالکہ نے دریافت کی۔ وہ جس حال میں تھا، اسے دیکھ کر خاتون کو شاک لگا۔ اُس کی ٹیلی فون کال کے جواب میں جو پولیس سارجنٹ وہاں پہنچا، وہ بڑا تجربہ کار تھا، اور شیخیاں بگھارتا تھا۔ کہ اُس نے ایسا ایسا کچھ دیکھا ہے کہ اب کوئی منظر اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ لیکن فرانس کی لاش دیکھ کر اُس کی بھی حالت بگڑ گئی۔ پولیس اسٹیشن پہنچ کر بھی وہ منظر بیان کرتے ہوئے بار بار وہ الٹیاں کرتا رہا۔ دو گھنٹے بعد کچھ طبیعت سنبھلی اور وہ رپورٹ ٹائپ کرنے بیٹھا تو وہ حیران تھا کہ کیا لکھے۔ کوئی انسانی ذہن مارنے کے ایسے طریقے بھی اختیار کر سکتا ہے! ایسے لوگوں کو ذہنی مریض ہی کہا جا سکتا ہے۔

......✿......

اینا نے وہ پورا دن بی بی سی میں گزارا تھا۔ اُسکا ذہن کام کے سلسلے میں اتنا الجھا ہوا تھا کہ ٹیوب ٹرین میں سفر کرتے ہوئے اسے ان دو خواتین کی رازدارانہ گفتگو کا بھی احساس نہیں تھا، جو تازہ ترین قتل کے کیس کے نفسیاتی پس منظر کے بارے میں کر رہی تھیں۔

''لندن تو اب نیویارک سے بھی بدتر ہو گیا ہے۔'' ایک نے تبصرہ کیا۔

''کوئی کسی کو صلیب کے ذریعے بھی مار سکتا ہے۔! ذرا سوچو تو۔'' دوسری بولی۔

''مگر ایک زاویہ یہ بھی ہے کہ یہ نفسیاتی قتل ہے۔''

''ہاں۔ اور یہ سب ٹی وی پر ڈراموں میں تشدد دکھائے جانے کی وجہ سے ہے۔''

''اینا کے کان میں کچھ کچھ پڑ رہا تھا۔ مگر اُس کا دھیان کہیں اور تھا۔ وہ ان باتوں کی اہمیت بھی نہیں سمجھ سکی۔

اپنا جانتی تھی کہ کچھ لوگ ہوتے ہیں، جنہیں چھوٹے موٹے حادثے اکثر پیش آتے رہتے ہیں۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ وہ خود حادثوں کو پیش آتے رہتے ہیں۔ اسے احساس تھا کہ وہ خود بھی ایسی ہی ہے۔ بچپن سے ہی وہ ایسی تھی۔ اسکریو ڈرائیور اُس کے ہاتھ سے پھسل جاتے۔ ہتھوڑا استعمال کرتے ہوئے ہتھوڑے کی موگری دستے سے اچھل جاتی۔ جس گھوڑے پر وہ شرط لگاتی، وہ پوری ریس میں سب میں آگے رہتا، لیکن آخری دس پندرہ گز کا فاصلہ طے کرتے ہوئے لڑکھڑا جاتا۔ وہ کسی سے محبت کرتی تو وہ اُس کی کسی سہیلی کی محبت میں گرفتار ہو جاتا۔ کبھی کبھی اسے لگتا کہ وہ خود ایک حادثہ ہے، جو اپنے پر ہونے کے انتظار میں ہے۔ اب اسے لگتا تھا کہ تھورن فیملی اُس سے بھی کہیں آگے...... بہت آگے کی چیز ہے۔

اپنے فلیٹ میں بھی وہ انہی سوچوں میں گھری ہوئی تھی۔ ٹی وی پر خبریں آ رہی تھیں۔ کچھ سن کر وہ چونکی۔ ''پولیس کا کہنا ہے کہ یہ اس قدر بے رحمانہ قتل ہے کہ جسے بیان کرنا مشکل ہے۔ قتل کی ایسی بہیمانہ وارداتیں کم ہی ہوتی ہیں۔

اُس نے یونہی سر گھما کر اسکرین کی طرف دیکھا اور بری طرح چونکی۔ اسکرین پر فرانسس کا چہرہ دکھایا جا رہا تھا۔ اُس کے باوجود بات پوری طرح اُس کی سمجھ میں نہیں آئی۔ ''پولیس نے راہب کے پاسپورٹ پر لگی یہ تصویر جاری کرتے ہوئے اپیل کی ہے کہ جو لوگ کبھی اسے ملے ہوں، فوری طور پر پولیس سے رابطہ کریں...... ''نیوز ریڈر کہہ رہی تھی۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ وہ پبلشنگ پارٹی والے اُس کے دوست کا فون تھا۔ ''یہ وہی اطالوی جوان ہے نا، جس سے تم پارٹی میں بات کر رہی تھیں۔'' مگر اُس کی سمجھ میں اب بھی پوری بات نہیں آئی تھی۔ البتہ ریسیور رکھتے ہی وہ سمجھ گئی۔ مگر اس کے باوجود بھی وہ پوری طرح نہیں سمجھ پائی۔ تو وہ راہب تھا۔ اب اس حوالے سے وہ اُس کے طرزِ عمل کو سمجھ سکتی تھی۔

اُس کا ٹی وی آٹو میٹک ویڈیو پر سیٹ تھا۔ اُس نے ٹیپ کو ری وائنڈ کیا۔ مرنے والے کا چہرہ اسکرین پر آتے ہی اُس نے اسے فریز کر دیا۔ اُس کی بھوری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اُسے اس کی تنبیہ یاد آئی۔ اُس نے کہا تھا کہ تھورن فیملی کو بھول جاؤ۔ اُس کے مردہ چہرے کو دیکھتے ہوئے پہلی بار اسے خوف محسوس ہوا۔ تھورن فیملی سے متعلق اموات کی فہرست میں ایک اور فرد کا اضافہ ہو گیا تھا۔ اور اسے اتفاق کہنا بہت مشکل تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے اُس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ وہ آنسو ملے جلے جذبوں کے مرہونِ منت تھے ان میں اداسی بھی تھی اور خوف بھی۔

وہ اس سے صرف دو بار ملی تھی اور اسے افسوس تھا کہ اس نے بہت سختی کے ساتھ اسے مسترد کیا تھا۔ اُس کے ذہن میں اپنے ہی کہے ہوئے وہ آخری الفاظ گونجے جو اُس نے فرانسس کو دیکھتے ہوئے کہے تھے...... تم نفرت انگیز ہو۔ اور یہ کہتے ہوئے اس نے کیسی بے رحم نگاہوں سے اسے گھورا تھا۔

خود کو سنبھالنے میں اسے آدھا گھنٹا لگا۔ پھر اُس نے پولیس کو فون کیا......

⁂

پولیس ایک گھنٹے تک اُس سے پوچھ گچھ کرتی رہی۔ اُس نے انہیں فرانسس کی دی ہوئی فہرست کے بارے میں ہوا بھی نہیں لگنے دی۔ البتہ انہیں یہ ضرور بتایا کہ اُس نے اسے تھورن فیملی کے بیک گراؤنڈ پر ریسرچ کرنے سے روکنے کی کوشش کی تھی۔ وہ نوٹس لیتے رہے۔ ان کے انداز میں الجھن تھی۔ مگر وہ بڑی مستعدی سے اسے چھپا رہے تھے۔ وہ پہلے بھی پولیس والوں کے ساتھ کام کر چکی تھی۔ اور جانتی تھی کہ ان کے ساتھ کیسا طرزِ

عمل اختیار کیا جائے۔ اور وہ یہ بھی سمجھ گئی تھی کہ وہ بہت حیران ہیں۔

اپنے فلیٹ واپس پہنچ کر اسے یاد آیا کہ اُس نے پولیس کو پیکٹ کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا۔ یہ بات نہیں کہ وہ بتانا نہیں چاہتی تھی۔ وہ شاک کچھ ایسا تھا کہ اسے یاد ہی نہ رہا۔ وہ تو اب اُس نے میز پر اس پیکٹ کو رکھے دیکھا تو اسے یاد آیا۔ سرخ سیل اسے جیسے اشارے کر رہی تھی۔

مہر کو توڑنے کی کوشش میں اُس کی انگلیاں کانپ رہی تھیں۔ اسے پولیس والوں کی آخری بات یاد آ رہی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ یہ کسی نفسیاتی مریض کا کام ہے۔ ورنہ کوئی ہوش مند آدمی تو کسی انسان کے حلق میں صلیب ٹھونس کر اسے قتل نہیں کر سکتا۔ اور اس قتل کا بہ ظاہر کوئی محرک بھی نہیں تھا۔ کوئی ایسی علامت بھی نہیں تھی، جس سے پتا چلتا کہ کوئی زبردستی فلیٹ میں گھسا تھا۔ بس زبردستی تو ایک ہی کام کیا گیا تھا...... فرانس کے حلق میں صلیب اتارنے کا کام!

اُس نے پیکٹ کی مہر توڑ دی اور ٹیپ کو ہٹانے کی کوشش کی۔ دیر لگی تو اُس نے جھنجلا کر لفافہ ہی پھاڑ ڈالا۔ اس کشمکش میں اُس کی انگلی پر خراش آ گئی۔ اُس کا خون مہر کے سرخ موم میں گھل مل گیا۔

پیکٹ کھلا تو اُس میں سے چار کیسٹ نکل کر میز پر گر پڑے۔ مگر اندر کچھ کاغذات بھی تھے۔ اُس نے وہ کاغذات باہر کھینچ لیے۔ وہ خطوط تھے، اور ان کے ساتھ فرانس کا رقعہ بھی منسلک تھا۔ رقعے میں لکھا تھا:

ان کو دیوانے کی بڑ سمجھ لینا۔ یوں تمہارے لیے آسانی رہے گی۔ خطوط کی یہ نقل میں نے اصل خطوط سے تیار کی ہے۔

فرانس کی تحریر بہت صاف اور دل کش تھی۔ وہ پڑھنے کے لیے بیٹھ گئی۔ پہلا خط کیٹ رینالڈ نامی عورت کا تھا...... فادر ڈی کارلو کے نام۔ اس نام سے واقف تھی۔ وہ نام بدنصیبوں کی فہرست کے درمیان میں تھا۔ فرانس نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ وہ دیوانے کی بڑ معلوم ہوتی تھی۔ مگر دیوانہ اتنا ہوش مند تھا کہ اُس کے باتوں میں ذرا بھی بے ربطی نہیں تھی۔ ایک اور خط لاموںٹ نامی عورت کا تھا۔ اُس کا نام بھی فہرست میں موجود تھا۔

اینا صرف پڑھ رہی تھی۔ ابھی اُس نے تجزیہ کرنے کی بالکل کوشش نہیں کی تھی۔ جو کچھ وہ پڑھ رہی تھی، اس میں ایسی دیوانگی تھی کہ جیک میسن اس طرح کے مواد کی بنیاد پر اپنی کتاب مکمل نہیں کر سکتا تھا۔

خطوط کے بعد طویل اور تفصیلی نوٹ تھے...... بوڑھے فادر ڈی کارلو کے کانپتے ہاتھوں کے لکھے ہوئے نوٹس، اس میں کثرت سے بائبل کے حوالے تھے۔ ان میں کرائسٹ کی دوبارہ آمد اور یہودیوں کے دوبارہ بیت المقدس پر قبضے کا ذکر تھا۔ اور ارمگیدون کا معرکہ جو کرائسٹ اور اینٹی کرائسٹ کے درمیان ہونا تھا۔

وہ یہ سب کچھ پڑھتے ہوئے جھنجلا رہی تھی۔ یہ سب کچھ تو وہ بنیاد پرستوں سے بارہا سن چکی تھی۔ اگر میسن نے تھورن فیملی کا تعلق بائبل میں پیش گوئیوں کی کتاب سے جوڑا تو اسے اپنی کتاب کے لیے پبلشر بھی نصیب نہیں ہوگا۔ لوگ سوچیں گے کہ بالآخر وہ کھسک ہی گیا۔

کاغذات کا مطالعہ کرنے کے بعد اُس نے اپنے ڈیک میں پہلا کیسٹ لگایا اور اسے سننے بیٹھ گئی۔ ”فادر...... میں اپنی ہکلاہٹ کے لیے آپ سے معذرت خواہ ہوں......“ کمرے میں ایک تھکی تھکی بوڑھی آواز ابھری۔ اینا نے کرسی سے ٹیک لگائی اور آنکھیں موند لیں۔ مگر جب اُس نے

پال بوہر کا نام سنا تو سنبھل کر بیٹھ گئی۔ اُس کی جھنجلاہٹ ہوا ہوگئی۔ اور اُس کی جگہ جوش نے لے لی۔ اگر یہ واقعی پال بوہر تھا تو وہ جیک میسن کو یقیناً متاثر کر سکتی تھی۔

وہ سنتی رہی۔ اُس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ پال بوہر اعتراف کر رہا تھا۔ اور وہی سب کچھ دہرایا جا رہا تھا۔ وہی مقدس خنجر، وہی ارمگیڈون، وہی انٹی کرائسٹ، وہی دیوانگی...... بلکہ مزید دیوانگی!

وہ دو گھنٹے تک سنتی رہی۔ پھر اُس نے وہ کاغذات اور کیسٹ اسی فائل میں پیک کر دیئے، جس پر تھورن لکھا تھا۔ اس کے بعد اُس نے ریسیور اٹھایا......

جیک میسن کہیں گیا ہوا تھا۔ اُس نے اُس کی مشین پر پیغام چھوڑا اور کمرے میں ٹہلنے لگی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ جب تک روکا نہیں جاتا، اپنی ریسرچ جاری رکھے۔ کیونکہ اسے تو معاوضہ مل رہا ہے۔

اُس نے فہرست میں پال بوہر کے نام کا اضافہ کیا۔ پال بوہر نے ایک اور نام بتایا تھا...... مارگریٹ برینن۔ اور وہ ابھی زندہ تھی۔ بلکہ اس فہرست کے ناموں میں وہی ایک تھی، جو زندہ تھی۔ اُس کے بارے میں ایک ایڈریس بھی تھا...... ہائی گیٹ کے علاقے میں ایک اسپتال کا پتا!

اینا نے پھر فون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اُس نے سوچا قسمت اچھی ہوئی تو اسپتال والے اسے ملاقات کی اجازت نہیں دیں گے۔

......✿......

اینا کے فلیٹ سے اسپتال تک ٹیکسی کا سفر آدھے گھنٹے میں طے ہوا۔ لیکن اسے وہ کئی گھنٹوں پر محیط لگا۔ راستے میں وہ مسلسل یہی سوچتی رہی کہ یہ کام اسے جیک میسن کے لیے چھوڑ دینا چاہئے تھا۔ اسے بچپن سے ہی اسپتالوں سے خوف آتا تھا۔ اُس کی ماں کا انتقال ایک مینٹل ہاسپٹل میں ہوا تھا۔ وہ آخری لمحے تک ماں کے ساتھ رہی تھی۔ اور وہ بڑی خوف ناک موت تھی۔ اس تجربے نے اسے ہلا ڈالا تھا۔ طاقت ور مسکن ادویات کے زیر اثر ہونے کے باوجود اس کی ماں بری طرح چیختی رہی تھی۔ اور مرتے وقت اس کے چہرے پر ایسی دہشت تھی، جیسے اس آخری لمحے میں اُس نے جہنم دیکھ لیا ہو۔

اب وہ سوچ رہی تھی کہ کاش اُس نے حوصلہ بڑھانے والی کوئی دوا لے لی ہوتی۔ لیکن یہ اس کی فطرت کے پروفیشنلزم کو گوارا نہیں تھا۔ اسے تو انٹرویو کے دوران پوری طرح ہوش مند، بلکہ ذہنی طور پر چوکنا رہنا تھا۔

اسپتال اچھے صاف ستھرے علاقے میں تھا۔ یہ بھی خوش آئند بات تھی۔ اگر وہ کسی گندے علاقے میں ہوتا تو وہ اور ڈپریس ہوتی۔ اس سے مریضہ کو تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن اینا کے لیے بہر حال یہ بات اہم تھی۔

ڈرائیور نے ٹیکسی روکی اور عمارت کی طرف اشارہ کیا۔ اینا کا جسم لرزنے لگا۔ یہ تو اُس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ کانونٹ ہوگا۔

وہ ٹیکسی سے اتری اور بارہ فٹ اونچی دیوار کا جائزہ لینے لگی۔ اُس کی زرد اینٹیں اب گرے ہو چکی تھیں۔ وہاں بہت بڑا دوپٹ کا دروازہ تھا...... شاہ بلوط کی لکڑی کا بھاری دروازہ۔ اُس کے اوپر لوہے کا نکیلا جنگلہ تھا۔ ایک طرف برقی گھنٹی کا بٹن تھا اور دروازے میں اسپائی ہول تھا۔ ان

دونوں چیزوں کی وہاں موجودگی اسے عجیب لگی۔

اُس نے بٹن دبایا۔ دور کہیں جلترنگ والی گھنٹی کی آواز سنائی دی۔

دروازے کے درمیانی حصے میں اچانک ایک چھوٹی سی کھڑکی سی کھل گئی۔ سیاہ ٹوپی کے نیچے دو بھوری آنکھیں اسے سوالیہ انداز میں دیکھ رہی تھیں اینا نے نام بتایا اور کہا کہ وہ ملاقات کا وقت لے کر آئی ہے۔

کھڑکی بند ہوئی، چرچراہٹ سی ابھری اور دروازہ کھلنے لگا۔ اینا اندر داخل ہوگئی، وہ کنکریٹ کا مربع شکل کا صحن تھا۔ نہ وہاں پودے تھے، نہ کوئی کرسی، نہ زندگی کی کوئی علامت۔ ہاں سیاہ لباس پہنے ننیں ادھر اُدھر ٹہل رہی تھیں۔ اینا کو وہ دماغی امراض کے اسپتال سے زیادہ جیل خانہ لگا۔

وہاں ہر طرف خاموشی تھی اور مورفین کی بو!

نن نے اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ وہ صحن عبور کر کے اسپتال کی طرف بڑھی۔ چھوٹی چھوٹی کھڑکیوں سے اندر کی تاریکی میں مریضوں کے ہیولے نظر آرہے تھے۔ وہ ایسے ساکت تھے، جیسے جیتے جاگتے، انسان نہ ہوں، بلکہ انہیں پینٹ کیا گیا ہو۔

اینا نے پلٹ کر دیکھا۔ آسمان صاف ستھرا اور چمک دار نیلا تھا۔ اندر کے ماحول سے وہ کم از کم سو میل دور لگ رہا تھا۔ مرکزی دروازے تک پہنچتے پہنچتے اسے اندر سے دھیمی دھیمی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اندر عورتیں کچھ گا رہی تھیں۔ ان کے لہجوں کی مایوسی نے ان کی آوازوں کو بوجھل کر دیا تھا۔

وہ اندر داخل ہوئی اور اُس نے دل ہی دل میں اپنی اس سوچ پر خود کو برا بھلا کہا۔ یہ وہ کون ہوتی ہے ان کے لہجوں میں مایوسی سننے والی۔ یہ تو مسیح کی دلہنیں تھیں جنہوں نے دنیا کو چھوڑ کر سکون پا لیا تھا۔

عمارت سرد تھی۔ دیواروں پر سبز ٹائل لگے تھے۔ اس شیڈ کی وجہ سے ننوں کے چہرے اداس اور سوگوار لگ رہے تھے۔ وہ اپنی رہنما نن کے پیچھے چل رہی۔ نہ کوئی اُس کی طرف متوجہ تھا، نہ کسی نے اُس سے کلام کیا۔ وہ مین کاری ڈور سے ایک اور کاری ڈور میں داخل ہوئے اور پھر سیڑھیوں سے اترنے لگے۔

اینا نے دیوار کو چھوا..... مگر چھوتے ہی پیچھے ہٹ گئی۔ دیوار سیلی ہوئی تھی۔ اُس نے اپنی انگلیوں کو دیکھا۔ مگر وہ خشک تھیں۔ شاید وہ سیلن اُس کا وہم تھی۔

نن ایک دروازے پر رک گئی تھی۔ اُس نے تالا کھولا اور دروازہ کھولا۔ ایک لمحے کو تو اینا سے ہلا بھی نہیں گیا۔ اس سے کسی نے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ کسی نے نہیں پوچھا تھا کہ وہ مارگریٹ برینن سے کیوں ملنا چاہتی ہے۔ ورنہ اُس کا خیال تھا کہ اس ملاقات کی اجازت آسانی سے نہیں ملے گی۔ کیونکہ رشتے دار تو کجا، وہ تو مارگریٹ کی دوست بھی نہیں تھی۔ مگر یہاں تو کسی نے پوچھا بھی نہیں۔ جیسے انہیں کسی بات کی کوئی پروا نہ ہو۔

وہ اندر داخل ہوئی تو اسے جھٹکا سا لگا۔ پھر وہ چونکی، کیونکہ اُس کے عقب میں دروازہ بند ہو گیا تھا۔ کمرا کیا، وہ ایک تنگ سی کوٹھری تھی۔ وہاں ایک پلنگ، ایک کرسی اور ایک میز کے سوا کچھ نہیں تھا۔ دیوار اتنی اونچائی پر تھی کہ زمین منزل پر نظر آتی تھی۔ مارگریٹ برینن کھڑکی کے عین نیچے

بیٹھی تھی۔ دروازے کی طرف اُس کی پشت تھی۔ وہ سامنے والی دیوار کو گھور رہی تھی۔ وہ سفید لبادہ پہنے ہوئے تھے اور اینا کی موجودگی کا اسے احساس بھی نہیں تھا۔

اینا کھنکھاری۔ مگر مارگریٹ نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ اینا آگے بڑھی اور اُس سے دو فٹ کے فاصلے پر رک گئی۔ اُس نے ہاتھ بڑھایا اور نرم لہجے میں اسے اس کے نام سے پکارا۔

عورت نے پلٹ کر دیکھا، اور اینا کی چیخ اُس کے حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔ وہ ایسا چہرہ تھا، جو بڑھاپے کی آمد سے پہلے بوڑھا ہو گیا تھا۔ اُس کا پورا چہرہ جھریوں سے بھرا تھا، بال سفید تھے، آنکھیں حلقوں سے ابلی ہوئی تھیں اور گھور رہی تھیں۔ اس عورت میں اس اخباری تصویر کی تو ذرہ بھر بھی مشابہت نہیں تھی، جو اینا نے دیکھی تھی۔ صرف ایک سال پہلے اس عورت کے رخسار دمکتے تھے، بال چمک دار تھے اور ہونٹوں پر جادو کر دینے والی مسکراہٹ تھرکتی تھی۔ ایک سال پہلے وہ جوان تھی...... مگر اب وہ بوڑھی عورت تھی۔ اُس کے ذہن میں ایک لفظ گونجا...... بڈھی بھیڑ۔ مگر اُس نے کوشش کی نہ وہ لفظ لبوں پر آئے، اور نہ ہی اُس کے چہرے کا تاثر اس لفظ سے ہم آہنگ ہو۔

''مسز برینن، میرا نام اینا برامپٹن ہے۔'' اُس نے کہا۔

عورت مسکرائی۔ ''تمہاری آمد کا شکریہ۔''

''وہ بوسٹن والوں کا مہذب لہجہ تھا، جو اینا کو صدر کینیڈی کی یاد دلا رہا تھا۔ اُس نے اینا کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اینا نے ہاتھ ملایا۔ لیکن اگلے ہی لمحے اسے کراہت کا احساس ستانے لگا۔ اس عورت کی جلد ایسی خشک تھی، جیسے کاغذ اور لمس سے چٹختی محسوس ہو رہی تھی۔

''یہ سال کا اچھا عرصہ ہے۔'' مارگریٹ برینن نے کہا۔ ''فضا پھولوں کی خوشبو سے معمور ہے۔''

اینا نے سر کو جنبش دی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ بات کو تھورن فیملی تک کیسے پہنچایا جائے۔ اور وہ سوچ رہی تھی کہ میں آخر یہاں کیوں آئی ہوں۔ یہ پروفیشنل ریسرچ کا معاملہ ہے یا محض تجسس کی تسکین کا!

عام طور پر وہ لوگوں کو بولنے کا موقع دیتی تھی۔ وہ اپنے دل اور دماغ کا بوجھ خود ہلکا کرتے تھے۔ تو کام کی باتیں خود بہ خود معلوم ہو جاتی تھیں۔ لیکن یہ معاملہ مختلف تھا۔

''آپ سوچ رہی ہوں گی کہ میں یہاں کیوں آئی ہوں؟''

مارگریٹ مسکرائی۔ ''نہیں...... میں سمجھتی ہوں۔'' اس نے کہا اور دوبارہ سر گھما کر دیوار کو گھورنے لگی۔

''میں جیک میسن نامی ایک شخص کے لیے کام کر رہی ہوں۔''

کوئی ردعمل نہیں......

''آپ نے نام سنا ہو گا اُس کا؟''

''وہ رائٹر ہے نا؟'' مارگریٹ نے سر گھما کر اسے دیکھا۔ ''میرا خیال ہے، میں نیویارک میں، ایک پارٹی میں اس سے ملی تھی۔''

بات بنتی نظر آ رہی تھی۔ اینا مسکرائی۔ ''وہ ان دنوں تھورن فیملی کے بارے میں کام کر رہے ہیں......''

مارگریٹ کا موڈ ایک دم تبدیل ہو گیا۔ اُس کا منہ بند گیا اور وہ یوں سر ہلانے لگی، جیسے کسی نے اسے تھپڑ مارا ہو۔ پھر اُس نے منہ پھیر لیا۔

''یہ سوانحی کتاب ہے۔ دراصل میسن کو اس فیملی نے بہت متاثر کیا ہے۔ وہ ان کے......''

''ڈیمین تھورن؟'' مارگریٹ نے کہا، اور اُس کا جسم لرزنے لگا۔

''ہاں...... وہ بھی، اور فیملی کے دیگر افراد بھی۔ دراصل وہ ان کے تعلقات میں دلچسپی رکھتا ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ ان لوگوں کے پاس طاقت بھی تھی اور اثر رسوخ بھی۔ مگر ان میں سے ہر ایک کے ساتھ کوئی المیہ......''

''مجھ سے ڈیمین تھورن کے بارے میں بات مت کرو۔'' الفاظ مشینی لہجے میں ادا کیے گئے تھے۔

اینا کو اپنا جسم سرد ہوتا محسوس ہوا۔ گویا اسے دو طرفہ گفتگو نصیب نہیں ہو سکے گی۔ ''دیکھیں...... اگر آپ کو یہ موضوع برا لگتا ہے تو میں......''

اچانک مارگریٹ پھر اُس کی طرف مڑی۔ ''تم کچھ بھی نہیں جانتیں۔'' اُس نے تلخ لہجے میں کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اُس نے دونوں ہاتھ پھیلائے۔ اُس کے ہاتھ پنجے لگ رہے تھے۔ آدھے انچ لمبے ناخنوں میں میل بھرا تھا۔ اینا ڈر کر پیچھے دروازے کی طرف ہٹی۔

وہ اشتعال جیسے اچانک ابھرا تھا، ویسے ہی سرد بھی ہو گیا۔ مارگریٹ کرسی پر بیٹھ گئی اور اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔ کندھوں کی لرزش سے اُس کی سسکیوں کا پتا چل رہا تھا۔

اینا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے...... اسے دلاسہ دے، لیکن اُس کے ناخنوں سے ڈر لگ رہا تھا۔ پورے ایک منٹ تک وہ گومگو کے عالم میں کھڑی رہی۔ پھر مارگریٹ نے چہرے سے ہاتھ ہٹائے، بچوں کی طرح آستین سے اپنی ناک پونچھی اور سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ پھر جب وہ بولی تو اُس کی آواز بھی بچوں کی سی ہو گئی تھی۔ ''بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں ایک کہانی سناتی ہوں۔''

''اینا پلنگ کی پٹی پر ٹک گئی۔ مگر وہ ضرورت پڑنے پر اچھل کر بھاگنے کے لیے پوری طرح تیار تھی۔

پھر اچانک اسے کچھ یاد آیا۔ اُس نے اپنے بیگ میں ہاتھ ڈالا اور ٹیپ ریکارڈر نکال لیا۔ ''تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟''

مارگریٹ نے اسے نظر انداز کر دیا۔ ''وہ ارمگیڈون کی رات تھی......'' اس نے بے تاثر لہجے میں بات شروع کی۔

اس سے پہلے کبھی اینا کا واسطہ کسی پاگل سے نہیں پڑا تھا۔ اُس کے ذہن کا ایک حصہ اسے وہاں سے نکل بھاگنے پر اکسا رہا تھا۔ مگر دوسری طرف وہ سحر زدہ بھی تھی۔ لیکن یہ بھی وہی کہانی تھی...... وہی عناصر...... کرائسٹ، اینٹی کرائسٹ اور ارمگیڈون!

اُس نے مارگریٹ کو نہ روکا، نہ ٹوکا...... یہ سوچ کر کہ شاید اسی طرح مارگریٹ کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر مارگریٹ مسکرائی۔ ''میرا شوہر دنیا کا سب سے بہادر انسان تھا۔ اُس رات...... ارمگیڈون کی رات، اُس نے اینٹی کرائسٹ کو ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔ اور وہ بے چارہ میرے ہاتھوں ختم ہوا تھا۔'' مسکراہٹ معدوم ہو گئی اور اُس کا جسم ڈھیلا پڑ گیا۔

سنگین خاموشی چھا گئی۔ اینا بھی شاک کی کیفیت میں تھی۔

پھر مارگریٹ نے ہی اس خاموشی کو توڑا۔ میں اب بھی خواب میں اُس کا وہی چہرہ دیکھتی ہوں، جب میں اُس کے پاس گئی تھی اور اُس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا تھا۔ اسے توقع تھی کہ میں اسے بچانے کی کوشش کروں گی۔ تمہیں پتا ہے نا، اُس کتے نے اسے بھنبھوڑ ڈالا تھا۔ اور جب میں نے اسے وہ خنجر مارا، جب میرا خنجر والا ہاتھ وار کرنے کے لیے نیچے آیا تو اس کے چہرے پر جو حیرت تھی، وہ میں کبھی نہیں بھولتی۔ بس یہی ایک بات تو تسلی آمیز ہے میرے لیے۔ اپنے آخری لمحے میں اُس کے پاس خوف کی مہلت ہی نہیں تھی۔ صرف حیرت تھی......صرف حیرت!''

''لیکن کیوں؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی سوال اُس کی زبان سے پھسل گیا۔ اسے خود پر بڑی شدت سے غصہ آیا۔

''کیونکہ میں اس وقت دیوانگی میں مبتلا تھی۔'' مارگریٹ نے نرم لہجے میں کہا۔ ''تم سمجھتی ہو کہ اب میں پاگل ہوں۔ نہیں، یہ پاگل پن تو کچھ بھی نہیں۔ تم اس وحشت اور دیوانگی کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ تب میں نے خود کو شیطان کے سپرد کر رکھا تھا۔''

اینا نے اپنی نفرت چھپانے کی کوشش میں کھانسنے لگی۔ مارگریٹ آگے بڑھی اور اُسکا ہاتھ تھام لیا۔ وہ ایک ایک کر کے اپنی ہر انگلی اس کی ہتھیلی سے مس کر رہی تھی۔ شہادت والی انگلی اُس نے اوپر اٹھائی تھی۔ ''اس نشان کو آگ بھی نہیں مٹا سکی۔'' مارگریٹ نے کہا۔ ''ذرا دیکھو......''

اینا نے دیکھا۔ وہ چھوٹا سا نشان تھا......ایک دوسرے میں گڈمڈ تین دائرے سے......غور سے دیکھنے پر وہ ہندسے نظر آئے......تین چھکے یا تین نہلے!

''یہ شیطان کا انسانی عدد ہے، بائبل میں لکھا ہے......''۔

اُس نشان کو دیکھتے ہوئے اینا کی یادداشت میں کچھ کلبلانے لگا...... ''ہاں......شیطان کا عدد 666 ہے۔'' وہ بولی۔

مارگریٹ فاتحانہ انداز میں مسکرائی۔ ''اب دیکھ لو۔'' پھر وہ پیچھے ہٹ کر بیٹھ گئی۔ مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں سے ہوا ہو گئی تھی اور اس کی جگہ نفرت نے لے لی تھی، وہ اپنی انگلی کے اس نشان کو رگڑ رہی تھی، جیسے مٹانے کی کوشش کر رہی ہو۔ یہ نشان میرا انعام تھا۔ وہ اس وقت میری انگلی پر نمودار ہوا، جب میں شیطان کے چیلے کے ساتھ سوئی تھی۔ جب میں نے شیطان کی غلامی کا ثبوت دینے کے لیے سیدھی راہ کو پوری طرح چھوڑ دیا تھا۔''

اینا نے سوچا، بہت سن لیا میں نے۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب وہ بس یہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔ اُس نے اپنے ٹیپ ریکارڈ کی طرف ہاتھ بڑھایا......مگر مارگریٹ اچانک ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اُس کے دونوں ہاتھ اُس کے سینے پر بندھے تھے۔ ''تم مجھ سے اُس کا نام نہیں پوچھو گی؟''

اینا نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ایسی ذاتی نوعیت کی باتیں میں......''

''اُس کا نام پال بوہر تھا۔'' مارگریٹ نے کہا۔ ''اسے جانتی ہونا۔ میں اُس کے ساتھ سوئی تھی۔'' وہ آگے بڑھی اور اینا کو لپٹانے کی کوشش کرنے لگی۔ اُس کی سانسیں بدبودار ہو گئی تھیں اینا پیچھے ہٹی اور دروازے کی ناب گھمانے کی کوشش کرنے لگی۔ ''مجھے شیطان نے ورغلایا، پھر اپنایا۔'' وہ سرگوشی میں کہہ رہی تھی۔ ''میرے پیٹ میں شیطان کا بچہ تھا۔''

اینا دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ''پلیز مسز برینن......'' اُس کے لہجے میں التجا تھی۔

مارگریٹ مسکرائی، اور پیچھے ہٹ گئی اور اس عورت کی طرح ڈیمین تھورن کے ساتھ سوئی تھی، میں بھی ایک بدخلقت بچے کی ماں بن سکتی

تھی...... غیر فطری انداز میں، وہ منحوس اور بدہیئت لڑکا، جو اس وقت پیری فورڈ میں دندنا رہا ہے۔''

دروازہ پھنس گیا تھا۔ اینا اسے کھولنے کے لیے زور لگا رہی تھی۔ وہ نظر ہٹانے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن مارگریٹ کی آنکھوں نے اسے سحر میں مبتلا کر رکھا تھا۔

''لیکن میں نے انہیں شکست دے دی۔ میں نے شیطان کے اس بچے کو جو میرے رحم میں سو رہا تھا، اپنے ہاتھوں سے ختم کر دیا۔'' پھر بالکل اچانک وہ پیچھے ہٹی اور اپنا پیٹ اینا کے سامنے ننگا کر دیا۔

اینا کی چیخ اُس کے حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔ وہ مندمل زخموں کے بے حد خوفناک نشان تھے جو پیٹ سے رانوں تک پھیلے ہوئے تھے۔ لگتا تھا کہ مارگریٹ نے خود کو چاقو سے بری طرح کاٹ ڈالا ہوگا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ وہ بچ کیسے گئی۔ اس نے نظریں ہٹائیں اور دروازے کی طرف اچھلی اور زور لگانے لگی۔

''میں نے اس عورت کو دیکھا، جو ولیوں کا خون پیتی تھی۔ اور جیزز کے شہیدوں کا خون......''

اینا نے زور لگایا۔ دروازہ تھوڑا سا کھل گیا۔

''میں نے اس بچے کو تباہ کر کے انہیں ناکام بنا دیا۔'' مارگریٹ چلائی۔

اینا باہر راہ داری میں نکل گئی، اور اپنے عقب میں دروازہ بند کر دیا۔ وہ زور لگا کر نکلی تھی۔ اس لیے اپنی جھونک میں دیوار سے ٹکرا گئی۔ سنبھلتے سنبھلتے بھی وہ گری۔ ٹیپ ریکارڈ کا اسٹریپ اُس کے ہاتھ سے لپٹا ہوا تھا۔ ٹیپ ریکارڈ پوری طرح سے فرش سے ٹکرایا۔ نجانے کیسے ٹیپ ریکارڈ آن ہو گیا۔ مارگریٹ کی آواز راہ داری میں گونجنے لگی۔ ''......تم سمجھتی ہو، اب میں پاگل ہوں......''

اینا نے ٹیپ ریکارڈ کو بند کیا۔ اسی لمحے اسے اپنے کندھے پر کسی کے ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ براؤن آنکھوں والی نوجوان نن تھی

''آپ میرے ساتھ آئیں۔''

اینا نے اثبات میں سر ہلایا اور اُس کے پیچھے چل دی۔ مارگریٹ کی کوٹھری سے اُس کے چلانے کی آواز آ رہی تھی۔ اینا اس وقت متضاد جذبات کا شکار تھی بس ایک بات وہ یقین سے کہہ سکتی تھی۔ اس وقت باہر نکل کر تازہ ہوا میں گہری سانس لینے اور نارمل لوگوں سے بات کرنے سے زیادہ اسے کسی چیز کی خواہش نہیں تھی۔ اس کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتی تھی۔ یہ اس وقت اس کے لیے دنیا کی سب سے بڑی خوشی تھی۔

وہ ایک اور راہ داری میں مڑے۔ اینا نے پلکیں جھپکائیں۔ یہ کہاں جا رہے ہیں ہم!

نن رک گئی، اور اس نے ایک دروازہ کھولا۔ ''آپ مائنڈ نہ کیجیے گا۔ مدر سپیریئر آپ سے کچھ بات کرنا چاہتی ہیں۔''

اینا ہچکچائی۔ وہ یہاں سے فوراً نکل جانا چاہتی تھی۔ یہاں مزید ایک منٹ گزارنا بھی اُس کے لیے سزا تھا۔ لیکن مدر سپیریئر کو تو انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ویسے بھی وہ یہاں محض وزٹر تھی۔

''ٹھیک ہے۔'' اُس نے کہا۔''لیکن صرف ایک منٹ دے سکتی ہوں میں۔''

نن مسکرائی۔اُس نے ایک طرف ہٹ کر اسے اندر جانے کا راستہ دیا۔اینا اندر داخل ہوئی۔نن نے اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا، پھر پیچھے ہٹی اور دروازہ بند کرتے ہوئے باہر چلی گئی۔

اینا نے گہری سانس لی اور کرسی پر بیٹھ گئی۔اُس کی ٹانگوں میں لرزش تھی۔اُس نے آنکھیں بند کرلیں اور خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگی چند گہری گہری سانسوں کے نتیجے میں حالت بہتر ہوگئی۔دھڑکن بھی معمول پر آگئی۔

اُس نے آنکھیں کھولیں اور گردوپیش کا جائزہ لیا۔اُس کے سر میں درد ہو رہا تھا۔اور گھٹنوں میں کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔سب سے پہلے اُس کی نظر کھڑکی پر پڑی۔جس میں سلاخیں لگی تھیں۔اُس نے حیرت سے سر گھما کر کمرے کا جائزہ لیا۔کمرا کیا، وہ تو ویسی ہی کوٹھری تھی......مارگریٹ کی کوٹھری جیسی۔وہی چھوٹا سا پلنگ، ایک کرسی اور ایک میز۔یہ ایک کرسی کیوں؟ اگر مدر سپیریئر کو اس سے بات کرنی ہے تو وہ کہاں بیٹھے گی۔یہ ایک کرسی کیوں ہے یہاں؟

وہ دروازے پر گئی اور اُس نے دروازے کو ٹٹولا۔کیسی عجیب بات ہے؟ اُس نے سوچا۔اس دروازے میں ہینڈل نہیں ہے۔اُس کا گلا پھر خشک ہونے لگا۔اور دل سینے میں دھڑ دھڑانے لگا۔اُس نے دروازہ کھٹکھٹانا شروع کیا۔مگر پورے دروازے پر ہیڈنگ کی ہوئی تھی۔اُس کے گھونسے بھی بے آواز ثابت ہو رہے تھے۔

''ایکسکیوزمی۔'' وہ چلائی۔پھر وہ زور سے چلائی......

اچانک دروازے میں ایک چھوٹی سی کھڑکی کھلی اور نوجوان نن کا چہرہ نظر آیا۔

''مجھے مدر سپیریئر سے ملوادو نا۔'' اینا نے اپنا لہجہ پرسکون رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

نن نے کوئی جواب نہیں دیا۔خاموشی سے پلٹی اور واپس چلی گئی۔

''اے......واپس آؤ واپس آؤ۔'' اینا چلاتی رہی۔

اینا رونے لگی......کھڑکی کی گرل کو نوچنے لگی۔پھر اُس نے سوچا، پریشانی کی کوئی بات نہیں۔نن شاید مدر سپیریئر کو بلانے کے لیے گئی ہے اور شاید یہاں ننوں کو بولنے کی اجازت نہیں۔

اسی وقت اسے دو ننیں نظر آئیں۔وہ اسی طرف آرہی تھیں۔وہ قریب آئیں تو اینا نے ان کے گلے میں آویزاں صلیبوں کو حیرت سے دیکھا۔وہ کچھ عجیب سی لگ رہی تھیں۔

پھر وہ دونوں اُس کے سامنے آکھڑی ہوئیں۔اور اسے دیکھنے لگیں۔وہ اس سے صرف ایک فٹ کے فاصلے پر تھیں۔تب اینا نے اس صلیب کو غور سے دیکھا۔وہ الٹی صلیب تھی اور اس پر شیطان کے مڑے ہوئے سینگوں والی شبیہ بنی تھی۔

وہ پوری قوت سے چلائی۔اسی لمحے ایک نن نے ہاتھ بڑھا کر وہ کھڑکی بند کردی۔

وہ ایک گھنٹے تک چیختی رہی۔یہاں تک کہ اُس کا گلا بیٹھ گیا۔پھر سسکیوں کے سوا کچھ نہیں رہا۔

......۞......

جیک میسن کو بچپن ہی سے اُڑنا بہت اچھا لگتا تھا۔ وہ جدید ترین کنکرڈ ہو یا چھوٹا ٹوسیٹر، وہ پرواز سے ہر حال میں لطف اندوز ہوتا تھا۔ اور پریشانی تو اسے آج تک نہیں ہوئی تھی...... کم از کم اس وقت تک ایسا نہیں ہوا تھا۔

کینیڈی ایرپورٹ سے آنے والی فلائٹ پی اے 100 ہیتھرو ایرپورٹ پر لینڈ کرنے والی تھی۔ جیک میسن نے سیٹ کے ہتھے کو مضبوطی سے پکڑا اور اپنے جسم کی لرزش پر قابو پانے کی کوشش کی۔ برابر والی سیٹ پر بیٹھی عورت نے اسے دیکھا تو خود بھی متوحش نظر آنے لگی۔ اس نے سوچا، اگر یہ لمبا چوڑا ریچھ جیسا آدمی ڈر رہا ہے تو کوئی بات بھی ہوگی۔

جیک میسن نے پوری کوشش کر لی تھی، لیکن وہ جہاز کے پہیوں کے درمیان پھنسے ہوئے اس آدمی کے تصور کو ذہن سے نہیں جھٹک پا رہا تھا، اور اسے اُس کی بیوی کا غم زدہ چہرہ یاد آ رہا تھا۔ اور اسے پیشاب آ رہا تھا۔ مگر پوری فلائٹ کے دوران اسے اپنی سیٹ سے اٹھنے کی ہمت نہ ہوئی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ بھی جہاز کے پہیوں کے درمیان نہ جا پھنسے۔

اُس نے ایک بار پھر بریف کیس میں ہاتھ ڈالا اور اینا کے بھیجے ہوئے نوٹس نکالے۔ اب تک وہ اسے زبانی یاد ہو چکے تھے۔ لیکن اس وقت وہ اس کی ایک اور ضرورت پوری کر رہے تھے۔ وہ اپنا دھیان ہٹانا چاہتا تھا۔

وہ فہرست پر انگلی پھیرتا ہوا اوپر سے نیچے لے جانے لگا۔ کیرول یاٹ کے نام پر وہ رک گیا۔ پھر اس نے اینا کے نوٹس کا جائزہ لیا۔ اس عورت کی لاش ایک کھدی ہوئی خالی قبر سے ملی تھی۔ اُس کے ٹخنوں پر اور گردن پر دانتوں کے نشان تھے۔ لاش ملنے سے دو ہفتے پہلے وہ غائب ہوگئی تھی۔ اُس نے جو آخری آرٹیکل لکھا تھا، وہ صلیب کے ذریعے مارے جانے والوں کے بارے میں تھا۔ وہ لوگ ایسے خنجروں سے ختم کیے گئے تھے، جن کے دستوں پر مصلوب مسیحؑ کی شبیہ تھی۔

اینا نے لکھا تھا کہ وہ کیرول کے ایک دوست سے ملاقات کے لیے جا رہی ہے۔ وہ سیاسی تجزیہ نگار تھا...... جیمز رچرڈ!

میسن کے حلق سے کراہ سی نکلی۔ خنجر، خالی قبریں، صلیبیں، دانتوں کے نشان...... سب کچھ بہت پیچیدہ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ معاملات کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ فلائٹ اٹینڈنٹ کی آواز ابھری، جو مسافروں کو سیٹ بیلٹ باندھنے کی تلقین کر رہے تھے۔ جہاز لینڈ کرنے والا تھا۔

اگلے ساڑھے تین گھنٹوں میں جیک میسن، فلپ برینن، پال بوہر اور ڈیمین تھورن کو بھول گیا۔ برسوں کے بعد پہلی بار اُس نے آنکھیں بند کر کے خدا سے محفوظ لینڈنگ کے لیے دعا کی...... اُس خدا سے، جسے وہ برسوں پہلے ترک کر چکا تھا۔ اور جب تک جہاز رن وے پر دوڑنے کے بعد رک نہیں گیا، اُس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ بعد میں وہ اپنی اس کمزوری پر دل ہی دل میں شرمندہ بھی ہوا۔

کسٹمز اور امیگریشن کے مرحلوں سے وہ ریکارڈ ٹائم میں گزر گیا۔ موسمی تبدیلیاں اور اچانک آنے والے طوفان اور آندھیوں کے امکان کی وجہ سے لوگوں نے سفر کرنا کم کر دیا تھا۔ لاؤنج میں وہ رکا اور اُس نے اینا کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھا۔ لیکن وہ موجود نہیں تھی۔ اسے مایوسی ہوئی۔ حالانکہ اینا نے اسے ریسیو کرنے کے لیے آنے کا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔ مگر اُس کا خیال تھا کہ وہ آئے گی۔ اینا میں پروفیشنلزم اور جذباتیت کا بڑا خوبصورت امتزاج تھا۔ ایرپورٹ پر کسی کو ریسیو کرنا اسے بہت اچھا لگتا تھا۔ مگر اس بار وہ بہر حال نہیں آئی تھی۔

اُس نے میسیج بورڈ پر چیک کیا۔ وہاں بھی کچھ نہیں تھا۔ ''یہ خوب خیر مقدم ہو رہا ہے لندن میں۔'' وہ خاص بلند آواز میں بڑبڑایا۔ اسی وقت اسے وہ عورت نظر آئی جو جہاز میں اُس کے برابر بیٹھی تھی۔ اُس نے سر کے اشارے سے اسے سلام کیا اور کیب کی قطار کی طرف بڑھ گیا۔

اس نے ساؤتھ کینسنگٹن کے ایک چھوٹے، مگر مہنگے ہوٹل میں بکنگ کرائی ہوئی تھی۔ یہ ہوٹل فلمی دنیا کے ان لوگوں میں بہت مقبول تھا، جو بھیڑ بھاڑ سے بچ کر گمنامی میں رہنا چاہتے تھے۔ ہوٹل والے اپنے اسٹاف کو اتنی معقول تنخواہ دیتے تھے کہ انہیں اخبار والوں کو افواہیں فروخت کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔

وہ وہاں پہنچا تو پتا چلا کہ ہوٹل کا مالک تفریحی دورے پر ملک سے باہر گیا ہوا ہے۔ اب وہاں اُس کا کوئی جاننے والا نہیں تھا۔ اپنا سامان کھول کر رکھتے ہوئے اسے تنہائی کا بڑا شدید احساس ہوا۔ اُس نے اینا کا نمبر ملایا۔ مگر فون جواب دینے والی مشین سے منسلک تھا۔ اُس نے اپنا پیغام ریکارڈ کرایا اور خود نہانے کے لیے باتھ روم میں گھس گیا۔

وہ نہا کر نکلا تو فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ اُس نے ریسیور اٹھایا۔ استقبالیہ کلرک نے اسے اطلاع دی کہ مس برامپٹن نے اس کے لیے جس ورڈ پروسیسر کا آرڈر دیا تھا، اُس کی ڈیلیوری آ گئی ہے۔

چند لمحے بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ ایک جوان آدمی دروازے پر کھڑا تھا۔ وہ پہیے لگی مشین کو دھکیل کر اندر لایا۔ جیک میسن مشین کا جائزہ لینے لگا۔ وہ بہت بڑی مشین تھی۔ اسکے ساتھ اس کا کی بورڈ، ٹی وی مانیٹر، کمپیوٹر اور ضروری آلات کا ایک بکس بھی تھا۔ اسے دیکھ کر لگتا تھا کہ چاند پر جانے والا ہے۔

ٹیکنیشن مشین کی تنصیب میں مصروف ہو گیا۔ ساتھ ہی وہ میسن کو اُس کے بارے میں سمجھا بھی رہا تھا۔ ''یہ تازہ ترین ماڈل ہے جناب۔'' وہ کہہ رہا تھا۔ ''آپ کی اسسٹنٹ نے کہا تھا کہ آپ کو بہترین چیز درکار ہے۔''

میسن بے حد متاثر ہوا۔ وہ پرانے خیالات کا آدمی تھا، جو پرانے پورٹیبل ٹائپ رائٹرز پر کام کرتا تھا۔ اسے تو جدید دور کی مشینوں پر اعتماد بھی نہیں تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ ان سے تخلیقی صلاحیتوں کا بہاؤ رک جاتا ہے۔

''اور یہ جناب۔'' ٹیکنیشن اُس کی طرف ایک لفافہ بڑھا رہا تھا۔

جیک میسن نے لفافہ کھولا۔ اس میں چھوٹا کیسٹ تھا اور اینا کا ایک رقعہ، جس میں اُس نے لکھا تھا کہ اسے کیسٹ کو مشین میں آزمانا چاہئے۔

اُس نے کیسٹ اوپر اُٹھا کر دیکھا اور پلکیں جھپکانے لگا۔ پھر اُس نے ٹیکنیشن سے اس بارے میں پوچھا۔ اُس نے کیسٹ کو ٹیپ ڈیک میں لگایا۔ پھر اُس نے ایک بٹن دبایا اور پیچھے ہٹ آیا۔ مشین میں جیسے جان پڑ گئی۔ خرخراہٹ سی ابھری اور اسکرین پر نیلے پس منظر میں سبز حروف چمکنے لگے۔

'یہ چیزز کرائسٹ کے انکشافات ہیں، جو خدا نے اسے بخشے لوگوں کو وہ کچھ بتانے کے لیے جو ہونے والا ہے۔'

میسن نے پلکیں جھپکائیں۔ ''یہ کیا بلا ہے؟''۔

''مجھے کچھ کچھ یاد آ رہا ہے۔ یہ بائبل کی آخری کتاب انکشافات کی پہلی سطر ہے۔''

''کرائسٹ۔'' میسن کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

ٹیکنیشن دیکھتے ہوئے سر ہلا رہا تھا۔ ''ہاں...... پیکٹ پر بھی یہی لکھا ہے۔'' پھر وہ پلٹا اور مسکراتے ہوئے بولا۔ ''سر...... بائبل کی تمام کتابیں آپ کو یہاں مشین کی شاپ سے مل سکتی ہیں...... دونوں عہد نامے، میں نے بروشر دیکھا ہے ان کا۔ شیکسپیئر کا مکمل کام بھی دستیاب ہے۔''

''اور میرا؟''

''سوری سر۔ میں نے غور نہیں کیا۔ ویسے ہوگا ضرور۔'' جو کچھ بھی آج تک لکھا گیا ہے، اُس کا ہر لفظ پروسس کر لیا گیا ہے۔''

''کرائسٹ۔'' میسن نے اسکرین کو دیکھتے ہوئے کہا۔ لفظ اتنی تیزی سے ایک دوسرے کے تعاقب میں دوڑ رہے تھے۔ کہ انہیں دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ پھر وہ رکے اور وہ پڑھنے لگا۔ بابرکت ہے وہ جو پڑھنا جانتا ہے اور جس نے ان پیش گوئیوں کے لفظ کو محفوظ کیا، اور جنھوں نے بتائی گئی ہر چیز کی حفاظت کی۔ کیونکہ آخری وقت آن لگا ہے۔

میسن نے سر جھٹکا اور کمپیوٹر پر ہاتھ صاف کرنے کے لیے بیٹھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اینا نے اسے کمپیوٹر کی مشق کرانے کے لیے یہی ٹیپ کیوں منتخب کیا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ کام کا دباؤ اُس کے دماغ پر اثر انداز ہو رہا ہے۔

✿

دو دن تک میسن نے خود کو اس غلط فہمی میں مبتلا رکھا کہ اُس نے کام اور تفریح کو یک جا کر دیا ہے۔ ایک دن اُس نے اپنے پبلشر کے ساتھ رابطہ کیا۔ دوسرے دن وہ اپنے لندن کے ایجنٹ سے ملا۔ اُس کے بعد وہ ایک پرانے دوست سے ملا اور اُس کے ساتھ ایک بار سے دوسرے بار گھومتا مگر تیسرے دن وہ سو کر اٹھا تو احساسِ جرم اسے ستا رہا تھا۔ اسے احساس ہوا کہ وہ محض تفریح کر رہا ہے۔ کام سے اس سب کا کوئی تعلق نہیں۔

کوئی چھٹی بار اُس نے اینا کا نمبر ملایا۔ مگر اب بھی رابطہ جواب دینے والی مشین ہی سے ہوا۔ اور مشین کے پاس اینا کا ایسا کوئی پیغام نہیں تھا، جس سے پتا چلتا کہ وہ کب واپس آئے گی۔

اُس نے سوچا کہ اینا کے واپس آنے تک اسے اکیلے ہی کام کرنا ہوگا۔ یہ بات جھنجھلاہٹ میں مبتلا کرنے والی تھی۔ لیکن اس سے زیادہ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ پہلے تو اس نے وال پیپر کا ایک رول خریدا، اسے فرش پر پھیلایا۔ پھر اُس نے اس پر تھورن فیملی کے ہر ممبر کا نام مختلف رنگ کی روشنائی سے لکھا۔ اُس کے بعد اُس نے اینا کی دی ہوئی فہرست کے ہر نام کو علیحدہ لکھا...... الگ الگ کاغذوں پر، اور ان کاغذوں کو دیوار پر چپکا دیا۔

وہ سب مر چکے تھے، اور سوائے ڈیمین تھورن کے ان میں سے کسی کی موت قدرتی نہیں تھی۔ لیکن وہ قدرتی موت بھی بے حد عجیب تھی۔ 32 سال کی عمر میں بالکل اچانک ہارٹ اٹیک سے مر جانا، جبکہ آدمی کی صحت قابلِ رشک ہو اور ہارٹ کی کوئی ہسٹری بھی نہ ہو، عجیب ہی کہلاتا ہے۔ اینا نے کہا تھا کہ ڈیمین پوری زندگی میں کبھی بیمار نہیں ہوا تھا۔ اُس کے تو خسرہ تک نہیں نکلی تھی۔ تو وہ موت قدرتی ہونے کے باوجود بے حد عجیب تھی۔

وہ کھڑا ہوا اور لکھے ہوئے ناموں کو دیکھنے لگا۔ کیرول یاٹ...... وہ ایک ایسا نام تھا، جو پکار رہا تھا...... اپنے پیچھے آنے پر اکسا رہا تھا۔ ممکن ہے، اُس کے سلسلے میں اینا فلیٹ اسٹریٹ میں اپنے رابطے سے ملی ہو۔ ممکن ہے کہ، اس رابطے کو یہ بھی معلوم ہو کہ اینا کہاں ہے۔ اور نہ بھی معلوم ہو تو کوشش کرنے میں کیا حرج ہے۔

اُس نے اخبار کا نمبر ملایا اور آپریٹر سے کہا کہ اسے رچرڈ سے بات کرنی ہے۔

''مسٹر رچرڈ تو موجود نہیں ہے۔ آپ کا نام؟''

جیک میسن نے اپنا نام بتایا اور یک سطری تعارف کرایا۔

اُس کے جواب میں آپریٹر کی سانسیں بے ترتیب ہو گئیں۔ فائدہ یہ ہوا کہ رچرڈ کی سیکرٹری نے دس منٹ کے اندر اندر اسے ڈھونڈ نکالا۔

''یس مسٹر میسن؟'' دوسری طرف سے رچرڈ کی آواز سنائی دی۔

''آپ میرے ساتھ لنچ کر سکیں گے؟''

''کہاں؟''

''میرے ہوٹل میں......'' میسن نے اپنے ہوٹل کا نام بتایا۔

''بہت خوشی سے۔'' رچرڈ نے کہا۔ ''آ رہا ہوں۔''

ایک گھنٹے بعد رچرڈ آ گیا۔ وہ دراز قامت اور خوش لباس تھا۔ اس کے انداز اور چال ڈھال سے تمول، طاقت اور اثر رسوخ کا اظہار ہو رہا

تھا میسن اس کے بارے میں جانتا تھا۔ بڑے بڑے ڈپلومیٹ اُس سے مشورہ لیتے تھے۔ مشہور تھا کہ وزیر آتے جاتے رہتے ہیں، لیکن جیمز رچرڈ وائٹ کا ہال سے تعلق نہیں ٹوٹتا۔

لنچ کے دوران وہ سیاست پر گفتگو کرتے رہے۔ رچرڈ امن کے سلسلے میں اس برطانوی کوشش کے بارے میں بتا رہا تھا، جو گزشتہ سال ناکام ہوئی تھی۔ نہ صرف ناکام، بلکہ جنگ پر فتح ہوئی تھی...... جنگ جسے ارمگیڈون کا نام دیا گیا تھا۔

ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ میسن نے بھی ٹمپو تیز کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ جانتا تھا کہ رچرڈ رسمی آدمی ہے۔ ''اس کانفرنس کا اہتمام برطانوی وزیر خارجہ نے کیا تھا۔ اُس کا کیا ہوا؟''

''ہونا کیا تھا۔ اب شاید وہ مچھلیاں پکڑ رہا ہوگا۔ بنیادی طور پر وہ احمق آدمی تھا۔''

''میسن نے مزید دس منٹ صبر کیا۔ پھر اُس نے سوال کیا۔ ''اینا برومپٹن نے تم سے رابطہ کیا تھا۔''

''ہاں، اُس نے فون کیا تھا۔ مگر پھر اس سے بعد کچھ نہیں۔''

میسن نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ ''ہاں، وہ شاید شہر سے باہر گئی ہوئی ہے۔ اس لیے میں نے تم کو زحمت دی۔''

رچرڈ مسکرایا۔ ''میں کیا مدد کر سکتا ہوں تمہاری؟''

''کیرول یاٹ کے تذکرے پر وہ سوچ میں پڑ گیا۔ ''وہ ایک بڑا المیہ تھا......''

''لیکن معاملہ پراسرار بھی تو تھا۔ نہ کوئی گرفتاری ہوئی، نہ ہی کوئی محرک سامنے آیا۔''

رچرڈ نے کندھے جھٹک دیے۔ ''اپنے غائب ہونے سے چند روز پہلے وہ مجھ سے ملنے آئی تھی۔ خنجروں کے بارے میں کوئی احمقانہ سی اسٹوری تھی، جس پر وہ کام کر رہی تھی، اور اس سلسلے میں مجھ سے مدد چاہتی تھی۔ بلکہ وہ امریکی سفیر سے بھی ملنا چاہتی تھی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے سر جھٹکا۔ ''بے وقوف لڑکی۔''

میسن کی دلچسپی بڑھ گئی۔ ''فلپ برینن کا ان خنجروں سے کیا تعلق تھا؟''

رچرڈ نے پھر کندھے جھٹکے۔ ''سوری...... تمہارا وقت ضائع ہوگا۔ مگر کیرول نے سن لیا تھا کہ میں روم میں فلپ برینن سے ملا تھا۔ اسے وہ خنجر روم میں کہ پاگل راہب نے دیا تھا، جو یہ احمقانہ دعویٰ بھی کر رہا تھا کہ اس وقت شیطان انسانی روپ میں اس دنیا میں سرگرم عمل ہے۔ کیرول کم عمر تھی۔ وہ اس معاملے میں سنجیدہ ہوگئی۔ دیکھونا، وہ کوئی تجربہ کار صحافی تو نہیں تھی۔''

میسن نے انگلیاں چٹخاتے ہوئے کہا۔ ''یہ تو وہ بات ہوئی کہ آپ دو اور دو کو جمع کریں اور نتیجہ آٹھ آئے۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''کچھ نہیں۔'' میسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''ایک احمقانہ منطق یاد آ گئی تھی۔ آئی ایم سوری۔''

گفتگو کا رخ پھر سیاست کی طرف ہوگیا۔ لیکن میسن اپنی توجہ مرکوز نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ فلپ برینن کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ اس

جگہ کے بارے میں سوچ رہا تھا، جہاں سے کیرول یاٹ کی لاش ملی تھی۔ برک شائر کے ایک گڑھے میں......اور پیری فورڈ بھی برک شائر میں تھا۔ وہ سوچ رہا تھا، نجانے کیوں، ہر معاملہ آخر میں پیری فورڈ پہنچ کر ہی رکتا ہے۔

پیری فورڈ اب تو یہ نام اُسکے ذہن سے آسیب کی طرح چمٹ گیا تھا۔ رچرڈ اپنی کہے جا رہا تھا، اور وہ پوری طرح سن نہیں رہا تھا۔

''......اس ہفتے مصروفیت بہت زیادہ ہوگی......'' رچرڈ کہہ رہا تھا۔ ''روم اور بلڈر برگ میں بہ یک وقت کانفرنس ہو رہی ہے۔ انہیں کور کرنا ہے۔''

میسن نے اثبات میں سر ہلایا۔ بلڈر برگ کلب کے معاملے میں بھی وہ تفتیش کرنا چاہتا تھا۔ سرمایہ کاروں اور سیاست دانوں کی اس سالانہ میٹنگ میں دنیا کی قسمت کے فیصلے ہوتے تھے......لیکن رازداری کا بہت زیادہ خیال رکھا جاتا تھا۔ اور یہ سب غیر سرکاری سطح پر تھا عام لوگ تو یہی سمجھتے تھے کہ وہ ہم خیال اور ہم مزاج لوگوں کی میٹنگ ہے، جو کسی کو جواب دہ نہیں۔ اس میں نہ تو ووٹرز کے لیے کوئی پریشانی کی بات تھی اور نہ ہی اسٹاک ہولڈرز کے لیے۔ اس لیے نہ اُس کا مشترکہ اعلامیہ جاری کیا جاتا تھا اور نہ ہی اخباری نمائندوں کو رپورٹ دی جاتی تھی۔

''اس سال جو کانفرنس ہو رہی ہے، اُس کا چیئرمین تھورن کارپوریشن کا بل جیفریز ہے۔'' رچرڈ نے بتایا۔

یہ سن کر میسن کے کان کھڑے ہو گئے۔ ''اس کا مطلب ہے کہ ڈیمین جونیئر بھی شریک ہوگا؟''

''میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔'' رچرڈ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''وہ تو ایک معما ہے۔ اس سے ملاقات ممکن ہی نہیں۔ اس معاملے میں وہ مشہور بزنس مین ہاورڈ ہیوز سے بھی آگے کی چیز ہے۔''

''ہاورڈ ہیوز تو بہت پرانی بات ہے۔'' میسن مسکرایا۔ ''تم مجھ پر ایک مہربانی کر سکتے ہو؟ بل جیفریز سے کہو کہ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔''

رچرڈ نے نفی میں سر ہلایا۔ ''سوری دوست یہ ناممکن ہے۔ اس کانفرنس کے تو وہ کسی کو قریب بھی نہیں پھٹکنے دیتے۔ مجھے بھی نہیں۔''

''لیکن تم کوشش تو کر سکتے ہو۔ ہے نا؟''

اب رچرڈ کے بھی کان کھڑے ہو گئے تھے۔ اس دنیا میں کوئی کسی کے لیے مفت کچھ بھی نہیں کرتا۔ صلہ تو چاہیے ہوتا ہے۔ ''میں ضرور کوشش کروں گا مسٹر میسن۔ مگر پھر تمہیں میرے اخبار کو انٹرویو دینا ہوگا۔''

جیک میسن کا منہ بن گیا۔ وہ اخبارات میں انٹرویو کبھی نہیں چھپواتا تھا۔ اُس کا کہنا تھا کہ اُس کا کام منہ سے بولتا ہے۔ اسے اس کے بارے میں وضاحت کی ضرورت نہیں۔ اور دوسری طرف وہ اپنی نجی زندگی پر کسی سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کجا یہ کہ وہ اخباروں میں چھپے۔

''میرے ایڈیٹر کے نزدیک یہ ایک بڑا اعزاز ہوگا۔'' رچرڈ نے کہا۔

''انٹرویو تم لو گے؟'' میسن نے پوچھا۔

رچرڈ نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ تو میرے لیے بھی بڑا اعزاز ہوتا۔ مگر ہمارے اخبار میں ''جس کا کام اسی کو ساجھے'' کے اصول پر عمل ہوتا ہے۔ میرے حصے میں صرف سیاست داں آتے ہیں۔''

میسن نے سرد آہ بھری۔ پھر بالآخر رضا مندی میں سر ہلایا۔ اس کے سامنے کوئی راستہ نہیں تھا۔ بل جیفریز تک اگر کسی کی رسائی تھی تو صرف جیمز رچرڈ کی تھی۔ ''او کے۔ لیکن ہو کوئی معقول آدمی۔ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میں دو جملے بولوں اور چھپیں بارہ۔''

''ہمارے اخبار میں ایسا نہیں ہوتا۔'' رچرڈ کے لہجے میں فخر تھا۔

ان دونوں نے ہاتھ ملائے۔ پھر رچرڈ رخصت ہو گیا۔ میسن دیر تک بیٹھا سوچتا رہا کہ کہیں اُس نے غلط فیصلہ تو نہیں کر دیا۔

☼

''کرائسٹ'' اخبار کھول کر دیکھتے ہی میسن کے حلق سے چیخ نکلی۔ اُس کے انٹرویو کو بڑے اہتمام سے، بے حد بھرپور انداز میں شایع کیا گیا تھا۔ وہ بیچ کے پورے دو صفحات پر پھیلا ہوا تھا۔ ورڈ پروسیسر کے ساتھ بوربن کا گلاس ہاتھ میں لے کر بیٹھے ہوئے اس کی چھ کالمی تصویر بھی چھپی تھی۔

انٹرویو کا جائزہ لیتے ہوئے وہ کبھی کراہتا، کبھی بڑبڑاتا۔ پھر اُس کے منہ سے بے ہودہ کلمات نکلنے لگے ان میں ایسے بھی تھے، جن کے بارے میں چند لمحے پہلے تک وہ دعوا کر سکتا تھا کہ وہ انہیں بھول چکا ہے۔ بات یہ نہیں تھی کہ انٹرویو لینے والی عورت نے اس کی باتوں کو توڑ مروڑ کر پیش کیا تھا۔ مسئلہ اس کے اسٹائل کا تھا، جو خالص مضحکہ اڑانے والا تھا۔ انٹرویو پڑھ کر لگتا تھا کہ اُس نے ہر بات کا مذاق اڑایا ہے...... اُس نے...... میسن نے!

انٹرویو لینے والی نے اُس کی ایک بات کو خاص طور پر پکڑ لیا تھا۔ اُس نے تھورن فیملی کے وارث کے بارے میں کہا تھا کہ اسے تقریباً پیرا نارمل کہا جا سکتا ہے۔ بس وہ اُس بات کو پکڑ بیٹھی تھی۔ سارا زور اسی ایک بات پر تھا۔ اور اُس سے بدتر بات یہ تھی کہ اُس نے ہوٹل کا نام بھی شایع کر دیا تھا، جہاں وہ پڑا ہوا تھا۔ وہ انٹرویو پوری طرح پڑھ بھی نہیں پایا تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی...... ایسی بجی کہ بجتی ہی رہی۔

شام ہوتے ہوتے یہ نوبت آ گئی کہ اُس کا دل چیخ چیخ کر رونے کو چاہنے لگا...... اگر اُس کے پاس ان ٹیلیفون کالز کی اسکریننگ کے لیے کوئی موثر سسٹم ہوتا تو ان کالز کا مثبت نتیجہ بھی نکل سکتا تھا۔ کاش اینا موجود ہوتی۔ وہ کام کرنے والوں میں سے جینیئس لوگوں کو پاگلوں سے علیحدہ کر دیتی۔ لیکن دشواری یہ تھی کہ وہ اکیلا تھا۔ اور پورے ملک کو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ کہاں مقیم ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ تھورن فیملی کی نحوست کے بارے میں کتاب لکھنے کا پیشگی معاوضہ ہی اسے چھ ہندسوں والی رقم کی صورت ادا کیا گیا ہے۔ اب ہر شخص معلومات فراہم کرنے کے عوض اُس میں حصہ بٹانے کا خواہش مند تھا۔ اور وہ یہ فیصلہ کرنے سے قاصر تھا کہ کس کی بات کو اہمیت دے اور کس کی بات کو اہمیت نہ دے۔

تیسرا دن آتے آتے وہ ٹوٹ پھوٹ کے بہت قریب پہنچ گیا۔ وہ ان بے شمار دعوے داروں سے عاجز آ گیا، جو تھورن فیملی کے بارے میں جاننے کا دعوا کر رہے تھے۔ ان میں وہ عورتیں بھی تھیں، جن کا کہنا تھا کہ وہ جادوگرنیاں ہیں۔ ان میں بنجارے بھی تھے، جو کہہ رہے تھے کہ انہوں نے دوبارہ آنے والے مسیح کو دیکھا ہے۔

وہ تو عاجز تھا ہی، ہوٹل کا اسٹاف بھی تنگ آ چکا تھا۔ وہ چڑچڑے ہو گئے تھے۔ وہ اُس سے خفا تھے، لیکن کچھ کر بھی نہیں سکتے تھے۔

بالآخر اُس نے فیصلہ کیا کہ کسی دوسرے ہوٹل میں منتقل ہو جائے گا۔ مگر اس لمحے فون کی گھنٹی بجی۔ وہ جانی پہچانی آواز استقبالیہ کلرک کی

تھی۔ ''ایک صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں جناب۔''

''اب کون آگیا؟'' وہ کراہا۔

''ایک بٹلر ہے جناب۔''

''کیا.....؟''

''جی ہاں جناب......اور اُس کا کہنا ہے کہ وہ کہیں ہیری سے آیا ہے۔''

میسن نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں اور ماؤتھ پیس میں کہا۔ ''اسے اوپر بھیج دو۔''

میسن نے سوچا کہ انٹرویو میں پیری فورڈ کا کہیں تذکرہ نہیں تھا۔ اس لیے امکان تھا کہ یہ آنے والا سچ مچ کچھ لے کر آیا ہوگا۔

دروازے پر دستک ہوئی۔ ''اندر آجاؤ۔ میسن نے کہا۔

اندر آنے والا ایک بے حد بوڑھا آدمی تھا۔ وہ گنجا تھا، اُس کی رنگت گلابی تھی اور چہرے پر بے شمار جھریاں تھیں۔ اسے دیکھ کر وکٹورین عہد کے کسی گڈے کا خیال آتا تھا۔ وہ روایتی لباس میں تھا۔

میسن احتراماً کھڑا ہوگیا۔

''میرا نام جارج ہے جناب۔''

''یہاں آنے کا شکریہ جارج۔'' میسن نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ ''برا نہ ماننا، لیکن یہ پوچھنا ضروری ہے۔ تم اپنی شناخت کرا سکتے ہو؟''

''جارج کا ہاتھ اُس کی جیب کی طرف بڑھا......

''دراصل اب تک میرا واسطہ بے شمار جعلی لوگوں سے پڑ چکا ہے۔'' میسن نے نجانے کیوں وضاحت پیش کی۔ ''اس لیے میں......'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔ اُس کی نظریں اُس تصویر پر جمی ہوئی تھیں، جو جارج نے اپنی جیب سے نکال کر اُس کی طرف بڑھائی تھی۔ وہ ڈیمین تھورن کی تصویر تھی۔ تصویر میں اُس کے پیچھے ایک ادھیڑ عمر شخص بٹلر کا لباس پہنے کھڑا تھا، اور وہ بلاشبہ جارج تھا۔

''یہ تصویر اٹھارہ سال پرانی ہے سر'' جارج نے کہا۔ ''پیری فورڈ میں کیٹ رینالڈز کے پروگرام کی ریکارڈنگ کے دوران کیمرا کر بو نے کھینچی تھی کیٹ رینالڈز سے تو آپ واقف ہوں گے۔''

''ہاں، وہی نا جو ایک ٹی وی پروگرام کرتی تھی۔''

''جی ہاں جناب۔''

میسن اب اپنے جوش اور ہیجان کو دبانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اتنے سارے دھوکہ بازوں کے بعد بالآخر اسے اندر کا...... تھورن فیملی کے بہت قریب کا ایک آدمی مل گیا تھا۔

جارج اب کمرے میں ٹہل کر دیواروں کا جائزہ لے رہا تھا، جن پر اخباری تراشے چپکائے گئے تھے۔

''یہ سب کچھ تمہیں متاثر کر رہا ہے؟'' میسن نے اُس سے پوچھا۔

جارج نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر سر گھما کر اُسے دیکھا۔ ''میرے یہاں آنے کی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو میں آپ کو خبردار کرنا چاہتا تھا۔ دوسرا مجھے اعتراف کرنا تھا۔''

میسن نے کندھے جھٹک دیے۔ اُس نے دیکھا کہ جارج شراب کی الماری کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ آگے بڑھا، اُس نے اسکاچ کا ایک بڑا جام بنا کر جارج کو دیا۔ جارج اسے یوں پی گیا، جیسے طلب سے بے حال ہو رہا ہو۔

''میں شراب کا شوقین ہوں نہ کوئی بلانوش۔'' جارج نے صفائی پیش کرنے والے انداز میں کہا۔ ''لیکن اس وقت مجھے حوصلے کی، کسی تحریک کی ضرورت ہے..... کم از کم وقتی طور پر۔'' اُس نے مسکرانے کی کوشش کی لیکن اُس سے مسکرایا نہیں گیا۔ وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ اُن کے ہاتھ لرز رہے تھے پھر اُس نے سر اٹھا کر میسن کو دیکھا۔ ''آپ مذہبی آدمی ہیں مسٹر میسن؟''

''نہیں۔'' میسن نے کہا اور دل ہی دل میں کراہا۔ اس مصیبت سے وہ عاجز آ چکا تھا۔ جب بھی یہ بات ہوتی، بیچ میں مذہب آ ٹپکتا۔'' دیکھو جارج ''پہلے میں یہ بات واضح کر دوں کہ.....''

بڈھے جارج نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش ہو جانے کا اشارہ کیا۔ ''پلیز، آپ پہلے میری بات سن لیں۔ یہ اچھی بات ہے کہ آپ مذہبی آدمی نہیں ہیں۔ اسی لیے آپ اس پر غیر جانب داری کے ساتھ غور کر سکتے ہیں۔'' اُس نے اپنی جیب سے ایک نوٹ بک نکالی اور اسے میز پر رکھ دیا۔ ''سب کچھ اس نوٹ بک میں موجود ہے۔ یہ میں نے آپ کے لیے نوٹس تیار کیے ہیں۔''

میسن اُس کے قریب ہی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اُس نے بڑی مشکل سے اپنی جماہی کو روکا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جارج سے ملاقات کے بعد کسی دوسرے ہوٹل میں شفٹ ہو جائے گا۔

''مجھے توقع نہیں ہے کہ ابتدا میں آپ کو اس پر یقین ہوگا۔'' جارج نے کہا۔ ''لیکن بالآخر آپ سمجھ لیں گے۔ بائبل میں صاف لکھا ہے کہ ارمگیدون کے بعد ہزاریہ ہے۔''

''ہاں۔''

''لیکن امن کے تو آثار نظر نہیں آ رہے ہیں نا؟''

میسن نے نفی میں سر ہلایا۔

''اس نوٹ بک میں میں نے اس کی وجہ بتانے کی کوشش کی ہے۔ آپ بائبل کی بائیسویں کتاب پڑھیں۔ اس میں آٹھواں باب اور تیسری آیت پھر آپ اس کی تشریح دیکھیں۔ پھر دوبارہ چیک کریں تو آپ کو گم شدہ کڑی مل جائے گی۔'' اُس نے اپنا ہاتھ بلند کیا۔ ''شیطان کو قید سے آزاد کر دیا جائے گا۔ پھر وہ دنیا کے چاروں کونوں میں موجود اقوام کو گمراہ کرے گا، فریب میں مبتلا کرے گا۔ پھر وہ یاجوج ماجوج کو جنگ کے لیے اکٹھا کرے گا، جن کی تعداد ریت کے ذروں سے بھی زیادہ ہوگی۔''

میسن نے سر کو تفہیمی جنبش دیتے ہوئے کہا۔ ''تم نے کہا تھا کہ تم مجھے خبردار کرنے آئے ہو۔''

''جی ہاں مسٹر میسن۔ میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ آپ تھورن فیملی کو بھول جائیں۔ آپ کو نہیں پتا کو آپ بچھوؤں کے بل میں ہاتھ ڈال رہے ہیں۔''

''یعنی بہت کچھ ایسا ہے، جو میں نہیں جانتا۔ اور جاننے کی کوشش خطرناک ہوگی۔''

''جی ہاں۔ شیکسپیئر نے بہت سچی بات کہی تھی۔ ان کا پیچھا چھوڑ دو، ورنہ صفحۂ ہستی سے مٹ جاؤ گے۔''

''چلو، یہ تو ہوئی تنبیہ۔ اب اعتراف بھی ہو جائے۔''

''شکریہ مسٹر میسن۔'' جارج اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ''دراصل میں آپ کو استعمال کر رہا ہوں۔ میں نے کرائسٹ سے دعا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن نہیں کر سکا۔ حالانکہ میں انہیں خواب میں دیکھتا رہا ہوں۔ بس میں جیسے ہی کوشش کرتا ہوں، مجھ پر تھرتھری چڑھ جاتی ہے اور دل کی دھڑکن اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ لگتا ہے، دل رک جائے گا الفاظ میرے حلق میں پھنس جاتے ہیں۔ یہاں آتے ہوئے راستے میں ایک چرچ نظر آیا۔ میں نے چرچ میں جانے کی کوشش کی تو بے ہوش ہو گیا۔ چرچ کی مقدس زمین میں پاؤں بھی نہیں رکھ سکا۔ اور اُس کی وجہ یہ ہے۔'' اس نے اپنا ہاتھ میسن کی طرف بڑھایا۔ وہ اسے اپنی انگشتِ شہادت دکھا رہا تھا۔

میسن نے غور سے اُس کی انگلی کو دیکھا۔ وہاں اسے تین ننھے ننھے 6 کے ہندسے ایک دوسرے سے متصل نظر آئے۔ وہ جیسے جلد کے اندر سے جھلک رہے تھے۔

''یہ شیطان کا نشان ہے مسٹر میسن۔ نوٹ بک میں اس کے متعلق بھی تفصیل سے لکھا ہوا ہے۔'' جارج نے کہا۔

میسن نے ایک آہ بھرتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ ''تمہاری بات پوری ہو گئی؟'' اُس نے پوچھا۔

''ہاں۔ یہی سمجھ لیں۔ ایک بار مجھے بتایا گیا تھا کہ میری روح ملعون ہو چکی ہے۔ شیطان کے حلقے میں یہ بات باعثِ فخر کہلاتی ہے۔ مگر اب میں اس سچائی سے خوف زدہ ہوں۔ تاہم آپ کو خبردار کرنے اور آپ کے سامنے اعتراف کرنے کے نتیجے میں مجھے امید ہے کہ میری بخشش ہو جائے گی۔'' جارج نے سر گھما کر دروازے کی طرف دیکھا۔ ''اب آپ مجھے مردہ ہی سمجھیں۔'' اُس نے بے حد دھیمی آواز میں کہا ''اُسے پتا چل جائے گا کہ میں اُس کا ساتھ چھوڑ چکا ہوں۔ اُس سے کچھ چھپا نہیں رہتا۔ مگر کوئی بات نہیں۔ مجھے فکر صرف اس بات کی ہے کہ کہیں میں نے توبہ کرنے میں دیر تو نہیں کر دی۔''

میسن اٹھا، وہ جارج کو رخصت کرنے دروازے تک گیا۔ اُس نے دروازہ کھولا۔ لیکن جارج سے ہاتھ ملانے کے بعد اُس پر تھرتھری چڑھ گئی۔ جارج کا ہاتھ برف کی طرح سرد اور پسینے میں تر تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ اُس کے جسم میں نہ تو خون رہا ہے اور نہ زندگی کی حرارت۔ اس نے جارج کے سفید چہرے کو، اور اُس کی بجھی بجھی آنکھوں کو غور سے دیکھا۔ ان آنکھوں میں وہی خالی پن تھا اور چہرے پر وہی بے رنگی تھی، جو صرف لاش میں نظر آتی ہے۔

''آپ کہتے ہیں مسٹر میسن کہ آپ مذہبی آدمی نہیں ہیں۔ اس کے باوجود میری آپ سے التجا ہے کہ میرے لیے دعا کریں۔'' جارج نے

کہا۔ ''دیکھیں نا، اس میں آپ کا تو کچھ نہیں بگڑے گا۔ لیکن ممکن ہے، مجھے فائدہ پہنچے۔ دعا کریں گے نا؟''

''ہاں۔'' میسن نے بے ساختہ کہا۔ مگر اسے خود بھی اس بات پر حیرت ہوئی۔ اُس کا اقرار خود اُس کے لیے بے معنی تھا۔ لیکن جارج کے نزدیک اُس کی اہمیت تھی۔

جارج نے گرم جوشی سے اُس کا ہاتھ دبایا اور لڑکھڑاتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''بس ایک بات اور۔'' میسن نے اچانک کہا۔ ''تم نے اینا برومپٹن کا نام سنا ہے؟''

جارج نے نفی میں سر ہلایا۔

''وہ میرے لیے تحقیقی کام کر رہی تھی۔ پھر اچانک ہی وہ غائب ہو گئی۔''

''جارج مسکرایا۔ ''اسی طرح آپ بھی غائب ہو جائیں گے۔ ایسا کوئی آدمی بچ نہیں سکتا، جو راز فاش کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔'' جارج نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ باہر نکلا اور راہداری میں بڑھنے لگا۔ پھر اچانک وہ پلٹا۔ ''وھسکی پلانے کا شکریہ مسٹر میسن۔ اس کی مدد سے شاید میں گھر تک پہنچ جاؤں گا۔''

میسن نے سر ہلایا۔ اور اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے دروازہ بند کیا اور کھڑکی کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں سے وہ نیچے فٹ پاتھ کو دیکھتا رہا۔ چند لمحے بعد جارج ہوٹل سے نکلا۔ اُس نے کوٹ کو اپنے جسم سے یوں لپیٹا ہوا تھا، جیسے بہت تیز ہوا کا سامنا کر رہا ہو۔ حالانکہ سامنے لگے درختوں پر پتا بھی نہیں ہل رہا تھا۔ پھر میسن کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ جارج کا کوٹ بری طرح پھڑپھڑا رہا ہے ایسے جیسے وہ کسی طوفان میں گھرا ہو۔ پھر جارج کارنر سے مڑا اور اُس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میسن کو یقین تھا کہ اب کبھی اُس سے ملاقات نہیں ہوگی۔

⁂

جارج کو ایسی ٹیکسی کی تلاش میں ایک گھنٹا لگا، جو اسے پیری فورڈ لے جانے کے لیے رضامند ہو۔

واپسی کے سفر میں وہ میسن کے بارے میں سوچتا رہا۔ میسن مہذب اور شائستہ طبع آدمی تھا۔ لیکن اپنی بے یقینی وہ نہیں چھپا پایا تھا۔ لیکن جارج کو اس پر افسوس نہیں تھا کہ وہ میسن کو یقین نہیں دلا پایا۔ اُس کے لیے تو یہ بات باعث طمانیت تھی کہ اُس نے اپنی سی کوشش کر لی۔ اس سے زیادہ کچھ اُس کے بس میں نہیں تھا۔

ہوٹل بہت خوبصورت تھا۔ صاف ستھری دیواریں، سفیدے کے درخت۔ بہت خوش گوار ماحول تھا وہاں۔ کاش وہ کسی ایسی جگہ مر سکتا۔ لیکن نہیں، اسے تو پیری فورڈ میں موت آئے گی، جہاں اُس کی لاش کو بے حرمت کیا جائے گا۔ یہ سب سوچتے ہوئے اُس کے جسم میں سرد لہری دوڑ گئی۔ اُس نے کوٹ کو جسم سے اور زیادہ چپکا لیا۔

جیسے جیسے پیری فورڈ قریب آ رہا تھا، جارج کو اپنے اندر بہ تدریج بڑھتی ہوئی کمزوری کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ کشاں کشاں وہاں جا رہا تھا، جہاں اُس نے اپنی روح بھی رہن رکھوائی تھی۔ وہ جسمانی طور پر وہاں سے فرار ہو سکتا تھا۔ لیکن بالآخر اپنی روح کی خاطر اسے وہیں جانا تھا۔ اور اسے

یہ بھی یاد تھا کہ ساری عمر وہ وہاں کتنا خوش رہا تھا۔ یہ ناخوشی تو ابھی چند دن کی بات تھی۔

ٹیکسی پیری فورڈ پہنچی تو اندھیرا ہو چکا تھا۔ وہ ٹیکسی سے اترا اور اُس نے نوٹوں کی اچھی خاصی موٹی گڈی ڈرائیور کی طرف بڑھائی۔

ڈرائیور پہلے تو حیران ہوا۔ پھر اُس نے لڑکھڑاتی آواز میں اُس کا شکریہ ادا کیا۔

''اس کی ضرورت نہیں۔'' جارج نے کہا۔ ''میں جانتا ہوں کہ اب مجھے اس رقم کی ضرورت نہیں۔ البتہ تمہارے بہت کام آئے گی۔ یہ کہہ کر وہ گیٹ کی طرف بڑھا اور اندر داخل ہو گیا۔

ڈرائیور اسے دیکھتا رہا۔ وہ دل میں سوچ رہا تھا کہ شاید یہ بوڑھا آدمی کینسر کا مریض ہے۔ اسے اس بوڑھے کے وجود سے موت کی بو آتی محسوس ہوئی تھی۔ اُس نے اپنے ہاتھ میں موجود نوٹوں کو دیکھا۔ اتنی بھاری ٹپ کا اُس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ پھر ایک عجیب بات ہوئی۔ اپنا وہ ردعمل خود اُس کے لیے بھی غیر متوقع تھا۔ اُس نے ہاتھ کھڑکی سے نکالا اور ان نوٹوں کو باہر پھینک دیا۔ پھر اُس نے ایکسلیٹر پر پورا دباؤ ڈال دیا۔ وہ جلد از جلد اس منحوس جگہ سے دور چلے جانا چاہتا تھا۔

جارج ڈرائیووے پر آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔ ہوا اب تھم گئی تھی۔ جھاڑیوں کے درمیان سے بہت سی چمکتی ہوئی آنکھیں اُسے گھور رہی تھیں۔ وہ جھاڑیوں میں دبکے ہوئے خرگوش اور نیولے تھے، جو اپنی رات کی سرگرمیوں میں مصروف تھے، یا شاید موت کا رقص دیکھنے کے خیال سے چلے آئے تھے۔

جو وسکی میسن نے اُسے پلائی تھی، اس کی کڑواہٹ اب بھی اُس کے منہ میں گھلی ہوئی تھی۔ آخری کارنر پر وہ مڑا تو سامنے حویلی نظر آئی۔ مگر اندر روشنی نظر آ رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ ڈیمین جونیئر معبد میں ہوگا۔ اس وقت ہر روز وہ اپنے لیے شیطان سے طاقت کی دعا کرتا تھا۔ جارج نے آہستہ سے سر گھما کر پہاڑی کی طرف دیکھا، جہاں درختوں کے درمیان پرانے گرجا کا وہ کھنڈر موجود تھا۔ سیاہ آسمان کے نیچے اُس کی شکستہ سفید دیواریں چمک رہی تھیں۔

''پلیز گارڈ'' وہ زیرلب منمنایا۔ لفظ گارڈ زبان پر ابھرا ہی تھا کہ اُس کا منہ صفرے سے بھر گیا اور اسے پھندا لگ گیا۔ اُس نے تھوکا تو سبز گھاس پر خون نمایاں طور پر نظر آنے لگا۔

اب وہ ابدی زندگی کے بارے میں سوچ کر دہشت زدہ تھا۔ اب جبکہ موت سامنے نظر آ رہی تھی تو گزری ہوئی زندگی کے مناظر اسے ہراساں کر رہے تھے۔ اُسکا تصور جہنم کے جاں سوز اور روح فرسا مناظر دکھا کر اُس کی دہشت میں اور اضافہ کر رہا تھا۔ جہنم کی آگ اُس کی آنکھوں کے سامنے رقص کر رہی تھی۔ اور جہنم کے خوف ناک فرشتے اُس آگ میں جلتے ہوئے جسموں کو اپنے نیزوں سے چھید رہے تھے۔ یہ سب کچھ وہ تھا، جسے وہ زندگی بھر افسانہ قرار دے کر مذاق اڑاتا رہا تھا۔ لیکن اب وہ جانتا تھا کہ یہ سب سچ ہے۔ اسے پھر پھندا لگا اور اس نے پھر خون تھوکا۔ وہ پہاڑی کی طرف بڑھنے لگا۔

اُس کا بایاں بازو اب سن ہو گیا تھا...... بلکہ بے جان کہا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ سینے میں اور انگلیوں کی پوروں میں کچھ دیر پہلے جو درد ہو

رہا تھا۔ اب معدوم ہو چکا تھا۔ اب تو وہ بازو کسی درخت کی بے جان شاخ کی طرح تھا۔ اُس نے انگلیوں کو حرکت دینے کی کوشش کی۔ لیکن ان میں کوئی جنبش نہیں تھی۔ وہ خوف زدہ ہو گیا۔ اُس سے تو کہیں بہتر وہ درد تھا۔ کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے، خواہ وہ درد ہی کیوں نہ ہو۔

اُس کی نظر دھندلا رہی تھی۔ آنکھوں کے آگے رنگین تارے ناچ رہے تھے ایک پتھر سے اسے ٹھوکر لگی اسے اب یہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے ایک آنکھ بند کر کے وہ سامنے دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اُسے پتا بھی نہیں چلا کہ درختوں کے درمیان ڈیمین کھڑا ہے۔ کتے کی غراہٹ سے اُسے اس بات کا اندازہ ہوا۔ وہ ٹھٹھک کر رکا اور آنکھیں پھاڑ کر انہیں دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ بالآخر وہ انہیں دیکھنے کے قابل ہو گیا۔

ڈیمین اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا، جب کہ کتے کے جسم میں تناؤ تھا، جیسے اُس پر جھپٹنے کے لیے تیار ہو۔

جارج نے آنکھوں پر ہاتھ کا چھجا بنایا اور انہیں دیکھتا رہا۔ اُس کے ہاتھ کو متحرک دیکھ کر کتے کے جسم کا تناؤ بڑھا اور وہ دانت نکوستے ہوئے غرانے لگا۔ اُس کا بہت بڑا سر بوڑھے جارج کے سینے کی سطح پر تھا۔ جارج نے دیکھ لیا کہ کتے کے اور اُس کے درمیان کا فاصلہ کتے کے لیے محض ایک جست کا ہے۔''

''یہ سوچ رہا تھا کہ تمہارا خاتمہ اسی وقت اور یہیں کر دے۔'' ڈیمین نے کتے کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ''یہ وہی جگہ ہے نا، جہاں تمہارے ہاتھوں اس کی پیدائش ہوئی تھی۔'' وہ مسکرایا۔ ''یہ تمہارے لیے اس کا اظہار ہے۔''

جارج نے بولنے کی کوشش کی۔ لیکن اُس سے بولا نہیں گیا۔ پھر وہ یہ بھی جانتا تھا کہ جو کچھ وہ کر چکا ہے، اُس کا دفاع کسی طور پر بھی ممکن نہیں۔

''یہ بتا بڈھے کہ تیرے خیال میں نزارین تجھے بچا لے گا؟'' ڈیمین نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔

جارج نے نفی میں سر ہلایا۔ ''مجھے معاف کر دو۔'' اس نے مرے مرے لہجے میں کہا۔ ''پلیز۔''

''نہیں۔'' ڈیمین کی مسکراہٹ معدوم ہو گئی۔ اب وہ شدید غصے میں تھا۔ ''نہ میرے باپ کو معاف کرنا آتا ہے نہ مجھے۔ یہ تو ہماری سرشت میں ہی نہیں ہے۔'' اُس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''تم غلط در پر کھڑے ہو کر سوال کر رہے۔ ویسے یہ عجیب بات ہے...... ہے نا؟ میرے باپ کا آخری امید افزا پیغام لانے والے تم تھے۔ تم ہی نے بتایا تھا کہ ہزار سال ایک دن کے برابر ہیں۔ اور اب تم ہی نے مجھ سے غداری کی، مجھے پیٹھ دکھائی۔ تمہیں ہمت کیسے ہوئی کہ اس کے بعد مجھ سے معافی طلب کرو۔'' وہ ایک دم پیچھے ہٹا اور اُس نے گرجا کی طرف اشارہ کیا۔ ''وہ رہا تمہارا سیدھا، مگر تنگ، دشوار اور پر خطر راستہ...... صرف دس گز کا فاصلہ۔ جاؤ اسے طے کرو بڈھے اور مل سکو تو اپنے خالق سے جا ملو۔''

جارج کے سینے کی گہرائی سے ایک سسکی نکلی، اُس کے منہ سے خون کی ایک لکیر سی بہتی ہوئی ٹھوڑی تک آ گئی۔ وہ ڈیمین کے پاس سے گزر کر آگے بڑھا۔ لیکن ڈیمین کو نظر اٹھا کر دیکھنے کی اُس میں ہمت نہیں تھی۔

کتا غرایا۔ ایک لمحے کو جارج کو ایسا لگا کہ وہ اس پر جھپٹنے والا ہے لیکن نہیں۔ وہ بس اُس کا پیچھا کر رہا تھا...... محض ایک قدم پیچھے رہ کر جبکہ اُس کے آقا کے زہریلے جملے جارج کی سماعت کو چھید رہے تھے۔

تمہیں نہیں لگتا جارج کہ تم کچھ لیٹ ہو گئے ہو؟'' ڈیمین کہہ رہا تھا۔ ''ساری عمر کی گمراہی کے بعد زندگی کے آخری لمحوں میں موت کا چہرہ دیکھنے کے بعد کیا توبہ قابلِ قبول ہو گی؟ کیا تم نزارین کو بے وقوف سمجھتے ہو۔ وہ تمہارا خالق...... وہ تمہیں خوب جانتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ تم اُس کی محبت کی وجہ سے نہیں، اپنے خوف کی وجہ سے تائب ہوئے ہو۔ نہیں جارج، نہیں۔ تم اسے بے وقوف نہیں بنا سکتے۔ یہ بات نہیں بنے گی۔''

جارج اپنے پیروں کو گھسیٹتا آگے بڑھ رہا تھا۔ دروازے پر پہنچ کر اُس نے دروازے کو دھکیلا۔ اُس نے سر اٹھا کر گرجا کی شکستہ چھت کو دیکھا۔ پھر اُس نے پلٹ کر دیکھا۔ ڈیمین اور کتا، دونوں پیچھے رک گئے تھے۔ اس چوکھٹ کو پار کرنے کی ان میں ہمت نہیں تھی۔ یہی نہیں، وہ دونوں خاموش تھے۔ کتے نے اپنے دونوں کان اپنے سر سے چپکا لیے تھے۔ ڈیمین ساکت و صامت کھڑا متجسس نظروں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ ایک پل کو جارج کو اُس کے چہرے پر اپنے لیے ہمدردی نظر آئی مگر اگلے ہی لمحے اُس کی جگہ پچھتاوے نے لے لی۔ بوڑھے جارج کو یاد آیا، ایک دن اُس نے سوچا تھا کہ ڈیمین نے اپنے لیے یہ رول خود منتخب نہیں کیا ہے۔ یہ تو قسمت نے اُس پر تھوپ دیا ہے۔

وہ پلٹا اور اُس نے گرجا کے اندر قدم رکھا۔ نجانے کیوں وہ ڈیمین کے لیے اُداس ہو گیا تھا۔ اُس کے دل میں اُس کے لیے ہمدردی اور ترحم کا جذبہ جاگ اٹھا، جو عیسائیوں کا طرہ امتیاز ہے۔

پھر اگلے ہی لمحے اُس نے سکون کی سانس لی۔ اسے احساس ہوا کہ سینے میں درد پھر جاگ اٹھا ہے، اور بازو بھی اب سن نہیں ہے۔ اُس نے دل ہی دل میں اس عنایت پر خدا کا شکریہ ادا کیا۔

اُس کے لیے ایک قدم اٹھانا بھی دوبھر تھا۔ قربان گاہ تک پہنچنے میں اسے جیسے پورا برس لگ گیا فرش بھی جگہ جگہ سے ادھڑا ہوا تھا۔ کوئی سلامت بنچ بھی نہیں تھی، جس کا اسے سہارا میسر ہوتا۔ لیکن ایک مثبت بات بھی رونما ہوئی تھی۔ اُس کی بینائی بحال ہو گئی تھی۔ نگاہ کی دھندلاہٹ دور ہو گئی تھی اور وہ صاف اور واضح طور پر دیکھ سکتا تھا۔ سینے میں دھڑ دھڑاتا ہوا دل اگرچہ اسے خوف زدہ کر رہا تھا، لیکن متلی کا احساس دور ہو چکا تھا۔ اور اب اُس کی ٹھوڑی پر بھی خون نہیں تھا۔

قربان گاہ پر وہ رکا اور اُس نے سر اٹھا کر اوپر لٹکی ہوئی صلیب کو دیکھا۔ اسے حیرت ہونے لگی، پال بوہر نے کتنی مشکل سے، کتنی دشواری سے یہ کام کیا ہو گا۔ مصلوب کرائسٹ کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اسے ایسا لگا کہ وہ اسے بلا رہا ہے...... اشارے کر رہا ہے۔ وہ آنکھیں اسے اپنی آنکھوں میں جھانکتی محسوس ہو رہی تھیں، اُسے دلاسہ دے رہی تھیں۔

صلیب چھت کے متوازی دو دیواروں پر ٹکے ہوئے شہتیر سے بندھی ہوئی تھی۔ اوپر جانے کا واحد ذریعہ وہ سیدھی سیڑھی تھی۔ کرائسٹ کا سر سیڑھی کے سب سے اوپر کے قدمچے سے متصل تھا۔ جارج نے قریب ترین قدمچے کو پکڑا اور سر اٹھاتے ہوئے بڑبڑایا ''خداوند، میری پوری زندگی بدترین گناہوں میں گزری ہے۔ مجھے معاف کر دے۔

عقب سے دانت پیسنے کی آواز سنائی دی، جسے سن کر جارج کے جسم میں تھرتھری سی دوڑ گئی۔ ڈیمین اب بھی گیٹ پر کھڑا تھا۔ جارج کو ایسا لگا کہ باہر گیدڑ، گدھ اور دوسرے مردار خور جانور اُس کی موت کے منتظر ہیں۔

ڈیمین اب پھر طنز کے تیرے برسا رہا تھا، طعنے دے رہا تھا...... کہہ رہا تھا، جا اور اپنے خالق سے مل۔

عقب سے طنز و تعن کی بارش ہو رہی تھی۔ مگر اوپر سے کوئی طاقت اُس کی حوصلہ افزائی کر رہی تھی، جس کے زیر اثر اس نے سیڑھی پر پہلا قدم رکھا۔ پھر دوسرا قدم اُس سے اوپر والی سیڑھی پر۔ مگر اتنے ہی میں وہ ہانپنے لگا۔

ہر قدم اُس کے لیے آزمائش تھا۔ دل یوں سینے کی دیوار سے سر ٹکرا رہا تھا، جیسے اسے توڑ ڈالے گا۔ اور ہر سانس اذیت کی تلوار تھی، جو اُس کے سینے میں پیوست ہو رہی تھی۔ ہر سیڑھی پر وہ رک کر سانس درست کرتا تھا۔ اور وہ ایک ایک سیڑھی گن رہا تھا۔ اب تک وہ دس سیڑھیاں چڑھ چکا تھا۔

اُس کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئیں۔ سیڑھیاں اُس کے ہاتھ سے پھسل رہی تھی۔ مگر وہ چڑھتا رہا۔ پھر اچانک اُسکے ہاتھ میں ایک پھانس چبھی۔ اُس نے اس تکلیف پر بھی خدا کا شکر ادا کیا۔ وہ سن ہونے سے تو بہتر تھا۔ مگر دل اب خطرناک انداز میں دھڑک رہا تھا۔

ڈیمین اب بھی چیخ چیخ کر اُس پر طنز کر رہا تھا۔ مگر جارج نیچے دیکھنے سے گریزاں تھا۔ اُس کا دل تو چاہ رہا تھا کہ پلٹ کر دیکھے۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ اگر اُس نے ایسا کیا تو وہ خود کو گرنے سے نہیں بچا سکے گا۔

اُس کے جسم کی طاقت ہر گزرتے لمحے کے ساتھ کم ہو رہی تھی۔ اُس نے اپنے چہرے اور جسم کو سیڑھی سے چپکا رکھا تھا۔ رخساروں پر لکڑی کا سرد لمس اسے سمجھا رہا تھا کہ مصلوب ہونا کیا معنی رکھتا ہے اور کیلوں کے مدد سے گاڑا جانا...... انسانی ذہن بھی اذیت کے کیسے کیسے انداز سوچ لیتا ہے مگر نہیں، یہ انسانی ذہن کا نہیں، شیطان کا کام تھا۔ اور شیطان کی قوت سے وہ بہ خوبی واقف تھا۔

''مجھے معاف کر دو......'' وہ پھر بڑبڑایا۔ جواب میں عقب سے پھر اُس کا مذاق اُڑایا گیا۔

''اسے معاف کر دے نزارین۔'' ڈیمین جونیر نے حلق کے بل چیخ کر کہا۔ ''اسے اپنے سینے سے لگا لے۔ مگر پہلے دیکھ لینا کہ یہ اس قابل ہے بھی کہ نہیں۔''

جارج ایک اور سیڑھی چڑھا، پھر ایک اور وہ اُس کے لیے بڑی مشقت تھی۔ بالآخر وہ ترشے ہوئے کرائسٹ کے جلے ہوئے ہاتھوں تک پہنچ گیا۔ اُس کا چہرہ کرائسٹ کا نچلا دھڑ ڈھانپنے والے کپڑے سے محض چند انچ نیچے تھا۔ نیچے ڈیمین گلا پھاڑ کر ہنس رہا تھا، فحش کلامی کر رہا تھا۔ اس کے منہ سے گستاخیوں کے کلمات کا فوارہ ابل رہا تھا۔ ایک لمحے کو جارج کو ایسا لگا کہ اب اس میں ایک انچ اوپر جانے کی بھی سکت نہیں۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ اب وہ نیچے بھی نہیں اتر سکتا۔ اور زیادہ دیر رکنے کا بھی متحمل نہیں ہو سکتا۔

''خداوند، مجھے طاقت اور ہمت عطا فرما۔'' اُس نے زیر لب دعا کی۔ اس لمحے اسے اپنی پیشانی کے اوپری حصے میں کھجلی سی محسوس ہوئی، اُس جگہ جہاں برسوں پہلے شیطان کا وہ نشان...... ایک دوسرے سے متصل تین چھکے نمودار ہوئے تھے۔ اُس روز وہ احساس تفاخر سے بے حال ہو گیا تھا۔ مگر آج وہ اُس کے لئے نشانِ ندامت تھا۔ اب وہ اسے کھرچ کر پھینک دینا چاہتا تھا۔

ہمت اور طاقت مجتمع کر کے وہ دو سیڑھیاں اور چڑھا۔ اب کرائسٹ کا چوبی چہرہ اُس کے سامنے تھا۔ اس چہرے کو دیکھتے ہوئے اُسے پاگل مصور اور مجسمہ ساز یگا ئیل کا خیال آیا، جس نے وہ چہرہ تراشا تھا...... وہ اُس کا آخری کام تھا۔ الٹی صلیب، اہانت آمیز صلیب، یہ اُس نے شیطان

کی خوشنودی کے لیے کیا تھا، اور اُس کی تکمیل کے فوراً بعد اُس نے خودکشی کر لی تھی۔

اسے مجسمے کی ریڑھ کی ہڈی میں پیوست خنجر نظر آئے...... اور سر پر رکھے تاج کے چھ انچ لمبے کانٹے۔ اسے یاد آیا کہ اس خوف ناک رات ڈیمین جونیئر اپنے سیاہ معبد سے اسے اٹھا کر لایا تھا تو ان کانٹوں نے اُس کی گردن زخمی کر دی تھی۔ وہ زخم کبھی مندمل نہیں ہوئے۔

''میں یہاں توبہ کرنے آیا ہوں خداوند۔ میں نے اپنی زندگی گناہوں میں ضائع کر دی۔ تم میرے خوابوں میں آئے تھے کرائسٹ اور تم نے میری روح کو بچانے کا وعدہ کیا تھا۔ آج میں تم سے کہتا ہوں کہ مجھے بچالو۔ اپنا وعدہ پورا کرو اور مجھے خداوند کے دامنِ رحمت میں جگہ عطا کرو۔''

گالیاں سن کر اُس نے پلٹ کر دیکھا۔ ڈیمین اب بھی دروازے میں کھڑا تھا۔ اُس کی زرد آنکھیں جیسے اُس کی روح میں اتر رہی تھیں، اُسے اطاعت کا حکم دے رہی تھیں، بالکل اسی طرح جیسے اس کا باپ اُس سے اطاعت کا تقاضا کرتا تھا۔

جارج نے جان لیا کہ اب وہ گر جائے گا۔ اُس کا پاؤں سیڑھی سے پھسلنے لگا۔ وہ پلٹا اور دوبارہ کرائسٹ کے چہرے کو دیکھنے لگا۔ لیکن وہ بہ مشکل ایک انچ ہی نیچے جا سکا ہو گا کہ تاج کے کانٹوں نے اُس کی آنکھوں کو تھام لیا...... پرو لیا۔ اس مختصر سے ایک لمحے میں اُس نے مصلوب ہونے کی اذیت کو سمجھ لیا۔ کانٹے اُس کی آنکھوں کے ڈھیلوں میں پیوست ہوئے، اور ایک لمحے بعد انہوں نے اسے آزاد کر دیا۔ اُس کے دونوں بازو پھیلے ہوئے تھے۔ ٹیل کوٹ ہوا میں پھڑ پھڑا رہا تھا۔ وہ گر رہا تھا۔ مرتے ہوئے اُس کی آخری چیخ بے حد مختصر تھی۔ پھر اُس کا جسم فرش سے ٹکرایا اور قربان گاہ پر بکھر گیا۔

اب ہر طرف خاموشی تھی...... سوائے خون کی اس ٹپاٹپ کے جو کرائسٹ کے چہرے سے قطرہ قطرہ قربان گاہ پر گر رہا تھا۔
گرد کے پوری طرح تھمنے سے پہلے ہی اُس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی!

جیک میسن فکر مند تھا۔ وہ ہلٹن میں منتقل ہو گیا تھا۔ اُس کے نتیجے میں ان تمام لوگوں سے نجات مل گئی تھی، جو انٹرویو کی اشاعت کے بعد اُس کے پیچھے پڑ گئے تھے۔ چنانچہ اب اُس کے پاس سوچنے کے لیے وقت تھا۔ لیکن جو کچھ وہ سوچ رہا تھا، وہ اُس کے لیے پریشان کن تھا۔ اُس کو اب اسٹوری کی کڑیاں جڑتی نظر نہیں آ رہی تھیں۔ اسٹوری سے تعلق رکھنے والے جتنے لوگوں سے بھی وہ اب تک ملا تھا، وہ سب کے سب بنیاد پرست تھے اور بائبل کی پیش گوئیوں والی کتاب سے متعلق دور از کار افسانے سناتے رہے تھے۔ اب اپنا کا وہ مزاحیہ جملہ اس کی سمجھ میں آ رہا تھا۔ مگر ہنسی اسے اب بھی نہیں آئی تھی۔ پیش گوئیوں کی کتاب سے تو وہ عاجز آ چکا تھا۔ اور درحقیقت وہ تھورن فیملی کے بارے میں اب تک کچھ بھی نہیں جان سکا تھا۔

ورڈ پروسیسر کو اُس نے نشست گاہ میں رکھوا دیا تھا۔ بڈھے جارج کے نوٹس کو مختصر کر کے لکھنے کے بعد اب وہ انہیں مشین کو فیڈ کر رہا تھا۔ وہ مضمون ایک طرح سے دیوانگی کا اظہار تھا۔ وہ بٹنوں پر انگلی مارتے ہوئے بڑبڑائے جا رہا تھا۔ لفظ اسکرین پر نمودار ہو رہے تھے۔

ڈیمین تھورن شیطان کے ایک مادہ گیدڑ کے ساتھ اختلاط کے نتیجے میں پیدا ہوا۔ روم کے ایک اسپتال میں اس کی پیدائش ہوئی۔ مادہ گیدڑ ...... ذرا سوچو اُس نے کراہتے ہوئے کہا۔

اُس کے جسم کو چیک کر کے دیکھ لو۔ تمہیں ناف نہیں ملے گی۔ کیونکہ اُس کی ناف نہیں ہے؟ جارج نے اپنے نوٹس میں لکھا تھا۔

''جیزز۔'' میسن پھر بڑبڑایا۔

اُس بار اُس نے کیرول یاٹ کے نام کے بٹن دبائے۔ پھر اُس کے ردعمل میں اسکرین پر جو کچھ ابھرا، وہ اُس کا جائزہ لینے لگا۔ کیرول کی خطا یہ تھی کہ اُس نے ڈیمین جونیئر کی کمزوریوں کو بے نقاب کیا تھا۔ کیرول کو دیکھ کر اُس کے دل میں ہوس اور محبت کے ملے جلے جذبے ابھرے تھے۔ اُس کے نتیجے میں کیرول کو جان سے ہاتھ دھونے پڑے تھے، تا کہ ڈیمین جونیئر کی روح ان انسانی جذبوں کی آرائش سے کوری ہو جائے۔

اسے بھی دیوانگی ہی کہا جا سکتا تھا۔ عجیب منطق تھی یہ۔ پہلے تو آدمی دوسرے کو اپنی کشش سے متاثر کرے۔ پھر انہیں اس جرم میں ٹھکانے لگا دے کہ وہ اُس سے متاثر کیوں ہوئے اور جواباً اسے متاثر کیوں کیا۔ اسے تو شیطنت ہی کہا جا سکتا تھا۔

اُس کے بعد بائبل کے حوالوں کا ایک سلسلہ تھا۔ اور اُس کے بعد بڈھے جارج کا آخری پیغام تھا۔ اُس کا کہنا تھا کہ ڈیمین تھورن سنیئر کی باقیات شکاگو میں تھورن فیملی کے مقبرے میں نہیں ہیں، بلکہ پیری فورڈ میں ہیں، جہاں اُس کا بیٹا ان سے روحانی طاقت حاصل کرتا ہے۔

اسکرین کی طرف دیکھتے ہوئے اُس کے ذہن میں ایک یاد ابھر آئی۔ موٹے بارمین نے سے ایک پادری کے بارے میں کچھ بتایا تھا۔

میسن پھر کراہا شاید اُس کے ایجنٹ نے ٹھیک ہی کہا تھا۔

فون کی گھنٹی بجی۔ پہلے تو میسن اسے نظر انداز کر دینا چاہتا تھا۔ مگر پھر اُس نے فون اٹھا لیا۔ پھنکارتے لہجے میں اُس نے ماؤتھ پیس میں اپنا نمبر دہرایا۔

''ہائی......'' ایک چہکتی ہوئی نسوانی آواز نے کہا۔

''کون بات کر رہا ہے؟'' میسن نے پوچھا۔

''آپ کی ریسرچر۔ میں بار میں ہوں۔''

میسن نے آئینے میں اپنے عکس کو دیکھا۔ اُس کی باچھیں کھل گئی تھیں۔ ''کون ریسرچر؟ اور کون سا بار؟'' وہ بھی چہکا۔

''میرے سوا اور کون ہے آپ کی ریسرچر۔'' اینا نے کہا۔ ''اور ہوٹل میں داخل ہونے سے پہلے دائیں ہاتھ پر یہ پہلا بار ہے۔''

میسن ہنس دیا۔ ''بس تو فوراً اوپر چلی آؤ۔''

''اینا آئی تو میسن کو وہ کچھ بدلی بدلی سی لگی۔ کچھ وہ دبلی ہو گئی، اور اس کی وجہ سے اُس کی کشش میں اضافہ ہو گیا تھا۔ ''آؤ بیٹھو......اور میری معلومات میں اضافہ کرو۔''

''کچھ نہیں ہو سکتا۔ مجھے نسیان ہو گیا تھا۔ ایک لمحے میں ہنسی خوشی تمہارے لئے کام کر رہی تھی، اور دوسرے لمحے میں ہائی گیٹ کے پولیس اسٹیشن میں تھی۔ اور میری یادداشت غائب تھی۔ میں اپنی زندگی کا ایک ہفتہ کھو بیٹھی ہوں۔'' اُس کے لہجے کی چہکار اچانک غائب ہو گئی اور اُس کی جگہ اداسی اور افسردگی نے لے لی۔ پھر اُس نے کندھے جھٹک دیے۔

میسن نے اُس کا سر اپنے سینے سے لگایا اور بے حد پیار سے تھپتھپاتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ پرسکون نظر آنے لگی۔

''میں اپنا کام جاری رکھنا چاہتی ہوں۔'' اینا نے کہا۔

''میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ اپنی آخری فون کال میں تمہی نے کہا تھا کہ یہ اسٹوری ہزاروں سوراخوں سے بھری چھلنی کی طرح ہے۔ اب میں سمجھتا ہوں کہ تمہاری بات درست ہے یہ تو فسانہ عجائب ہے۔''

''تو کیا تم اس سے ہاتھ اٹھا رہے ہو؟''

''میسن نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں۔ پہلے میں اسے ہر زاویے سے کور کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سمجھ لو کہ میں اس پر ایک ماہ اور لگاؤں گا۔ اگر اس وقت تک کوئی واضح بہتری نظر نہیں آئی تو پھر یہ کھیل ختم۔''

''او کے۔'' اینا کے لہجے میں پھر چہکار اُبھر آئی۔ یعنی وہ دوبارہ کام کے لے کمربستہ ہو رہی تھی۔ ''اچھا، یہ تو بتاؤ کہ جس ایک ہفتے میں میری یادداشت غائب ہو گئی تھی، تم نے اس دوران کیا کیا......کیا کیا معلوم ہوا تمہیں۔''

میسن نے اسے اپنے تیار کیے ہوئے چارٹ دکھائے اور اسے بڈھے بٹلر جارج کے بارے میں بتانے لگا۔ پھر اُس نے اینا کا ہاتھ تھامتے ہوئے پوچھا۔ ''تم وہ پیکٹ اپنے ساتھ لائی ہو؟''

''کون سا پیکٹ؟''

''اپنے آخری میسج میں تم نے ایک پیکٹ کا تذکرہ کیا تھا۔ تمہارا کہنا تھا کہ وہ تمہیں کسی اطالوی نے دیا ہے۔''

اینا سوچ میں پڑ گئی۔ اس کی آنکھوں میں الجھن مترشح تھی۔

''اوہ......تو یہ اس گمشدہ یادداشت میں شامل ہے؟''

''یقیناً یہی بات ہوگی۔''

''تمہارا کیا خیال ہے، وہ کھوئی ہوئی یادداشت واپس آئے گی؟''

''امید تو ہے۔ ڈاکٹر کا بھی یہی کہنا ہے۔'' اینا پلٹی اور کرسی کی طرف بڑھ گئی۔

میسن اس موضوع پر مزید بات کرنا چاہتا تھا۔ لیکن پھر اس نے سوچا کہ ان معاملات کو ڈاکٹر پر چھوڑ دینے ہی میں بہتری ہے۔ وہ جو زیادہ سے زیادہ کرسکتا ہے، یہ ہے کہ اسے مصروفیتوں میں الجھائے رکھے۔

''تو سنو، میں کام کے سلسلے میں تمہیں انتخاب کا موقع دے رہا ہوں۔'' میسن نے کہا۔ ''سسکس جا کر ایک ماہر فلکیات سے ملنا ہے۔ دوسری طرف تم اپنے دوست جیمز رچرڈ کے ساتھ روم بھی جاسکتی ہو۔''

اینا نے انگوٹھے پر خیالی سکہ رکھ کر اچھالا اور پھر جیسے نیچے آنے کے بعد اسے دیکھا۔ ''میں روم جاؤں گی۔'' وہ بولی۔

''میرا بھی یہی خیال تھا۔'' میسن نے اُس کے ہاتھ کو چومتے ہوئے کہا۔ وہ دوسرا موقع تھا کہ اینا میں اسے بے پناہ کشش محسوس ہوئی۔ جب وہ آئی تھی، تب بھی اسے یہ احساس ہوا تھا۔ اب یا تو یہ اُس کے تخیل کا کمال تھا، یا یادداشت کی گمشدگی اور دوبلا ہونے سے واقعی خطرناک حد تک پر کشش بنا دیا، اُس نے بھی ذہنی طور پر سکہ اچھالا، اور فیصلہ کیا کہ یہ سب اُس کے تخیل کا فساد ہے۔ وہ پیشہ ورانہ تعلق میں قربتوں کا قائل نہیں تھا۔ ورنہ یہ قربتیں کام میں حارج ہوتی ہیں۔ یہ اصول ہی اُس کی کامیابی کا ضامن تھا، اور وہ اسے توڑنا نہیں چاہتا تھا۔

……✿……

اُس رات کار میں بیٹھ کر سسکس جاتے ہوئے میسن کتاب سے دھیان ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ کام کو بھول کر کچھ لطف اٹھانے کے موڈ میں تھا۔ ذہنی گورکھ دھندے کے اس صحرا میں ماہر فلکیات کا خط اُس کے لیے ایک سایہ دار درخت کی مانند تھا۔ اُس نے لکھا تھا:

''میں نے تمہارا انٹرویو اور تمہاری نئی کتاب کے بارے میں آرٹیکل پڑھا۔ میں تمہیں اپنی آبزرویٹری میں آنے کی دعوت دے رہا ہوں۔ اب سے 18 سال پہلے ہماری کہکشاں میں ایک عجیب واقعہ رونما ہوا تھا...... تین ستاروں کا قران۔ بہ ظاہر تو اس کا تمہاری کتاب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن تھورن فیملی کے بارے میں میرے پاس اہم مواد ہے۔ ضرورت بس اس بات کی ہے کہ تم اپنے عقل و شعور کو بالائے طاق رکھ کر غیر جانب داری کے ساتھ اُس کا جائزہ لو وقتی طور پر ہی سہی......

اب وہ اس خط کے جواب میں سسکس ڈاؤنز پر واقع فرن بینک آبزرویٹری جا رہا تھا۔ کیونکہ ماہر فلکیات اسے دیوانہ نہیں، ہوش مند لگا تھا۔ اور اتنے دیوانوں کی دیوانگی سننے کے بعد اُس کے نزدیک وہ ایک بے حد خوش گوار تبدیلی تھی۔ چاہے اس ٹرپ کی کوئی اہمیت اور افادیت بالکل نہ ہو۔

وہ صحیح وقت پر وہاں پہنچ گیا۔ وہ ایک چھوٹی سی گنبد نما عمارت تھی۔ اندر داخل ہوتے ہی پیالے کی شکل کا ایک بہت بڑا استقبالیہ کاؤنٹر تھا۔ میسن نے اندر داخل ہونے سے پہلے آسمان کا جائزہ لیا۔ بادل کچھ چھٹ سے گئے تھے اور ستارے نظر آ رہے تھے۔

بیری کنگ کو معلوم ہوگیا تھا کہ وہ آ رہا ہے، اسی لیے وہ دروازے پر اُس کا منتظر تھا۔ وہ مختصر الوجود تھا۔ زبان میں ہلکی سی لکنت تھی۔ اور وہ

بہت نروس دکھائی دے رہا تھا۔ اُس نے میسن کا اُس کی آمد پر شکریہ ادا کیا۔ ''میں آپ کی کچھ کتابیں پڑھ چکا ہوں۔ آپ برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں۔ ان پر جو فلمیں بنائی گئیں، وہ اتنی اچھی نہیں تھیں۔''

میسن کو لگا کہ اب شاید وہ اُس سے آٹو گراف بھی مانگے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ وہ مسکرایا اور اُس کا ہاتھ تھام کر چکردار زینے کی طرف چل دیا۔

دس منٹ تک ہیری کنگ اسے فخریہ انداز میں اپنا گول کمرا دکھاتا رہا۔ وہاں بڑی تعداد میں مانیٹر اسکرین تھے۔ ایک ماسٹر کمپیوٹر بھی تھا۔ اس کے علاوہ پرنٹس کی ایک بڑی لائبریری تھی، جو درحقیقت کائنات کا اٹلس تھا۔ میسن وہ سب کچھ دیکھ کر بہت متاثر ہوا۔ آدھے گھنٹے تک وہ ہیری کنگ سے سوال پوچھ پوچھ کر اپنی معلومات میں اضافہ کرتا رہا۔ اُس کے نتیجے میں کنگ کا اعتماد بڑی حد تک بحال ہو گیا۔

''آپ اتنے نروس کیوں تھے؟'' بالآخر میسن نے اُس سے پوچھا۔

''مجھے ڈر تھا کہ میں بلاوجہ آپ کا وقت ضائع کر رہا ہوں۔''

''ایسی کوئی بات نہیں۔ میں تو یہاں بہت انجوائے کر رہا ہوں۔''

''یہ دیکھ کر ہی تو میں مطمئن ہوا ہوں۔'' کنگ نے کہا۔

''میسن کو بڑی فلکیاتی دوربین کے نظارے نے بچوں کی طرح ایک ایکسائیٹڈ کر دیا۔

''اب آپ اورین کا نظارہ کریں گے۔'' کنگ نے ایک بٹن دباتے ہوئے کہا۔

میسن نے دوربین سے نظر ہٹائی۔ دوربین کے نیچے سے اس علاقے کا ایک بڑا فوٹو گراف پھسل آیا تھا، جسے ایک لمحہ پہلے وہ دوربین کی مدد سے دیکھ رہا تھا۔ کنگ نے اسے اٹھا کر ایک لائٹ باکس سے لگا دیا۔ اگلے ہی لمحے منظر میں ٹمٹماتے ستارے نظر آنے لگے۔

''ہم اسے بڑا بھی کر سکتے ہیں اور کسی خاص حصے کو فوکس بھی کر سکتے ہیں۔ ہم کائنات کی گہرائیوں میں بھی جھانک سکتے ہیں۔'' کنگ نے کہا اور اس پرنٹ کو ہٹا کر ایک فولڈر میں رکھ دیا۔ پھر اُس نے فائل اٹھائی، جس پر جلی حروف میں تثلیث لکھا تھا۔ 'میں نے درحقیقت یہ دکھانے کے لیے آپ کو زحمت دی ہے۔'' اُس نے کہا اور پھر وضاحت کی۔ ''یہ اٹھارہ سال پہلے کی بات ہے، اور میں اب بھی نہیں سمجھ سکا ہوں۔''

ابتدا میں تو وہ پرنٹس میسن کے لیے بے معنی تھے۔ وہ پوزیشن تبدیل کرتے ہوئے تین سایے سے تھے، جو بہ تدریج ایک دوسرے کے قریب آ رہے تھے۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں سمجھ سکتا تھا۔

''یہ ہے قِران۔ جس وقت یہ ہوا، میں محض ایک اسسٹنٹ تھا۔ میرے چیف کا نام جان فاویل تھا۔ ابھی تین سال پہلے اسکا انتقال ہو گیا کیسیو پیا نامی علاقے میں یہ نقل و حرکت اُسی نے دیکھی تھی...... تین ستاروں کا ناممکن ملاپ۔ یہی وجہ ہے کہ تمہارے بارے میں پڑھنے کے بعد میں نے تمہیں خط لکھ کر بلایا۔''

میسن اب بھی کچھ نہیں سمجھ سکا تھا۔ ہیری کنگ کو بہت طویل وضاحت کرنا پڑی۔ جان فاویل سے ایک پادری نے رابطہ کیا تھا۔ اُس کا کہنا تھا کہ صدیوں پہلے مسیح کی دوبارہ پیدائش کے بارے میں پیش گوئی کی گئی تھی، اور تین ستاروں کا یہ قِران دراصل مسیح کے دوبارہ پیدا ہونے کا اعلان ہے۔

''جیسے ستارہ بیت اللحم؟'' میسن نے پوچھا۔

''بالکل درست۔ اسے خرافات ہی کہا جانا چاہیے۔ لیکن مسٹر فاویل بہت نرم دل اور دوسروں کے جذبات کا احترام کرنے والے آدمی تھے۔ انہوں نے اس پادری کو دو راہبوں کے ساتھ یہاں بلایا اور قران کا منظر دکھایا۔ انہوں نے مذاق میں اُن سے کہا کہ ان کی دوربین آسمان کے نیچے کا منظر دکھا سکتی ہے، آسمان کے اوپر کا نہیں۔ لیکن وہ لوگ سنجیدہ رہے۔ اور جب انہوں نے قران ہوتے دیکھا تو وہ تینوں رونے لگے۔ میں ان تینوں کے چہرے کبھی نہیں بھول سکا۔ وہ مذہبی لوگ تھے۔ میں حیران تھا کہ ایمان کیسا طاقت ور جذبہ ہے، خواہ وہ آپ کو مضحکہ خیز کیوں نہ لگے۔ میں سوچتا ہوں کہ کاش مجھے بھی یہ ایمان ملا ہوتا۔''

پھر وہی مذہب کی بات...... ہر تان وہیں پہنچ کر کیوں ٹوٹتی ہے۔ میسن نے دل میں سوچا۔

''مسٹر فاویل نے اس سلسلے میں ایک مقالہ تحریر کیا تھا۔ انہوں نے اسے قران تثلیث قرار دیا تھا۔ لیکن پادری اسے مقدس قرآن کہہ رہا تھا۔'' بیری کنگ مسکرایا اور پرنٹ سمیٹنے لگا۔ ''ہم نے قران کے انتہائی درجے کو حساب کی مدد سے نکالا...... یعنی وہ وقت جب اس کے اثرات زمین پر پڑے ہوں گے۔ یوں ہم نے مقام بھی معلوم کیا، جو یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔'' اُس نے اپنی میز سے ایک فولڈر اٹھا کر اسے کھولا۔ اس میں کچھ خطوط تھے۔ وہ انہیں ٹٹولنے لگا ''اس رات کے بعد بھی اس پادری نے ہم سے رابطہ رکھا۔ یہ عجیب کہانی ہے...... پراز دیوانگی۔ پادری دونوں راہبوں کے ساتھ اُس مقام پر گیا اور اُس کا دعوا ہے کہ اُس نے مسیح کی پیدائش دیکھی۔''

''یہ کب کی بات ہے؟''

''24 مارچ 2000 کی ہے۔ جب میں نے آپ کا آرٹیکل پڑھا تو مجھے یہ خطوط یاد آئے۔''

میسن مستفسرانہ نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان خطوط کا اُس آرٹیکل سے کیا تعلق ہے۔

کنگ ایک خط سامنے رکھ کر انگلی سے ایک پیراگراف کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ پھر وہ پڑھ کر سنانے لگا۔ ''یاد رکھو مسٹر فاویل، ڈیمین تھورن درحقیقت اینٹی کرائسٹ، یعنی دجال ہے......''

میسن بلند آواز میں کراہا......

کنگ مسکرانے لگا۔ ''ایک اور بات مسٹر میسن۔'' اُس نے کہا اور ایک اور خط نکالا، جس کے ساتھ کئی پرنٹ بھی کلپ کیے ہوئے تھے۔ ''مسٹر فاویل کے مقالے کی اشاعت کے بعد ہمیں کیپ ہیٹی کے رسدگاہ سے یہ خط موصول ہوا۔ اس میں برسوں پہلے کی ایک اور عجیب نقل و حرکت کی نشان دہی کی گئی تھی۔ تب ایک نیا ستارہ نمودار ہوا تھا...... سیاہ ستارہ۔''

میسن فوٹوگراف کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا، جو سیاہ ستارے کا تھا۔ لیکن اسکی توجہ کا مرکز سیاہ ستارے کا ہیولا نہیں تھا، بلکہ فوٹوگراف کے ٹاپ پر جو وقت درج تھا، وہ اسے دیکھ رہا تھا...... وہ تھا 6-6-6

کنگ نے بھی اُس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا، اور پھر میسن کو دیکھا۔ اسے میسن کے جسم میں تھرتھری سی دوڑتی محسوس ہوئی۔ ''جی

ہاں، یہ 6 جون کی بات ہے......6 جون، صبح 6 بجے۔'' اُس نے کہا۔ ''ہم نے پادری کو اس کی بابت بتایا تو اس کی کیفیت ہیجانی ہوگئی۔ پتا ہے، یہ ڈیمین تھورن کا برتھ ڈے ہے۔ وہ 6 جون کو صبح 6 بجے ہی پیدا ہوا تھا۔ اور آپ کو پتا ہے، شیطان کا نشان تین......''

''ہاں، میں جانتا ہوں......تین چھکے۔'' میسن نے کہا۔

''ایک لمحے کے لیے......بہت مختصر سے ایک لمحے کے لیے بے یقینی کا خول ٹوٹ گیا اور میسن اندر سے ہل کر رہ گیا۔ خوف سے اُس کا وجود تھرا اٹھا۔ مگر اگلے ہی لمحے وہ خوف غصے میں تبدیل ہوگیا۔ توہمات پر اُس کا منطقی ذہن حاوی آ گیا۔ اُس نے بیری کنگ کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ سب خرافات ہے...... ہے نا؟'' آخر میں اُس کا لہجہ التجائیہ ہوگیا۔

''جی ہاں، جی ہاں۔ یہی کہا جاسکتا ہے۔ خرافات اور اتفاق۔'' کنگ نے کندھے جھٹک دیے۔ ''کیونکہ اگر ہم اس سے ہٹ کر سوچیں گے تو سائنس بے معنی ہوجائے گی۔ ہے نا؟''

وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ ان کے درمیان شک برقی رو کی طرح دوڑ رہا تھا۔

......۞

اپنے سیاہ معبد میں ڈیمین جونیئر ماتھا ٹیک کر الٹا لیٹا ان روحوں کے لیے زار و قطار رو رہا تھا، جن سے وہ محروم ہوگیا تھا۔ وہ جارج کے لیے رو رہا تھا......پال بوہر کے لیے رو رہا تھا......اور خود اپنے لیے رو رہا تھا۔

اب اُس کے ساتھ کوئی بھی نہیں رہا تھا......کوئی بھی تو نہیں۔ وہ بہت مہیب تنہائی تھی، جس سے وہ دوچار تھا۔ اس تنہائی میں بڑی اذیت تھی۔ وہ تنہائی اسے خود ترسی میں مبتلا کرتی تھی۔ وہ بار بار کنپٹی میں سرہلاتا، انگلیوں کے پوروں سے آنکھوں کو ملتا۔ وہ جانتا تھا کہ اب وقت زیادہ نہیں رہا ہے۔

پھر جیسے تیسے وہ اٹھا اور اپنے باپ کی باقیات کو دیکھنے لگا۔ اس کی اداسی، اس کا دکھ بہ تدریج غصے میں ڈھلنے لگا۔ مگر وہ جانتا تھا کہ غصہ کمزوری کی دلیل ہے وہ اپنی کمزوری پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ اپنی کمزوری پر قابو پالیا تو یہی غصہ قوت میں تبدیل ہوجائے گا۔

اُس نے آنکھیں بند کرلیں اور اپنے ذہن کو اپنے مستقبل، اپنے انجام پر مرکوز کرنے کی کوشش کی۔ اُس نے کرائسٹ کا تصور کر کے اپنے غصے کو اور بھڑکانے کی کوشش کی۔ اُس کے منہ سے گالیوں کا فوارہ امنڈ پڑا۔ اُس کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ وہ دہاڑ کر اپنی بے پناہ نفرت کا اظہار کر رہا تھا۔ وہ نعرے لگا رہا تھا کہ معلم الملکوت کے راندہ درگاہ ہونے کا انتقام لے گا۔ وہ اپنے باپ کی بے عزتی کا بدلہ لے گا۔

غصہ اُس کے اندر قوت پیدا کر رہا تھا۔ وہ اس وقت کسی سے بھی ٹکرا سکتا تھا۔

......۞

اپنی کار میں لندن واپس جاتے ہوئے جیک میسن کو اچانک اپنے وجود میں بے حد سرد لہر دوڑتی محسوس ہوئی۔ اُس کے ساتھ ہی ایک بے نام اور شدید خوف نے اُس کے دماغ کو جیسے جکڑ لیا۔ اُس نے عقب نما آئینے میں دیکھا تو اسے ایک بوڑھے اور خوف زدہ آدمی کا عکس گھورتا نظر آیا......

......۞

جیمز رچرڈ سفر کے لیے سامان پیک کر رہا تھا۔ اُس کی بیوی اُس کے اچانک پروگرام پر جز بز ہو رہی تھی۔ وہ اپنی بیوی کو اس ٹرپ کی اہمیت کے بارے میں بتا رہا تھا۔ لیکن وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

''یہ خفیہ سے کیا مطلب ہے تمہارا؟ جیسے فری میسن تحریک تھی؟''

''ہاں......اسی طرح کی سمجھ لو۔ مگر اُس سے ہزاروں گنا بڑی۔'' جیمز نے سر گھما کر بیوی کو دیکھا اور مسکرایا۔ وہ مسکراہٹ اُسکی بے بسی کی غمازی کر رہی تھی اور وہ اُس کی ناکام ازدواجی زندگی کا نوحہ بھی تھی۔ پچھلے برسوں میں وہ دونوں ایک دوسرے سے بہت دور ہو گئے تھے۔ شاید وجہ یہ تھی کہ اپنے کام کی وجہ سے اُس کی ذہنی عمر بہت بڑھ گئی تھی، اور قدرتی طور پر اُس کی بیوی اُس سے بہت پیچھے رہ گئی تھی۔ وہ سیاسی قوت کی بین الاقوامی راہ داریوں میں سیاست دانوں سے انٹرویو لے لے کر سمجھ بوجھ کے اعتبار سے کہیں کا کہیں پہنچ گیا تھا۔ اُس نے دیکھ لیا تھا کہ دنیا کا نظام کیسے چلایا جا رہا ہے۔ جبکہ اُس کی بیوی دس بجے کی خبریں دیکھتے ہوئے نیوز ریڈر کے ہیئر اسٹائل پر تبصرے سے آگے نہیں بڑھتی تھی۔

''ستر سال پہلے بلڈر برگ کلب قائم کیا گیا تھا۔ یہ ان سیاست دانوں اور بزنس مینوں کے لیے قائم کیا گیا تھا، جنہیں نیٹو کے مفادات دل سے تھے۔ مگر اب یہ اس سے بہت زیادہ آگے کی بات ہے۔ اب اس میں مشرق اور مغرب کے طاقت ور ترین افراد شامل ہیں۔ بہت......بہت زیادہ رازداری کے ساتھ دنیا کا نظام یہی لوگ چلا رہے ہیں۔ مثلاً یہ لوگ فیصلہ کرتے ہیں کہ کن ممالک کو قرضہ دینا ہے۔ کون سی جنگ پر سرمایہ کاری کرنی ہے، کس حکومت کا تختہ الٹنا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں، جن کے ہاتھ میں دنیا کی دولت اور طاقت ہے اور وہ کسی اور کو آگے نہیں دیتے۔ وہ اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ دولت اور طاقت کا ارتکاز قائم رہے۔''

''اوہ ہو۔''

''اور اس کے بارے میں کوئی لب کشائی نہیں کرتا۔ ان کی سیکورٹی ناقابل تسخیر ہے۔ ان کے فیصلے حتمی ہوتے ہیں، جن کے خلاف کہیں اپیل نہیں کی جا سکتی۔ فرض کر لو کہ کلب یہ فیصلہ کرتا ہے کہ ارجنٹائن کو دیوالیہ ہونا ہے، تو اب ارجنٹائن اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کر سکتا، خواہ وہاں جمہوریت ہو یا آمریت۔''

''تمہارے خیال میں یہ درست ہے؟'' اُس کی بیوی نے پوچھا

''اس سے عالمی استحکام پیدا ہوتا ہے۔''

''ان کے فیصلوں کے نتیجے میں جو افراد یا قومیں ہارتی ہیں، ان کے بارے میں کیا کہو گے؟''

''کسی نہ کسی کو تو ہارنا ہی ہوتا ہے ڈیئر۔'' جیمز رچرڈ نے کہا۔

''ہاں......یہ تو ہے۔ خیر، دفع کرو۔''

رچرڈ نے گہری سانس لی اور بیوی کے رخسار کو چھوتے ہوئے کہا۔ ''اب ایک ہفتے بعد تم سے ملاقات ہو گی۔'' یہ بات کہتے ہوئے اُس نے روم کا تصور کیا۔ وہاں کیسے کیسے لوگ ملیں گے۔ یہ سوچ کر اُس کے منہ میں پانی بھر آیا۔

جہاز لینڈ کر رہا تھا۔ کھڑکی کے ساتھ بیٹھے مسافر باہر کا نظارہ کر رہے تھے۔ لیونارڈ ڈاونچی ایئرپورٹ کسی فوجی کیمپ کا منظر پیش کر رہا تھا۔ جیمز رچرڈ کو اپنی فرسٹ کلاس کی سیٹ سے ایئرپورٹ سے ملنے والی تمام سڑکوں پر ٹینکوں کی نقل وحرکت دکھائی دے رہی تھی۔ اوپر ہیلی کاپٹر چکرا رہے تھے۔

جیمز رچرڈ نے اس طرح کی سیکورٹی کا انتظام پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بلڈر برگ کانفرنس پہلے بھی ہوتی رہی تھیں۔ مگر یہ بھی ہے کہ اس سے پہلے اتنی بڑی تعداد میں عالمی لیڈر ایک جگہ اکٹھا نہیں ہوئے تھے۔ اسے ایئرپورٹ کے سیکورٹی انچارج پر ترس آنے لگا۔ اُس کا کام کتنا مشکل تھا۔ نیوکلیر ہتھیار اب اتنے مختصر ہو گئے تھے کہ ایک بریف کیس میں بھی سما سکتے تھے۔ کوئی دیوانہ معمولی سا ہاتھ دکھا دے تو اس وقت بین الاقوامی سطح پر اہم ترین ممالک میں قیادت کا بحران پیدا ہو سکتا تھا۔

یہ ایک ہفتہ بہت سخت تھا۔ جیمز رچرڈ کے ساتھ تین اور آدمی تھے، جو اس کانفرنس کو کور کر رہے تھے۔ ایک آدمی شمال میں چھ کلو میٹر دور اس ہوٹل میں تھا، جہاں کانفرنس ہونے والی تھی۔ جیمز رچرڈ کو دن میں دو بار اپنی رپورٹ فائل کرنی تھی۔ لیکن بہرحال روم مواصلاتی نکتہ نظر سے آئیڈیل شہر تھا۔

کیب میں بیٹھ کر شہر جاتے ہوئے اسے ٹریفک جام کا سامنا کرنا پڑا۔ اُس نے ڈرائیور سے اشارے سے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے۔ جواب میں ڈرائیور نے کندھے جھٹک دیے۔ رچرڈ نے ادھر ادھر دیکھا۔ اسے معذور افراد کا ایک گروہ نظر آیا۔ ان میں دو بیساکھیاں لیے ہوئے تھے۔ ایک وھیل چیئر میں بیٹھا تھا۔ پھر ایک فیملی تھی۔ مرد کا چہرہ بری طرح جھلسا ہوا تھا۔ عورت اندھی تھی۔ اُسکے ایک ہاتھ میں چھڑی تھی اور دوسرے ہاتھ کی مدد سے اُس نے ایک بچے کو گود میں اٹھا رکھا تھا۔

پھر ایسا ہی ایک گروپ ایک اور سمت جاتا نظر آیا۔ اُس نے پھر اشارے سے ڈرائیور سے استفسار کیا۔

''کون جانے۔'' ڈرائیور نے کہا۔ ''پچھلے تین دنوں سے یہ لوگ آئے چلے جا رہے ہیں...... بسوں سے، ٹرینوں سے۔ سینٹ پیٹرز اسکوائر ان لوگوں سے بھر گیا ہے۔ اودھم مچا رکھا ہے ان لوگوں نے۔''

تھوڑی سی جگہ بنی تو ٹیکسی اندھی عورت کے پیچھے پیچھے آہستہ آہستہ چلنے لگی

رچرڈ نے دیکھا کہ بچہ بھی جلا جھلسا ہوا تھا۔ اُس کی حالت دیکھ کر وہ اُس آگ کی ہولناکی کا تصور کر سکتا تھا۔ زخم مندمل ہو چکے تھے۔ مگر جلنے کے وہ نشان بے حد خوفناک تھے۔ اُس کے جسم میں تھرتھری سی دوڑ گئی۔ اُس کی طبیعت بگڑنے لگی تھی۔ اُس نے منہ پھیر لیا۔ وہ کسی بھی قسم کی بدنمائی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ معذوروں کو دیکھ کر اسے اندر سے کچھ ہونے لگتا تھا۔

ہوٹل کے صدر دروازے پر کانفرنس کے شرکا کے قومی پرچم اور چھ زبانوں میں خیر مقدمی بینر لگے تھے

میسن نے پہلے ہی چیک کر لیا تھا کہ بیشتر وفود نے اسی ہوٹل میں قیام کا فیصلہ کیا تھا۔ اور میسن کو امید تھی کہ کچھ اہم لوگوں سے بار میں ملاقات ہو جائے گی۔

وارسا پیکٹ بلاک آدھا میل دور تھا۔ چینی وفد نے قیام کے لیے مضافات کے ایک چھوٹے سے ہوٹل کا انتخاب کیا تھا۔

میسن کے پاس ضروری فون کرنے، اخبار پڑھنے اور اپنا کالم بھجوانے کے لیے چار گھنٹے کی مہلت تھی۔ اگلے روز افتتاحی اجلاس منعقد ہونا تھا۔ مگر دشواری یہ تھی کہ میسن ارتکاز سے محروم تھا۔ وہ اسے جھلسے ہوئے بچے کے تصور کو ذہن سے جھٹک نہیں پا رہا تھا۔

چھ بجے تک اُس نے جیسے تیسے کالم مکمل کر کے ٹیلیکس آپریٹر کو تھما دیا اور خود بار کی طرف چل دیا۔ بار میں اُس نے ادھر اُدھر دیکھا تو سب سے پہلے اسے ایک جانا پہچانا خوش گوار چہرہ نظر آیا۔ وہ اُس کی طرف بڑھا اور اُس سے ہاتھ ملایا۔ ''تم یہاں کیسے؟'' اُس نے پوچھا۔

''مجھے جیک میسن نے یہاں بھیجا ہے۔'' اینا برامپٹن نے کہا۔ ''میں تم پر نظر رکھوں گی کہ تم بھی اپنا وعدہ پورا کر رہے ہو یا نہیں۔''

''اس بات پر شاید مجھے غصہ آنا چاہیے۔''

''تو کیا آیا ہے؟''

وہ مسکرایا اور اُس نے بارمین کو اشارہ کیا۔ پھر اُس سے مخاطب ہوا۔ ''ذرا بھی نہیں۔'' اُس نے بے حد سچائی سے کہا۔ اینا اسے اچھی لگتی تھی۔ اور یہاں اسے دیکھ کر وہ خوش ہوا تھا۔ دوسرے اسے اینا کو بلڈر برگ کلب کے بارے میں سمجھانے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اس کے بارے میں پہلے ہی سے جانتی تھی۔

٭

کوئی نہیں جانتا تھا کہ معذروں کے اس اجتماع کا اہتمام کس نے کیا ہے۔ نہ اُس کے لیے خصوصی بسیں چلائی گئی تھیں نہ خصوصی ٹرینیں۔ نہ ان کا کوئی لیڈر تھا نہ ترجمان، نہ کہیں کوئی بینر لگا تھا، نہ ان کی کوئی شناخت تھی۔ بس وہ لنگڑی لولی محتاج انسانیت کا اجتماع تھا۔

ابتدا میں جب چند معذور لوگوں نے سینٹ پیٹرز اسکوائر میں پوزیشن سنبھالی، تو کسی نے انہیں نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ مقامی لوگوں نے ان کے لیے جگہ بنا رکھی تھی۔ کچھ نے کراہت کا اظہار کرتے ہوئے اور کچھ کے انداز میں ہمدردی تھی۔ پولیس نے بھی انہیں ہٹانے کی کوشش نہیں کی۔ جیسے وہ کسی کو نظر ہی نہیں آ رہے تھے۔

لیکن جب ان کی تعداد بڑھنے لگی تو انہیں نظر انداز کرنا ممکن نہ رہا۔ چوتھے دن تو صورتِ حال یہ ہوگئی کہ اسکوائر کھچا کچ بھر گیا اور سائیڈ اسٹریٹ بھی بھرنے لگیں۔ ان میں مرد بھی تھے، عورتیں بھی اور بچے بھی۔ لیکن ثابت و سالم ان میں کوئی بھی نہیں تھا۔ کسی کا ہاتھ ندارد تھا تو کسی کی ٹانگ اور کسی آنکھیں، اور جو معذور نہیں تھے، وہ کسی بھیانک آگ سے جلے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر احساس ہوتا تھا کہ ان کا زندہ رہ جانا ایک معجزہ ہی ہے۔

اُس شام چند رپورٹرز نے ان لوگوں سے بات کرنے کی کوشش کی۔ لیکن انہیں کوئی جواب نہیں ملا۔ البتہ ان کی تصویریں ضرور اتاری گئیں۔ سمجھ میں یہی آیا کہ وہ ایک خاموش مظاہرہ ہے، جس کے پیچھے کوئی سیاسی محرک نہ ہے۔ رپورٹرز حیران تھے، کیونکہ معذور لوگ کوئی احتجاج نہیں کر رہے تھے۔ وہ کانفرنس کے شرکا، سیاست دانوں اور ویٹیکن کے رہنماؤں کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش بھی نہیں کر رہے تھے۔ وہ تو بس ہزاروں کی تعداد میں خاموشی کے ساتھ جیسے انسانیت کے زخموں اور دکھوں کی نمائش کر رہے تھے......

ان کے درمیان قدرِ مشترک ایک ہی تھا...... ان کا سا ہونا! وہ یا تو یہودی تھے یا عرب۔ اور ایک اور قدرِ مشترک جو سبھی کو دکھائی دے رہی تھی، یہ تھی کہ وہ ایک بہت بڑی تباہی سے بچ نکلنے والوں میں سے تھے...... ارمگیدون کی جنگ میں بچ رہنے والے!

......❁......

لیموزین میں بیٹھ کر پیری فورڈ جاتے ہوئے بل جیفریز نے اپنی گھڑی میں وقت دیکھا۔ اُس کے پاس ڈیمین تھورن کے ساتھ گزارنے کے لیے پندرہ منٹ کی مہلت تھی۔ اُس کے بعد اسے ہیتھرو ایئرپورٹ کے لیے روانہ ہونا تھا۔

وہ شیڈول کے مطابق چل رہا تھا۔ لیکن نوجوان ڈیمین سے ملاقات ہمیشہ اسے نروس کر دیتی تھی۔ بوہر نے ایک بار اسے بتایا تھا کہ ڈیمین سے ملاقات پر اُس کی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ وہ بڑے بڑے لوگوں سے ملاقات پر بھی کبھی اتنا نروس نہیں ہوا تھا۔

ڈیمین جونیئر اور ڈیمین سینیئر میں بہت کچھ مشترک تھا۔ دونوں کے ذہن تجزیاتی تھے۔ دونوں کی یادداشت فوٹوگرافک تھی۔ دونوں ایک پل میں بات کی گہرائی تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ دونوں منتقم مزاج اور معاف نہ کرنے والے تھے۔

گاڑی رکی اور بل جیفریز اترا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

ڈیمین آتش داں کے سامنے بیٹھا تھا۔ اُسکے جسم میں تھرتھری تھی۔ وہ ٹی وی اسکرین کو غور سے دیکھ رہا تھا، جس پر ایک جہاز کو روم ایئرپورٹ پر لینڈ کرتے دکھایا جا رہا تھا۔ اُس کے بعد کاروں کے جلوس کا ایک منظر تھا، جو وفد کے ارکین کو ان کے ہوٹل لے جا رہا تھا۔

ڈیمین نے بل جیفریز کو سر اٹھا کر دیکھا اور مسکرایا۔ لیکن جیفریز کو احساس ہو گیا کہ وہ بے حد تھکا ہوا لگ رہا ہے۔ لیکن اُس نے کہا کچھ نہیں۔ وہ جانتا تھا کہ اسے اس بات کا حق نہیں ہے۔

''رپورٹس ہیں تمہارے پاس؟'' ڈیمین نے پوچھا۔

جیفریز نے اثبات میں سر ہلایا اور رپورٹس کا پلندہ اُس کی طرف بڑھا دیا۔

ڈیمین نے کاغذات کا جائزہ لیا۔ پھر ایک جگہ انگلی سے تھپتھپایا۔ ''سائمن، پیکنگ۔'' پھر اُس کی انگلی ایک اور جگہ رکی۔ ''براڈوک، واشنگٹن۔'' پھر اُس نے ماسکو کی رپورٹ دیکھی۔ ''گڈ..... تو سب کچھ طے ہو چکا ہے۔'' وہ بولا۔

ایک میمو یورپین ڈیسک سے بھی تھا۔ جیفریز نے وہ اُس کی طرف بڑھایا۔ مگر اُس نے نفی میں سر ہلایا اور دوبارہ ٹی وی اسکرین کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''آپ کو ایجنڈے کی کاپی چاہیے؟'' جیفریز نے پوچھا۔

ڈیمین نے ہاتھ اٹھا کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر وہ آگے کی طرف جھکتے ہوئے اسکرین کو غور سے دیکھنے لگا۔ جس پر اب سینٹ پیٹرز برگ اسکوائر میں بھرے معذوروں کو دکھایا جا رہا تھا۔ مبصر بتا رہے تھے۔ کہ یہ ایک خاموش اور پروقار احتجاج ہے۔ یہ ایک ایسی ریلی ہے، جس کے پیچھے کوئی تنظیم، کوئی نام نہیں ہے۔

اسکرین پر اب ایک عورت کو دکھایا جا رہا تھا جو ایک شیر خوار بچے کو اپنی چھاتیوں سے لگائے ہوئے تھی۔ وہ کلوز اپ تھا۔

''ایجنڈا ڈیمین......''

ڈیمین نے پھر ہاتھ بلند کیا۔ ''میں اس وقت یہ ٹی وی دیکھ رہا ہوں۔''

اسکوائر کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ بلکہ ذیلی سڑکوں پر بھی معذوروں کا ہجوم تھا۔ ہر مرد، ہر عورت اور ہر بچہ جو دیکھ سکتا تھا، ایک ہی سمت دیکھ رہا تھا۔ جنوب مشرق کی سمت اور جو دیکھ نہیں سکتے تھے، وہ بھی اسی طرف اشارہ کر رہے تھے۔

پھر بغیر کسی حکم کے، خود بہ خود وہ سب ایک ساتھ گھٹنوں کے بل جھک گئے۔ فضا ہڈیوں کی کڑکڑاہٹوں سے اور کراہوں سے گونج اٹھی۔

''یہ سب کیا ہے؟'' جیفریز نے سرگوشی میں پوچھا۔

''تباہ شدہ ملکوں کی باقیات۔'' ڈیمین نے کہا۔ ''اب یہ بے وقوف اپنے اپنے خدا سے دعا کر رہے ہیں۔ یہودی اور عرب...... مشترکہ اذیت نے انہیں ازلی دشمنی بھلا کر ایک ہو جانے پر مجبور کر دیا ہے۔''

وہ دیکھ رہے تھے کہ مذہبی رہنما ہجوم کے درمیان آ گئے اور لوگوں کو خیر کی دعا دینے لگے۔

''جیسے سڑے ہوئے گوشت کے درمیان گدھ۔'' ڈیمین نے بے رحمی سے کہا۔ اور جیفریز نے دیکھا کہ وہ مسکرا رہا ہے۔

جیفریز کی ٹی وی میں دلچسپی ختم ہو گئی۔ البتہ وہ ڈیمین کو توجہ سے دیکھتا رہا۔ ڈیمین اب مسکرا نہیں رہا تھا۔ اُس کی نگاہیں جیسے اس مجمع میں کسی

خاص چیز کی متلاشی تھیں۔ وہ مردوں، عورتوں اور بچوں کے درمیان بھٹک رہی تھیں۔ ایک لمحے کو اُس کی نظر سوتے ہوئے ایک بچے پر رکی۔ پھر ایک لڑکے پر جو دعا کر رہا تھا۔ لیکن اپنی اذیت نہیں چھپا پا رہا تھا۔

''ایک بار پال بوہر نے مجھ پر تنقید کرنے کی جرات کی تھی۔'' لڑنے نے کہا۔ ''وہ میرے باپ سے میرا موازنہ کر رہا تھا۔''

جیفریز نے اثبات میں سر ہلایا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس ردعمل کا مظاہرہ کرے۔

''پتا ہے، ایک لمحے کو میں ترغیب کے جال میں پھنس گیا تھا۔ لیکن پھر میں نے خود کو اُس سے نکال لیا۔''

جیفریز نے پھر سر کو تفہیمی جنبش دی۔ اب وہ منتظر تھا کہ ڈیمین اپنی بات کی وضاحت کرے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ڈیمین نے سر گھمایا اور دوبارہ ٹی وی اسکرین پر موجود ہجوم کو گھورنے لگا۔ ہجوم کے لوگ اب سر اٹھا کر ایک آواز میں کچھ گنگنا رہے تھے۔ یہودی اور عرب ایک زبان ہو کر نعرے لگا رہے تھے۔

''شیر اور بکری ایک ہی گھاٹ پر موجود ہیں۔'' ڈیمین بڑبڑایا۔ ''کیسا تماشا ہے۔''

کیمرے نے زوم ان کر کے لمبی سفید داڑھی والے ایک بوڑھے عربی کو دیکھا، جس کے لب حرکت کر رہے تھے، اور اُس نے آنکھیں یوں سکیڑ رکھی تھیں جیسے اُس نے کوئی خاص بات دیکھ لی ہو۔ بلکہ جیفریز کو تو ایسا لگا کہ وہ اور ڈیمین براہ راست ایک دوسرے کو گھور رہے ہیں۔

پھر ڈیمین مسکرایا......

بوڑھا آدمی اس وقت اپنے خدا کے روبرو تھا اور دعا کر رہا تھا...... اندھیرے چھٹ جانے کی، مایوسی اور دکھوں کے بادل چھٹنے کی، امن اور سکون اور محبت کا سویرا طلوع ہونے کی۔ یہ وہ نہیں پوچھ رہا تھا کہ یہ سب کیوں ہوا۔ وہ جانتا تھا کہ خدا اپنے اسرار اور رموز کسی پر نہیں کھولتا۔ وہ تو بس اُس سے رہنمائی طلب کر رہا تھا، انسانیت کی کمزوریوں کو طاقت میں تبدیل کرنے کی دعا کر رہا تھا۔ گڑگڑا رہا تھا کہ خدا اپنے بندوں پر سے اپنا غضب اٹھا لے، اور اپنے بندوں کو اپنا سیدھا راستہ دکھائے۔

وہ دعا کر رہا تھا کہ اب دنیا میں مزید خون خرابہ نہ ہو اور وہ خوش حالی اور امن کے عہد میں داخل ہو جائے، جس کی پیش گوئی کی گئی ہے اور وہ بوڑھا عربی تجدید ایمان کا اعلان کر رہا تھا۔ وہ خدا سے دنیا کے حکمرانوں کی شیطنت پر معذرت کر رہا تھا، جن کی ہوس ملک گیری، اخلاقی اندھے پن اور خوف ناک بموں نے دنیا بھر کے انسانوں کو اذیت میں مبتلا کر دیا تھا۔

پھر ایک جملے کے درمیان وہ ٹھٹھکا، اُس نے خاموش ہو کر سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ لیکن اُس کی نگاہوں کا خالی پن بتا رہا تھا کہ اسے وہاں کچھ نظر نہیں آ رہا ہے۔ اُس کی دعا کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے کسی نے برقی پلگ اچانک نکال دیا ہے۔ اس کا خدا سے رابطہ جیسے منقطع ہو گیا تھا۔ اُس نے ادھر ادھر دیکھا۔ اُس کے چہرے پر حیرانی ابھری۔ کیونکہ وہ اکیلا تھا۔ اور اس کے نتھنوں میں گیدڑوں اور گوشت خور جانوروں کی بدبو رچی ہوئی تھی۔

اُس نے سر جھکا اور نگاہ نیچی کی۔ اُس پر تھرتھری چڑھ گئی۔ وہ اپنی گود میں ایک چھوٹے سے عفریت کو اٹھائے ہوئے تھا جو چیخ چیخ کر مغلظات بک رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں زرد تھیں اور وہ اپنے نکیلے پنجے بار بار اُس کی طرف بڑھا رہا تھا۔ وہ بہت زور سے چلایا اور عفریت کو اپنے سر سے

بھی اوپر تک بلند کرتے ہوئے پوری قوت سے اسے زمین پر پٹخ دیا۔لیکن اب گوشت خوراُسکی ٹانگوں سے لپٹ گئے تھے۔وہ حرکت کرنے کے قابل نہیں تھا۔ان کے نکیلے پنجے اُس کے جسم کو نوچ رہے تھے۔ان کی بدبو سے اُس کا دم گھٹ رہا تھا۔وہ اُس کی پنڈلیاں اور گھٹنے نوچنے لگے۔ بالآخر وہ گر گیا۔ان کے پنجوں کا نشانہ اب اُس کا حلق تھا۔اُس کی آنکھوں میں اور منہ میں خون بھر گیا۔اُس نے خدا کو پکارنا چاہا۔مگر اُس کے حلق سے آواز ہی نہیں نکلی۔اور اب......اب تو اسے خدا کا نام بھی یاد نہیں تھا۔اسے تو اپنا نام بھی یاد نہیں تھا۔ہر طرف اندھیرا نظر آ رہا تھا،اور اسے سردی لگ رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اُس کی دعائیں ناکام ہوگئی ہیں،اور آخری لمحوں میں اسے اکیلا چھوڑ دیا گیا ہے۔

اسکوائر میں جو بدنظمی پھیلی،وہ سائیڈ اسٹریٹس تک بھی پہنچ گئی۔سوائے ان چھ سات افراد کے جو بوڑھے شخص کے قریب موجود تھے،کسی کو پتا نہیں چلا کہ وہ سب کیسے شروع ہوا۔ایک لمحہ پہلے وہاں امن تھا اور اگلے ہی لمحے تشدد اور بدامنی،صرف چند افراد ہی دیکھ سکے تھے کہ ہوا کیا ہے۔عربی نے اپنی گود میں اٹھائے ہوئے عرب بچے کو اچانک ہی اٹھا کر پٹخ دیا تھا اور چیخ چیخ کر اُسے گالیاں دے رہا تھا۔پھر وہ پلٹ کر بھاگا۔لیکن اُس کی رفتار تیز نہیں تھی۔وہ پکڑا گیا۔

عرب عورت نے جھپٹ کر اپنے بچے کو اٹھایا اور بچے کے باپ نے بڈھے عربی کو گھٹنوں سے تھام کر نیچے گرا دیا۔پھر وہ اسے پوری قوت سے مارنے لگا۔وہ جوان آدمی تھا،لیکن ایک ہاتھ سے محروم۔اُس کا اکلوتا ہاتھ عربی کی آنکھوں اور اس کے منہ پر ہتھوڑے کی طرح برس رہا تھا۔بڈھا عربی بری طرح چیخ رہا تھا۔پھر دو اور عرب بھی اُس پر پل پڑے۔انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ کیا ہوا ہے۔یہ یہودی صدیوں سے ان سے نفرت کرتے آئے ہیں۔انہوں نے کبھی ان سے وفا نہیں کی،کوئی عہد نہیں نبھایا،تو اب کیسے ان کا ساتھ دیں گے۔

ذرا دیر میں ہی بڈھا عربی بے حال ہوگیا۔اُس کے دانت ٹوٹ گئے،آنکھ پھوٹ گئی۔اور وہ خون میں نہا گیا۔

یہ ماجرا دیکھا تو دو لنگڑے یہودی جوان،عربی کی حمایت میں میدان میں اتر آئے۔اس کے بعد دو اندھے یہودیوں نے بھی معاملہ بھانپ لیا۔عرب جوانوں کی آوازوں سے انہیں اندازہ ہوگیا کہ یہ خاموش مظاہرہ عرب اسرائیل جنگ میں تبدیل ہو چکا ہے۔انہوں نے بڈھے عربی کی چیخ پکار بھی سن لی تھی۔

اگلے چند منٹوں میں وہاں واقعی عرب اسرائیل جنگ کا سماں بندھ گیا۔یہودی چیخ رہے تھے......اپنے لیڈروں کی تقریروں کے الفاظ دہرا رہے تھے۔اب ہم امن کے نام پر خاموشی سے ظلم نہیں سہیں گے۔ہم دانت بھینچ کر اپنی اذیت اور فریاد کا گلا نہیں گھونٹیں گے۔اب دوسرے ہم پر زیادتی کریں گے تو ہم ان کا جواب زیادتی ہی کی شکل میں دیں گے۔خواہ زیادتی کرنے والے آریائی ہوں یا عرب۔

وہ لڑائی بہت تیزی سے پھیل گئی۔تشدد بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح تھی۔اندھے،لنگڑے،لولے لوگ ایک دوسرے کو بے رحمی سے مار رہے تھے، نوچ کھسوٹ رہے تھے،اسکوائر،غصے کے دہکتے ہوئے تیل سے بھری کڑاہی بن گیا تھا۔کچھ لوگوں کی دیوانگی وحشت میں تبدیل ہوگئی تھی۔وہ سرعام عورتوں کے ساتھ زیادتی کر رہے تھے۔انسان جانوروں سے بدتر ہوگیا تھا۔انسانیت شرم سے منہ چھپائے رو رہی تھی۔ہر طرف دہشت بھری چیخیں تھیں۔

ڈیمین مسکرایا اور اُس نے سر گھما کر جیفریز کو دکھا، جو حیرت سے منہ کھولے، آنکھیں پھاڑے ٹی وی اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔

''اور نزارین نے کہا تھا کہ اپنے پڑوسیوں سے محبت کرو۔'' ڈیمین نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

جیفریز نے اسے دیکھا اور پلکیں جھپکا کر رہ گیا۔

''تمہاری فلائٹ کا وقت کیا ہے؟'' ڈیمین نے اُس سے پوچھا۔

''ساڑھے تین بجے۔''

ڈیمین نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ ''اس وقت تک کباڑا صاف ہو چکا ہوگا۔''

٭

جیک میسن کا خیال تھا کہ بڑے سے بڑے واقعے کی خبر اسے جذباتی اعتبار سے متاثر نہیں کر سکتی۔ یہ اس کے لیے ایک اعتبار سے قوت تھی تو دوسرے اعتبار سے کمزوری۔ وہ جذباتیت کو بالائے طاق رکھ کر کسی بھی واقعے یا صورتِ حال کا عقلی تجزیہ کر سکتا تھا۔ دوسری طرف جن عورتوں سے اس کے تعلقات تھے، وہ اسے گلیشیئر قرار دیتی تھیں۔ وہ ان کا نکتہ نظر سمجھتا تھا۔ لیکن اس کی کوئی پروا نہیں تھی۔ یہ اُس کی فطرت تھی۔

لیکن روم کے مناظر نے اسے جذباتی طور پر توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ اینا سے فون پر بات کرتے ہوئے اُس نے بڑی مشکل سے اپنے آنسوؤں پر قابو رکھا۔ ''تم...... تم وہاں موجود تھیں۔؟'' اُس نے اینا سے پوچھا۔

''نہیں۔ تمہاری طرح میں نے بھی ٹی وی پر ہی دیکھا تھا۔''

''یہ سب کیوں ہوا؟ کون ذمہ دار ہے اس کا؟''

''کون جانے؟''

''میسن کو اس کی آواز میں چڑچڑاپن اور دل شکستگی محسوس ہوئی۔ لیکن اُس نے سوچا، شاید رابطہ اچھا اور صاف نہیں ہونے کی وجہ سے اسے ایسا لگ رہا ہے۔ حالانکہ اندر سے وہ جانتا تھا کہ ایسا نہیں ہے۔

''جتنے منہ اتنی باتیں۔'' اینا کہہ رہی تھی۔ ''کوئی اسے اجتماعی ہسٹیریا قرار دے رہا ہے تو کوئی اجتماعی وحشت۔ بس ایک بات یقینی ہے۔ وہ یہ کہ اس کا آغاز ایک پاگل عربی نے کیا تھا۔

''یہ تو مجھے بھی معلوم ہے۔ مگر کیوں؟''

''کون جانے؟'' اینا کی آواز میں پھر وہی چڑچڑاپن اور آزردگی در آئی۔ ''میں آج صبح وہاں گئی تھی۔ لیکن اسکوائر خالی کرایا جا چکا تھا۔ وہاں ٹوٹی ہوئی بیساکھیوں کے ڈھیر اور خون آلود وہیل چیئرز کے سوا کچھ نہیں تھا۔''

''خدایا!'' میسن کراہا۔

''میرا خیال ہے، خدا کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' اینا نے سرد لہجے میں کہا۔ ''خیر، پھر ہم اسپتال گئے۔ اسپتال والے پاگل ہو گئے

ہیں۔ وہ یہ بوجھ اٹھا ہی نہیں سکتے۔ جو مناظر میں نے دیکھے، وہ ایسے ہیں، جیسے جنگ کے بعد دیکھنے میں آتے ہیں۔ بہت بڑی تعداد میں جسمانی اور ذہنی طور پر معذور لوگ، شدید زخمی، اب اس سے پہلے کہ تم یہ بات پوچھو، میں خود ہی بتادوں کہ تازہ ترین اعداد وشمار کے مطابق دس افراد ہلاک ہوئے، جن میں تین بچے شامل ہیں زخمیوں کی تعداد درجنوں میں ہے۔ افسوس ناک بات یہ ہے کہ وہ سب پہلے ہی معذور تھے۔''

چند لمحے خاموشی رہی۔ میسن اپنے دماغ کو اس کتاب پر مرکوز کرنے کی کوشش کر رہا تھا، جو اسے لکھنی تھی۔ ''اور اصل کام کے بارے میں بھی بتاؤ'' اُس نے کہا۔ ''معاملات کیسے جا رہے ہیں۔''

''زیرو۔ یہاں راز داری ایسی ہے کہ کچھ جاننا ممکن ہی نہیں۔ وفود جس ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں، اُس سے کبھی باہر ہی نہیں آتے اور ہمارا ہوٹل میں داخلہ ناممکن ہے۔''

''تم نے جیفریز کو ٹرائی کیا؟''

''ہاں۔ ان گنت پیغام چھوڑے۔ جواب ایک بھی نہیں ملا۔ اب اور کیا کروں؟ پھول بھجواؤں اسے؟''

''کیوں نہیں۔ اس میں حرج ہی کیا ہے؟''

''میں تمہاری خاطر ادا فروشی بھی کر لیتی جیک۔ مگر دشواری یہ ہے کہ وہ طوائفوں کو بھی اندر نہیں جانے دے رہے ہیں۔''

''خدا کی پناہ، میں تو یہ کام شروع کر کے پچھتا رہا ہوں۔ کاش، شروع ہی نہ کیا ہوتا۔''

''بس روشنی کی ایک کرن ہے ہمارے پاس...... رچرڈز۔ اُس کا کہنا ہے کہ ایک اطولوی شخص ہے، جس پر اُس نے کبھی احسان کیا تھا۔ اُس نے کہا ہے کہ کانفرنس کے اختتام پر وہ اُس سے رابطہ کرے گا۔''

لیکن اب میسن سن ہی نہیں رہا تھا۔ ٹی وی پر دوبارہ اس ہنگامے کے منظر دکھائے جا رہے تھے، جسے اخبارات نے معذروں کی جنگ قرار دیا تھا۔ انہیں دیکھتے ہوئے وہ اپنی کتاب کو بھول ہی گیا۔

⁂

جیمز رچرڈ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اینا برامپٹن کے حد سے بڑھے ہوئے التفات پر اترائے یا اُس سے ڈرے۔ عورتوں کا التفات اُس کے لیے کوئی نئی چیز نہیں تھا۔ یہ الگ بات کہ اُس نے کبھی خود کو کسی کے ساتھ ملوث نہیں ہونے دیا۔ وہ دوستوں کو بتاتا تھا کہ اُس کی زندگی میں ایسے موقع کی کبھی کمی نہیں ہوئی خاص طور پر غیر ملکی دوروں کے درمیان۔ لیکن اسے ہمیشہ اپنی پوزیشن کا خیال رہتا تھا۔ اور پیشہ ورانہ بددیانتی کی شکل میں وہ نسوانی قربت کی قیمت ادا کرنے کا قائل نہیں تھا۔

اُسکا خیال تھا کہ اُسکے ہم پیشہ دوست اُس کی عزت کرتے ہیں۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ اسے زاہد خشک اور بور کہتے ہیں...... مگر پیٹھ پیچھے۔

بہر حال یہ حقیقت تھی کہ اینا اُس سے کچھ اگلوانے کے لیے بری طرح اُس کے پیچھے پڑی ہوئی تھی۔ لیکن وہ اُس کی ذہانت کا قائل ہو گیا تھا۔ اُس نے بہت کم وقت میں اُس کی کمزوری بھانپ لی تھی، اور اسے قائل کر لیا تھا کہ وہ اس رات اسے جیووانی سے ملوائے گا۔ اُس نے کہا تھا...... یہ

ناممکن ہے کہ تم جیسا آدمی بلڈربرگ کلب میں کسی کو نہ جانتا ہوں۔ کسی نہ کسی کو تو جانتے ہی ہو گے تم۔

اور یہ حقیقت تھی۔ فیاٹ کمپنی کا جیووانی ایک معاملے میں اُس کا احسان مند تھا، چنانچہ اُس نے جیووانی کو فون کیا اوڈنر طے کرلیا۔ بعد میں اُسے احساس ہوا کہ اینا نے اُس کے پیشہ ورانہ وقار کو اپنے حق میں بڑی چالاکی سے استعمال کیا تھا۔ بہر حال اسے اس پر افسوس بھی نہیں ہوا۔ انہیں ڈنر ہوٹل ہی میں کرنا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس ڈنر کا انجام اُس کے نشے میں دھت ہونا ہوگا۔ لیکن وہ اس امر کا مستحق تھا۔ دو ہفتے سے وہ دو مختلف کہانیوں پر کام کر رہا تھا۔ اُس نے خود کو تھکا مارا تھا۔ مگر لاحاصل۔ کانفرنس میں مشترکہ اعلامیہ جاری ہوا تھا۔ مگر اس کے باوجود کسی کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہاں کیا فیصلے ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں بین السطور پڑھنے والے بھی ہار گئے تھے۔

اُس نے اپنا لکھا ہوا آخری کالم پڑھا۔ حقائق کیونکہ میسر نہیں تھے، اس لیے اُس میں مفروضے ہی مفروضے تھے۔ اس نے دو اور دو کو جمع کر کے حاصل جمع آٹھ بتایا تھا۔ لیکن اُس کا آخری تجزیہ یہی تھا کہ کسی بڑے طوفان کی علامات صاف نظر آرہی ہے۔ مشرق وسطیٰ اب محض ایک صحرا تھا۔ اس لیے فلیش پوائنٹ اب مشرق بعید بن رہا تھا۔ اب روس بمقابلہ چین کہانی کا عنوان تھا اور امریکہ اس تصادم کے امکان کو سائیڈ لائن پر کھڑا ہو کر پر تشویش نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ تیسری جنگ عظیم ناگزیر تھی۔

اب جبکہ وہ اپنا کام نمٹا چکا تھا تو وہ تفریح کا مستحق تھا۔ چالاک حاضر جواب جیووانی کے ساتھ وقت بہت اچھا گزرتا تھا۔ اور اینا؟ اینا کے نام کے آگے ایک سوالیہ نشان تھا۔ مگر بہت خوب صورت سوالیہ نشان۔

ٹائی باندھتے ہوئے وہ آئینے میں اپنے عکس کو دیکھ کر مسکرایا۔ عقب میں ٹی وی پر وفود کے ہوٹل سے رخصت ہونے کے منظر دکھائے جا رہے تھے۔ عنقریب وہ سب اپنے اپنے ملک پہنچ جائیں گے اور اپنے بڑوں کو رپورٹ دیں گے کہ کاسہ سفارت خالی کا خالی ہے انہیں کچھ بھی نہیں ملا ہے۔

اُس نے ایک گہری سانس لی اور ٹی وی کو آف کر دیا۔ پھر وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ کھانے کے بارے میں سوچ رہا تھا، جو اسے کھانا تھا۔ مگر اُس کے ذہن میں تاریخی حوالے ناچ رہے تھے۔ مثلاً روم جل رہا تھا اور نیرو بانسری بجا رہا تھا۔ انگریز دہلی میں داخل ہوئے تو آخری مغل بادشاہ شطرنج کھیل رہا تھا اور ٹائی ٹینک غرق ہوا، تو بینڈ نے ایک دھن چھیڑ رکھی تھی۔

شاید یہ بھی ویسی ہی ایک رات تھی!

⁂

ڈنر کامیاب ثابت ہوا۔ کھانا بہت شان دار تھا اور شراب بہت خوش ذائقہ۔ ویٹرز انہیں بھر پور توجہ دے رہے تھے، لیکن مخل بھی نہیں ہو رہے تھے۔ ان کے درمیان گفتگو از ذہانت مگر بے ساختہ تھی۔ ان کے لباس رسمی تھے۔ دونوں مرد ڈنر جیکٹ میں تھے اور اینا سادہ ڈریس میں بے حد حسین لگ رہی تھی۔ رچرڈ کو اس بات کی بھی خوشی تھی کہ اینا محظوظ ہوتی لگ رہی تھی۔ لیکن وہ رچرڈ کے مرکزی کردار ادا کرنے میں مزاحم نہیں ہوئی تھی۔

یہ بات ان کے درمیان پہلے ہی طے ہوگئی تھی کہ بل رچرڈ ادا کرے گا...... یعنی اُس کا اخبار۔ اس پر اینا نے بہت بحث کی تھی۔ لیکن رچرڈ نے اپنی بات منوا کر ہی دم لیا تھا۔ چنانچہ اب میزبان کی حیثیت سے وہ بھرپور انداز میں لطف اندوز ہو رہا تھا۔

دراز قد اور دبلا پتلا جیووانی بے حد پرکشش آدمی تھا۔ اس کی عمر 55 سال تھی۔ ایک عرصے تک وہ افواہ طرازوں کا پسندیدہ ہدف رہا تھا۔ لیکن گزشتہ دس برسوں کے درمیان وہ اپنی دوسری بیوی کے ساتھ منظر سے غائب ہو گیا تھا۔ اس وقت وہ اینا کے ساتھ فلرٹ کر رہا تھا۔ لیکن بے حد مہذب انداز میں۔ وہ رچرڈ کی پرمزاح باتوں پر دل کھول کر ہنستا رہا تھا۔

اب آدھی رات ہو گئی تھی۔ ان کے معدوں میں کافی شراب اُتر چکی تھی۔ اب جیووانی کی زبان لڑکھڑانے لگی۔ اور وہ اینا کی طرف کچھ زیادہ ہی جھک رہا تھا۔

بہرحال سینٹ پیٹرز اسکوائر کے المیے کو جیووانی ہی زیرِ بحث لایا تھا۔ لیکن رچرڈ نے تیزی سے موضوع تبدیل کر دیا۔ پھر اچانک جیووانی نے کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگائی اور دانت نکالتے ہوئے بولا۔ ''تمہیں معلوم ہے کہ کوڑھی کو کوڑھ کالونی سے کیوں نکال دیا گیا؟''

''نہیں، ہمیں نہیں معلوم۔''

''کیونکہ وہ اپنی داڑھی اپنے پڑوسی کے سر میں چھبوتا رہتا تھا۔''

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر اینا نے آنکھیں بند کیں اور کراہنے لگی۔

''کرائسٹ۔'' رچرڈ نے کہا۔ ''کیسی خوفناک بات ہے۔''

شاید اب ان سب کو ہی چڑھ رہی تھی۔ حالانکہ یہ اسکیم میں شامل نہیں تھا۔

جیووانی کو احساس ہو گیا تھا۔ چنانچہ اُس نے معذرت کی اور کہا کہ وہ گھر جا رہا ہے۔ لیکن رچرڈ نے اُس کی ایک نہیں سنی۔ ابھی تک چھوٹی موٹی باتیں ہوتی رہی تھیں۔ مگر اسے اس ڈنر کا اصل مقصد یاد تھا۔ رچرڈ کے ساتھ اس کا معاہدہ یہی تھا۔

رچرڈ پھر ایک لطیفہ سنانے لگا۔ ویٹر اب بار بار اپنی گھڑیوں کو دیکھ رہے تھے، اور جیووانی بار بار گھر جانے کی بات کر رہا تھا۔

''ایک آخری جام...... میرے کمرے میں۔'' اینا نے کہا۔

جیووانی نے ایک جماہی کا گلا گھونٹا۔ رچرڈ اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ جیووانی کے لیے چلنا بھی دشوار تھا۔ لیکن انکار کرنا مردانگی کی توہین تھی۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ اُس سے کچھ اگلوانا تھا، اس سے پہلے کہ وہ بالکل ہی آؤٹ ہو جائے۔

دو بجتے بجتے رچرڈ تیار ہو گیا تھا۔ اپنے اس ہنر میں وہ طاق تھا...... یعنی کام کی معلومات ایسے اگلوانے میں کہ اگلنے والے کو پتا بھی نہ چلے۔ کبھی کبھی وہ اسے مچھلی کے شکار سے مماثل قرار دیتا تھا۔ مچھلی کے شکار کی طرح اس کام میں بھی وقت کی بڑی اہمیت تھی۔ اس کھیل میں شراب کی حیثیت کانٹے جیسی تھی ایسا لگتا تھا کہ جیووانی اب تیار ہے۔

''مجھے امید ہے کہ چینی اگلی کانفرنس میں بھی شرکت کریں گے۔'' میسن نے چارہ لگایا۔

جیووانی کا ذہن الجھ رہا تھا۔ وہ اینا کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ وہ کسے چاہتی ہے؟ اُسے یا رچرڈ کو؟ یا دونوں کو؟ اُس نے بے سوچے سمجھے رچرڈ کی بات کا جواب دیا۔ ''اس کا کوئی امکان نہیں۔ تھورن کارپوریشن والوں کے ہوتے ہوئے یہ ممکن ہی نہیں۔''

رچرڈ نے دلچسپی ظاہر کیے بغیر مختلف انداز میں بات آگے بڑھائی۔ ''اوہ ہاں، بل جیفریز کی بات کر رہے ہو۔ میں مل چکا ہوں اُس سے۔''

''جیفریز۔ ارے وہ تو محض قاصد ہے، قاصد۔'' جیووانی نے حیرت سے کہا۔ ''اصل چیز ہے ڈیمین جونیئر...... وہ کیا کہتے ہیں...... ہاں، مرہم میں زہریلی مکڑی۔ تو اس مرہم سے کسی کا زخم ٹھیک ہوسکتا ہے۔ بھلا کیسے؟

اینا مسکرائی۔ ''میں نے سنا ہے کہ وہ ایک معما ہے۔ نہ حل ہونے والا معما۔''

''معما! ارے وہ بڑا حرامی ہے۔'' جیووانی نے دہاڑ کر کہا۔ ''سویا بین دے کر اُس نے چینیوں کو اپنی مٹھی میں کر لیا ہے۔ تھورن کارپوریشن کا وہ کاروباری نعرہ تو سنا ہی ہوگا تم نے...... روٹی دو اور......''

''ہمارا منافع قحط میں ہے۔'' رچرڈ نے پال بوہر کا مشہور قول دہرایا۔

''ویسے یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے کہ اس میں تھورن کارپوریشن کا کیا فائدہ ہے۔'' جیووانی نے کہا۔ ''نہ تو اس میں ان کا مالی فائدہ ہے، نہ ہی سیاسی...... وہ نڈھال ہو کر پھر کرسی میں ڈھے گیا۔ وہ اتنا تھک گیا تھا کہ اسے رچرڈ کے جانے کا پتا بھی نہیں چلا، اور چند منٹ بعد اینا کے جانے کا بھی۔ البتہ اتنا اسے یاد تھا کہ اینا جاتے ہوئے برانڈی کی بوتل اور دو گلاس ساتھ لے گئی ہے۔

......✿......

رچرڈ کے اخبار کے دفتر میں فارن ڈیسک پر رات کی ڈیوٹی والا چھٹی کر کے جانے والا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد لیٹ ایڈیشن اسٹالز پر پہنچنے والا تھا۔ فون کی گھنٹی بجی تو اُس کا منہ بن گیا۔ اُس نے فون کرنے والے سے اُس کا نام پوچھا اور پھر ایڈیٹر کو اشارہ کیا۔ ایڈیٹر تھکے تھکے قدموں سے آگے آیا اور ریسیور لیا۔ ''جم رچرڈ ہے۔'' ڈیسک مین نے بتایا۔ ''لیکن بالکل آؤٹ ہے۔''

ایڈیٹر نے فون پر بات کی۔ لیکن چند ہی لمحوں میں اُسکے چہرے پر بھی بدمزگی کا تاثر نظر آنے لگا۔ ''سنو جم، میں بل بات کر رہا ہوں...... تمہارا ایڈیٹر۔''

چند لمحے وہ سنتا رہا۔ پھر اُس نے ریسیور رکھ دیا۔ ''نجانے کیا بکواس کر رہا تھا۔'' وہ بڑبڑایا۔ ''تیسری جنگ عظیم کے بارے میں لیکن وہ بری طرح دھت ہے۔''

''اب میں کیا کروں؟'' ڈیسک مین نے فریاد کی۔

''کچھ بھی نہیں۔ چھٹی کرو۔''

آدھے گھنٹے بعد رچمنڈ میں، رچرڈ کے گھر کے بیڈروم میں فون کی گھنٹی بجی۔ رچرڈ کی بیوی ایوا سوتے سے اٹھی اور اُس نے فون ریسیور کیا۔ دوسری طرف سے ہیجانی آوازیں سنائی دے رہی تھی۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں ہیلو ہیلو پکارتی رہی۔ مگر جواب نہیں ملا۔ وہ ریسیور رکھنے ہی والی تھی کہ اُنے مردانہ آواز پہچان لی۔ اس کے ساتھ ہی وہ سناٹے میں آگئی۔ رچرڈ اور اُس کے درمیان اب پہلے جیسی گرم جوشی نہیں رہی تھی۔ لیکن وہ اُس کی آواز کو ہی نہیں، اس لہجے کو بھی خوب پہچانتی تھی...... خواہشات سے بوجھل وہ لہجہ...... پھر ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ وہ آواز اس کے شوہر سے

ایسے مطالبے کر رہی تھی، جو خود اُس نے بھی کبھی نہیں کیے تھے۔

وہ پوری جان سے لرزنے لگی۔ بالآخر اُس نے ریسیور رکھ دیا اور دیر تک ساکت بیٹھی تاریکی میں گھورتی رہی۔ پھر اچانک اس پر ہسٹیریائی کیفیت طاری ہوگئی۔

 ....

سویرا ہوا تو جیمز رچرڈ کی آنکھ کھلی۔ اُس کا جسم بری طرح ٹوٹ رہا تھا اور ذہن الجھا ہوا تھا۔ پہلے تو اُس نے سوچا کہ وہ کوئی ڈراؤنا خواب ہے ابھی وہ جاگے گا تو رچمنڈ میں اپنے گھر کی خواب گاہ میں ایوا کے ساتھ ہوگا۔ پھر وہ تیار ہوگا اور دفتر جائے گا۔ دفتر، جہاں اُس کی ایک عزت ہے جہاں اُس نے کبھی اپنے ایڈیٹر کی توہین نہیں کی۔

مگر پھر اسے شواہد نظر آئے۔ بستر کی چادروں پر لپ اسٹک کے دھبے، اور اُسکی پیٹھ پر کھرونچے، جن میں جلن ہو رہی تھی۔ اُس نے کراہتے ہوئے کروٹ بدلی تو اسے تکیے پر رکھا ریسیور نظر آیا۔ اُس نے آنکھیں بند کرلیں۔ وہ سمجھ گیا کہ ساری عمر کی کمائی ہوئی عزت اس نے نشے کی وجہ سے چند لمحوں میں گنوا دی تھی۔ اب دنیا میں اُس کے لیے کہیں کوئی جگہ نہیں تھی۔ اُس کی صاف ستھری زندگی کا یہ انجام ہونا تھا۔ اُس کا دل دکھ سے بھر گیا۔ اب تو بس وہ یہ دعا کرسکتا تھا۔ کہ جنگ شروع ہوگئی ہو اور پہلا بم روم پر ہی گرایا جائے۔

....

جیک میسن کو اب اپنی ہوش مندی پر شبہ ہونے لگا تھا۔ وہ خواب آور دوا کے بغیر سو نہیں پاتا تھا۔ اور جب نیند آتی تو وہ ڈراؤنے خوابوں سے بھرپور ہوتی۔ جاگتا تو اپنی کتاب کی ریسرچ کا سوچ کر وہ اعصابی تناؤ کا شکار ہو جاتا۔ جتنا وہ معقولیت کے ساتھ سوچنے کی کوشش کرتا اتنا ہی اُس کے اعصاب الجھ جاتے۔ ارتکاز اُس کے لیے ایک دور از کار شے بن گیا تھا۔ عقل سے کام لینے کی کوشش کرتا تو بائبل کے حوالے اسے ستانے لگتے۔ سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اُس کے ذہن کا ایک حصہ ان حوالوں کی صداقت کو تسلیم کرتا تھا۔

جیسے جیسے وہ ان پر غور کرتا، وہ اُس کی سمجھ میں آنے لگتے۔ سرزمین مقدس میں یہودیوں کی واپسی کی پیش گوئی کی گئی تھی۔ لیکن پیش گوئی کا باقی حصہ سمجھ سے باہر تھا۔ اس کے مطابق یہودیوں کی واپسی کے بعد مسیحؑ کو دوبارہ پیدا ہونا تھا اور ارمگیدون میں اینٹی کرائسٹ سے معرکہ کرنا تھا۔

اب اسے ماننا دیوانگی ہی تو تھی۔ بالکل تھی۔ لیکن اُس کے ذہن سے یہ خیال کسی طرح محو ہی نہیں ہوتا تھا۔

اس کی عقل اسے یکسر مسترد کرتی تھی۔ کیونکہ اگر اسے تسلیم کرلیا جاتا تو تمام انسانی سرگرمیاں بے معنی ہو کر رہ جاتیں۔ اگر سب کچھ پہلے سے طے تھا تو پھر انسان محض کٹھ پتلیاں تھے۔ وہ صرف مقدر کے نام پر لڑ رہے تھے۔ اور مقدر کے بارے میں انہیں کچھ پتا نہیں تھا کہ مقدر میں ان کے لیے خیر لکھا ہے یا شر۔ یہ مان لیا جائے تو آدمی کے لیے کچھ کرنے کے مقابلے میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ کر انتظار کرنا ہی بہتر ہے۔ ہاں اگر اسے اپنی قسمت پر اختیار ہو تو وہ کچھ کرے۔ لیکن اگر جو ہونا ہے، وہ ہونا ہے تو پھر ہاتھ پاؤں ہلانے کا کیا فائدہ۔

سچ تو یہ ہے کہ یہ اینٹی کرائسٹ کا معاملہ اسے نری خرافات لگتا تھا۔ سوال یہ تھا کہ پھر وہ اس میں کیوں اپنی جان کھپا رہا ہے۔

وہ اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ وہ خود کو کسی پنجرے میں قید جانور تصور کر رہا تھا۔ وہ ورڈ پروسیسر کے سامنے رکا۔ وہاں کتابوں، کیسٹوں اور نوٹس کا ایک بہت بڑا انبار تھا۔ ایک مضطرب لمحے میں اُس نے بائبل کے تفسیری کی نوٹس منگوا لیے تھے، جس میں ہر پیراگراف کے ساتھ اُس کی وضاحت بھی تھی۔

اُس نے مشین کو آن کیا اور اسے تکنے لگا۔ وہ اپنے نوٹس کو چیک کر رہا تھا۔

''میں نے آسمان سے ایک فرشتے کو اترتے دیکھا۔ اُس کے ہاتھ میں جہنم کے سب سے نچلے طبقے کی چابیاں تھیں۔ اور اُس کے پاس ایک بہت بڑی زنجیر بھی تھی۔ اُس نے بڈھے سانپ، ڈریگن یعنی شیطان کو ایک ہزار سال کے لیے زنجیر سے باندھ کر قید کر دیا......''

میسن نے بٹنوں پر انگلی ماری، اور لفظ حوالہ لکھا۔ پھر وہ پیچھے ہٹ کر اسکرین کو دیکھنے لگا۔

''شاید یہ علامتی بیان ہے۔ اگرچہ بہت سے مشرقین اسے لفظ بہ لفظ درست مانتے ہیں۔ حوالے کے لیے سیکنڈ بک آف پیٹر، باب نمبر 3، آیت نمبر 8۔''

اسکرین ایک لمحے کو سادہ ہو گئی۔ مشین اب حوالہ تلاش کر رہی تھی۔ پھر اسکرین پر آیت ابھری:

'لیکن میرے عزیز، اس ایک بات سے بے خبر نہ رہنا کہ خدا کے ہاں کا ایک دن دنیا کے ہزار سالی پر محیط ہے اور ایک ہزار سال محض ایک دن کے برابر ہیں......'

میسن پھر کی بورڈ کی طرف بڑھا۔ لیکن مشین اب کسی خود کار میکنزم کے زیر اثر تھی۔ وہ متعلقہ آیات اور ان کے حوالے تلاش کر رہی تھی' کتاب پیش کی گئی' باب نمبر 20، آیت نمبر 8

وہ آیت میسن کو زبانی یاد تھی۔

اور جب ہزار سال گزر جائیں گے اور شیطان کو قید سے رہائی ملے گی، تو وہ باہر نکلے گا اور زمین کے چاروں کونوں میں بسی اقوام کو بہکائے گا۔ یاجوج اور ماجوج......''

نوٹس اب پھر عہد نامہ قدیم کا حوالہ دے رہے تھے۔ نبی ایزیکیل کے الفاظ اسکرین پر چمکنے لگے:

''...... مجھ پر خدا کے لفظ اترے۔ اُس نے مجھ سے کہا...... اے ابن آدم، ماجوج کی زمین سے منہ پھیر لے، جہاں ماجوج رہتے ہیں......' پھر یاجوج اور ماجوج کے بارے میں وضاحتی الفاظ اسکرین پر چمکے، سرزمین ماجوج کی قوم یاجوج، روش، میشک اور توبل کے شہزادے۔ عین ممکن ہے کہ روش وہ ہوں، جنہیں ہم روسی کہتے ہیں......''

میسن نے آہ بھری اور دوبارہ بٹنوں پر انگلی ماری۔ رخ پھر کتاب پیش گوئی کی طرف تھا۔

'نبی ایزیکیل کے خیال میں سرزمین ماجوج کی قوم یاجوج اپنے حلیفوں کے ساتھ مقدس سرزمین پر حملہ آور ہو گی۔ لیکن ان سب کو کاٹ ڈالا جائے گا، مکمل طور پر تباہ کر دیا جائے گا۔ پھر سرزمین مقدس پر کبھی فساد نہیں ہو گا......''

''فسادنہیں ہوگا۔''میسن نے بلند آواز میں دہرایا۔''وہ تو تباہ ہو چکی۔اب اس اجڑے ہوئے صحرا میں امن ہی امن ہے...... بہ سبب موت۔''

مشین سے جواب ابھرا۔جان ایزیکیل سے اتفاق کرتے ہوئے اسے چرچ کے دشمنوں کی چرچ کو تباہ کرنے کی تیسری اور آخری بڑی کوشش قرار دیتا ہے۔

''ارمگیڈون کے بعد تیسری اور آخری کوشش۔''میسن بڑبڑایا۔''آخری کوشش۔''اُس نے منہ پھیر لیا۔ذہن کو مرتکز رکھنے کی کوشش میں اُس کے سر میں درد ہو گیا تھا۔

اسکرین اب بھی روشن تھا۔اُس نے نوٹس کا جائزہ لیا اور ایک نمبر پنچ کیا۔اسکرین پر اینا کی فراہم کردہ مرنے والوں کی فہرست ابھر آئی۔ان ناموں کو دیکھتے ہوئے اسے اپنے جسم میں تھرتھری دوڑنے کا احساس ہوا۔ان دنوں یہ کیفیت اس پر اکثر طاری ہوتی تھی...... سردی اور بخار کی سی کیفیت کبھی کبھی اسے لگتا تھا کہ وہ بچہ ہے۔وہ اپنے سائے سے بھی ڈرتا تھا۔

فہرست ختم ہو رہی تھی کہ اُس کے ذہن میں ایک آئیڈیا آیا۔اُس نے اسے ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی۔لیکن ناکام رہا۔وہ بڑا تخیلاتی خیال تھا...... اُس منحوس مشین سے ایک سوال پوچھنا چاہتا تھا۔آخر اس مشین پر اس کے پیسے خرچ ہوئے تھے۔کچھ تو وصول ہوں۔

اُس نے اُس فہرست میں سے ان لوگوں کو منتخب کیا،جن کے بارے میں سب کو معلوم تھا کہ وہ تھوران فیملی پر ریسرچ کر رہے تھے۔

حنیف ارشد،فوٹو گرافر،وہ واحد آدمی تھا جو زندہ بچا۔اُس پر بھاری شیشہ گرا تھا۔مگر وہ معجزانہ طور پر بچ گیا۔بعد میں وہ پاکستان چلا گیا وہ پوری طرح تبدیل ہو گیا تھا۔وہ اخبارات اور لیکچرز کے ذریعے اپنی قوم کو شعور اور آگہی دیتا رہا۔وہاں اُس کے ماننے والے کثیر تعداد میں تھے۔بعد میں پاکستان میں کسی نے اسے شوٹ کر دیا تھا۔اس فہرست میں وہ واحد مسلم تھا۔اس کے تمام لیکچرز کیسٹ اور سی ڈی پر محفوظ تھے اور دنیا بھر میں فروخت ہوتے تھے۔

پھر کارل بیوگن ہیگن تھا،ماہر آثار قدیمہ،اور فوٹو گرافر مائیکل مورگن،وہ دونوں زندہ دفن ہوئے تھے۔

جوآن ہارٹ صحافی تھی،جو ٹریفک کے حادثے میں ماری گئی۔

فادر تھامس ڈولان بھی زندہ دفن ہوا تھا۔

مائیکل فن،بائبل کا اسکالر۔وہ اپنی نوعیت کے منفرد فضائی حادثے میں ہلاک ہوا۔

ان میں سے ہر ایک کے نام کے آگے اس نے وہ عرصہ نوٹ کیا،جس میں انہیں تحقیق کی مہلت ملی تھی...... موت سے پہلے!

میسن جانتا تھا کہ وہ ایک کھیل کھیل رہا تھا۔وہ اور اینا بھی تو تھوران فیملی پر ریسرچ کر رہے تھے۔

اُس نے بٹنوں پر انگلی ماری۔اُس نے دو نام لکھے تھے اینا برومپٹن،ریسرچر اور جیک میسن،رائٹر۔''اوکے''اُس نے بلند آواز میں کہا۔''اب ہمیں یہ بتاؤ کہ اپنا کام مکمل کرنے کے لیے ہمارے پاس کتنی مہلت ہے؟''اُس نے سوال ٹائپ کیا۔

چند لمحے بعد اسکرین پر جواب ابھر آیا۔

اینابرومپٹن :2 دن

جیک میسن :2 دن

"یہ بس ایک کھیل ہے۔" میسن بڑبڑایا۔ لیکن اُس کے جسم میں تھرتھری دوڑ گئی۔ اپنے اندر وہ پریشانی اور ایک بے نام خوف کو امنڈتا محسوس کر رہا تھا۔ یہ کیا بچپنا ہے! اُس نے خاموشی سے خود کو ڈانٹا۔

"لعنت ہو تم پر۔ تم کیا جانتی ہوں۔ تم محض ایک مشین ہو...... بے جان مشین...... وہ مشین پر دہاڑا۔

اسکرین یک لخت سادہ ہو گیا۔ اب اسے اُس میں اپنا سبز رنگ کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔ وہ سر جھٹکتے ہوئے پیچھے ہٹا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا اُس کے دماغ میں کوئی گڑبڑ ہے۔ وہ ایک عاقل و بالغ آدمی ہو کر ایک مشین پر چلا رہا ہے...... محض اپنا خوف چھپانے کے لیے۔ 35 ہزار ڈالر قیمت کی ایک مشین پر، جو اُس کی موت کی پیش گوئی کر رہی ہے۔

وہ پھر آگے بڑھا۔ اُس نے دونوں ہاتھ اٹھائے، جیسے مشین کو مارنا چاہتا تھا۔ پھر اُس نے اپنی انگلیاں کی بورڈ پر جما دیں۔ "کم آن یو باسٹر" وہ پھر چلایا۔ "تمہارے پاس ساری معلومات ہیں...... پوری بائبل تشریحات سمیت۔ تم مجھے ایک جواب دو۔ اب آگے کیا ہوگا؟"

اُس کی انگلیاں کی بورڈ پر تھرک رہی تھیں

پھر اسکرین پر جواب جھلملایا "دنیا کا خاتمہ۔"

میسن ہنسنے لگا...... ہنستے ہنستے بے حال ہو گیا۔ چند لمحے بعد وہ سنبھلا تو اُس نے بوربن کی بوتل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ "خدایا...... دنیا کا خاتمہ" وہ بڑبڑایا۔ "ارمگیدون کے بعد تیسری جنگ عظیم......" وہ پھر ہنسا اور ہنستے ہنستے کی بورڈ پر جھکا۔

اسکرین پر ایک سلام کے الفاظ ابھر آئے۔ "خدا گلہ بان ہے......"

وہ سلام اسے یاد تھا۔ دھیمی آواز میں گانے لگا۔ پھر اُس کی آواز بلند ہوتی گئی۔ اسے بچپن یاد آ گیا۔ بچپن میں وہ اسی جوش و خروش سے گایا کرتا تھا اسے چرچ یاد آیا، بنچیں یاد آئیں، پادری کا چہرہ اسے یاد آیا۔ لیکن اُس کا نام اسے یاد نہیں تھا۔ بس اسے یہ یاد تھا کہ اُس کی ہتھیلیاں پسینے میں بھیگ جاتی تھیں۔

چرچ کے ساتھ اذیت کا ایک احساس مشروط تھا۔ کرائسٹ نے مصلوب ہو کر جو اذیت سہی تھی، وہی تو اذیت کی آخری حد تھی۔ ان کی دوبارہ آمد کا تصور اس اذیت کا مداوا نہیں تھا۔ بلکہ ناقابل یقین لگتا تھا۔ پندرہ سولہ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے اُس نے اس امکان کو یکسر مسترد کر دیا تھا۔ اس کے خیال میں یہ تصور بچکانہ تھا۔ بعد میں تو اُس نے کرائسٹ کی تعلیمات کو بھی مسترد کر دیا تھا۔

لیکن اب وہ یہ مناجات گا رہا تھا۔ "......وہ مجھے سرسبز وادیوں میں لے جائے گا، جہاں میٹھے پانی کے چشمے بہہ رہے ہوں گے۔"

مناجات ختم کرنے کے بعد اُس نے دھیرے سے آمین کہا، اور آنکھیں بند کر لیں۔ بہت عرصے کے بعد اسے باطنی سکون کا احساس ہوا تھا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ یہ عارضی ہے، قائم نہیں رہے گا

......٭......

اینا نے فون کر کے بتایا تھا کہ وہ دوپہر دو بجے آ رہی ہے۔ میسن نے ایرپورٹ جا کر اسے ریسیو کرنے کا فیصلہ کیا۔ ویسے بھی وہ ہوٹل سے، اور اس مشین سے دور بھاگ جانا چاہتا تھا، جو اسے پاگل کیے دے رہی تھی۔

ٹیکسی ڈرائیور نے ریڈیو لگا رکھا تھا۔ اُس پر دھیمی موسیقی نشر ہو رہی تھی۔ میسن کو نیند آنے لگی۔ وہ اپنے ذہن کو خالی رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن یہ اُس کے لیے دشوار کام تھا۔ اینا کی دی ہوئی مرنے والوں کی فہرست زبردستی اُس کے خیالوں میں گھسی آ رہی تھی۔ پھر اسے جارج کی تنبیہ یاد آئی کہ ڈیمین سینئر کی طرح ڈیمین جونیئر بھی مردوں اور عورتوں کے دماغوں پر قابض ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ انہیں فریب نظر میں مبتلا کر سکتا ہے وہ ان پر دیوانگی مسلط کر سکتا ہے، ان کے شعور کو سلب کر سکتا ہے۔ جارج نے کہا تھا کہ شیطان کی طاقت تقریباً لامحدود ہے۔

میسن کو اینا کی فہرست میں ایک نام یاد آیا ڈاینڈ ریوڈ وائل، لندن میں امریکا کا سفیر، جس نے اپنے آفس میں خودکشی کی تھی۔ اس کی موت کی کوئی توجیہہ نہیں کی جا سکی تھی۔ اُس کی کوئی معقول وجہ نہیں تھی۔ اُس نے کوئی رقعہ بھی نہیں چھوڑا تھا۔ اُس کے اسٹاف کا کہنا تھا کہ پچھلے کچھ عرصے سے وہ جذباتی تناؤ کا شکار تھا۔ اور اُس کی موت کے ایک ہفتے بعد ڈیمین تھورن نے اُس کا عہدہ سنبھال لیا تھا۔

تو کیا یہی اُس کی موت کا سبب تھا؟ ڈیمین کے لیے جگہ خالی کرنا!

میسن پھر دل ہی دل میں خود کو کوسنے لگا۔ اُس کا رویہ غیر سائنٹفک اور غیر پیشہ ورانہ تھا۔ اُس نے اپنے تخیل کو آزاد چھوڑ دیا تھا۔ ایسے کام نہیں چلے گا۔ اسے ذہنی طور پر سوبر ہونا پڑے گا...... اور وہ بھی فوراً۔

ریڈیو سے اب ایک کوئز شو نشر ہو رہا تھا۔ تین عورتوں کے درمیان مقابلہ تھا اور انعام تھا یونان میں ایک ہفتے کی تعطیلات مع سفرخرچ اور طعام و قیام۔

پھر ایک بولتی ہوئی خاتون کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ وجہ تھی ایک ہنگامی نوعیت کی خبر۔ غیر مصدقہ خبر تھی کہ چین نے تائیوان پر قبضہ کر لیا ہے۔ چینی سفیر کو وائٹ ہاؤس میں طلب کر لیا گیا تھا۔ اور اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا ہنگامی اجلاس جلد ہی متوقع تھا۔

''لو...... مزید خون خرابہ۔'' ڈرائیور بڑبڑایا۔

کوئز شو دوبارہ شروع ہو گیا تھا۔ میسن زیرلب سیٹی بجا رہا تھا۔ خبر سن کر اسے شاک لگا تھا۔ ذہنی ردعمل یہ تھا کہ وہ معمولی اور غیر اہم باتوں پر غور کر رہا تھا۔ مثلاً وہ سوچ رہا تھا کہ کیا یہ کوئز شو پہلے سے ریکارڈڈ ہے۔ پھر اُس نے فیصلہ کیا کہ نہیں، یہ پروگرام لائیو نشر ہو رہا ہے۔ مقابلے میں شریک عورتوں کو صرف یہ فکر ہو گی کہ انہیں جیتنا ہے انہیں چینیوں کی کیا پروا ہو سکتی ہے۔

فلائٹ وقت سے پہلے آ گئی تھی اور اینا اُس کا انتظار کر رہی تھی۔ میسن نے اسے لپٹا کر اُس کا رخسار چوما اور پھر پیچھے ہٹ کر اسے غور سے دیکھا۔ اسے اُس کے وجود سے شراب کی بو آتی محسوس ہوئی، اور دیکھنے میں بھی وہ باسی باسی لگی۔ اُس کی آنکھیں چشمے کے سیاہ شیشوں کے پیچھے چھپی تھیں۔ باقی چہرے پر میک اپ کی تہیں تھیں۔ اس کی صبح اُس کی رات کا فسانہ سنا رہی تھی۔

اینا نے اسے کچھ کہنے کا موقع نہیں دیا۔ وہ اُس کا ہاتھ تھام کر اسے کافی لاؤنج کی طرف لے گئی۔ وہاں اُس نے ایک گوشے میں پرسکون میز کا

انتخاب کیا۔ میسن کافی لینے کے لیے چلا گیا۔ وہ کافی لے کر واپس آیا تو اینا اپنے بیگ میں سے ٹیپ ریکارڈ اور ایئر پیس نکال رہی تھی۔

''میں جیفریز کے تو قریب بھی نہیں پھٹک سکی۔ مگر تم ذرا یہ سنو۔'' اینا نے کہا۔

میسن نے ایئر پیس کانوں میں لگائے اور ٹیپ ریکارڈ کو آن کر دیا۔ ابتدا میں تو گلاسوں کی کھن کھن اور نشے میں ڈوبی آوازوں نے اسے الجھن میں مبتلا کیے رکھا۔ مگر چین کے تذکرے پر اُس کے کان کھڑے ہو گئے۔ تائیوان پر قبضہ دنیا کی توجہ اصل مقام سے ہٹانے کے لیے تھا۔ پھر اچانک چینی فوجیں شمالی سرحد پار کر کے روس میں داخل ہوں گی اور دنیا کے سنبھلنے سے پہلے روس کے قلب تک پہنچ جائیں گی۔ کوئی اطالوی لہجے میں بول رہا تھا۔ وہ کثرت آبادی کے فائدے سویا بین اور تھورن کارپوریشن کے بارے میں کچھ کہہ رہا تھا۔ یہ باجا تھورن کارپوریشن بجا رہی ہے۔ لیکن یہ طے تھا کہ اطالوی نشے میں دھت ہے۔

مگر واقعات کی ترتیب ہر اعتبار سے درست تھی۔

میسن نے کانوں سے ایئر پیس ہٹائے اور اینا کی طرف دیکھا۔ ''اب تم مجھے بتاؤ کہ ہوا کیا تھا؟''

اینا بولتی رہی اور وہ سنتا رہا۔

''اور رچرڈ کا کیا ہوا؟'' وہ سانس لینے کے لیے رکی تو میسن نے پوچھا۔

اینا نے کندھے جھٹک دیے۔ ''وہ ناشتے کے لیے نیچے نہیں آیا تھا۔ اور وہ جہاز پر بھی نہیں تھا۔''

دفع کرو۔ میسن نے دل میں کہا۔ اُس کی اہمیت ہی کیا ہے۔ ''میرا خیال ہے، تائیوان کی خبر تو تم سن چکی ہو گی۔''

اینا نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر جماہی لی۔ ''دنیا کی تباہی کا وقت آپہنچا ہے۔'' اُس نے کہا۔

ایک لمحے کو میسن کو لگا کہ اینا کے لبوں پر مسکراہٹ تھرکی ہے۔ پھر اچانک اسے ایک کام یاد آیا، جو اُس نے نہیں کیا تھا۔ جارج کی نوٹ بک میں تھورن کے منصوبے کی تفصیل موجود تھی۔ اُس میں تائیوان کا تذکرہ بھی تھا۔ مگر اُس نے اسے بکواس قرار دے کر نظر انداز کر دیا تھا۔ پھر اسے بوڑھے جارج سے کیا ہوا وعدہ یاد آیا کہ وہ اس کے لیے دعا کرے گا۔ اور نجانے کیوں اسے وہ وعدہ بہت اہم لگنے لگا۔ اسے نہ صرف جارج کے لیے، بلکہ اینا کے اور اپنے لیے بھی، اور روئے زمین پر سانس لینے والے ہر انسان کے لیے دعا کرنی تھی۔

⁂

ٹیکسی ہیمر اسمتھ کے فلائی اوور سے گزر کے ٹائٹس برج اور دی ہلٹن کی طرف بڑھ رہی تھی۔ میسن کبھی داہنی سمت دیکھتا اور کبھی بائیں سمت بالآخر اسے وہ چیز نظر آ گئی، جس کی اسے جستجو تھی۔ وہ سائیڈ اسٹریٹ پر ایک چھوٹا سا چرچ تھا۔ اُس نے ٹیکسی ڈرائیور کو ٹیکسی روکنے کو کہا۔

''مگر کیوں؟'' اینا نے اترتے ہوئے پوچھا۔

میسن نے اسے جارج سے کیے ہوئے وعدے کے بارے میں بتایا۔ ''تم بھی آؤ'' اُس نے اینا سے کہا۔

مگر اینا بڑی شدت سے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ اُس کا چہرہ سپید پڑ گیا تھا اور جسم لرز رہا تھا۔ وہ خوف زدہ نظروں سے گرجا کے کلس کو دیکھ رہی

تھی۔ میسن نے اُس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ وہ سنگی صلیب کو دیکھ رہی تھی۔ اُس کے ہونٹ بے آواز ہل رہے تھے۔

''چلو اینا اس میں اپنا جاتا ہی کیا ہے۔ بلکہ ہمیں کچھ......''

''مگر اینا تیزی سے پیچھے ہٹی اور کھمبے سے ٹکرائی۔ میسن نے اُس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اسے اُس کے چشمے کے شیشوں میں صلیب کا عکس دکھائی دیا اینا ہاتھ دعا کے انداز میں اٹھا رہی تھی۔ پھر میسن کو احساس ہوا کہ وہ اپنے داہنے ہاتھ کی انگشتِ شہادت کو دوسرے ہاتھ سے یوں رگڑ رہی ہے جیسے کچھ مٹانا چاہ رہی ہو۔

''کیا بات ہے اینا؟'' میسن چلایا۔ وہ ہوش میں لانے کے لیے اُس کے منہ پر تھپڑ مارنے ہی والا تھا کہ وہ پلٹ کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ کھمبے سے الجھنے کی وجہ سے اُسکے ہینڈ بیگ میں موجود۔ ٹیپ ریکارڈر جھٹکے کی وجہ سے آن ہوگیا ادھر اینا ٹریفک کی پروا کیے بغیر سڑک پار کرنے کے لیے بھاگ رہی تھی۔ نشے میں دھت اطالوی کی آواز دور تک سنائی دے رہی تھی۔ مگر اینا کو ہوش نہیں تھا۔ اطالوی دنیا کے اختتام کی پیش گوئی کر رہا تھا۔ پہلے یادداشت کا کھونا اور اب یہ دیوانگی۔ میسن کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ اپنی بے دینی میں اتنی متشدد ہے۔ لیکن اُس نے سوچا کہ شاید چند گھنٹے کی پرسکون نیند کے بعد وہ ٹھیک ہو جائے گی۔ فی الوقت اسے تنہا چھوڑ دینا ہی بہتر ہے۔ اس وقت تو اسے ایک مرنے والے سے کیا ہوا وعدہ نبھانا تھا۔

......۞......

ایک گھنٹے بعد وہ اپنے ہوٹل میں واپس آیا تو قدرے پرسکون تھا۔ چرچ میں گزارے ہوئے پندرہ منٹ اُس کے لیے باطنی طمانیت کا سبب بنے تھے۔ یہ احساس اُس لیے تعجب انگیز بھی تھا اور طمانیت خیز بھی۔ اگر اس جیسے مادہ پرست کی دعا سے سکون مل سکتا ہے تو ایمان والوں کا کیا حال ہوتا ہوگا۔ اس نے دل میں سوچا اور اسے ایسے لوگوں پر رشک آنے لگا۔

وہ سوئٹ میں داخل ہوا اور نشست گاہ عبور کر کے آگے بڑھا۔ مگر وہاں کے منظر نے اسے حیران کر دیا۔ ایسا لگتا تھا کہ کمرے میں کوئی طوفان آکر گزر گیا ہے۔ اُس کی نوٹس ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ کرسی الٹی ہوئی تھی۔ ورڈ پروسیسر گنگنا رہا تھا۔ اُس نے اسکرین کی طرف دیکھا تو جانی پہچانی عبارت نظر آئی۔

''اور جب ہزار سال پورے ہو جائیں گے تو شیطان کی قید سے رہائی ملے گی۔ پھر دنیا کے چاروں کونوں میں آباد قوموں کو......''

میسن نے ریسیور اٹھا کر ڈیسک کلرک سے معلوم کیا کہ اُس کی غیر موجودگی میں اُس کے کمرے میں کون آیا ہے۔

''صرف آپ کی اسسٹنٹ مسٹر میسن۔'' کلرک نے کہا۔ ''آپ ہی نے تو کہا تھا کہ وہ کمرے کی چابی مانگیں تو انہیں دے دی جائے۔''

میسن نے اُس کا شکریہ ادا کیا اور ریسیور رکھ دیا۔ پھر وہ اپنے بکھرے ہوئے نوٹس کو سمیٹنے اور ترتیب سے لگانے میں مصروف ہو گیا۔ یہاں تک کہ دکھ اور احساسِ جرم سے نڈھال ہو کر اُس نے اپنا سر گھٹنوں پر ٹکا دیا۔

قصور اُس کا تھا۔ کاش اس نے ہیری کی بات مان لی ہوتی۔ اگر اُس نے اپنا کام اکیلے کیا ہوتا تو آج اینا کا یہ حال نہ ہوتا۔

......۞......

وقت آپہنچا تھا۔ جو کچھ لکھا گیا تھا، پورا ہو چکا تھا۔ بس آخری سین باقی تھا۔

اپنے سیاہ معبد میں ڈیمین اپنے مخصوص لباس میں قربان گاہ کے آگے جھکا بلند آواز میں اپنے باپ کی روح سے دعا کر رہا تھا۔ ''ہماری کامیابی کا وقت آپہنچا ہے۔ انسانوں کے گروہ ایک دوسرے کو تباہ کرنے کے لیے اپنی طاقت کا بھرپور استعمال شروع کرنے والے ہیں۔ انسانی نسل کا خاتمہ ہماری اس توہین کا انتقام ہوگا، جو خدا نے ہمارے باپ کو جنت سے بے دخل کر کے، اس پر لعنت کر کے کی تھی۔ وہ انسان جسے خدا نے اپنی ساخت پر پیدا کیا تھا، صفحۂ ہستی سے مٹنے والا ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ وہ خود کو صفحۂ ہستی سے مٹانے والا ہے۔

''انسان نے اپنی تباہی کا سامان خود کیا ہے اس نسل کے جینیس افراد نے فائدے کے لیے جو بے پناہ طاقت ایجاد کی تھی، وہ اسی کو خود اپنے خلاف، اپنی نسل کی تباہی کے لیے استعمال کر رہا ہے۔'' وہ مسکرایا۔ ''اُس وقت سے، جب تمہارے چیلے سانپ نے حوا کو بہکایا۔ جب قابیل نے وہ بڑا پتھر اٹھایا اور اپنے بھائی کی زندگی چھین لی، تبھی سے یہ انجام ناگزیر تھا۔ نزارین نے اس انجام کو روکنے کی کمزور کوشش کی۔ اُس نے دنیا کو اخلاق پڑھایا...... اپنے پڑوسی سے محبت کرو۔ دوسروں کو وہی کچھ دو، جو تم ان سے لینا پسند کرو گے۔ کوئی تمہارے رخسار پر تھپڑ مارے تو اسے دوسرا رخسار بھی پیش کر دو۔ اس کے باوجود اُس کے ہی نام پر مرد اور عورتیں ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو انفرادی طور پر بھی ختم کرتے رہے ہیں، اور اجتماعی طور بھی۔ ہزاروں کی تعداد میں بھی اور لاکھوں کی تعداد میں بھی۔ مگر آج وہ جو کچھ کرنے والے ہیں، اُس کے بعد روئے زمین پر کوئی انسان زندہ نہیں بچے گا۔ وقت آخر آپہنچا ہے۔

''اگر خدا نے ہمارے باپ کو اپنی نظروں سے نہ گرایا ہوتا تو یہ تصادم کبھی نہ ہوتا۔ تب تباہی کی یہ رات کبھی نہ آتی۔ یہ سب خدا کا کیا دھرا ہے۔ روشنی اور تاریکی کی یہ جنگ اُس نے شروع کی۔ اور اب زمین پر ابد تک کے لیے تاریکی کی حکمرانی ہوگی۔

''میں تمہارا شکر گزار ہوں فادر کہ تم نے میری رہنمائی کی، مجھے قوت بخشی کہ میں تباہی کے اس دن کو خواب کی تعبیر کے لیے کام کروں۔ ورنہ آخری کچھ عرصہ میرے لیے بہت حوصلہ شکن تھا۔ نزارین کی طاقت کمزور پڑی۔ مگر اس کے باوجود میں نے اُس کے مظاہرے جا بجا دیکھے۔ جن لوگوں پر میں نے بھروسہ کیا تھا، وہ عین وقت پر میرا ساتھ چھوڑ گئے۔ میری دعا ہے کہ وہ ابد تک جہنم میں جلیں۔

''میں نے ناکامیاں بھی دیکھی ہیں فادر۔ لیکن اب یہ جنگ جیت لی جائے گی۔ جو لوگ اس عظیم تباہی سے بچ بھی نکلیں گے، وہ ایک سال سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکیں گے۔ کیونکہ طوفان آئیں گے، سیلاب آئیں گے، گرد و غبار زمین اور سورج کے درمیان حائل ہو جائے گا، اور زندہ بچ رہنے والے مر جانے والوں پر رشک کریں گے۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا اور سر جھکا کر قربان گاہ کو دیکھنے لگا۔ ''عنقریب ہر طرف امن اور سکون ہوگا فادر، مردوں کا امن اور سکون۔ اور تمہارا انتقام پورا ہو جائے گا فادر۔''

اُس نے بایاں ہاتھ پھیلایا اور ڈیمین سینئر کی کھوپڑی کو چھوا۔ وہ ان خالی حلقوں میں دیکھتا رہا۔ جن میں کبھی اُس کے باپ کی آنکھیں ہوا کرتی تھیں، آنکھیں جن سے وہ دنیا کو دیکھتا تھا۔ ''خدا نے کہا تھا کہ انتقام اُس کا ہے۔'' اس نے سرگوشی میں کہا۔ ''مگر آج انتقام ہمارا ہے۔'' وہ پلٹا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ ''اب تباہی مقدر ہے۔'' اُس نے بے حد خوش ہو کر کہا۔

٭

پوری دنیا میں، دنیا کے ہر حصے میں موجود چیلوں نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔ ان میں جو خوش قسمت تھے، وہ جانتے تھے کہ آقا کے پاس جا کر اس تباہی کا نظارہ کر سکتے ہیں۔ جبکہ دوسرے دور رہ کر اُس کی بددعاؤں میں شریک رہتے۔ جن کو آقا کے ساتھ شریک ہونا تھا، وہ اپنے گھربار چھوڑ کر سڑکوں پر نکل آئے تھے۔

شمالی لندن میں ایک کانونٹ میں کوٹھریوں کے دروازے آخری بار کھول دیے گئے تھے۔

٭

جیک میسن خواب میں خود کو ایک صلیب سے بندھا ہوا دیکھ رہا تھا۔ اُس کے بازو شہتیر پر پوری طرح سے پھیلا دیے گئے تھے۔ کمر پر اسے موٹی رسی سے باندھ دیا گیا تھا۔ اُس کے دونوں پیر البتہ آزاد تھے اور جھول رہے تھے۔

اُس نے آنکھیں بند کرلیں۔ اس تاریکی میں وہ مصلوب مسیح کو دیکھ سکتا تھا۔ اس نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اسے رسی سے باندھا گیا۔ ورنہ کیلوں کی مدد سے گاڑا جاتا تو وہ یہ اذیت برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

پھر اسے احساس ہوا کہ اُس کے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔ اُس نے آنکھیں کھولیں۔ وہ ایک عورت تھی...... مکمل طور پر بے حجاب۔ پہلے تو اُس نے سوچا کہ وہ اُس کی بیویوں میں سے ایک ہے۔ مگر پھر اُس نے دیکھا کہ وہ اینا ہے اور اسے دیکھ کر مسکرا رہی ہے۔ اُس کے تیل مل رہی تھی۔ لیکن اُس کا لمس سکون بخش نہیں تھا۔ بلکہ تکلیف دہ تھا۔ اور تیل بھی جلن پیدا کرنے والا تھا۔ تب اسے یاد آیا کہ جب پیاسے مسیح نے پانی مانگا تھا تو اسے سرکہ دیا گیا تھا۔

اُس نے احتجاج کرنے کے لیے منہ کھولا۔ مگر اُس سے بولا نہیں گیا۔ اینا آگے بڑھی۔ اُس نے اُس کے ہونٹ چبا ڈالے، پھر ہنستے ہوئے پیچھے ہٹ گئی۔ میسن کو محسوس ہوا کہ اُس کے کٹھے میٹھے ہونٹوں سے خون بہہ کر ٹھوڑی تک آ رہا ہے۔

اُس نے اینا کے عقب میں دیکھنے کی کوشش کی۔ مگر اسے کچھ نظر نہیں آیا۔ اُس نے سلام کے بول یاد کرنے کی کوشش کی۔ مگر ناکام رہا۔ اب وہ آنکھیں بند کر کے سو جانا چاہتا تھا۔ لیکن وہ اُس کے بس میں نہیں تھا۔ اسے گندھک کی بو محسوس ہوئی تو اُس نے اپنے خالق کو یاد کرنا چاہا۔ مگر اسے تو اس کا نام بھی یاد نہیں تھا۔ وہ ایسی کسی ہستی سے کس منہ سے دعا کرتا، جس کا نام بھی اسے یاد نہیں تھا۔

پھر وہ دوبارہ قریب آئی۔ گندھک کی بو اور تیز ہوگئی۔ اُس کے ہاتھ میں دہکتی ہوئی لوہے کی سلاخ تھی، جس کے سرخ سرے سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ وہ چند لمحے کھڑی اسے دیکھتی رہی، پھر دہکتی ہوئی سلاخ اُس کے چہرے کی طرف بڑھائی۔ میسن اُس کی گرمی اور دھویں کی بو محسوس کر سکتا تھا۔ پھر اسے گوشت کی چراند کا احساس ہوا۔ اُس کے حلق سے ایک مہیب چیخ نکلی۔ اُس کے زخمی ہونٹوں سے خون ملی رال بہہ نکلی۔

وہ جاگا تو اُس کا جسم پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ دونوں ہاتھ چہرے پر تھے۔ پیشانی درد سے پھڑک رہی تھی۔ وہ لرزتے ہوئے جسم کے ساتھ بستر سے اترا اور لڑکھڑاتا ہوا باتھ روم میں چلا گیا۔

شاور کے نیچے کھڑے ہو کر اُس نے اپنے سینے کو رگڑ رگڑ کر دھویا اسے چپ چپے پن کا شدید احساس ہو رہا تھا۔ جیسے تیل یا کوئی چپ چپی

چیز لگی ہو۔اُس کی دیکھنے کی ہمت نہیں تھی۔اس لیے اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔

پانی کی پھوار اُس کی کلائیوں میں ڈنک کی طرح چبھ رہی تھی۔اُس نے اپنے ذہن پر چھائی دھند کو صاف کر کے توجہ مرکوز کرنے کی کوشش کی۔وہ خود کو بوڑھے بٹلر جارج کی بات یاد دلا رہا تھا۔اُس نے فریب نظر کے خطرے سے اسے پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا۔شیطان کی یہ بہت بڑی طاقت تھی،اور وہ اُس سے لڑ رہا تھا۔

پہلے سے خبر کیا جانا مسلح کیے جانے کے مترادف ہے۔اُس نے دل میں سوچا۔پھر وہ شاور سے ہٹ کر اندھا دھند آئینے کی طرف بڑھا۔اُس نے ایک گہری سانس لے کر آنکھیں کھولیں۔آئینہ بھاپ کی وجہ سے دھندلا رہا تھا۔اُس نے آئینے کو صاف کیا اور خود کو دیکھا۔ایک لمحے کو اسے ایسا لگا کہ اُس کی پیشانی پر داغے جانے کا نشان موجود ہے۔مگر اگلے ہی لمحے اپنے بے داغ چہرے کا عکس اُس کے سامنے تھا۔وہ مسکرایا اور اُس نے خدا کا شکر ادا کیا۔

باقی رات وہ سکون سے سوتا رہا۔اُس کی آنکھ فون کی گھنٹی کی آواز سے کھلی۔فون ہیری کا تھا۔جو نیویارک سے اُسے کال کر رہا تھا۔اسے حیرت ہوئی کہ اس بے وقت کال کا کیا مقصد ہے۔کیونکہ نیویارک میں یہ آدھی رات کے بعد کا وقت تھا۔

ہیری نے کتاب کے بارے میں بات کرنے کے لیے فون نہیں کیا تھا۔کتاب کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔کیونکہ چین نے روس پر کامیاب فوج کشی کی تھی۔ہیری اُس سے کہہ رہا تھا کہ وہ پہلی فلائٹ پکڑ کر واپس آ جائے۔کیونکہ اب کسی بھی لمحے کچھ بھی ہو سکتا ہے۔

''ٹھیک ہے ہیری۔تمہارا شکریہ۔''

میسن نے ٹی وی آن کیا۔روسی نیوز ایجنسی تاس نے چینیوں کے حملے کو ٹڈی دل کی یلغار سے تشبیہ دی تھی۔نیوز کاسٹرز جنگ کے پلان کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔وہ یاد دلا رہے تھے کہ روس نے بار ہا دھمکی دی تھی کہ اگر اپنی کثرتِ آبادی پر اترانے والوں نے شمال کا رخ کیا تو وہ اُسے صفحۂ ہستی سے مٹا دے گا۔

اُس کا ایک ہی مطلب ہو سکتا تھا......ایٹمی اسلحے کا استعمال۔کریملن میں بیٹھے ہوئے روسی قائد نے اعلان کیا تھا کہ وہ اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹے گا۔اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ تیسری جنگ عظیم شروع ہو چکی ہے۔ٹی وی پر نظر آنے والے تمام سیاسی پنڈت دہشت زدہ نظر آ رہے تھے۔

میسن اٹھا اور آفس میں چلا گیا۔اُس نے اینا کا نمبر ملایا۔جواب دینے والی مشین نے اسے مطلع کیا کہ اینا گھر میں نہیں ہے۔

اب کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔میسن جانتا تھا کہ وہ کہاں ہوگی۔اسے جلد از جلد وہاں پہنچنا تھا،اور اُس کی ایک ہی صورت تھی۔اُس نے ریسیور اٹھایا اور ریسیپشن کا نمبر ملایا۔''مجھے ہیلی کاپٹر کرائے پر مل سکتا ہے؟''اُس نے استقبالیہ کلرک سے پوچھا۔

''کیوں نہیں جناب۔کب چاہیے؟''

''اب سے پانچ منٹ پہلے مل جاتا تو اچھا ہوتا۔مگر خیر،پانچ منٹ بعد سہی۔''میسن نے جواب دیا۔

......✿......

وقت ہو چکا تھا!

چیلے خاموشی سے سیاہ معبد کے باہر راہداری میں قطار لگائے کھڑے تھے۔ ایک لمحہ وہ دروازے پر رکتے اور اجازت ملنے پر اندر جاتے۔ ڈیمین اپنے لبادے میں تھا۔ کتا اُس کے ساتھ کھڑا تھا۔ ڈیمین کی گردن کے سات سوراخوں سے خون رس رہا تھا۔ رسم وہی پرانی تھی۔ ہر مرد، عورت اور بچے کے لیے ایک سی رسم۔ انہیں ڈیمین کا خون چکھنا تھا، اور پھر قربان گاہ پر جا کر ڈیمین سینئر کی باقیات کی پوجا کرنی تھی۔ کچھ لوگ رو رہے تھے، کچھ بے تاثر تھے۔ ایک نرس تو تقریباً بے ہوش ہو گئی تھی۔ جیفریز نے جو دروازے پر کھڑا تھا، اسے سہارا دیا۔

رسم ختم ہوئی تو ڈیمین نے اپنے باپ کی کھوپڑی اٹھالی۔ جیفریز ہڈیوں کو سیاہ تابوت میں رکھ رہا تھا۔ پھر پیچھے مڑ کے دیکھے بغیر ڈیمین جونیر آخری بار معبد سے نکلا۔ جیفریز اور جسیم کتا اُس کے پیچھے تھے۔ وہ راہ داری عبور کر کے زینے کی طرف بڑھا۔ نیچے اتر کر وہ ہال سے گزرا اور صدر دروازے کی طرف بڑھا۔ باہر لان میں تمام چیلے اُس کے منتظر تھے۔

ڈیمین نے اس اجتماع کا جائزہ لیا اور مسکرایا۔ ’’یہ لکھ دیا گیا ہے کہ اس ساعت میں وہ لوگ جو میرے باپ کا نشان پا چکے ہیں، پھلیں پھولیں گے۔ جبکہ اس سے محروم لوگ خدا کے سینے سے جالگیں گے۔‘‘

’’کچھ چیلوں نے بے اختیار سینے پر ہاتھ سے الٹی صلیب کا نشان بنایا۔ کچھ بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گئے۔

’’وقت آ گیا ہے۔ میرے ساتھ اظہار مسرت کرو۔‘‘ ڈیمین نے کہا۔

فضا میں دھیمی سی بڑبڑاہٹ ابھری۔ ’’ہم خوش ہیں۔‘‘

’’تمہیں وفاداری کا انعام ملنے والا ہے۔‘‘

’’ہم خوش ہیں......ہم شکر گزار ہیں۔‘‘

’’دنیا کے خاتمے کا وقت آ پہنچا ہے۔‘‘

’’ہم خوش ہیں۔‘‘

ڈیمین مکمل خاموشی کا انتظار کرنے لگا۔ پھر وہ دروازے سے باہر آ گیا۔ ’’میرے پیچھے آؤ۔ تمہیں گواہی دینی ہوگی۔‘‘

’’لوگوں نے چھٹ کر اسے گزرنے کا راستہ دیا۔ پھر وہ ایک قطار میں اُس کے پیچھے چل دیے۔ ڈیمین کا رخ پہاڑی پر موجود گرجا کے کھنڈر کی طرف تھا۔

وہ دوپہر کا وقت تھا، اور سردی شدید تھی۔ آسمان پر گہرے بادل تھے، اور گھاس پر پالا چمک رہا تھا۔

ڈیمین اجڑے ہوئے گرجا کے سائن بورڈ کے پاس رکا اور اُس نے پلٹ کر دیکھا۔ پھر اُس نے بورڈ پر ایک نظر ڈالی اور دروازے پر کھڑے ہو گیا۔ وہ سب لوگ بھی اس کے قریب اکٹھا ہو گئے تھے۔ ان کی سانسوں کی بھاپ گرجا میں جا رہی تھی، اور گرجا کی ٹوٹی ہوئی چھت کی وجہ سے ایسا لگ رہا تھا کہ وہاں آگ لگی ہوئی ہے۔

''یہ رہا خدا کا گھر...... اجاڑ اور ویران۔ اور دور دور تک کوئی کرسچن نظر نہیں آرہا۔'' ڈیمین نے کہا۔ ''نزارین، کہاں گئے تیرے ماننے والے؟ اس وقت تو تجھے ان کی ضرورت ہے۔ مگر یہاں ہمارے سوا کوئی نہیں۔ اور ہم تیرا، تیری تعلیمات کا اور تیرے خدا کا مذاق اڑانے کے لیے یہاں آئے ہیں۔ یہ ہم ہیں، جو فتح یاب ہوئے۔''

وہ آگے بڑھا...... پہلے جھجکتے ہوئے، اور پھر تیزی سے ہر لمحہ اس کا اعتماد بڑھ رہا تھا۔

''دیکھا نزارین۔'' وہ آسمان کی طرف منہ اٹھا کر چلایا۔ ''میں اس مقدس زمین پر قدم رکھ چکا ہوں۔ یہ میری فتح کا ثبوت ہے۔''

وہ آگے بڑھا اور شہتیر سے بندھی ہوئی صلیب کو گھورنے لگا۔ پھر اُس نے سر جھکا کر قربان گاہ پر سڑتی ہوئی لاش کو دیکھا۔ اُس نے آگے بڑھنا چاہا۔ لیکن نہیں بڑھ سکا۔ اسے دوسروں کی طاقت درکار تھی۔ اُس نے اشارے سے انہیں اندر بلایا۔

اُس کی طرح وہ بھی ابتدا میں ڈرے اور جھجکے۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا ہے، تو وہ ڈرتے ہوئے، ایک دوسرے سے ٹکراتے ہوئے اندر احاطے میں داخل ہوئے اور نیم دائرے کی شکل میں کھڑے ہو گئے...... احاطے میں قبروں کے کتبوں کے درمیان!

ڈیمین نے مسکرا کر انہیں دیکھا اور ان کے درمیان چلا آیا۔ وہ ان کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا، عورتوں کے ساتھ دست درازی کر رہا تھا، مردوں کا ہاتھ تھام رہا تھا اور بچوں کو مسکراہٹ سے نواز رہا تھا۔

اُس کے لمس سے ایک عورت بے ہوش ہو گئی۔ اُس نے اسے سہارا دے کر گھٹنوں کے بل، تعظیم دینے والے انداز میں بٹھایا۔ ''طاقت پکڑو۔ خود کو آخری بدتمیزی اور گستاخی کے لیے تیار کرو'' اُس نے لوگوں سے کہا۔

تمام لوگ اُس کی تقلید میں اسی انداز میں جھک گئے۔

''ایک دوسرے کو الوداع کہہ لو۔'' ڈیمین نے کہا، پھر مشرق کی طرف رخ کر کے مشرقی افق کو دیکھنے لگا۔ وہ ارد گرد کی بڑبڑاہٹوں اور بچوں کے رونے کی آواز سے بے خبر ہو گیا تھا۔ اُس نے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر رکھے اور آنکھیں بند کر لیں۔

ابتدا میں تو وہ آواز غیر واضح تھی۔ مگر پھر بادلوں کے اوپر گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دینے لگی۔ پھر وہ آواز بہ تدریج اپنے حجم اور تیزی میں بڑھتی گئی۔ ڈیمین نے اُس کی طرف دھیان نہیں دیا۔ یہاں تک کہ آواز تقریباً اُسکے سر پر آپہنچی۔ ہوا سے اُسکا لبادہ پھڑپھڑانے لگا۔ اسے دونوں ہاتھوں سے اپنے لبادے کو تھامنا پڑا۔

ایک عورت چلائی، اور ڈیمین نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ اس روشنی کو گھور رہا تھا۔ پھر بلا ارادہ، جبلی طور پر وہ جھکا، اور آواز اُس کے اوپر سے گزر گئی اُس نے پلٹ کر حویلی کی طرف دیکھا۔ کانپتے ہوئے ہاتھ اسے چھونے لگے۔ وہ اُس سے رہنمائی طلب کر رہے تھے۔

روٹر بلیڈ ابھی گھوم ہی رہے تھے کہ جیک میسن ہیلی کاپٹر سے اُتر آیا۔ اس نے پائلٹ سے انتظار کرنے کو کہا۔ ایک لمحے کو وہ لان میں کھڑا رہا، پھر اُس نے حویلی کی طرف دیکھا۔ مگر اگلے ہی لمحے وہ پہاڑی کی طرف چل دیا۔

دور سے ہی اُس نے دیکھ لیا تھا کہ لڑکا بالکل اپنے باپ کا ہم شکل ہے۔ ہیلی کاپٹر جب ڈیمین کے سر پر سے گزرا تو میسن کے اندر ایک

خواہش ابھری تھی۔ کوئی ان جانی حس اسے بتا رہی تھی کہ یہاں سے دور نکل جانے ہی میں عافیت ہے۔ اُس کا دل چاہا کہ پائلٹ سے واپس چلنے کو کہے۔ لیکن پھر تجسس اُس کے خوف پر حاوی ہوگیا۔

اور اُسکے پاس کوئی راہ فرار بھی نہیں تھی۔ اینا کو تلاش کرنا اُس کی ذمہ داری تھی۔ اور اسے اس خوف ناکی کا سامنا کرنا تھا۔ چاہے اس کے بعد وہ زندہ ہی نہ رہے۔

وہ گرجا تک پہنچا تو تمام لوگ سیدھے کھڑے ہو چکے تھے۔ اُس کے اندازے کے مطابق وہاں کم از کم دو سو افراد تھے، اور وہ اسے نفرت سے گھور رہے تھے۔ وہ سامنے کے چہروں کو ٹٹولتا رہا۔ اسے امید نہیں تھی کہ اینا اسے ان میں نظر آئے گی۔ لیکن وہ غلطی پر تھا۔

پھر ڈیمین آگے بڑھا، اور میسن کو ان تمام باتوں پر یقین آ گیا، جو اُسکے بارے میں اُس نے پڑھی تھیں۔ جن پر وہ یقین نہیں کرتا تھا۔

لوگوں نے اُسے راستہ دیا۔ میسن تن کر، سر اونچا کیے ان کے درمیان سے آگے بڑھا، مگر تیز قدموں سے۔ وہ کوئی خوف نہیں دکھانا چاہتا تھا۔ لیکن سچ یہ ہے وہ خود کو بھیڑیوں کے جھنڈ کے درمیان گھرا محسوس کر رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اُس کے اندر کی دہشت ان سے چھپی نہیں رہے گی۔

ڈیمین گرجا کے دروازے پر کتے کے ساتھ کھڑا تھا۔ میسن خود پر جبر کر کے آگے بڑھتا رہا۔ ڈیمین پیچھے ہٹا اور چرچ کی طرف اشارہ کرنے لگا۔

''ایک اور کمزور سفیر۔'' ڈیمین نے تمسخرانہ لہجے میں اعلان کیا۔ ''آخری ساعت میں بھی نزارین ہار نہیں مانے گا۔''

میسن اُس کے چہرے کی طرف دیکھے بغیر اُس سے آگے بڑھ گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ڈیمین پر اُسکا خوف آشکار ہو۔ دروازے پر وہ رکا اور اُس نے اندر جھانکا اس لمحے سب کچھ صاف ہوگیا۔ اسے ہر سچائی نظر آ گئی۔ خون آلود صلیب، اور اُس میں گڑے ہوئے سات خنجر، اور قربان گاہ پر پڑی بڈھے بٹلر جارج کی لاش میسن کی طبیعت بگڑنے لگی۔ اُس نے چوکھٹ کا سہارا لیا۔ سب کچھ دیکھنے کے باوجود اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اُس نے پوری زندگی عقل و فرد کے سائے میں گزاری تھی۔ ہر اسرار کو عقل و فرد کی روشنی میں پرکھا تھا۔ اس وقت بھی وہ ایسی عقلی دلیل کی جستجو کر رہا تھا، جو قابل یقین ہو......کوئی توجیہہ!

''تو اب کیا ہونا چاہیے مسٹر میسن؟'' عقب سے ڈیمین نے زہریلے لہجے میں کہا۔

میسن نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ اُس نے سلام کے بول یاد کرنے کی کوشش کی۔ مگر وہ اسے یاد نہیں آئے۔

''کوشش کرو۔ میں تمہیں چیلنج کرتا ہوں۔'' ڈیمین نے کہا۔ ''یہاں موجود لوگوں کو اپنے دلائل سے قائل کرو۔ انہیں سیدھا راستہ دکھانے کی کوشش کرو۔ چلو ان میں سے کسی ایک کو ہی قائل کر لو۔ جہاں نزارین ناکام ہوگیا، وہاں تم بھلا کامیاب ہو سکتے ہو۔'' وہ ہنسنے لگا۔ ''صرف ایک...... کسی ایک کو قائل کر کے دکھاؤ مسٹر میسن۔''

میسن نے ادھر اُدھر دیکھا۔ تمام چہروں پر خالی پن تھا۔ اُس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''ان میں سے 90 فیصد لوگ ہوس کے راستے پر چل کر مجھ تک پہنچے ہیں...... مال کی، طاقت کی، جسموں کی ہوس، ڈیمین نے کہا۔ ''نسل

انسانی کے بارے میں پیش گوئی کرنا کتنا آسان ہے۔ 90 فیصد لوگ ترغیب ہوس سے بچ نہیں سکتے۔ اور باقی دس فیصد عقل والے ہیں۔ انہیں عقلی دلائل سے گمراہ کیا جاتا ہے اور عقلی دلائل سے عقل والوں کو گمراہ کرنا کتنا آسان ہے، یہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ دیکھ لو، تمہیں ہر جسم پر کہیں نہ کہیں شیطان کا علامتی نشان نظر آئے گا۔''

میسن کو احساس ہوا کہ کسی عورت کو اُس کی طرف بڑھایا جا رہا ہے۔ وہ لبادہ پہنے تھی، اور اُس کا چہرہ نقاب میں تھا۔ مگر اسے پہچاننے کے لیے میسن کو نقاب اٹھانے کی ضرورت نہیں تھی۔

''یہ میرا تازہ ترین شکار ہے۔'' ڈیمین نے کہا۔ ''اسے ہم نے بڑی آسانی سے پھنسالیا۔ یہ بیک گراؤنڈ سے واقف تھی۔ جن لوگوں کو بچپن میں نزارین کی تعلیمات گھول کر پلائی جاتی ہیں، وہ بہت آسان ہدف ثابت ہوتے ہیں۔''

اینا نے نقاب ہٹا کر اسے دیکھا اور مسکرائی۔ اُس کے چہرے پر بازاری عورتوں کی طرح میک اپ تھپا ہوا تھا۔ میسن لڑکھڑاتا ہوا چوکھٹ سے جا لگا۔

ایک پستہ قامت نن اینا کا ہاتھ تھامے ہوئے تھی۔ وہ میسن کو دیکھ کر مسکرائی۔ ''یہ کسی تحقیقی کام کے لیے آئی تھی۔ پھر ہم نے اسے راستہ دکھایا۔''

میسن نے اینا کا نام لے کر اسے پکارا، مگر اینا نے منہ پھیر کر نن کو دیکھا اور مسکرائی۔ ''جو ڈھونڈتا ہے، وہ پالیتا ہے۔'' اُس نے کہا اور گونج دار آواز میں ہنسنے لگی۔ میسن نے سمجھ لیا کہ اب وہ اُس تک نہیں پہنچ سکتا۔

اب ڈیمین اکتا چکا تھا۔ اُس نے میسن سے کہا۔ ''جاؤ...... اور اپنے خالق سے جا ملو۔''

میسن نے تابع داری سے اثبات میں سر ہلایا اور دہلیز پار کر کے گرجا میں داخل ہو گیا۔ چند لمحے وہ صلیب کو دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے بڈھے جارج کی متعفن لاش کو پھلانگا۔ اُس کی خالی آنکھوں میں کیڑے کلبلا رہے تھے۔ میسن کے قدموں کے پاس بھی بے شمار کیڑے تھے۔ میسن نے ایک جھرجھری لی اور وہیں قے کر دی۔ وہ بار بار الٹیاں کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اُس کے پیٹ میں کچھ بھی نہ رہا۔ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر دعا مانگنے لگا۔ لوگوں کے زہریلے قہقہے اُس کی سماعت کو چھید رہے تھے۔

انسانیت کی تذلیل اور اخلاق باختگی کے آغاز کا سبب ایک ننھا بچہ تھا، جو بھوکا رو رہا تھا۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر ماں کی چھاتیوں کو ٹٹولا اور دودھ پینے لگا۔ اس منظر نے چند نوجوانوں کے جذبات کو بھڑکا دیا۔ میسن نے شرم سے سر جھکا لیا۔ پاکیزگی اور معصومیت بھی سفلہ جذبوں کو بھڑکا سکتی ہے، اس کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ اب وہاں انسانیت بے لباس ہو کر وحشت کے رقص میں مصروف تھی۔

میسن نے ڈیمین کی طرف دیکھا۔ وہ پیچھے ہٹ کر یوں بے نیازی سے کھڑا تھا، جیسے اسے اس رقص وحشت کی خبر ہی نہ ہو۔ میسن اٹھ کر کھڑا ہوا۔ اینا اسے مردوں کے ایک گروپ میں اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھی نظر آئی۔ میسن نے شرم سے آنکھیں بند کر لیں۔ اگرچہ وہ منظر اُس کے لیے باعث اکراہ تھا، اُس کے باوجود اُس کے وجود میں خواہش کی ایک تند اور پاگل لہر دوڑ گئی تھی...... جانوروں جیسی دیوانگی آمیز خواہش، جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اس پر اتنا شرمندہ ہوا کہ اسے سر اٹھا کر صلیب کو دیکھنے کی ہمت بھی نہیں ہوئی۔

اگر پادری نے سچ کہا تھا کہ مسیح دوبارہ آچکا ہے تو اب وہ اسے کیا منہ دکھائے گا۔

اس نے دوبارہ آنکھیں کھولیں تو وہاں طوفانِ بدتمیزی برپا تھا۔ جن لوگوں کو اپنی غلاظت کے اظہار کے لیے کوئی شریک نہیں ملا تھا، وہ گرجا کے کھنڈر کو بھی مسمار کرنے پر تل گئے تھے۔ ڈیمین قہقہے لگا رہا تھا۔ کچھ لوگ اُس کی تقلید کر رہے تھے۔ انہوں نے میسن کو یوں نظر انداز کر دیا تھا، جیسے اُس کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔ اور وہ بھی یہ بات جانتا تھا۔ قیامت کی اس گھڑی میں وہ بے حیثیت تھا۔

اُس نے پھر آنکھیں بند کرلیں۔ اس بار آنکھیں کھولیں تو اینا اُس کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوس ناک نظروں سے گھور رہی تھی۔ اُس کی لپ اسٹک اور چہرے کا میک اپ پھیل گیا تھا۔ اُس کا لبادہ جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا۔

اینا نے اُس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اسے اپنارات کا خواب یاد آ گیا۔ اُس نے اینا کے منہ پر زوردار تھپڑ مارا۔ مقصد صرف اسے ہوش میں لانا تھا۔ لیکن اینا نے چہرہ گھمایا۔ میسن کو احساس ہوا کہ اینا کی ناک پر شدید ضرب لگی ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے خون بہنے لگا۔

اینا لڑکھڑاتی ہوئی اٹھی۔ ''اینا...... پلیز۔'' میسن نے سرگوشی میں کہا۔

اور اینا اچانک پلکیں جھپکانے لگی۔ انداز ایسا تھا، جیسے نیند سے، خواب دیکھتے ہوئے جاگ رہی ہو۔

''جیک......'' اُس نے ڈری ڈری آواز میں اسے پکارا اور لبادے سے اپنے بدن کو ڈھانپنے لگی۔

میسن نے اُس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ لیکن وحشیوں نے خون کی بو پالی تھی۔ انہوں نے اُس سے پہلے ہی اسے گھسیٹ لیا۔ ''اینا'' وہ چلایا۔ مگر اسے پیچھے سے جکڑ لیا گیا تھا۔ اُس نے ہاتھ اندھا دھند گھمایا، لاتیں چلائیں۔ مگر وہ تعداد میں زیادہ تھے۔ انہوں نے اسے گرا دیا۔ وہ بے بسی سے اینا کی چیخیں سنتا رہا۔ پھر وہ چیخیں گھٹی گھٹی سسکیوں میں، اور پھر خاموشی میں تبدیل ہوگئیں۔

انہوں نے اسے چھوڑ دیا تھا اور قربان گاہ پر ڈھیر ہو گیا تھا۔ اُس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ ڈیمین کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ اُس نے جان لیا کہ ڈیمین ٹھیک کہہ رہا تھا۔ انسانی نسل اپنے وجود کا حق کھو بیٹھی ہے۔ زندگی میں پہلی بار وہ موت کو نعمت سمجھ رہا تھا اور وہ جلد از جلد اسے گلے لگانا چاہتا تھا۔ بس اُس کی دعا یہ تھی کہ موت آسان ہو۔

گرجا کو پوری طرح مسمار کیا جا چکا تھا۔ چار دیواروں کے سوا کچھ بھی تو نہیں بچا تھا۔ قربان گاہ پر ایک بڈھا آدمی ایک بچے کے ساتھ زیادتی کر رہا تھا۔ لیکن میسن کو اب کسی بات کی پروا نہیں تھی۔ وہ اتنا کچھ دیکھ چکا تھا کہ اب اُس کے لیے کوئی بات غیر معمولی بات نہیں تھی۔ اُس نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ ڈیمین قربان گاہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ وہ اس بڈھے شخص کو ڈانٹ کر وہاں سے ہٹنے کو کہہ رہا تھا۔ اور ایک دبلا پتلا زرد رو آدمی ایک سیاہ صندوق اٹھائے چلا آ رہا تھا۔ ڈیمین نے صندوق کھولا، کچھ ہڈیاں اُس میں سے نکال کر قربان گاہ پر رکھیں اور پھر دعا کے لیے جھک گیا۔ اُس کے چیلوں نے اُس کی تقلید کی۔ چرچ میں خاموشی چھا گئی۔ ڈیمین خاموشی سے دعا کر رہا تھا۔

میسن نے دروازے کی طرف دیکھا۔ یہ اُس کے لیے وہاں سے نکلنے کا موقع تھا۔ لیکن اُس نے سوچا، وہ جائے گا کہاں۔ اسے ان منحوسوں کے درمیان ہی مرنا ہوگا۔ یہ کیسی موت ہے۔ اُسے خود پر ترس آنے لگا۔

پھر اُس نے ڈیمین کو اٹھتے دیکھا۔ لیکن اُس نے اپنے چیلوں کو اسی طرح جھکے رہنے کا اشارہ کیا تھا۔ اُس نے سر اٹھا کر صلیب کو دیکھا اور فاتحانہ لہجے میں گویا۔ ''سب کچھ ختم ہو گیا نزارین۔ مجھے اب تمہاری قوت بالکل محسوس نہیں ہو رہی ہے۔'' وہ مسکرایا۔ ''کتاب میں لکھا ہے کہ شیطان زمین کے چاروں کونوں میں آباد اقوام کو گمراہ کرے گا۔ لیکن یہ گمراہی نہیں، یہ تو مقدر ہے۔ خود کو تباہ کرنا انسانیت کا مقدر تھا۔ تمہاری تعلیمات دھری کی دھری رہ گئیں نزارین۔'' اُس نے سر گھما کر اپنے چیلوں کا جائزہ لیا۔ ''ذرا انہیں دیکھو...... یہ غلاظت میں لتھڑے ہوئے جسم، یہ ہوس میں ڈوبے ہوئے ذہن۔'' وہ اُن سب سے مخاطب ہوا۔ ''اب تم سب سے جہنم میں ملاقات ہوگی۔''

اس کے جواب میں سب نے آمین کہا۔

''اے مقدس باپ، اے شیطان، جیسے زمین پر ہماری بالادستی رہی، ویسے ہی جہنم میں بھی ہماری حکومت ہوگی۔''

''آمین۔''

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر اجتماع میں زندگی کی لہر دوڑنے لگی۔ دبی دبی ہنسی کی آوازیں ابھرنے لگیں۔

اُسی لمحے آہٹیں ابھریں۔ سب دروازے کی طرف متوجہ ہوئے۔ سفید لبادہ پہنے اور چاندی کا مقدس پانی کا ظرف لیے ایک عورت دروازے پر کھڑی تھی۔ پھر وہ اندر آئی۔ اس کی نظریں ڈیمین کے چہرے پر جمی تھیں۔ ''میرے جسم پر شیطان کا علامتی نشان موجود ہے۔'' اُس نے کہا۔ ''اس لیے تمہیں میرا خیر مقدم کرنا چاہیے۔''

ڈیمین نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا اور قربان گاہ سے ٹیک لگائی۔

''برسوں میں نے تمہاری پرستش کی ہے۔'' عورت نے ڈیمین سے کہا، اور پھر اجتماع سے مخاطب ہوئی۔ ''میں نے اپنی روح کو بڑھ چڑھ کر آلودہ کیا میں پال بوہر کے ساتھ سوئی۔ پھر اس نطفہ حرام کے لیے میں نے قتل بھی کیا۔'' یہ کہتے ہوئے اُس نے ڈیمین کی طرف اشارہ کیا۔ ''اوپر، سیاہ معبد میں میں نے اپنی دیوانگی میں اپنے شوہر پر خنجر کے وار کیے۔ سنا ہے کہ وہ خون اب بھی وہاں فرش پر جما ہوا ہے۔ اسے آج تک دھویا نہیں گیا۔''

اُس نے برتن کا رخ گرجا کی چاروں کونوں کی طرف کیا۔ ''یہ میرے شوہر کی راکھ ہے، جس سے میں نے بے وفائی کی اور پھر قتل کر دیا۔'' اُس نے آنکھیں نیچے کیں اور یوں کھڑی ہو گئی، جیسے دعا کر رہی ہو۔ پھر وہ پلٹی اور لوگوں کو ہٹاتی ہوئی سیڑھی کی طرف لپکی۔ ڈیمین اُس کی طرف بڑھا۔ مگر ایک قدم اٹھانے کے بعد رک گیا۔ میسن نے اُس کے چہرے پر الجھن لہراتے دیکھی...... بلکہ وہاں خوف کی ایک جھلک سی بھی ہو کر گزر گئی۔ کتا غرایا اور جھپٹا۔ مگر اسے دیر ہو چکی تھی۔ وہ سیڑھی تک نہ صرف پہنچ گئی تھی، بلکہ تیزی سے چڑھ بھی رہی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہ اوپر پہنچ گئی۔

ڈیمین غرایا اور سیڑھی کے نچلے حصے کے پاس آ کھڑا ہوا۔

عورت اب شہتیر پر چڑھ کر بیٹھ گئی تھی اور دونوں ٹانگیں دونوں طرف لٹکالی تھیں۔ وہ کرائسٹ کے چوبی مجسمے کے کندھے پر بیٹھی تھی۔ اُس

کے تاج کے کانٹے اُس کی ران میں چبھ رہے تھے۔ مگر اسے جیسے پتا ہی نہیں تھا۔

ایک لمحے وہ ساکت بیٹھی رہی۔ پھر وہ مسکرائی اور اُس نے لات مار کر سیڑھی کو گرا دیا۔ تمام چیلے گھبرا کر اُس کی زد میں آنے سے بچنے کے لیے تتر بتر ہوئے سیڑھی درمیانی راستے پر گری۔ گرد و غبار کا ایک طوفان اٹھا، جس نے صلیب کو چھپا لیا۔

فضا جب صاف ہوئی تو مارگریٹ برینن ظرف کو ہاتھوں میں بلند کیے نظر آئی ''تم کہتے ہو کہ تمہارا وقت آ گیا ہے ڈیمین۔ مگر تم غلطی پر ہو۔ کتاب میں لکھا ہے، ارمگیدون کے بعد مرنے والوں کو پھر زندگی دی جائے گی۔'' وہ تمسخرانہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔ ''میرا شوہر بھی دوبارہ جی اٹھے گا۔ ہم دونوں پھر یک جا ہوں گے۔''

ڈیمین دہاڑا۔ وہ کسی درندے کی اذیت بھری پکار تھی۔ وہ قربان گاہ پر چڑھ کر جانوروں کی طرح ہاتھ پیروں پر کھڑا ہوا۔ پھر وہ سیدھا کھڑا ہوا اور اُس نے دونوں ہاتھ پھیلائے، جیسے اسے پکڑنے کی کوشش کر رہا ہو۔ مگر وہ اُس کی پہنچ سے باہر تھی۔ وہ چلایا۔ مگر وہ مارگریٹ سے نہیں، صلیب سے مخاطب تھا۔ ''تم ایک اور غدار کا سہارا لے رہے ہو نزارین۔ یہ کون ہے......؟ میرے پرانے ساتھیوں میں سے ایک۔ ایک رہن شدہ روح!''

''جواب میں مارگریٹ نے حقارت سے اسے منحوس نطفہ حرام کہہ کر پکارا اور برتن کو اُلٹ دیا۔ راکھ ڈیمین کے منہ پر گری۔ اُس کے اس اچانک حرکت کے نتیجے میں صلیب بری طرح ہلی اور شہتیر کے چٹخنے کی آواز سنائی دی۔

لوگوں نے چیخ کر ڈیمین کو خبردار کیا مگر ڈیمین کو کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ راکھ ہٹانے کی کوشش میں اپنے چہرے کو نوچ رہا تھا۔ مگر راکھ اُس کے چہرے سے چمٹ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا۔ اُس نے سر اٹھا کر مارگریٹ برینن کو دیکھا اور دانت نکوسنے لگا۔ مارگریٹ نے کرائسٹ کے چہرے کو دونوں گھٹنوں کے درمیان دبا رکھا تھا اور گھڑ سواروں کے انداز میں صلیب کو جھلا رہی تھی۔ اُس کے دونوں ہاتھ کانٹوں کے تاج کو گرفت میں لیے ہوئے تھے۔ اور وہ بار بار اپنا نعرہ دہرا رہی تھی...... منحوس نطفہ حرام۔

شہتیر سے مسلسل چٹخنے کی آواز آ رہی تھی۔ دوسروں کی طرح میسن بھی چیخ کر ڈیمین کو قربان گاہ سے ہٹنے کو کہہ رہا تھا۔

پھر شہتیر ٹوٹا اور اپنے پشت پناہ سے جدا ہوا۔ صلیب سر کے بل قربان گاہ پر گرنے لگی۔ ڈیمین نے دونوں ہاتھ پھیلائے...... خود کو بچانے کے لیے نہیں، بلکہ صلیب سے ٹکرانے کے لیے۔ وہ پاگلوں کی طرح چلا رہا تھا۔ صلیب اُس کے جسم سے ٹکرائی اور اسے نیچے لے کر قربان گاہ پر گری۔ تاج کے کانٹے اُس کے سر میں گھس گئے۔ کرائسٹ کا چہرہ اُس کے چہرے پر اور سینہ اُس کے سینے پر تھا۔

ایک لمحے کو خاموشی رہی۔ پھر صلیب کے نیچے سے ایک آہ سی ابھری۔ ڈیمین نے ہاتھوں اور پاؤں سے اپنے اوپر گرے ہوئے کرائسٹ کے مجسمے کو لپٹایا ہوا تھا۔ مگر ان پر تشنج طاری تھا۔

پھر ڈیمین تھورن جونیر ساکت ہو گیا۔

سب سے پہلے میسن حرکت میں آیا...... اور وہ بھی جبلی طور پر۔ اُس نے عورت کو دھکا دے کر دور ہٹایا۔ اور صلیب کو ہٹانے کی کوشش کی۔ اُس کے نتیجے میں صلیب ٹوٹ گئی۔ صلیب کو ڈیمین پر سے ہٹاتے ہٹاتے وہ ہانپ گیا۔ پھر اُس نے پیچھے ہٹ کر ڈیمین کو دیکھا۔ وہ آخری سانسیں

لے رہا تھا۔ اور اُس کی موت کا سبب وہ ساتوں خنجر تھے، جو جھٹکے کی وجہ سے دستے تک اُس کے جسم میں اتر گئے تھے۔

وہ حیرت سے ان خنجروں کو دیکھ رہا تھا، جن کے بارے میں اُس نے بوڑھے پادری کے خط میں پڑھا تھا۔ اسے کارل بیوگن ہیگن کی ہدایت یاد آئیں۔

''ساتوں خنجر جسم میں دستے تک اتریں، اس انداز میں کہ وہ صلیب کی شکل بنائیں۔ پہلا خنجر سب سے اہم ہے۔ وہ صلیب کا مرکز ہے۔ اور جسمانی زندگی کا خاتمہ کرتا ہے۔ باقی تمام خنجر روحانی زندگی کے خاتمے کے لیے ہیں اور یہ کام مقدس زمین پر کیا جائے......''

ڈیمین تھورن جونیئر مر چکا تھا...... جسمانی طور پر بھی اور روحانی طور پر بھی۔ اور وہ اپنے باپ کی ہڈیوں پر پڑا تھا۔

ایک آخری کام اور تھا، جو میسن کو اپنے علمی تجسس کی خاطر کرنا تھا۔ وہ آگے بڑھا اور پانچویں اور چھٹے خنجر کے درمیان خون صاف کر کے دیکھا۔ بوڑھے نے غلط نہیں کہا۔ ڈیمین تھورن کے جسم میں پیالہ ناف کا وجود بھی نہیں تھا۔

میسن جبلی طور پر اپنے ہاتھ سے سینے پر صلیب کا نشان بنایا۔ اسی لمحے چیلوں کی گریہ وزاری کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ افراتفری مچ گئی۔ روتے ہوئے چیلے گرجا سے نکلنے لگے۔ مارگریٹ کے ساکت چہرے پر وہ فاتحانہ مسکراہٹ عجیب لگ رہی تھی۔

میسن اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازے سے گزر کر وہ احاطے میں آیا، مگر گیٹ کے پاس ٹھٹک گیا۔ کتا اپنے پنجوں سے ایک قبر کھود رہا تھا وہ کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔ زمین سخت تھی۔ اس کام میں وقت لگتا تھا۔ لیکن کتا مستقل مزاجی سے لگا رہا وہ طاقتور بھی تھا۔ جب وہ مطمئن ہو گیا تو اُس گڑھے میں پہلو کے بل لیٹ کر اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔

میسن گیٹ سے گزرا اور حویلی کی طرف بڑھنے لگا۔ اچانک کسی نے اسے پکارا۔ اُس نے سر گھما کر دیکھا۔ اینا گھٹنوں کے بل چلتی جنگل سے نکل کر اُس کی طرف آ رہی تھی۔ وہ ٹوٹی پھوٹی اور لہولہان تھی۔ اُس کی آواز میں بھی نقاہت تھی۔

''خدا کا شکر ہے۔'' میسن نے کہا۔ اور اُس کی طرف لپکا۔ پھر اُس نے اینا کو تھام لیا۔ وہ اُس کے زخمی چہرے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

''سب ختم ہو گیا نا؟'' اینا نے پوچھا۔

میسن نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ابتری اور گناہوں کا عہد ختم ہو چکا تھا، اور فلاح کا عہد شروع ہو رہا تھا

........✿........

ٹی وی پر سیاسی پنڈت ایک دوسرے سے ایک ہی بات پوچھ رہے تھے...... یہ سب کچھ رک کیسے گیا؟ ان کی پیش گوئی کے مطابق جنگ کیوں نہیں ہوئی؟ کیسے ٹل گئی؟ ٹریگرز پر جمی ہوئی انگلیاں کیسے ہٹ گئیں؟ یہ سب کیسے ہوا؟

لیکن جواب کسی کے پاس نہیں تھا، صرف قیاس آرائیاں تھیں اور قیاس کی کوئی حد نہیں تھی۔ انسانیت عدم کے غار کے دہانے تک پہنچ گئی تھی۔ مگر پھر پیچھے ہٹ آئی تھی آخری لمحے میں ہوش مندی فتح یاب ہو گئی تھی۔

کیوں؟ سیاسی پنڈت ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے، اور جواب میں محض کندھے جھٹک کر رہ جاتے تھے۔ اب اس سے فرق بھی کیا پڑتا تھا کہ یہ سب کیسے ہوا لیکن انسانیت ایک جشن کی بہر حال مستحق تھی۔

جیک میسن نے ٹی وی بند کیا اور اپنی میز کا جائزہ لیا۔ وہاں نوٹس کا انبار تھا۔ سب سے اوپر اینا کا دیا ہوا پیکٹ تھا، جس میں خطوط اور کئی کیسٹ تھے۔ وہ اسے اپنی فائل میں ملے تھے اور اُس نے انہیں میسن کو پوسٹ کر دیا تھا۔ ساتھ ہی رقعہ بھی تھا۔ اُس نے لکھا تھا کہ ڈاکٹروں کو امید ہے کہ اس کی صحت تھوڑے ہی عرصے میں بحال ہو جائے گی۔ لیکن ذہنی زخم مندمل ہونے میں زیادہ وقت لگے گا۔

فون کی گھنٹی بجی۔ دوسری طرف ہیری کنگ تھا۔ ہیجان کی وجہ سے اُس کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔ ''سنو...... مشرق میں ایک نیا ستارہ پیدا ہوا ہے۔'' ماہر فلکیات نے کہا'' میں نے اس کی پوری تفصیل ریکارڈ کر لی ہے۔ یہ میرا ستارہ ہے۔ یہ بتاؤ، اس کا نام کیا رکھوں؟''

''تمہارا ستارہ ہے، تمہی سوچو...... یہ تو تمہارا حق ہے۔'' میسن نے کہا۔'' ہاں...... نام رکھ لو تو مجھے بتا دینا۔''

''فون رکھ کر وہ ٹائپ رائٹر میں لگے سادہ کاغذ کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ جانتا تھا کہ آغاز کی بڑی اہمیت ہے۔ بہر حال وہ جانتا تھا کہ اب وہ ڈیمین سینئر اور ڈیمین جونیئر کی کہانی لکھ سکتا ہے۔ کیونکہ اُس کے پاس تمام حقائق موجود ہیں اسے صرف انسپائریشن کی ضرورت ہے۔

اُس نے بڈھے پادری کے خط کو دیکھا، کارل بیوگن ہیگن کی پیش گوئی پڑھی کہ ارمگیدون کئی ہوں گی۔ جو کچھ ہوا، وہ پہلے بھی ہو چکا ہے اور آئندہ بھی ہوگا۔ وقت ایک دائرہ ہے۔ سورج کے نیچے نیا کچھ بھی نہیں ہے۔ سب کچھ بار بار دہرایا جاتا ہے۔

پھر میسن کو انسپائریشن مل گئی۔ سیاہ ستارہ! ڈیمین تھورن کی پیدائش! وہ ٹائپ رائٹر پر جھک گیا۔

'جو کچھ ہوا، ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں ہوا، اس نے ٹائپ کرنا شروع کیا۔' وہ تغیر جو کہکشاں میں ہزاروں برسوں میں بہ تدریج رونما ہوا تحرک بنا تو پلک جھپکنے میں واقع ہو گیا......'

اُس نے سوچا، اس کے نام کے بارے میں بعد میں سوچا جائے گا......

......☼......

احسان بہت پریشان اور دل گرفتہ تھا۔ جب بھی وہ اس کیفیت میں ہوتا تو حنیف ارشد کا آخری آڈیو کیسٹ سنتا۔ وہ آخری کیسٹ ان کی شہادت کے بعد ریلیز ہوا تھا۔ وہ کسی اجتماع سے ان کا خطاب نہیں تھا۔ بلکہ وہ ان کی تنہائی کی سوچیں تھیں، جو انہوں نے آخری دنوں میں ریکارڈ کرادی تھیں اور وصیت کی تھی کہ ان کی موت کے بعد وہ منظر عام پر لائی جائیں۔ وہ اُمتِ مسلمہ کے لیے ان کا پیغام تھا۔

احسان نے کیسٹ کو ٹیپ ریکارڈر میں لگایا اور پلے کا بٹن دبا دیا۔ کمرے میں حنیف ارشد کی پرسوز آواز گونجنے لگی۔

میرے مسلمان بھائیو، اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آپ کے ایمان کی حفاظت فرمائے۔ اس وقت جبکہ آپ میری آواز سن رہے ہیں تو میں آپ کے درمیان موجود نہیں ہوں۔ یہ کیسٹ میں نے دو وجوہات کے تحت ریکارڈ کرا کے محفوظ کر دیا تھا کہ میری موت کے بعد آپ تک پہنچے۔ ایک وجہ تو میری خود غرضی ہے۔ میں آپ سے التجا کر رہا ہوں کہ میری مغفرت کے لیے دعا کرتے رہیے۔ اللہ سے دعا کیجیے کہ میرے گناہ بخش دے اور مجھے اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ میرے ساتھ رحم و کرم کا اور عطا کا معاملہ ہو۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ اللہ کی مہربانی اور کرم سے جو کچھ میں نے سمجھا، وہ آپ تک پہنچا دوں۔ کیونکہ وہ اللہ کا دیا ہوا ہے اور آپ کی امانت ہے۔ میری کوشش ہے کہ آپ کی امانت آپ تک پہنچا دوں۔ اس کے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے اور استعانت طلب کی ہے۔ کیونکہ سمجھنا ایک بات ہے اور جو کچھ سمجھا ہے، اسے الفاظ میں منتقل کر کے آگے بڑھانا دوسری، اور مشکل بات ہے۔ اللہ مجھے اس سے محفوظ رکھے کہ میرے منہ سے کوئی گمراہ کن بات نکلے، میں کچھ غلط کہہ جاؤں اور گناہ گار ٹھہروں۔ کیونکہ میں کوئی عالم نہیں، ایک عام انسان ہوں۔

ہاں میرے بھائیو، میں آپ سب جیسا ایک عام انسان ہوں۔ آپ سے زیادہ گناہ گار ہوں۔ مغرب میں ایک عمر میں نے معصیت اور گمراہی میں گذاری، اللہ سے دور، مذہب سے دور، پیشے کے اعتبار سے میں فوٹو گرافر تھا۔ اپنے کام کے حوالے سے ایک خوف ناک اور گمراہ کن صورتِ حال میں الجھ گیا۔ اور پھر اللہ نے مجھ پر کرم فرمایا، مجھے ہدایت سے نوازا اور میری رہنمائی فرمائی۔

آپ اجتماعات میں میری باتیں سنتے رہے ہیں۔ میری کوشش ہے کہ میں آپ کو وہ اچھا برا سمجھا دوں جو اللہ کی عنایت اور مہربانی نے مجھے سمجھایا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ زمانہ آخر آ پہنچا ہے۔ اس دور میں جس کا ایمان سلامت رہ گیا، سمجھ لو کہ اللہ کریم نے اُس پر فضلِ عظیم فرمایا۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت طور پر بتا دیا ہے کہ قیامت کے وقت کا علم صرف اللہ کو ہے۔ البتہ قربِ قیامت کی نشانیات سرورِ کائنات حضور ﷺ نے بہت تفصیل سے بیان فرمائیں۔ لیکن ان میں سے بعض اشاراتی اور مبہم ہیں۔ بنی نوع انسان اور امتِ مسلمہ کے بارے میں تو تقریباً تمام نشانیاں پوری ہو چکی ہیں۔ اب اشاراتی نشانیوں کے بارے میں میری سمجھ میں یہی آتا ہے کہ جیسے اللہ نے قرآن کے بارے میں حکم دیا کہ متشابہات کے بارے میں تجسس نہ کرو، ویسے ہی اشاراتی نشانیوں کے بارے میں ہمارا رویہ ہونا چاہیے۔ ہمیں تو جو کچھ واضح اور دو ٹوک الفاظ میں حکم دیا گیا ہے، اس پر عمل کی فکر کرنی چاہیے۔ قیامت اور اُس کی نشانیاں ہمارا مسئلہ نہیں۔ جو ہونا ہے، وہ تو ہونا ہے۔ اسے سمجھنے سے وہ ٹل نہیں جائیں گی۔ ہمارا مسئلہ تو اپنے اعمال ہیں اور ایمان کی سلامتی ہے، جو اس دور میں بہت مشکل ہو گیا ہے۔

ایک حدیث پاک کے مطابق حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے لیے دجال سے زیادہ خوف ناک چیز دوسری ہے اور وہ ہیں گمراہ کن

لیڈر اور سربراہ۔ حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: میں اپنی امت پر گمراہ قائدین سے ڈرتا ہوں، جب تلوار میری امت پر رکھی جائے گی تو قیامت تک نہیں اٹھائی جائے گی۔ حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا: آخری زمانہ میں میری امت کو اربابِ اقتدار کی جانب سے (دین کے معاملے میں) بہت سی دشواریاں پیش آئیں گی۔ ان کے وبال سے صرف تین قسم کے لوگ محفوظ رہیں گے۔ اول وہ شخص جس نے اللہ کے دین کو ٹھیک پہچانا، پھر اُس کی خاطر دل، زبان اور ہاتھ تینوں سے جہاد کیا۔ یہ شخص تو اپنی تینوں پیش قدمیوں کی وجہ سے سب سے آگے نکل گیا۔ دوم وہ شخص جس نے اللہ کے دین کو پہچانا، پھر زبان سے اُس کی تصدیق کی (یعنی برملا اعلان کیا)۔ سوم وہ شخص جس سے اللہ کے دین کو پہچانا تو سہی۔ مگر خاموش رہا۔ کسی کو عمل خیر کرتے دیکھا تو اُس سے محبت کی اور کسی کو باطل پر عمل کرتے دیکھا تو اُس سے دل میں بغض رکھا پس یہ شخص بھی اپنی محبت اور عداوت کو پوشیدہ رکھنے کے باوجود نجات کا مستحق ہوگا۔

اب اس پر غور کرو حضور ﷺ نے امت کو ان قائدین اور سربراہاں پر صرف مطلع کیا۔ بغاوت کے لیے نہیں کہا۔ کیوں؟ میری سمجھ میں تو بس یہ آتا ہے کہ یہ سب طے شدہ ہے۔ اللہ کی اسکیم اور اللہ کی چال کے تحت ہو رہا ہے۔ اور اللہ نے قرآنِ حکیم میں جا بجا فرمایا ہے کہ انہیں اپنی چالیں چلنے دو۔ میری چال سب سے مضبوط ہے۔ تو اللہ کی اسکیم میں جب ان کا وقت آئے گا تو اللہ کا حکم ان حکمرانوں پر نافذ ہو جائے گا، جنہوں نے اللہ کے خوف اور اُس کی غلامی کو ترک کر کے باطل کے خوف اور اُس کی غلامی کو اپنایا ہے۔ ہمیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ ان کے بارے میں اللہ کا کیا فیصلہ ہوگا۔ وہ تقلب القلوب چاہے گا تو ان کے دل میں جذبہ جہاد ابھار کر انہیں راہِ راست پر لے آئے گا اور یہی لوگ راہِ حق میں شہادت کی تمنا لے کر سر بہ کفن چلیں گے۔ اور وہ چاہے گا تو ہمیں ان سے نجات عطا فرمائے گا۔ تو میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ ہم اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتے۔ ہم اللہ کی اسکیم میں دخل نہیں دے سکتے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ ہم پر ذمہ داری صرف اپنے گھروں کی ہے اور اپنی ہے۔ کچھ نہیں کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اس روشن خیال کو اپنا لیں، جس کی سرکاری سطح پر تبلیغ ہو رہی ہے۔ نہیں، ہمیں جو کرنا ہے، وہ اللہ کی اطاعت ہے۔ جس کام سے اللہ نے روکا، اُس سے بچیں اور جس کام کا اللہ نے حکم دیا، وہ کریں، یاد رکھو میرے بھائیو، قیامت کے دن فیصلہ انفرادی اعمال پر ہوگا۔ کسی سے کسی دوسرے کے اعمال پر پرستش نہیں ہوگی۔ لیکن تبلیغ کرتے رہنا بہت ضروری ہے۔ صرف سورہ والعصر کو پڑھ لو۔ اس میں اللہ نے وقت کی قسم کھا کر فرمایا کہ بے شک انسان خسارے میں ہے۔ پھر استثنیٰ کی خوش خبری سنائی، ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے، نیک عمل کرتے رہے، لوگوں کو حق بات بتاتے رہے اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔ تو یہ وہ کچھ جو تمہیں کرتے رہنا ہے۔ ایمان کی حفاظت کرو، تجدید کرتے رہو، اللہ کی اطاعت کرو۔ لوگوں کو اچھی بات سکھاؤ۔ برائی سے روکو اور صبر کی تلقین کرو۔

یاد رکھو، جہاد اعلیٰ ترین عمل ہے۔ وہ راستہ ہے جو انسان کو روشن ترین اور مبارک موت کی طرف لے جاتا ہے۔ جسے شہادت کہتے ہیں۔ شہید اللہ کا مہمان ہوتا ہے، یہاں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور اعلیٰ ترین جہاد کفر الحاد کے خلاف تلوار سے جہاد کرنا ہے۔ بے شک یہ سب کے لیے نہیں۔ لیکن اللہ نے اپنی طرف سے کسی کو کسی سعادت سے محروم نہیں کیا۔ اُس آسانیاں عطا فرمانے والے نے اس سعادت کا موقع سب کو عطا فرمایا۔ عام لوگ برائی اور بے حیائی کے خلاف جہاد کرتے ہیں۔ اور یہ جہاد فرض ہے۔ اگر تم کہیں برائی ہوتے دیکھو، کسی کو بے حیائی میں مبتلا

دیکھو تو طاقت سے اسے روکو۔ اگر کمزور ہو تو زبان سے روکو۔ اور اگر اُس کی بھی طاقت نہیں تو جہاد کا ادنیٰ ترین درجہ یہ ہے کہ دل میں اُس کی مذمت کرو۔ مگر یاد رکھو کہ انتہائی معاملات میں صرف اتنا کافی نہیں۔ اگر کوئی ایسی برائی اور بے حیائی فروغ پا رہی ہے، جو اللہ کو سخت ناپسند ہے اور اُس کے غضب کو دعوت دیتی ہے تو صرف دل سے مذمت کرنا ناکافی ہے ایسے میں یہ نہ کرو کہ وہ ہوتے دیکھو، دل سے میں مذمت کرو اور منہ پھیر لو۔ نہیں، ایسے میں ہجرت کا حکم ہے۔ اس مقام سے دور چلے جاؤ۔ ورنہ وہ برائی کیے بغیر بھی اللہ کے قہر و غضب کی لپیٹ میں آ جاؤ گے۔

اب میں بات کروں فتنہ دجال کی۔ تو میں پھر دہرا دوں کہ یہ سب کچھ تجسس کرنے کے لیے نہیں بتایا گیا ہے۔ بلکہ حضور ﷺ اپنی امت کو اس سے خبردار کرنا چاہتے تھے۔ ہمیں بتایا گیا کہ دجال کے پاس طاقت ہوگی۔ وسائل اُس کے پاس مرتکز ہو جائیں گے۔ اُس کے ماننے والوں کے لیے آسانیاں اور آسائشیں ہوں گی، اور نہ ماننے والوں کے لیے پیٹ بھرنا بھی مشکل ہو جائے گا۔ نیکی بہت مشکل ہوگی اور گناہ بہت آسان۔ وہ نبوت کا اور پھر خدائی کا دعوا کرے گا۔ وہ انسان کو مار کر زندہ کرنے کا مظاہرہ کرے گا، اگرچہ صرف ایک بار ہی ایسا کر سکے گا۔ وہ یہودیوں کا ساتھ دے گا۔

تو اب ذرا اپنے گردو پیش پر نظر ڈالیں، اپنے حالات کو دیکھیں۔ اجتماعی سطح پر دیکھیں تو ظاہری سپر پاور ایک ہی رہ گئی ہے۔ اُس کی طاقت کا یہ عالم ہے کہ وہ عالمی رائے عامہ کی پروا کیے بغیر کسی بھی ملک پر فوج کشی کر سکتی ہے۔ ایٹمی طاقتیں بھی اُس کی دھمکی سے ڈر کر اُس کا ساتھ دینے پر مجبور ہیں۔ وہ جسے چاہے امداد دے اور جس پر چاہے اقتصادی پابندیاں عائد کر دے۔ وسائل کی صورتِ حال یہ ہے کہ اب وہ ان پر قابض ہو رہا ہے۔ اس وقت تیل سب سے بڑی طاقت ہے، اور وہ سب سے زیادہ مسلمانوں کے پاس ہے۔ تو اس سپر پاور نے مکاری سے، جھوٹ اور فریب سے کام لے کر عراق پر قبضہ کر لیا گویا تیل کی عالمی پیداوار کے ایک بڑے حصے پر قابض ہو گیا۔ تیل پیدا کرنے والے دوسرے تمام ممالک سوائے ایران کے، اُس کے زیرِ اثر ہیں اور اب وہ ایران پر فوج کشی کے لیے تیار ہو رہا ہے۔ اور اس کا یہ دعوا کہ وہ جس ملک کو چاہے، تباہ کر سکتا ہے، خدائی کا دعوا ہی تو ہے۔ اور وہ اندھا دھند اسرائیل کا ساتھ دے رہا ہے۔ وہ مظلوموں کی مدد سے دنیا کو روکتا ہے اور ہر ظلم میں یہودیوں کی سرپرستی کرتا ہے۔ مسلمان حکمرانوں کے خوفِ خدا سے محروم دلوں پر اُس کی ہیبت طاری ہے۔ وہ ظلم کو ظلم بھی نہیں کہہ سکتے۔ وہ اُس کی ہر بات پر آمنا و صدقنا کہتے ہیں، اُس کے لیے جھوٹی گواہی دیتے ہیں، مظلوم کو ظالم اور ظالم کو مظلوم قرار دیتے ہیں۔ اُس کو خوش کرنے کے لیے اپنے ہی بھائیوں کا، اپنے ہی عوام کا قتلِ عام کرتے ہیں۔ ایک بار انہوں نے موت کے خوف سے اُس کے آگے سر جھکایا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد وہ اُسے چھوٹی بات لگی تو وہ رکوع میں چلے گئے۔ مزید کچھ عرصے بعد سپر پاور کی اس سے بھی تسلی نہیں ہوئی تو انہیں اُس سے اُس کے آگے سجدہ کرنا پڑا۔ اور اب وہ ان کی گردنوں پر پیر رکھ کر کھڑا ہے۔ اور کہہ رہا ہے کہ کچھ ایسا کرو کہ جس سے مجھے خوشی ہو اور تمہاری اطاعت کا یقین آئے۔ اس جھکنے کی کوئی حد نہیں ہے۔ میرے مسلمان بھائیو۔ اتنا اللہ کے آگے جھک جاتے تو دنیا اور آخرت کے خزانے مل جاتے۔ بے شک انسان خسارے میں ہے۔

اور میرے مسلمان بھائیو، انسان کو مار کر زندہ کرنے کا مرحلہ بھی قریب ہے۔ کلوننگ کو اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

اب انفرادی سطح پر دیکھیں۔ اپنے گردو پیش کا، اپنے گھر اور اپنی معیشت کا جائزہ لیں۔ جینا مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ گھبراہٹ سے دم گھٹتا ہے، آٹا، گوشت، دالیں، تیل، دودھ، پٹرول، بجلی اور گیس اتنے مہنگے ہیں کہ مہینے کے تیس دن آپ کو بخار چڑھا رہتا ہے۔ لیکن کیبل پر ملکی اور غیر ملکی چینلز کی

روشن خیالی کے اعلاترین مظاہرے دیکھنے کی فیس صرف دوسو روپے ہے...... آپ کے آٹے کے ماہانہ اخراجات سے بھی کم اور ترقی یافتہ اور روشن خیال ممالک روشن خیالی کے جو مظاہرے آپ کو دکھاتے ہیں، وہ اپنے عوام کو نہیں دیکھنے دیتے۔ ان کے ہاں عام آدمی کیبل پر سوچینلز کی سہولت حاصل کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ آپ کو فی چینل دو روپے ماہانہ ادا کرنے ہوتے ہیں۔ دو روپے۔ جو آج کل بھکاری بھی قبول نہیں کرتا۔ آپ کے لیے ٹی وی ٹیپ ریکارڈ اور سی ڈی پلیئر خریدنا آسان ہے، لیکن اپنے بچے کو اچھی تعلیم دلانا ناممکن ہے۔ آپ کے لیڈر اور سربراہاں قومی خطاب میں آپ کو ڈپٹتے ہیں کہ مسلمانوں کے زوال کا سبب ٹیکنالوجی میں دلچسپی نہ لینا ہے۔ لیکن کمپیوٹر کے ایک معمولی کورس کی ماہانہ فیس آٹھ ہزار روپے ہے اور متوسط طبقے کی اوسط آمدنی پانچ ہزار روپے ماہانہ ہے۔ نچلے طبقے کی تو بات ہی چھوڑ دیجیے۔ ہمارا حکمراں تعلیم اور ٹیکنالوجی کے فروغ کی بات کرتا ہے، لیکن سرکاری سطح پر مفت انسٹی ٹیوٹ قائم کرنے کی بجائے کاغذ پر ڈیوٹی، سیلز ٹیکس اور ایکسائز ڈیوٹی میں ہوش ربا اضافہ کر دیتا ہے۔ تاکہ کتابیں مہنگی اور عام لوگوں کے لیے ناقابلِ حصول ہو جائے۔ وزیرِ اعلیٰ کو ہیلی کاپٹر دیا جاتا ہے، اسمبلی کے اراکین کی تنخواہوں، الاؤنسز اور مراعات میں بھاری اضافے کیے جاتے ہیں، لیکن مہنگی کتابوں کو چھاپنے کا اختیار پبلشر کو دے دیا جاتا ہے۔ یہ ہے خلوص کی حالت۔ آپ کو بتایا جاتا ہے کہ ملکی معیشت بری طرح مستحکم ہو چکی ہے، زرِ مبادلہ کے ڈھیر لگ گئے ہیں، غیر ملکی سرمایہ کار ڈالروں کے انبار لیے ملک میں سرمایہ کاری کرنے کے لیے قطار لگائے کھڑے ہیں، اسٹاک ایکسچینج میں بلندی کا ریکارڈ رجحان ہے۔ لیکن یہ سب سننے کے دوران آپ بے روزگار بیٹھے، فاقے کی حالت میں اپنے فاقہ زدہ بیوی بچوں کو حسرت سے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ آپ کسی سے نہیں کہہ سکتے کہ زرِ مبادلہ کے اس ڈھیر میں سے دس ڈالر مجھے دے دو۔ میں اور میرے بچے فاقے سے ہیں۔ آپ یہ نہیں پوچھ سکتے کہ معاشی ترقی کا مطلب تو روزگاری فراوانی اور اشیائے ضرورت کا سستا ہونا ہے۔ وہ کیوں نہیں ہو رہا ہے۔ آپ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اربابِ اقتدار کسی ایک دن عام انسان کی زندگی جی کر دیکھیں، اُس کے کم از کم اخراجات کا یقین کریں، اور اس کے بعد ملک میں کم سے کم تنخواہ اور اجرت مقرر کر کے اُس کا حکم نافذ کریں۔ مگر یہاں تو یہ حال ہے کہ تنخواہ تین ہزار ہے اور دو ہزار سے کم میں پھانسی پانے والے کو کوٹھری جتنا گھر بھی نہیں ملتا۔ ہمارا حاکم، ہمارا باپ ایک لمحے کو بھی یہ سوچ کر نہیں تڑپتا کہ وہ شخص زندگی کیسے گزارے گا، جس کی تنخواہ تین ہزار ہے۔ وہ پٹرول کی قیمت بڑھائے جاتا ہے اور بسوں، ٹیکسیوں، رکشوں اور ویگنوں کے کرائے نہیں بڑھاتا۔ وہ دعوت دیتا ہے کہ رکشہ اور ٹیکسی کے میٹر تیز کرو، بے ایمانی کرو چار کمروں کے فلیٹ کا بجلی کا بل دو ہزار روپے آتا ہے اور ڈیڑھ کمرے کے فلیٹ کا بجلی کا بل آٹھ سو روپے، جو کہ فلیٹ کے کرائے کا نصف ہے۔ مگر وہ اس پر غور نہیں کرتا۔ مقصد؟ مقصد یہ کہ بے ایمانی کرو، رشوت لو، چوری کرو، ڈاکے ڈالو، اسمگلنگ کرو۔ جینا ہے تو حرام حلال کی تمیز ختم کرو۔ نتیجہ اپنے اردگرد میں دیکھ لو۔ حرام حلال کی تمیز کھو بیٹھنے والے راتوں رات کروڑ پتی بن جاتے ہیں۔ اور ایمان کی فکر کرنے والے تنگ دستی میں مبتلا رہتے ہیں۔

غور کرو، یہی تو نشانیاں ہیں دجال کی۔ نیکی کے پاس تفریط اور بدی کے پاس افراط۔ آپ غور کریں، آپ کا بنیادی مسئلہ اس وقت کیا ہے۔ اتنے رزقِ حلال کا حصول کہ آپ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ عزت کی زندگی بسر کر سکیں۔ اس سے زیادہ آپ کو کچھ سوچنے کی مہلت ہی نہیں۔ آپ کو اس سے غرض نہیں کہ حکمراں کس طرح من مانی کر رہے ہیں، آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جھوٹ بول رہے ہیں۔ ابھی صرف چالیس سال پہلے صرف چینی کی قیمت میں معمولی سے اضافے پر آپ نے ایک حکمراں کو، ایک فوجی آمر کی حکومت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا تھا۔ صرف تیس سال

پہلے آپ نے اسٹریٹ پاور کے ذریعے ایک ایسے حکمراں کو ایوانِ اقتدار سے رخصت کر دیا تھا، جو کہتا تھا کہ میں کمزور ہوں، لیکن کرسی مضبوط ہے۔ مگر آج اُس سے بہت زیادہ ہو رہا ہے اور آپ میں آہ بھرنے کی سکت نہیں۔ آپ کو زندہ رہنے کے لیے بجلی چوری کرنی ہے۔ اخراجات پورے کرنے کے لیے بے ایمانی کرنی ہے۔ رشوت کو نذرانہ اور اسمگلنگ کو کاروبار کہنا ہے۔ یہ سب کرنے کے بعد اور اتنے تفکرات اور الجھنوں میں گھرنے کے بعد آپ کے دل، دماغ، روح اور ضمیر میں طاقت کہاں رہے گی۔

تو میرے بھائیو، آپ میں سے جن لوگوں نے تیس اور چالیس سال پہلے کا وقت دیکھا ہے اور آج کا دور بھی دیکھ رہے ہیں، وہ ذرا سا غور کریں تو سمجھ لیں گے کہ اب ہم عہد دجال میں سانس لے رہے ہیں۔ اور جنھوں نے وہ دور نہیں دیکھا، میں ان سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ بھی یہ بات سمجھ لیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ دجال کون ہے اور کہاں ہے۔ مگر میرا گمان ہے کہ وہ آچکا ہے۔

اب ایسے میں ہمارا سب سے بڑا مقصد کیا ہونا چاہیے۔ بہت سے لوگ، صاحبِ علم لوگ کہیں گے کہ نیک اعمال کا حصول، مگر میں کہوں گا کہ صرف اور صرف ایمان کی حفاظت۔ اس وقت آخر میں یہی ایک چیز ہے جو ہمیں بچا کر اللہ کے حضور لے جاتی ہے۔ اس کے بغیر تو نیک اعمال بھی بے کار ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ نے جہاں بھی جنت اور انعام کی بشارت دی تو ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے۔ ایسی تمام آیات میں پہلے ایمان لانے کا اور پھر نیک عمل کرنے کا ذکر ہے قرآن پاک کی آیات اللہ کے اس فرمان کی شاہد ہیں کہ ایمان کے بغیر اعمال غارت ہو جائیں گے۔ تو بنیادی چیز ایمان ہے، اعمال نہیں۔ پہلا مرحلہ تو ایمان کی سلامتی کا ہے۔

تو اب اس مشکل عہد میں کیا کیا جائے۔ جہاں دن بھر میں محض تین وقت کی روٹی کے لیے ہمیں بیسیوں ایسے کام کرنے پڑتے ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا پر ہم رشوت بھی لیتے ہیں، چند سو روپوں کے لیے جھوٹا حلف بھی اٹھاتے ہیں۔ جھوٹ بھی بولتے ہیں۔ بے ایمانی بھی کرتے ہیں۔ دوسروں کا حق دبانے سے بھی نہیں ہچکچاتے غور تو کریں، کیا ہم معاش کے لیے ایمان نہیں بیچ رہے ہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو پھر عہد دجال اور کیا ہوگا۔

آپ بے بسی سے کہیں گے کہ ہم کیا کریں؟ تو میرے مسلمان بھائیو، آپ کو بتا دیا گیا ہے کہ کیا کرنا چاہیے۔ یاد رکھو، ہمارے ساتھ اللہ کے محبوب، سرورِ کائنات رحمت اللعالمین کی دعائیں ہیں۔ ہمارے حضورؐ نے جس صبر و استقامت سے کام لے کر اللہ کے دین کی خاطر وہ محنت مشقت کی کہ پہاڑوں کے سپرد کی جاتی تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ آپ کا جسم مبارک نڈھال ہو گیا، آپ ﷺ ناتواں ہو گئے۔ صحت جواب دے گئی۔ اور اس حال میں بھی آپؐ رات رات بھر گریہ وزاری کرتے، امت کے لیے دعائیں کرتے، بخشش، مغفرت اور آسانی کے لیے دعائیں کرتے۔ یہ سب کچھ ہمارے لیے اور اسی عرصے کے لیے تو تھا۔ وہ ہمارا ہی تو غم کرتے تھے، ہماری ہی تو فکر کرتے تھے۔ آپ کو گوارا نہیں کہ ہم میں سے کوئی بھی سیدھی راہ سے بھٹکے اور جہنم رسید ہو۔ ہم ایسے دردمند اور سراپا محبت پیغمبر کی امت ہیں۔

حضورؐ نے ہمیں سب کچھ بتا دیا۔ بدقسمتی یہ ہے کہ ہم دنیا میں مصروف ہو کر اس طرف سے غافل ہو بیٹھے۔ حضور ﷺ کی ایک حدیث کہ فقر کفر بن جانے کے قریب ہے۔ یعنی عزت اور تنگ دستی دشمنِ ایمان ہے۔ حضرت سفیان ثوری نے فرمایا (شاید آخری دور کے ہی بارے میں) کہ پہلے زمانے میں نیک لوگوں کے ماحول میں مال کو ناپسند کیا جاتا تھا، لیکن آج مال مومن کی ڈھال ہے۔ اگر مال نہ ہو تو یہ مال دار ہمارا رومال بنا لیں، یعنی جس

طرح رومال کو میل صاف کر کے ڈال دیتے ہیں، اسی طرح تنگ دست عالم کو مال دار ذلیل سمجھنے لگیں۔ پھر فرمایا کہ جس کے پاس مال ہو، اسے چاہیے کہ مناسب طریقے پر خرچ کرے، اور بے فکری سے نہ اڑائے۔ کیونکہ یہ وہ دور ہے کہ اگر حاجت پیش آئے گی تو سب سے پہلے دین کو برباد کرے گا۔

میں نے پہلے عرض کیا کہ میں ایک عام آدمی ہوں، اور اپنے جیسے عام لوگوں ہی سے بات کر رہا ہوں جو کچھ اللہ کی مہربانی سے میری سمجھ میں آیا ہے وہ اپنے جیسوں کی طرف بڑھا رہا ہوں۔ دیکھو، چھوٹی چھوٹی بستیوں میں بڑے بڑے بازار ہیں۔ مہنگے کپڑں کا ڈھیر ہے۔ الیکٹرونکس کا انبار ہے۔ سامان تعیش کی بھرمار ہے۔ ہمارے دلوں میں حرص و ہوس ہے اور ترغیبات کی کوئی حد نہیں۔ بیوی پڑوسن سے، محلے والیوں سے مقابلہ کرنے کے لیے زیور بھی مانگتی ہے اور مہنگا لباس بھی۔ بیٹا کہتا ہے کہ کار نہیں تو کم از کم بائیک دلا دو۔ تمہارا اپنا دل بھی چاہتا ہے کہ اپنا گھر ہو، اور اُس میں آسائشات ہوں۔ زمین مہنگی ہوگئی ہے۔ گھر تو دور کی بات ہے، قبر کی دو گز زمین بھی آسانی سے نہیں ملتی۔ تو کیا کرو گے؟ صبر کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ اور صبر آسان نہیں۔ جب ہار جاؤ گے تو ایمان بیچ دو گے۔ یہی تو دجال کا سب سے بڑا فتنہ ہے، دولت لو، خواہش پوری کرو، مگر ایمان ترک کر دو۔ کیسے بچو گے؟ اللہ نے اور اُس کے محبوب ﷺ نے راستہ دکھایا۔ سورہ کہف کی دس آیات یاد کرو، بیوی بچوں کو بھی یاد کراؤ اور صبح و شام پڑھا کرو۔ انشاء اللہ آزمائش سے محفوظ رہو گے۔ اللہ کفالت فرمائے گا۔ دجال کے فتنے سے محفوظ فرمائے گا۔ سورہ واقعہ ہر روز پڑھا کرو۔ اللہ رزق کی فراخی عطا فرمائے گا۔ کوئی مشکل آن پڑے تو سورہ یٰسین پڑھو۔ اللہ رحم فرمائے گا۔ ہر حال میں اُس سے رابطہ رکھو۔ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی اور اپنے اور انکے ایمان کی فکر کرو۔ یہ غم مت کرو کہ تم پر ظالم و جابر اور فاسق و فاخر حکمران مسلط ہیں۔ وہ فتنہ ہیں، اور اس عہدے سے کسی فتنے کا تم سدباب نہیں کر سکتے۔ یہ سب اللہ کی اسکیم اور اللہ کے ترتیب دیے ہوئے سیناریو کا حصہ ہے اور اللہ جب چاہے گا، مقررہ وقت پر اُن سے نجات عطا فرمائے گا۔ تمہیں صرف ایمان کی فکر کرنی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم (یعنی صحابہ کرام ایسے زمانے میں ہو کہ جس میں اگر تم جن چیزوں کا تمہیں حکم دیا گیا ہے، اُس کے دسویں حصے پر بھی عمل نہ کرو تو تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ اُس کے بعد ایک ایسا زمانہ آئے گا، جس میں کسی نے مامورات میں سے دسویں حصے پر بھی عمل کر لیا، وہ نجات پا جائے گا۔ اس زمانے میں دین پر صبر کرنا انگارے کو تھامنے کی مانند ہوگا، اور فتنے کے زمانے میں عبادت کا ثواب میرے پاس ہجرت کے ثواب کے برابر ہے۔

اگر اس حدیث نبویؐ پر غور کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ ہم خوش نصیب ہیں۔ اس دور میں چھوٹے چھوٹے اعمال پر اجر عظیم ملے گا۔ بے شک وقت سخت سہی، لیکن اللہ کا ہدایت نامہ، رسول اللہ کی سیرت پاک کا مینارۂ نور اور آپ کی دعائیں ہمارے ساتھ ہیں۔ ان سے منہ موڑ لیا تو ہم سے بڑھ کر کوئی بدنصیب نہیں۔ کہتے ہیں کہ اس دور میں جس نے صرف کلمہ پڑھ لیا، وہ نجات پا گیا۔ یہ سن کر ہم آپے سے باہر ہو جاتے ہیں کہ کلمہ گو تو ہم ہیں۔ پھر جو چاہیں کر لیں، جنت مل جائے گی۔ لیکن میرے مسلمان بھائیو، کلمہ صرف زبان سے ادا کرنے کی چیز نہیں۔ کلمہ ایمان کا آغاز ہے، اور اس کی کسوٹی وہ زندگی، جو گزارتے ہیں۔ ایک دن میرے دل میں خیال آیا کہ کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت میں کوئی فرق نہیں، سوائے گواہی کے الفاظ کے، تو اللہ نے دوسرا کلمہ کیوں عطا فرمایا۔ میں سوچتا رہا۔ بات سمجھ میں آ ہی نہیں رہی تھی۔ پھر اللہ نے کرم فرمایا۔ میری سمجھ میں آ گیا۔ ہم زبان سے کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود

نہیں، اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، تو ہم دائرہ ایمان میں داخل ہوتے ہیں۔ اُس کے بعد زندگی کے ہر لمحے میں لازم ہے کہ اپنے قول و فعل سے ہم ان دو بیانات کی تائید کرتے رہیں۔ یعنی کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرائیں اور اُس کے رسول ﷺ کا اتباع کرتے رہیں۔ تب ہر لمحہ ہم پاک ہوتے رہیں گے۔ اسی لیے تو یہ کلمہ طیبہ ہے۔ کسی کمزور لمحے میں عملاً اس سے انحراف کیا تو شرک کے مرتکب ہو بیٹھے، جو اللہ کے ہاں ناقابلِ معافی ہے۔ نتیجہ پاکی سے محروم ہوئے اور ناپاکی کی طرف بڑھ گئے۔ اب میری سمجھ میں آتا ہے کہ زندگی کا اصل مقصد تو کلمہ طیبہ سے کلمہ شہادت تک کا سفر ہے۔ ارے اگر زبان سے اعلان اور عمل سے تردید کرتے رہو گے تو گواہی کیسے دو گے۔ گواہی تو بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ گواہی کی اہلیت اور اُس کا مرتبہ تو کماؤ۔ زندگی اسی لیے دی گئی ہے۔ اللہ کے معبودِ واحد ہونے کا اعلان کرو گے تو پہلے اپنے معبود کو سمجھنا بھی تو ہے۔ لیکن وہ اتنا بڑا اور لاحد ہے کہ تم اسے نہیں سمجھ سکتے۔ اُس نے کرم فرمایا کہ تمہیں اپنے بارے میں بتایا بھی اور دکھایا بھی۔ تم اتنا ہی جان سکتے ہو جتنا کہ اُس نے تمہیں بتایا۔ وہ پروردگار ہے تو تم غربت کی وجہ سے بوجھ جان کر افزائشِ نسل کیوں روکتے ہو۔ وہ زندگی دیتا ہے اور موت اس کے حکم سے ہی آتی ہے تو تم کسی طاقت ور کی موت کی دھمکی سن کر اسے خدا کیوں مانتے ہو۔ وہ مہربان ہے، سب کچھ اچھا اُس کی عطا سے ہے تو تم اُس کا ذکر کیے بغیر اس انسان کا شکریہ کیسے ادا کرتے ہو، جسے اُس نے تمہارے لیے مہربان بنایا۔ ایسے ہی اُس کی ہر صفت کے حوالے سے سوچو اور اپنی زندگی کے ہر لمحے کو اس کسوٹی پر پرکھتے رہو۔ جہاں جہاں غیر ارادی طور پر ہی سہی، تم نے اس سے انحراف کیا، اسی پر توبہ کرو، اور پھر الرٹ ہو کر جینے کی عادت ڈالو۔ تب زندگی کے آخری لمحے میں یہ سوچنا کہ تم اُس کی عبوریت اور وحدانیت اور نبی کریم ﷺ کی رسالت کی گواہی دینے کی اہمیت رکھتے ہو یا نہیں۔ یہ بہت بڑا شرف، بہت بڑا اعزاز ہے۔ اور اسے تمہاری گواہی کی ضرورت نہیں۔ گواہی تمہاری اپنی ضرورت ہے۔ تو اب سوچو، کلمہ پڑھتے رہو اور اس پر عمل کرتے رہو۔ بیڑا پار ہو جائے گا۔

بنیادی بات یہ ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ مگر ڈرو گے تو اسی وقت جب ایمان ہوگا۔ وہ حاضر و ناظر ہے، تمہاری کوئی حرکت اُس سے چھپی نہیں۔ وہ سمیع و بصیر ہے۔ جو تم کرتے ہو، دیکھتا ہے، جو تم کہتے ہو وہ سنتا ہے۔ وہ علیم و خبیر ہے، جو تم سوچتے ہو، اسے معلوم ہے۔ وہ تو وہ بھی جانتا ہے، جو تم خود سے بھی چھپاتے ہو۔ وہ بہت مہربان ہے، غفار ہے، تمہاری بے شمار خطائیں ازخود بخش دیتا ہے۔ وہ تمہیں نوازتا ہے۔ مگر وہ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔ اور اُس کی قدرت ایسی ہے کہ چاہے تو تمہیں بندر بنا دے۔ ان سب پر ایمان ہوگا، اس کی قدرت کو سمجھنے کی کوشش کرو گے، تبھی تو اُس سے ڈرو گے۔ اور اُس سے ڈرو گے تو انعام کتنا بڑا ہے..... تمہارے تمام مسائل کا حل۔ قرآن پاک میں، سورہ طلاق میں اُس نے خود فرمایا کہ جو ڈرے گا اللہ سے تو اللہ اس کے لیے پیدا فرمائے گا مشکل سے نکلنے کے لیے راہ، اور رزق عطا فرمائے گا، وہاں سے جہاں اُس کا گمان بھی نہ جاتا ہو۔ اب سوچو، یہی تو ہے اس عہدِ دجال میں تمہاری پریشانیوں کا حل۔ بس اللہ سے ڈرو۔

بنیادی نکتہ ہے اللہ سے ڈرنا۔ اللہ سے ڈرو گے تو ہر ڈر اور خوف سے نجات پا جاؤ گے۔ اللہ سے ڈرو گے تو گناہ کرتے ہوئے ہچکچاؤ گے۔ بہر حال انسان ہو، گناہ سے بالکل تو نہیں بچ سکتے۔ اور اللہ کو توبہ بہت پسند ہے۔ گناہ کر بیٹھو تو فوراً اللہ سے رجوع کرو اور توبہ کرو۔ یہ بہت مشکل ہے لیکن ہر وقت اُس کی عظیم صفات کا ذکر اور تصور کرتے رہو، اپنے ساتھ پیش آنے والے روزمرہ واقعات میں اُس کی کارفرمائی کے بارے میں غور کرتے رہو تو بہت آسان ہے اور اسی میں نجات ہے۔ دجال کی کھوج مت کرو، اسے مسئلہ مت بناؤ۔ اللہ سے پناہ اور مدد مانگو۔

اللہ کی عنایت سے میں برسوں اس پر غور کرتا رہا کہ اس دور میں اپنے دفاع کے لیے کیا کروں۔ اللہ کی مہربانی سے سمجھ میں آیا کہ کچھ کام کرنے ہیں لیکن ان سے زیادہ اہم وہ کام ہیں، جو نہیں کرنے ہیں۔ وہ ہمارے دفاع کی اساس ہیں۔ سب سے زیادہ اہمیت انہی کو دینی چاہیے۔ اس سلسلے میں جو کچھ اللہ کے فضل و کرم سے سمجھ میں آیا، وہ آپ تک پہنچا رہا ہوں۔

اللہ کو جو اعمال سب سے زیادہ ناپسند ہیں، وہ ہیں جن کی وجہ سے پچھلی قوموں پر عذاب آیا۔ بنیادی بات ان سے بچنا ہے۔

اللہ کے منکر مت بنو۔ مال و متاع کی بنیاد پر لوگوں کی عزت مت کرو اور مسرت اور تنگ دستی کی بنیاد پر لوگوں کو حقیر مت جانو مال و دولت اور طاقت و اقتدار پر مت اتراؤ۔ یہ اللہ کی عطا ہے، اور اللہ اپنی دی ہوئی ہر چیز جب چاہے، واپس لے لے گا۔ قوم نوح علیہ السلام کی مثال یاد رکھو۔

فحاشی اور بے حیائی سے بچو۔ اپنے تمام حواس کو اس سے بچاؤ۔ کرنا تو دور کی بات ہے، اسے دیکھو بھی نہیں، سنو بھی نہیں اور چھوؤ بھی نہیں۔ ہم جنس پرستی بے حیائی کی آخری حد ہے۔ اللہ اس پر سب سے زیادہ غضب ناک ہوتا ہے۔ اس فعل کا ارتکاب اللہ کو للکارنے کے برابر ہے۔ اس کے علاوہ زنا سے ہر طرح کی بے حیائی سے بچو۔ ورنہ لوط علیہ السلام کی امت کا انجام تمہارے سامنے ہے۔

ناپ تول میں کمی مت کرو۔ اس کا انجام بھی ایک قوم کی تباہی ہوا تھا۔ اسے ذرا وسیع معنوں میں سمجھو۔ کاروبار میں بے ایمانی اور بددیانتی مت کرو۔ جھوٹ مت بولو۔ اگر کوئی تمہیں اپنا سونا پیتل سمجھ کر فروخت کر رہا ہے تو جھٹ پٹ اسے خریدنے کے بجائے اسے بتاؤ کہ وہ سونا ہے۔ اور فروخت کرتے وقت اپنے مال کا عیب مت چھپاؤ۔ ملاوٹ مت کرو۔ ذخیرہ اندوزی مت کرو۔ اپنے منافع کے لیے کسی کا نقصان مت کرو۔ اکل حلال پر توجہ دو اور اللہ سے مدد مانگتے رہو۔ رزق حرام پر اپنی اولاد کی پرورش مت کرو۔ سود سے بچو۔ سود نہ لو اور نہ دو۔ رشوت نہ لو اور نہ دو، اور نہ ایسے دو آدمیوں کے بیچ میں پڑو۔ شرک مت کرو۔ قطع رحمی نہ کرو۔ حق بات کہو اور انصاف کرو۔ نہ کہہ سکو تو خاموش رہو۔ جھوٹی گواہی نہ دو۔

یہودیوں سے دوستی نہ کرو۔ یہ وہ لوگ ہیں جو پیغمبروں اور نبیوں کو قتل کرتے رہے، جن پر تم ایمان رکھتے ہو۔ اور یہ آج بھی اس پر فخر کرتے ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ اپنے مفادات کی خاطر اللہ کی آیات سے انکار کیا، منہ موڑا، تحریف کی اور اپنی ضرورت کے مطابق رد و بدل کیا۔ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو پہچاننے کے باوجود انکار کیا، کیونکہ ان کے مفادات پر ضرب پڑ رہی تھی۔ حالانکہ انہیں ان کے نبیوں نے بشارت دی تھی کہ مسیح علیہ السلام آئیں گے اور ان کی مدد سے انہیں اپنی کھوئی ہوئی عظمت و عزت واپس مل جائے گی۔ لیکن جب وہ آئے تو انہوں نے وقتی فائدے کی خاطر ان کا انکار کیا، ان کے خلاف سازشیں کیں اور انہی کی وجہ سے بالآخر اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا۔ اور اب یہ گمراہی اور اللہ کی پھٹکار میں مسیح الدجال کے منتظر ہیں، جو ان کی رہنمائی کر کے ان کے خیال میں انہیں بام عروج پر پہنچا دے گا۔ یہ دجال کا ساتھ دینے والے ہیں۔ یہ کبھی تمہارے، بلکہ کسی کے بھی دوست نہیں ہو سکتے ان کی تعداد ہمیشہ کم رہی۔ یہ قلت اولاد کے مارے ہیں۔ اسی لیے مکاری کر کے عیسائیوں کو تمہارے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔ تم ان کے ہتھکنڈوں سے آگاہ رہو۔ یہ زبردست سازشی ہیں۔ ان کی پرانی روائتیں ہیں، جو اس دور میں بھی زندہ ہیں۔ یہ اپنے دشمنوں کو زہر دیتے ہیں۔ مسلمانوں کے خلاف ان کا سب سے بڑا فتنہ فرقہ واریت کو ہوا دے کر انتشار پھیلانا ہے۔ یہ شعیوں کو قتل کرا کے سنیوں پر الزام لگاتے اور سنیوں کو قتل کرا کے شیعوں پر الزام لگاتے آئے ہیں یقین رکھو کہ تمہارے ہاں جو بم دھماکے ہو رہے ہیں علما کا قتل ہو رہا ہے، اسکے پیچھے انہی کا ہاتھ ہے۔ سو ان کی

سازشوں کو سمجھو، بے نقاب کرواور نا کام بناؤ۔ان کی ہر طاقت کے پیچھے ان کی سودخوری کی کمائی ہوئی دولت ہے۔دولت اور معاشی طاقت کے زور پر ہی انہوں نے عیسائیوں کو حکومتی سطح پر بلیک میلنگ کر کے اپنا آلہ کار بنا رکھا ہے، اور انہیں مسلمانوں کے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔

یہودیوں کی سازشوں کو سمجھنے کے بعد احتیاط کرو۔ یہ تمہیں تمہارے دین سے دور لے جانا چاہتے ہیں۔ یہ روشن خیالی کے نام پر احساسِ کمتری میں مبتلا کر کے تمہیں اللہ کی نافرمانی پر اُکساتے ہیں۔ ہوش میں آجاؤ۔غور کرو کہ جب سے امریکا نے دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر دہشت گردی شروع کی ہے، تبھی سے تمہارے وطن میں بم دھماکے اور ٹارگٹ کلنگ عام ہوئی ہے۔ یادرکھو، اللہ نے ایک انسان کے قتل کو انسانیت کا قتل قرار دیا ہے۔تو کسی مسلمان کا قتل تو بدترین گناہ ہے۔تم عقیدے کے پھیر میں پڑ کر کسی سے نفرت مت کرو۔ کیونکہ فرقے تو بنتے ہی تھے۔اللہ ہی فیصلہ کرے گا کون درست تھا اور کون غلط۔ اللہ سے دعا کیا کرو کہ وہ تمہیں صراطِ مستقیم عطا فرمائے۔کسی مسلمان سے عقیدے کا اختلاف ہو تو نفرت نہ کرو، بحث نہ کرو۔ بلکہ اللہ سے رہنمائی طلب کرو اور اپنی اور اس کی اصلاح کے لیے دعا کرو۔

اور اب آخر میں اللہ کی رحمت سے جو میں نے سمجھا کہ مجھے کرنا چاہیے۔وہ تم تک پہنچاتا ہوں۔ بے حیائی سے بچنا ہے تو اللہ کا یہ حکم یادرکھو کہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنی ہے اور اپنی عورتوں کو اپنی زینت کی نمائش کرنے سے روکو۔ انہیں لباس میں فیشن کے نام پر بے حیائی کا ارتکاب نہ کرنے دو۔ یادرکھو، ایک موقع پر رسول اللہؐ نے فرمایا: دنیا کی کتنی ہی لباس پوش عورتیں آخرت میں ننگی ہوں گی۔ایک اور حدیث میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے قریب عورتیں ایسے لباس پہنا کریں گی جو باریک اور تنگ ہونے کی وجہ سے عریاں نظر آئیں گی، اور ان کے سروں پر بختی اونٹوں کے کوہان جیسے ہوں گے۔ان کے اوپر تم لعنت کرو، اس لیے کہ وہ ملعون عورتیں ہیں۔

اور میرے مسلمان بھائیو، بے حیائی سے بچنے کے لیے یہ کرو کہ اللہ نے نکاح کے ذریعے جو کچھ حلال کیا ہے، اس سے باہر مت جاؤ۔ نکاح کو فروغ دو اور آسان کرو کہ یہ بے حیائی کا راستہ روکتا ہے۔نکاح کی حرمت اور اہمیت کو نافذ کرو۔شادی کی فضول اور فروعی رسموں کو نکاح پر فوقیت دینے کا گناہ مت کرو۔فضول رسموں، اخراجات اور اسراف کے ذریعے نکاح کو دشوار مت کرو۔

قرآن کو تھوڑا تھوڑا اور سمجھنے کی نیت سے پڑھو۔ پڑھنے بیٹھو تو اللہ سے دعا کرو کہ تم اس کلام کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔اللہ تمہیں فہمِ قرآن اور قرآن میں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن براہِ راست مت پڑھو، ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے، غلط کہتے ہیں۔ براہِ راست قرآن میں جو فیض اور برکت ہے اُس کا کوئی بدل نہیں۔ کیونکہ قرآن میں الفاظ اللہ کے ہیں، اور جب تم انہیں پڑھ رہے ہو تو گویا اللہ تم سے ہم کلام ہے۔ پڑھو گے تو دیکھو گے کہ اللہ کے فضل و کرم سے تم پر فہم و شعور و آگہی کے کیسے کیسے دروازے کھلیں گے۔ یادرکھو، قرآن کے ہم پر چار حقوق ہیں...... پڑھنا، سمجھنا، عمل کرنا اور لوگوں تک پہنچانا۔ اور یہ ترتیب وار ہیں۔ پڑھو گے تو سمجھو گے۔ اور عمل کرو گے تو دوسروں تک پہنچانے کے قابل بنو گے۔ اس میں سے کوئی ایک حق ضائع کرنا بھی بدبختی ہے۔ تو کیا تم چاروں حقوق ضایع کر کے مکمل بدبختی کماؤ گے۔ ارے...... اللہ سے بہترین رابطہ قرآن پڑھنا اور دعا کرنا ہے۔

اور میرے مسلمان بھائیو، کلمہ طیبہ پڑھو، اُس کے مطابق زندگی گزارو اور کلمہ شہادت ادا کرنے کی اہلیت حاصل کرنے کی کوشش کرتے

رہو۔ اور اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے۔ پھر تمہیں نہ کوئی خوف ہوگا کبھی اور نہ کوئی غم کسی مشکل میں پڑو گے تو وہ تمہارے لیے اُس سے نکلنے کی راہ پیدا فرمائے گا اور تمہیں بے گمان رزق عطا فرمائے گا۔ اللہ تم سب کو اپنے رحم و کرم اور فضل و کرم کے سائے میں رکھے۔ الوداع۔ اپنے اس گناہ گار بھائی کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہنا۔ وما علینا الا البلاغ!

آواز تھم گئی تھی۔ کیسٹ کی گھر گھر سنائی دے رہی تھی۔ مگر احسان کو ہوش نہیں تھا کہ اٹھ کر ٹیپ ریکارڈ بند کرتا۔ اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ کیونکہ آنسو صرف بہہ نہیں رہے تھے، وہ آنکھوں میں بھرے ہوئے تھے۔

انسانوں کے اندر جب ندامت کا ایسا طوفان اٹھتا ہے تو اللہ انہیں طوفانِ نوح جیسے عذاب سے بچا لیتا ہے!

ختم شد

ادارہ علم وعرفان پبلشرز کی دیگر کتب

34- اُردو بازار لاہور (فون 042-7352332-7232336)

کتب کی خریداری کے وقت کتاب گھر کا حوالہ دیجئے اور خصوصی ڈسکاؤنٹ حاصل کیجئے۔

اسلامی کتب

1	تفسیر ابن کثیر (اعلیٰ)	علامہ عماد الدین ابن کثیر	2200/-
2	تفسیر ابن کثیر	علامہ عماد الدین ابن کثیر	1800/-
3	قرآنی موضوعات	محمد شریف بقاء	600/-
4	Quranic Topics(Vol:1)	محمد شریف بقاء	600/-
5	Quranic Topics (Vol:2)	محمد شریف بقاء	600/-
6	قرآن کی 20 سورتیں	محمد شریف بقاء	70/-
7	قرآن کی 2 عظیم سورتیں	محمد شریف بقاء	70/-
8	قرآن اور ہماری زندگی	مولانا الیاس قادری	300/-
9	قرآن، بائبل اور سائنس	موریس بوکائے/ مترجم: مسعود مفتی	250/-
10	قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل	ڈاکٹر برہان احمد فاروقی	160/-
11	منہاج القرآن	ڈاکٹر برہان احمد فاروقی	150/-
12	نباتات قرآن	ڈاکٹر اقتدار احمد فاروقی	80/-
13	ہدایات قرآنی	مترجم: مولانا فتح محمد جالندھری	100/-
14	کعبہ پر پڑی جو پہلی نظر	پروفیسر محمد جاوید	300/-
15	قرآن حکیم اردو منظومات کے آئینے میں	مرتب: پروفیسر محمد جاوید اقبال	150/-
16	ربنا (قرآن میں مذکور انبیاء کرام کی دعائیں)	خواجہ انیس اقبال	60/-
17	قرآنی دعاؤں کا انسائیکلوپیڈیا	محمد شریف بقاء	120/-
18	قرآنی معجزات کا انسائیکلوپیڈیا	محمد شریف بقاء	120/-
19	سیرت النبیؐ اعلان نبوت سے پہلے	مسعود مفتی، منصور احمد بٹ	400/-
20	بخاری شریف	ترجمہ وتشریح: مولانا ظہور الباری اعظمی	1660/-
21	حیات محمد ﷺ محمد حسین ہیکل	مترجم: ابو یحییٰ امام خان نوشہروی	500/-
22	سیرت النبیؐ	شبلی نعمانی	850/-

23	معجزات محمدؐ کا مکمل انسائیکلوپیڈیا	مسعود مفتی	600/-
24	انوار اسماء الحسنیٰ	قیصرہ حیات	500/-
25	سیرت ہادی برحقؐ	گوہر ملسیانی	400/-
26	حضرت محمد ﷺ بطور ماہر معاشیات	حکیم ایم۔اے قاسم	300/-
27	طبیب اعظم ﷺ	حکیم ایم۔اے قاسم	300/-
28	سیرت سید البشر ﷺ	چوہدری غلام رسول چیمہ	500/-
29	مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ	چوہدری غلام رسول چیمہ	550/-
30	اسلام کا عمرانی نظام	چوہدری غلام رسول چیمہ	300/-
31	اسلام کا سیاسی نظام	چوہدری غلام رسول چیمہ	300/-
32	اسلامی کا معاشی نظام	چوہدری غلام رسول چیمہ	300/-
33	اسلامی ریاست کے خدوخال	انور صدیقی	150/-
34	عشق مصطفیٰ ﷺ	کرنل سید سلیمان سرور گیلانی	100/-
35	آخرت کا خزانہ	کرنل سید سلیمان سرور گیلانی	150/-
36	طب نبویؐ اور اکیسویں صدی (جلد اوّل)	سیف اللہ سیکھو	250/-
37	طب نبویؐ اور اکیسویں صدی (جلد دوم)	سیف اللہ سیکھو	250/-
38	احادیث میں مذکورہ نباتات، ادویہ اور غذائیں	ڈاکٹر اقتدار احمد فاروقی	100/-
39	منتخب احادیث	مولانا محمد یوسف کاندھلوی	300/-
40	شمائل ترمذی	حضرت مولانا زکریا صاحب	250/-
41	درود لامحدود (حضور ﷺ کی شان میں پیش کیے گئے درود و سلام کا انسائیکلوپیڈیا)	خواجہ محمد انیس بھیروی	300/-
42	لاشریک (حمدیہ کلام)	مظفر وارثی	130/-
43	صاحب التاجؐ (نیا نعتیہ مجموعہ)	مظفر وارثی	150/-
44	سیدنا ﷺ (نیا نعتیہ مجموعہ)	سلیم گیلانی	130/-
45	میٹھا میٹھا ہے میرے محمد ﷺ کا نام (نعتیہ انتخاب)	عمران چوہدری	150/-
46	صل علیٰ کہتے کہتے	عبدالرزاق	100/-
47	تاجدار حرم ﷺ (نعتیہ مجموعہ)	فرحت عباس شاہ	120/-
48	میرے آقا آئے جھوموں	فرحان قادری	150/-
49	سبز گند کے سائے تلے	اویس رضا قادری	150./-
50	سبز گنبد کے سائے تلے (پیپر بک)	اویس رضا قادری	100/-
51	تخلیق کائنات	محمد اسلم لودھی	200/-

52	کارگل سے واپسی کیوں	محمد اسلم لودھی	120/-
53	ردیف پیغمبر صدیق اکبرؓ	ساجد الرحمٰن اکمل	100/-
54	حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ	محمد حسین ہیکل	250/-
55	حضرت عمر فاروق اعظمؓ	محمد حسین ہیکل	330/-
56	فقہ عمرؓ	مترجم: ابو یحییٰ امام خان نوشہروی	300/-
57	حضرت عمرؓ کے سیاسی نظریے	ابو یحییٰ امام خان نوشہروی	150/-
58	زندگی کے نمونے	ابو یحییٰ امام خان نوشہروی	75/-
59	مکالمات نبوی ﷺ	ابو یحییٰ امام خان نوشہروی	70/-
60	الفاروق (حضرت عمر فاروقؓ کی سوانح حیات)	علامہ شبلی نعمانی	200/-
61	تفہیم اسلام	سلیم گیلانی	150/-
62	حضرت بلال رضی اللہ عنہ	سلیم گیلانی	300/-
63	سیرت عائشہؓ	سید سلیمان ندوی	200/-
64	خطبات ذاکر نائیک		300/-
65	غازی علم الدین شہید	خولہ متین	150/-
66	عشرہ مبشرہؓ	عبدالرشید عراقی	400/-
67	زیردستوں کی آقائی	مولانا عبدالرحمٰن	100/-
68	صلاح الدین ایوبی	ہیرلڈ لیم	350/-
69	سکندر اعظم	مقصود شیخ	250/-
70	چنگیز خان	مقصود شیخ	180/-
71	ہٹلر	مقصود شیخ	250/-
72	دہشت زدہ گرد (ناول)	علی نواز شاہ	120/-
73	فیصلہ (ناول)	علی نواز شاہ	120/-
74	کالک (ناول)	(علی نواز شاہ)	150-/
75	مجاہد اسلام ٹیپو سلطان	شمیم علی خان	120/-
76	احمد شاہ ابدالی	قیصر علی آغا	80/-
77	محسن پاکستان نا کردہ گناہوں کا قیدی	فضل حسین اعوان	250/-
78	محسن پاکستان۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان	عمران چوہدری	300/-
79	ڈاکٹر عبدالقدیر خان نیٹ ورک کا عروج و زوال	گورڈن کوریرا مترجم: قاضی اختر جونا گڑھی	150/-
80	عزم کے کوہ گراں	فضل حسین اعوان	250/-
81	نپولین بونا پارٹ	روبینہ ناز	150/-

82	اکبر بادشاہ اور بیربل کی داستانیں	امیر علی خان	300/-
83	اکبر بادشاہ کے 9 رتن	امیر علی خان	300
84	اکبر نامہ	مسعود مفتی	200/-
85	پنجاب کے آثار قدیمہ	ڈاکٹر محمد اقبال بھٹہ	200/-
86	لاہور اور خطاطی (5 کلر آرٹ پیپر)	ڈاکٹر محمد اقبال بھٹہ	2500/-
87	جھوٹے نبیوں کا انجام	سید ارتضٰی علی کرمانی	300/-
88	20 صدی کی 100 اہم مسلم شخصیات	عمران چوہدری	150/-
89	اسلام، سائنس اور مسلمان	ابو علی عبدالوکیل	250/-
90	داستان سرائے کا مسافر (اشفاق احمد)	ابو عبدالوکیل	100/-
91	100 عہد ساز شخصیات	حمیر ہاشمی / اسلم انصاری	250/-
92	حضرت مجدد الف ثانی ؒ کا نظریہ توحید	ڈاکٹر برہان احمد فاروقی	60/-
93	مولانا مودودی سے مولانا نعمانی کے اختلافات کا علمی جائزہ	اختر حجازی	120/-
94	برصغیر پاک و ہند میں علماء اہلحدیث کے علمی کارنامے	عبدالرشید عراقی	100/-
95	مولانا رومی کا نظریہ عشق	موسیٰ خان جلال زئی	220/-
96	فلسفہ رُوح انسانی	موسیٰ خان جلال زئی	100/-
97	خطبات ڈاکٹر ذاکر نائیک	ذاکر نائیک (مترجم سید امتیاز احمد)	400/-
98	نجومیوں کی کارستانیاں	حافظ محمد یحیٰ	150/-
99	کشف المحجوب	حضرت علی ہجویری ؒ مترجم: مولانا میاں محمد رمضان علی	280/-
100	تذکرہ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ	(حکیم سید امین الدین دہلوی)	36/-
101	پنجاب کے عظیم صوفی شعراء	خالد پرویز ملک	150/-
102	پنجاب اور اہل پنجاب	خالد پرویز ملک	200/-
103	ذکر وارث شاہ	خالد پرویز ملک	180/-
104	حیات و تعلیمات اور کلام باہو ؒ	خالد پرویز ملک	100/-
105	حیات و تعلیمات اور کلام فرید ؒ	خالد پرویز ملک	100/-
106	حیات و تعلیمات اور کلام وارث شاہ ؒ	خالد پرویز ملک	100/-
107	حیات و تعلیمات اور کلام بلھے شاہ ؒ	خالد پرویز ملک	100/-
108	حیات و تعلیمات اور کلام محمد بخش ؒ	خالد پرویز ملک	100/-
109	حقیقت تصوف اور حضرت بو علی قلندر	علامہ محمد جاوید	80/-
110	روحانیت کے تاجدار	پروفیسر اویس لطیف عبداللہ	120/-
111	شان اولیاء	احمد مصطفٰی صدیقی	120/-

نمبر	کتاب	مصنف	قیمت
112	اڑھائی قلندر	حکیم لیاقت علی سہروردی	200/-
113	درویش	حکیم لیاقت علی سہروردی	160/-
114	اللہ کی نیک بیبیاں	عبدالرب درویش	160/-
115	حسین بن منصور حلاج حیات وکلام	شیما مجید	280/-
116	حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہ	مسعود مفتی	120/-
117	آثار زندگی	قلب حسین وڑائچ	150/-
118	ریزۂ فکر	قلب حسین وڑائچ	200/-
119	افکار صداقت	قلب حسین وڑائچ	200/-
120	زندہ لمحوں کا احساس	قلب حسین وڑائچ	250/-
121	انسان اور حقیقت	قلب حسین وڑائچ	350/-
122	ضمیر شب کا سفر	قلب حسین وڑائچ	300/-
123	نوید صبح	میاں عبدالحمید	300/-
124	تربیت اولاد کا اسلامی نظام	السید عبداللہ ناصح علوان	250/-
125	تحفۂ خواتین (اعلیٰ)	مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری	250/-
126	نایاب ذخیرہ		120/-
127	تاریخ اسلام (2 جلد مکمل سیٹ)	شاہ معین الدین ندوی رحمۃ اللہ علیہ	550/-
128	تاریخ اسلام (3 جلد مکمل سیٹ)	مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی	600/-
129	بہشتی زیور (مدلل)	مولانا اشرف علی تھانوی	380/-
130	تاریخ اندلس	حامد مختار مدح پوری	300/-
131	تاریخ ایران قدیم	محمد حیات خان	150/-
132	تاریخ ملت اسلامیہ	محمد حیات خان	500/-
133	فضائل اعمال	مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ	250/-
134	غنیۃ الطالبین (حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ	ترجمہ: علامہ ظہیر الدین بدایونی رحمۃ اللہ علیہ	280/-
135	تعبیر الرویا	علامہ ابن سیرین	250/-
136	لبیک	ممتاز مفتی	180/-
137	حج وعمرہ پاکٹ	امتیاز علوی	45/-
138	سرزمین آسمان میں چند روز	جمیل احمد عدیل (سفرنامہ عمرہ)	126/-
139	رواداری اور مغرب؟	ڈاکٹر محمد صدیق شاہ بخاری	200/-
140	رواداری اور پاکستان	ڈاکٹر محمد صدیق شاہ بخاری	200/-
141	قوم یہود اور ہم قرآن کی روشنی میں	مولانا حضرت عبدالکریم پاریکھ	200/-

نمبر	کتاب	مصنف	قیمت
142	پاکستان کی اسلامی اساس اور جدید تقاضے	کے۔ایم۔اعظم	400/-
143	قومی ہیروز (حصہ اول)	محمد اسلم لودھی	250/-
144	قومی ہیروز (حصہ دوم)	محمد اسلم لودھی	250/-
145	افواج پاکستان	محمد اسلم لودھی	300/-
146	رشتے محبتوں کے	محمد اسلم لودھی	200/-
147	وطن کے پاسبان	محمد اسلم لودھی	150/-
148	محترمہ فاطمہ جناح حیات وافکار	پروفیسر ڈاکٹر ایم اے صوفی	200/-
149	محترمہ فاطمہ جناح حیات وافکار (کارڈ)	پروفیسر ڈاکٹر ایم اے صوفی	15/-
150	بلوچ تاریخ کے آئینے میں	مظہر علی لاشاری	150/-
151	پارلیمنٹ میں قادیانی شکست	مولانا اللہ وسایا	300/-
152	نگاہ عشق دل زندہ	مہر نگاری مصطفوئی	100/-
153	نزول مسیح آخر کیوں؟	نور محمد قریشی ایڈووکیٹ	60/-
154	تعلیم الاسلام	مولانا مفتی کفایت اللہ	60/-
155	کامیابی کیا ہے؟	مولانا محمد عمر پالنپوری	24/-
156	مجموعہ علم وحکمت	سید مسعود رحمٰن شاہ	100/-
157	تحفۃ العروس	علامہ محمود مہدی	250/-
158	تحفہ برائے دلہن	مولانا حافظ محمد اسلم زاہد	250/-
159	A Pound of Flesh	S-Hamgah Saleem Gilan	80/-
160	اسمائے الحسنیٰ واسمائے نبیؐ (بڑی)	فور کلر آرٹ پیپر	180/-
161	اسمائے النبی ﷺ	فور کلر آرٹ پیپر	60/-
162	اسمائے الحسنیٰ واسمائے نبیؐ (اکٹھی)	فور کلر آرٹ پیپر	60/-
163	کامیاب زندگی کا تصور	پروفیسر انور دل	100/-
164	گھریلو آزمودہ نسخوں کا انسائیکلوپیڈیا	مرتبہ: سید امتیاز علی تاج	150/-
165	اسلامی حکومت کا فلاحی تصور	مولانا سعید الرحمٰن علوی	120/-
166	فیض غوث (مجموعہ افادات مولانا ہزاروی)	مولانا غلام غوث ہزاروی	80/-
167	انوار خطابت	پروفیسر مولانا ہارون الرشید	150/-
168	سفر حج وعمرہ مع اہم فتاویٰ	حافظ مظفر محسن	150/-
169	مسلمان خواتین کے بیس سبق	مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب	24/-
160	تحفۃ النکاح	حضرت مولانا ابراہیم صاحب پالن پوری	120/-
161	آداب مباشرت	ڈاکٹر آفتاب احمد شاہ	20/-

162	سجدہ سہو کے مسائل	مفتی حبیب الرحمٰن مراد آبادی	20/-
163	خطبات بمبئی	مولانا محمد منظور نعمانی	100/-
164	روشنی	مولانا محمد متین ہاشمی	250/-
165	مشاہیر اسلام کی نصیحتیں (وصایا)	افتخار فریدی	70/-
166	اسلام میں غلامی کی حقیقت	مولانا سعید احمد اکبر آبادی	200/-
167	1857ء پہلی جنگ آزادی	میاں محمد شفیع	250/-
168	ہزارہ گزیٹیئر	ڈی۔ایچ۔واٹسن / پروفیسر افتخار احمد	250/-
169	تاریخ ہزارہ	ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی	250/-
170	دولت غزنویہ	مولانا محمود الرحمٰن ندوی	250/-
171	نبی کریم ﷺ کی مبارک سنتیں	مولانا ابوالمظفر ظفر احمد قادری	120/-
172	بہار شباب	حکیم غلام محمود خاں	120/-
173	قرب الٰہی (عبادات کی روشنی میں	مسز جوہر	150-/
174	وادی کاغان	منصف خان سحاب	200/-
175	مشرق کا سوئٹزرلینڈ......وادی سوات	محمد پرویش شاہین	80/-
176	کافرستان کے رسم ورواج	محمد پرویش شاہین	80/-
177	سوات......کوہستان	محمد پرویش شاہین	80/-
178	دیر......کوہستان	محمد پرویش شاہین	100/-
179	وادی چترال	محمد پرویش شاہین	100/-
180	ہماری حقیقت (سائنس انسان اور کائنات)	محمد آفتاب	200/-
181	شیخ اکبر۔محی الدین ابن عربی	محمد شفیع بلوچ	300/-
182	پرفیشنل بیوٹیشن بنیئے	آسیہ آرزو	130/-
183	فضائل درود شریف	مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ	120/-
184	آداب الدعا	مولانا محمد اجمل خان	150/-
185	اسلامی حکومت کا فلاحی تصور	مولانا سعید الرحمٰن علوی	150/-
186	فضائل رمضان	مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ	80/-
187	آئینہ سلوک (یعنی شرح سیف الملوک)	میاں محمد بخش / محمد خلیل ثاقب	350/-
188	مجموعہ مسائل علم شریعت وعلم تصوف	خوشی محمد عاصی	500/-
189	قلم خدا کے لئے (ایک بھیانک سازش	رضوان یوسف	150/-

مولانا محمد حنیف ندوی کی کتب

☆ لسان القرآن (3 جلد)	480/-	☆ عقلیات ابن تیمیہ	200/-
☆ مطالعہ قرآن	180/-	☆ چہرۂ نبوت قرآن کے آئینے میں	150/-
☆ مطالعہ حدیث	200/-	☆ مسلمانوں کے عقائد و افکار (مکمل سیٹ)	400/-
☆ افکار ابن خلدون	200/-	☆ تعلیمات غزالی	300/-
☆ افکار غزالی	250/-	☆ سرگزشت غزالی	100/-
☆ مسئلہ اجتہاد	200/-	☆ تہافۃ الفلاسفہ	140/-

حکیم محمد طارق محمود چغتائی کی شہرہ آفاق کتب

1947ء کے مظالم خود مظلوموں کی زبانی	250/-	☆ مشاہیر کی آپ بیتیاں	150/-
☆ جذبات اور خیالات کے روگ نبوی ﷺ طریقے اور جدید سائنس	120/-	☆ پرسکون زندگی کی تلاش نبوی ﷺ طریقے اور جدید سائنس	120/-
☆ پرکشش زندگی گذارنے کے گر علاج نبویؐ اور جدید سائنس	120/-	☆ نوجوانوں کی جنسی الجھنیں علاج نبویؐ اور جدید سائنس	150/-
☆ قدرتی ٹانک اور علاج نبویؐ	120/-	معالجات نبوی اور جدید سائنس (جلد اول تا چہارم)	800/-
☆ کینسر کو شکست	140/-	☆ جادو جنات، اسلام اور جدید سائنس	200/-
☆ آسان نیکیوں کے حیرت انگیز فضائل (انگلش)	200/-	☆ ہیپاٹائٹس کا سائنسی اور روحانی علاج	80/-
☆ شوگر کا سائنسی اور روحانی علاج	120/-	☆ شگفتہ باتیں، بکھرے موتی، انمول یادیں	120/-
مہلک عادات نبویؐ طریقے اور جدید سائنس	90/-	صحت مند عادات نبویؐ طریقے اور جدید سائنس	90/-
مہلک غذائیں نبویؐ غذائیں اور جدید سائنس	90/-	مہلک دوائیں نبویؐ دوائیں اور جدید سائنس	80/-
ہائی بلڈ پریشر کا سائنسی اور روحانی علاج		☆ جنید جمشید گلوکاری سے پرہیزگاری تک	70/-
☆ نوجوانوں کے جنسی مسائل علاج نبویؐ اور جدید سائنس ☆ شاداب زندگی کے راز	150/-	☆ ازدواجی مسائل علاج نبویؐ اور جدید سائنس ☆ بدترین خصلتوں کا بہترین علاج	150/- 120/-
☆ امراض معدہ علاج نبوی اور جدید سائنس	200/-	☆ شوگر کا کامیاب علاج	80/-
☆ روحانی پاکیزگی	200/-	کولیسٹرول کا سائنسی اور روحانی علاج	120/-
☆ گھریلو الجھنوں کا روحانی علاج	120/-	☆ موٹاپے سے نجات علاج نبویؐ اور جدید سائنس	120/-
☆ بدترین خصلتوں کا بہترین علاج	120/-	☆ کمالات اولیاء	120/-
☆ روحانی عامل کی خفیہ ڈائری	150/-	☆ خواتین کے حسن و جمال کے قیمتی راز	200/-
☆ آداب معرفت	120/-	☆ شاداب زندگی کے راز	120/-
☆ ہارٹ اٹیک سے بچاؤ کی سائنسی اور روحانی ترکیب	120/.		

محمد متین خالد کی ایمان افروز کتب

قیمت	کتاب	قیمت	کتاب
	☆ قادیانیت کے خلاف عدالتی فیصلے (انگلش)	250/-	☆ احمدی دوستو تمہیں اسلام بلاتا ہے۔
250/-	☆ شہیدان ناموس رسالت ﷺ	180/-	☆ مرا پیمبر ﷺ عظیم تر ہے (نعتیہ انتخاب)
180/-	☆ جب حضور ﷺ آئے	150/-	☆ معرفت اسم محمد ﷺ
200/-	☆ قادیانیت کے خلاف عدالتی فیصلے	400/-	☆ ثبوت حاضر ہیں؟
200/-	☆ قادیانیت سے اسلام تک	250/-	☆ اسلام کا سفیر (قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ)
200/-	☆ مولانا وحید الدین خاں۔ اسلام دشمن شخصیت	400/-	☆ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور قادیانیت
180/-	☆ قادیانیت اُس بازار میں	200/-	☆ غازی عامر چیمہ (شہید)

مسعود مفتی کی بصیرت افروز کتب

قیمت	کتاب	قیمت	کتاب
500/-	☆ غزوۃ النبی ﷺ	350/-	☆ خواتین کا مکمل اسلامی انسائیکلوپیڈیا
100/-	☆ غزوہ خندق	100/-	☆ صلح حدیبیہ
100/-	☆ غزوہ اُحد	100/-	☆ غزوہ موتہ
150/-	☆ فتح مکہ	100/-	☆ جنگ بدر
60/-	☆ سورہ توبہ سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	150/-	☆ ملٹی نیشنل کمپنیوں کی اسلام دشمنی
60/-	☆ سورہ آل عمران سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-	☆ سورہ بقرہ سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج
150/-	☆ ہمارے بچوں کے پیارے نام	60/-	☆ سورہ فاتح سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج
250/-	☆ زندہ اقوال	300/-	☆ سیرت نبی ﷺ کا انسائیکلوپیڈیا (سوالاً جواباً)
500/-	☆ دنیا کے تمام ممالک کا انسائیکلوپیڈیا	120/-	☆ برجوں پر مکمل کتاب
60/-	☆ بیوی محبت کیوں کرے!	240/-	☆ اسلامی ناموں کی ڈکشنری
150/-	☆ تاریخ کی کرپٹ ترین عورتیں	75/-	☆ صلی علیٰ کہتے کہتے (نعتیہ مجموعہ)
250/-	☆ برجوں کا مکمل انسائیکلوپیڈیا	150/-	☆ اسلامی ناموں کا گلدستہ
		100/-	☆ اسلامی ناموں کا انسائیکلوپیڈیا

روحانی کتب سیّد علی حسین شاہ

قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	
250/-	مفیض العملیات وتعویذات	240/-	بچوں اور بڑوں کے برکت والے نام	☆
200/-	جادو کا آسان اور شرطیہ علاج (حصہ دوم)	200/-	جادو کا آسان اور شرطیہ علاج (حصہ اوّل)	☆
75/-	سورۃ یٰسین سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-	سورۃ الکافرون سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	☆
60/-	سورۃ اخلاص سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-	شرائط چلہ	☆
60/-	سورۃ الفلق سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-	بسم اللہ سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	☆
80/-	سورۃ یٰسین آرٹ پیپر (مجلد)	60/-	سورۃ الناس سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	☆

روحانی کتب علامہ محمد جاوید

☆	جنات، آسیب، جادو کا توڑ	200/-	حقیقت تصوف اور حضرت بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ	80/-
☆	سورہ ق سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-	سورہ حم السجدہ سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-
☆	سورہ مریم سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-	سورۃ فاتحہ سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-
☆	سورۃ الکوثر سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-	دُرود شریف سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-
☆	سورہ رحمٰن سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-	سورہ مزمل سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-
☆	آیت الکرسی سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-	نفلی نمازوں سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-
☆	سورہ جن سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-	سورہ مُلک سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-
☆	اسمائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-	اسمائے الٰہی سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-
☆	سورہ یوسف سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-	مختصر کلمات سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-

روحانی کتب خواجہ انیس اقبال

1-	درود لا محدود	خواجہ انیس اقبال	300/-
2-	ربنا (قرآن میں مذکور انبیاء کرام کی دعائیں)	خواجہ انیس اقبال	60/-
3-	دل کے حجرے میں	خواجہ انیس اقبال	60/-
4-	فقیر کی دُنیا	خواجہ انیس اقبال	50/-
5-	فقیر کی حاضری	خواجہ انیس اقبال	60/-
6-	دعائے سیفی سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	خواجہ انیس اقبال	60/-
7-	اللہ اللہ کرتے رہیے	خواجہ انیس اقبال	60/-
8-	استخارہ اور بدنظری کا علاج	خواجہ انیس اقبال	120/-

طبی و روحانی کتب

1-	روحانی تعویذات کی ڈائری	صوفی محمد ندیم	250/-
2-	پنج سورۃ وظیفہ مقتی	امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ	70/-
3-	قرآنی دعاؤں سے روحانی علاج	امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ	50/-
4-	سورہ یٰسین (معرا) بڑی 10/-	سورہ یٰسین (معرا) چھوٹی	8/-
5-	جواہرات ستارے اور طبی علاج	علیم اقبال	120/-
6-	ہومیو میڈیسن اور صحت	ڈاکٹر آر۔ اے امتیاز	80/-
7-	امراض اور ہومیو ادویات	ڈاکٹر آر۔ اے امتیاز	80/-
8-	طبیب اعظم	حکیم ایم اے قاسم	250/-
9-	بلڈ پریشر	حکیم ایم۔ اے قاسم	40/-
10-	شوگر کا علاج خود کریں	حکیم ایم۔ اے قاسم	36/-

نمبر	کتاب	مصنف	قیمت
-11	تشنج کا علاج خود کریں	حکیم ایم۔اے قاسم	40/-
-12	ہیپاٹائٹس میں آپ تنہا نہیں	حکیم ایم اے قاسم	50/-
-13	نوجوانوں کے جنسی ونفسیاتی مسائل (علاج مردانہ)	ہومیو ڈاکٹر محمد اشرف قریشی	100/-
-14	اپنا پرائز بانڈ خود نکالیں	عابد خاں	100/-
-15	دوا غذا اور شفا	ڈاکٹر آصف محمود جاہ	300/-
16	زلزلہ زیارت اور زندگی	ڈاکٹر آصف محمود جاہ	250/-
17	میرج گائیڈ	ڈاکٹر جاوید اقبال	300/-
18	نسوانی حسن	ڈاکٹر جاوید اقبال	200/-
19	آزادی نسواں زوال نسواں	ڈاکٹر جاوید اقبال	150/-
20	خطرناک بیماریوں کا قدرتی علاج	الحاج مسعود احمد خان دُرانی	300/-
21	قدرتی غذاؤں کا انسائیکلوپیڈیا	الحاج مسعود احمد خان دُرانی	300/-
22	ماورائی علوم کا خلاصہ اور عمل	اے صد مسافر	200/-
23	ڈپریشن کا جدید طریقہ علاج (یوگا مراقبہ)	اے صد مسافر	120/-
24	سدا ہیلنگ انرجی	اے صد مسافر	100/-
25	ڈیل سائنسز	اے صد مسافر	120/-
26	مخزن المفردات	حکیم کبیر الدین	170/-

اقبالیات پر بہترین کتب

کتاب	مصنف	قیمت
☆ کامیابی کے سات اصول (مفکر اسلام علامہ اقبال کی تعلیمات کی روشنی میں)	حسن رازی	40/-
☆ اسلامی فکر کی نئی تشکیل (خطبات اقبال)	مترجم: شہزاد احمد	150/-
The Reconstruction of Religious thought In Islam	(علامہ اقبال کے 7 مشہور ومعروف خطبات)	150/-
☆ اقبال کا نور بصیرت (اقبال کی تین طویل نظمیں مسجد قرطبہ، ابلیس کی مجلس شوریٰ، پیر ومرید)	از علامہ اقبال۔ شرح: محمد شریف بقاء	300/-

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
☆ کلیات اقبال (فرہنگ کے ساتھ)	700/-	☆ کلیات اقبال (کلاں)	300/-
☆ کلیات اقبال (پاکٹ)	200/-	☆ بانگ درا	150/-
☆ ضرب کلیم	120/-	☆ بال جبریل	120/-
☆ شکوہ جواب شکوہ (فرہنگ اور شرح کے ساتھ) از علامہ اقبال۔ شرح: محمد شریف بقاء			180/-
☆ شکوہ جواب شکوہ	15/-	☆ کلیات اقبال (عوامی ایڈیشن)	200/-
☆ ذکر حسینؓ اور اقبال (محمد شریف بقاء)	100/-	☆ اقبال کے تصور اسلام کا نچوڑ (حصہ اوّل)	40/-
☆ اقبال کے تصور اسلام کا نچوڑ (حصہ دوم)	60/-	☆ " " (حصہ دوم) از: حسن رازی	40/-

نثر، شاعری، افسانہ

-1	گلاب سے ہونٹ (آرٹ پیپر+فورکلر)	علوینہ فیصل	150/-
-2	دل جسے اپنا کہتا ہے	علوینہ فیصل	150/-
-3	کاجل تیری آنکھوں کا	علوینہ فیصل	150/-
-4	پیار کا پہلا سال (فورکلر)	علوینہ فیصل	150/-
-5	خوشبو اُداس کرتی ہے	علوینہ فیصل	150/-
6	ہونٹ غزل کے دو مصرعے	علوینہ فیصل	140/-
7	میرے ہو کے رہو	وصی شاہ	250/-
8	میرے ہو کے رہو (اعلیٰ)	وصی شاہ	300/-
9	چاہتوں کی بارش	حنا شیخ	150/-
10	ابھی یہ خواب مت دیکھو (شعری مجموعہ)	خالد بن حامد	150/-
11	رنگ حنا (شعری مجموعہ)	حنا شیخ	150/-
12	سچ رہا ایسا ہو جائے	خالدہ رشید	150/-
13	پہلی سانس محبت کی	ضیاء اللہ قریشی	130/-
14	شرح دیوان غالب	ناصر دہلوی	250/-
15	دیوان غالب	مرزا اسداللہ خاں غالب	200/-
16	دیوان غالب (پاکٹ)	مرزا اسداللہ خاں غالب	100/-
17	دیوان غالب (فرہنگ کے ساتھ)	ساغر صدیقی	250/-
18	کلیات ساغر صدیقی	ساغر صدیقی	180/-
19	کلیات ساحر لدھیانوی	ساحر لدھیانوی	220/-
20	نیم کو صندل کر دو	انتخاب: ندیم رضا	150/-
21	اِنتقام چاہوُ سے	بشیر بدر	150/-
22	ٹاپ 10 شاعر	معاذ حسن	300/-
23	ٹاپ 10 شاعرات (نیا اضافہ شدہ ایڈیشن)	معاذ حسن	300/-
24	ٹاپ 20 کلاسک شاعر	مسعود مفتی	200/-
25	100 مشہور و معروف غزلیں	معاذ حسن	150/-
26	شاہکار شاعری (نظمیں، غزلیں، گیت)	علیم اقبال	120/-
27	تیرے پیار کا موسم (انتخاب غزلیات)	ایمان علی	120/-
28	کہو تو اک شام چرا لوں	انتخاب شہباز اشرف	150.-
29	دو چار دن کا ساتھ	ایم۔ نعیم	150/-

نمبر	کتاب	مصنف	قیمت
30	بیسویں صدی کی عشقیہ غزلیں	عاصمہ مشتاق	120/-
31	دیوان میر تقی میر	علامہ اقبال	75/-
32	التباس	شاور اسحاق	150/-
33	جلتے ہاتھ	محمد جمیل پرواز	160/-
34	موسم ابر آلودہ تھا (غزلیات)	افتخار احمد عاطر	150/-
35	کچھ دیر پہلے سحر سے (غزلیات)	افتخار احمد عاطر	180/-
36	گلاب آغوش	افتخار احمد عاطر	
37	تیرے وجود کی ٹھنڈی چھاؤں	افتخار احمد عاطر	
38	میٹھے بول میں جادو	ڈیل کارنیگی	250/-
39	تتلیوں کے شہر میں	فیصل محمود	130/-
40	پل دو پل کی چاہت میں	صابر ظفر	250/-
41	پھول میرے گلشن کا	سلیم احمد صدیقی	120/-
42	محبت جب سے وہ کرنے لگے ہیں	شہزادہ احمد۔انتخاب گلفراز احمد	150/-
43	آپ سا نہیں کوئی (شعری مجموعہ)	اختر شمار	130/-
44	دیکھا جو تیر کھا کے (شعری مجموعہ)	مظفر وارثی	120/-
45	اردو افسانے میں رومانی رجحانات	ڈاکٹر محمد عالم خان	200/-
46	مقالات اجمل	ڈاکٹر محمد اجمل	200/-
47	ناقابل فراموش	دیوان سنگھ مفتوح	400/-
48	مقالات محمد حسن عسکری (حصہ اوّل)	مرتبہ: شیما مجید	300/-
49	مقالات محمد حسن عسکری (حصہ دوم)	مرتبہ: شیما مجید	300/-
50	مراۃ العروس	ڈپٹی نذیر احمد	90/-
51	باغ و بہار (فرہنگ کے ساتھ)	میر امن دہلوی	180/-
52	فردوسِ بریں	عبدالحلیم شرر	80/-
53	مسدس حالی (جدید ایڈیشن)	مولانا الطاف حسین حالی	100/-
54	مضامین شورش	مرتب: پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال	250/-
55	وحدت ملی		80/-
56	خون جگر ہونے تک	صاحبزادہ خورشید گیلانی	250/-
57	محاکمہ دیوان غالب نسخہ لاہور مسروقہ	پروفیسر جعفر بلوچ/رفاقت علی شاہد	200/-
58	آج کی بات	توصیف احمد خان	150/-
59	برجستہ (کالم)	جمیل احمد عدیل	200/-

60	حرف ملاقات (نامور ادیبوں کے انٹرویوز)	عمران نقوی	200/-
61	اک ہجر جو ہم کو لاحق ہے (لازوال عشقیہ خطوط)	جواز جعفری	150/-
62	اپنے چاند کے لئے	اشتیاق احمد ناصح	150.-
63	تنہا مسافر	امیر حزن لون	175/-
64	شام تنہائی	محمد زاہد نواز دندھاوا	150
65	زمانے کی ٹھوکریں	اصغر شاہ اصغر	200/-
66	جب بھی دیکھا اداس دیکھا	حافظ مظفر محسن	120/-
67	پیار کے بھیگے دو پل	حافظ مظفر محسن	180-
68	محبت مر نہیں سکتی	ندیم گیلانی	140/-
69	میرے لفظ	حسن ساحل	200/-
70	تذکرہ الشعراء	عبدالرشید عراقی	200/-

پاکستان کے نامور کالم نگار جاوید چوہدری کی کتب

☆	زیرو پوائنٹ نمبر 3	350/-	زیرو پوائنٹ نمبر 4	350/-

نوجوان نسل کے شاعر سعید واثق کی کتب

☆	دل میں تم مہکتے ہو (نیا شعری مجموعہ)	150/-	☆ محبت ہو گئی تم سے	150/-

منفرد لہجے کے شاعر اعتبار ساجد کی کتب

☆	مجھے اس قدر نہ چاہو (نیا شعری مجموعہ)	180/-	☆ روز یاد کرتے ہیں	150/-
☆	سُرخ گلابوں کا موسم	180/-	☆ اک عشق ضروری ہے	120/-
☆	محبت ہو تو ایسی	150/-	☆ ترے انتظار کے شہر میں (کلیات)	600/-
☆	یہ موسم یونہی بیت گیا	150/-	☆ تمہیں کتنا چاہتے ہیں	150/-
☆	یہ شام تمہارے نام	180/-	☆ کوئی بات کرنی ہے چاند سے	150/-
☆	وہی اک زخم گلاب سا	150/-	☆ یہ تنہائی مجھے دے دو	180/-
☆	مجھے کوئی شام اُدھار دو	200/-	☆ دل کی دہلیز پر	150/-
☆	وہ سنہری دھوپ کہاں گئی	150/-	محبت پھول جیسی ہے	150/-
☆	گلوب پر اجنبی	180/-	ابھی آگ سرد نہیں ہوئی	150/-
☆	مرے خط مجھے واپس کر دو	130/-	شاعری کیسے کریں؟	150/-

پاکستان کے مقبول ترین شاعر منان قدیر کی کتب

☆	ہم نہ ملتے تو اچھا تھا	150/-	تم اداس مت ہونا	150/-
☆	کب آؤ گے	180/-	مجھے تم سے محبت ہے	150/-
☆	تم اکثر یاد آتے ہو	150/-	میری آنکھیں نیند سے بھر دو	180/-
☆	تمہیں کیسے مناؤں؟	150/-	کیا ہے پیار پتھر سے	200/-

طنز و مزاح

1	واہ بھئی واہ	اعتبار ساجد	150/-
2	ہاؤس فل	اعتبار ساجد	150/-
3	اُردو کی درمیانی کتاب	ڈاکٹر مشتاق احمد سحر	200/-
4	پطرس کے مضامین	پطرس بخاری	60/-
5	چکن فالودہ (بہترین مزاحیہ شاعری کا انتخاب)	انتخاب: گل فراز احمد	150/-
6	لطیفA (دنیا بھر کے انعام یافتہ لطیفے)	گل فراز احمد	150/-
7	ٹاپ10 مزاح گو شاعر	گل فراز احمد	250/-
8	مکمل مزاحیات	معاذ حسن	250/-
9	مزاح نگار حاضر ہوں	پروفیسر جمیل احمد عدیل	250/-
10	شرطیہ میٹھے (دنیا بھر کے انعام یافتہ لطیفے)	ایم۔ایم۔خالد	200/-
11	خوبصورت لطائف	ستار طاہر	80/-
12	منتخب لطائف	ستار طاہر	80/-
13	دل کے آس پاس (طنز و مزاح)	انجم انصار	150/-
14	خوبصورت مسکراہٹیں (لطائف)	محمد قیصر چوہان	70/-
15	قلمی دشمنی (طنز و مزاح)	اشفاق احمد ورک	120/-
16	مابدولت (طنز و مزاح)	عارفہ صبح خان	150/-
17	شٹ اَپ (طنز و مزاح)	عارفہ صبح خان	120/-
18	کرکرے کردار (طنز و مزاح)	عارفہ صبح خان	120/-
19	تجاہل عارفانہ	عارفانہ صبح خان	300/-
20	بوٹا مائی فرینڈ	حافظ مظفر محسن	120/-
21	بلٹ لفافہ اور سیاسی آلودگی	حافظ مظفر محسن	150/-
22	چڑیا گھر (مزاحیہ شاعری)	مجذوب چشتی	100/-

معلومات عامہ، اقوال زریں

1	Management & People in Banking	Ch. Mushtaq Ahmad (بنکنگ کے امتحان کیلئے رہنما کتاب)	200/-
2	PLEASING VOICES (انگریزی تقاریر)	Prof. Muhammad Akram Tahir	150/-
3	علم الاعداد کا مکمل انسائیکلوپیڈیا	منصور احمد بھٹی	180/-
4	دست شناسی کا انسائیکلوپیڈیا	محمد زاہد گوگی	250/-
5	بہترین انعامی تقریریں		120/-
6	اپنا انٹرویو خود کیجئے!	خان اکبر علی خان	100/-
7	اقوال محبت کا انسائیکلوپیڈیا	خان اکبر علی خان	100/-
8	اسرار النجوم	ملک زاہد محمود اعوان	200/-
9	حقیقتوں کا سفر (اقوال زریں)	پروفیسر محمد نصیر خان	200/-
10	عالمی معلومات کا انسائیکلوپیڈیا	فیصل بٹ	200/-
11	دنیا کے 70 عجوبے (4 کلر)	شاہدہ لطیف	600/-
12	100 عظیم مہمات	قیصر چوہان	300/-
13	سٹارز (12 کتب کا سیٹ برج)	کامران امجد	40/-
14	فلمی دنیا پر حکمرانی کرنے والے خوبصورت چہرے	زاہد گوگی	300/-
15	بیسویں صدی کا انسائیکلوپیڈیا	اعظم شیخ	400/-
16	نانگا پربت کے حضور (سفرنامہ)	اجمل سعید پراچہ	200/-
17	گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ 2002 (اردو)	مترجم: اعظم شیخ	400/-
18	کون، کب اور کیا؟	قیصر علی آغا	150/-
19	کون بنے گا کروڑ پتی!	یاسر فراز	40/-
20	عقلوں کا نچوڑ	مترجم: مقصود شیخ	200/-
21	انسانی وقدرتی وسائل کا استعمال	اورنگزیب تنویر سہروردی	100/-
22	علمی تقریریں	عمران چوہدری	150/-
23	فن خطابت	نجمہ منصور	120/-
24	ستارے اپنی اپنی قسمت کے	حافظ مظفر محسن	90/-
25	بیت بازی	فرحت عباس، نجمہ منصور	120/-
26	ضرب المثل اشعار	حافظ مظفر محسن	130/-
27	جدید تقریریں	اشتیاق الرحمٰن چوہدری	120/-
28	عقل والوں کے لیے حکایات	ابو علی عبدالوکیل	300/-

عالمی شہرت یافتہ پامسٹ ایم۔اے ملک کی کتب			
	اسرار دست شناسی	ایم۔اے ملک	350/-
	بیسوی صدی کی پیشین گوئی	ایم۔اے ملک	150/-
سعادت حسن منٹو کی کتب			
1-	کلیات منٹو1-(افسانے)	سعادت حسن منٹو	600/-
2-	کلیات منٹو2-(افسانے)	سعادت حسن منٹو	600/-
3-	کلیات منٹو3-(کہانیاں)	سعادت حسن منٹو	600/-
4-	کلیات منٹو4-(ڈرامے)	سعادت حسن منٹو	600/-
5-	کلیات منٹو5-(ڈرامے)	سعادت حسن منٹو	600/-
6-	ٹھنڈا گوشت	سعادت حسن منٹو	50/-
7-	نور جہاں سرور جاں	سعادت حسن منٹو	15/-
8-	گنجے فرشتے	سعادت حسن منٹو	100/-
9-	منٹو کے 10 بہترین افسانے	سعادت حسن منٹو	200/-
تاریخی ورومانوی ناول			
1	حجاج بن یوسف	الماس ایم۔اے	250/-
2	سلطان شہاب الدین غوری	الماس ایم۔اے	200/-
3	پنجاب کی رومانوی داستانیں	الماس ایم۔اے	140/-
4	رومیو جولیٹ	شیکسپیئر	150/-
5	سلطان محمود غزنوی	مبین رشید	250/-
6	بہادر شاہ ظفر کے شب وروز	ضیاء الدین لاہوری	200/-
7	1857ء کے چند اہم کردار	ضیاء الدین لاہور	120/-
8	تاوانِ عشق	محمد فیاض ماہی	250/-
9	کاغذ کی کشتی	محمد فیاض ماہی	250/-
10	شہر دل کے دروازے	شازیہ چوہدری	400/-
11	تم آخری جزیرہ ہو	آمنہ ریاض	150/-
12	خدا دور نہیں ہے	محمد عرفان رامے	150/-
13	راجکماری	ڈاکٹر کرم حسین شاہ راہی	300/-
14	دلی	خشونت سنگھ، مترجم: عرفان احمد خان	225/-
15	مدہوش	عرفان احمد خان	100/-

نمبر	نام کتاب	مصنف	قیمت
16	اجلی کا روپ	شاہد رزاق کوہلر	120/-
17	سکندر اعظم	مقصود شیخ	300/-
18	خواب جوانی	ایم۔اسلم	150/-
19	تیر نگاہ	ایم۔اسلم	150/-
20	اشک ندامت	ایم۔اسلم	120/-
21	امر جیت	غلام سرور	250/-
22	کاشانہ نور	اے۔زیڈ سید	200/-
23	کالج کلیاں اور بھنورے	اکرم خان نیازی	100/-
24	تیرے پاس ہے اک حصہ	عمران چوہدری	100/-
25	سایہ	عرفان نوید	60/-
26	شیطانوں کی جنت	شیخ الیاس	120/-
27	عشق اور آزادی	ایم۔انور صدیقی	80/-
28	خزاں کے بعد	ایم۔انور صدیقی	120/-
29	بے ساختہ	بشریٰ رحمٰن	400/-
30	شہزاد	شکیلہ شرارت	100/-

مشہور ناول نگار علیم الحق حقی کے ناول

نمبر	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
1	عشق کا عین	180/-	دو بوندیں ساون کی	250/-
2	عشق کا شین	500/-	سائبان	120/-
3	عشق کا شین پارٹ II	400/-	تیل کی آگ	120/-
4	دجال (اول)	250/-	شب احتساب	100/-
5	دجال (حصہ دوم)	250/-	سنگ حیات	200/-
6	دجال (حصہ سوم)	250/-	سلطانی جمہور	150/-
7	قصہ ایک داماد کا	120/-	اماوس کا دیا	150/-
8	پاتال کی بلائیں	150/-	بساط	250/-
9	ضمیر کے اسیر	150/-	ضمیر کے اسیر	120/-
10	ملک برائے فروخت	120/-	زندگی 40 کلومیٹر	120/-
11	مٹی سے عشق	150/-	دوسری فصل	140/-

پاکستان کی نامور ناول نگار عمیرہ احمد کی بہترین کتب

1	من و سلویٰ	عمیرہ احمد	600/-
2	امر بیل	عمیرہ احمد	600/-
3	تھوڑا سا آسماں	عمیرہ احمد	700/-
4	حسنہ اور حسن آراء	عمیرہ احمد	250/-
5	دربارِ دل	عمیرہ احمد	250/-
6	ہم کہاں کے سچے تھے	عمیرہ احمد	250/-
7	میں نے خوابوں کا شجر دیکھا ہے	عمیرہ احمد	250/-
8	سحر اک استعارہ ہے	عمیرہ احمد	250/-
9	میری ذات ذرہ بے نشاں	عمیرہ احمد	250/-
10	لاحاصل	عمیرہ احمد	250/-
11	زندگی گلزار ہے	عمیرہ احمد	250/-
12	واپسی	عمیرہ احمد	300/-
13	میرے پچاس پسندیدہ سین	عمیرہ احمد	150/-
14	حرف سے لفظ تک	عمیرہ احمد	100/-
15	حاصل	عمیرہ احمد	200/-
16	ایمان، امید اور محبت	عمیرہ احمد	200/-

نگہت عبداللہ کے نئے ناول

1	محبت کا حصار	نگہت عبداللہ	200/-
2	محبتوں کے ہی درمیاں	نگہت عبداللہ	250/-
3	دل پھولوں کی بستی	نگہت عبداللہ	400/-
4	انتظارِ فصلِ گل	نگہت عبداللہ	150/-
5	مجھے روٹھنے نہ دینا	نگہت عبداللہ	250/-
6	بس تم لوٹ آنا	نگہت عبداللہ	200/-
7	کوئی لمحہ گلاب ہو	نگہت عبداللہ	400/-

شاہدہ لطیف کی خوبصورت کتب

1	7 قدیم عشق (ناول)	شاہدہ لطیف	350/-
2	محبت نہ ہو جائے	شاہدہ لطیف	200/-
3	دنیا کے 70 عجوبے	شاہدہ لطیف	600/-

قیصرہ حیات کی خوبصورت کتب			
1	انوار اسمائے الٰہی (تفصیلی شرح)	قیصرہ حیات	500/-
2	ذات کا سفر (ناول)	قیصرہ حیات	200/-
3	سایہ دیوار بھی نہیں (ناول)	قیصرہ حیات	300/-
4	گلاب چاہتیں	قیصرہ حیات	220/-
5	وقت جو ٹھہر گیا	قیصرہ حیات	200/-
رفعت سراج کی خوبصورت کتب			
1	رشتوں کے ریشم	رفعت سراج	250/-
2	ایک گلاب	رفعت سراج	200/-
ملک کی مشہور ناول نگار ماہا ملک کی کتب			
1	جو چلے تو جاں سے گزر گئے	ماہا ملک	150/-
2	یہ بلبلیں یہ تتلیاں	ماہا ملک	250/-
3	اک دیا جلائے رکھنا	ماہا ملک	350/-
4	میرے خواب ریزہ ریزہ	ماہا ملک	350/-
خواتین کی مقبول ترین رائٹرز رخسانہ نگار			
1	دل آئینوں کا شہر	رخسانہ نگار عدنان	200/-
2	خوشبو کا گھر کوئی نہیں	رخسانہ نگار عدنان	180/-
3	دیوار سنگ سے آگے	رخسانہ نگار عدنان	200/-
4	میرے چارہ گر	رخسانہ نگار عدنان	300/-
5	پارس (نیا ناول)	رخسانہ نگار عدنان	250/-
6	زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
7	گر مجھ سے محبت ہے	رخسانہ نگار عدنان	200/-
تنزیلہ ریاض کی مشہور کتب			
1	خواب گھروندہ ٹوٹ نہ جائے	تنزیلہ ریاض	200/-
2	اھدنا الصراط المستقیم	تنزیلہ ریاض	200/-
عصمت چغتائی کی کتب			
1	ایک قطرہ خون (واقعہ کربلا پر ایک شاہکار تحریر)	عصمت چغتائی	200/-
2	ضدی	عصمت چغتائی	100/-
3	لحاف	عصمت چغتائی	80/-

نگہت سیما کے بہترین ناول

1	زخم سفر ہے محترم	نگہت سیما	250/-
2	روشنی کے عذاب	نگہت سیما	250/-
3	کتنا سہل جانا تھا	نگہت سیما	200/-
4	محبت ابر کی صورت	نگہت سیما	200/-
5	راہِ جنون	نگہت سیما	

نازیہ کنول نازی کی بہترین کتب

1	جو ریگ دشت فراق ہے (ناول)	نازیہ کنول نازی	600/-
2	خواب نگر کی مسافتیں (ناول)	نازیہ کنول نازی	250/-
3	اے مژگان محبت	نازیہ کنول نازی	170/-
4	تنہا چاند (شاعری)	نازیہ کنول نازی	150/-

میمونہ خورشید علی کے مشہور ناول

1	اے جنوں دشت ہے کہ منزل ہے	میمونہ خورشید	250/-
2	تیری راہ میں رُل گئی وے	میمونہ خورشید	180/-

سباس گل کے نئے ناول

1	میں محبت اور تم	سباس گل	200/-
2	تم ایسی شرارت مت کرنا	سبا گل	250/-

عائشہ سحر مرتضیٰ کے نئے ناول

1	مجھے بکھرنے مت دینا	عائشہ سحر مرتضیٰ	200/-
2	تیری چاہ میں	عائشہ سحر مرتضیٰ	250/-

نازیہ فرحت مایہ کے ناول

1	مجھ پہ چھڑ کر تیری آنکھیں	نازیہ فرحت مایہ	150/-
2	ہوں دردِ عشق سے جہاں بالب	نازیہ فرحت مایہ	200/-

روشانے سبعین کے نئے ناول

1	کیسی یہ رسمِ دنیا......!	روشانے سبعین	200/-

مقبول ترین رائٹر امجد جاوید کی کتب

1	جب عشق سمندر اوڑھ لیا	امجد جاوید	200/-
2	چہرہ	امجد جاوید	150/-

نمبر	کتاب	مصنف	قیمت
3	عشق کا شین (حصہ دوم)	امجد جاوید	400/-
4	عشق کا شین (حصہ سوم)	امجد جاوید	400/-
5	عشق کا قاف	امجد جاوید	250/-
6	جب عشق سمندر اوڑھ لیا	امجد جاوید	200/-
7	تاج محل	امجد جاوید	250/-
8	لکھاری کیسے بنتا ہے	امجد جاوید	120/-
9	انقلابی شاعری	انتخاب: امجد جاوید	150/-
10	تمہیں چاہوں گا شدت سے (نیا شعری مجموعہ)	امجد جاوید	150/-
11	کامیابی 30 دنوں میں (ترجمہ)	مترجم: امجد جاوید	150/-

صحت و تندرستی

نمبر	کتاب	مصنف	قیمت
1	دل توانا رکھنے کے 50 طریقے	مترجم: مقصود شیخ	250/-
2	فیملی ہیلتھ	ڈاکٹر آصف محمود جاہ	150/-
3	ٹین ایج گائیڈ (اُردو)	ڈاکٹر آصف محمود جاہ	200/-
4	TEENAGE TINGLING	ڈاکٹر آصف محمود جاہ	200/-
5	زلزلہ، زخم اور زندگی	ڈاکٹر آصف محمود جاہ	150/-
6	زلزلہ زیارت اور زندگی	ڈاکٹر آصف محمود جاہ	250/-
7	دواء، غذا اور شفاء	ڈاکٹر آصف محمود جاہ	300/-
8	دانتوں کی حفاظت و علاج	پروفیسر ڈاکٹر ایم اے صوفی	120/-
9	قیام حمل سے پرورش تک	خواجہ سلطان عارف	100/-
10	لمبی زندگی اور آسان یوگا	اعظم شیخ	150/-
11	بیوٹیشن گائیڈ	ماجد رسول طاہر	100/-
12	کامیاب گھریلو ٹوٹکوں کا انسائیکلوپیڈیا	حنا شیخ	120/-

کھانا پکانا

نمبر	کتاب	مصنف	قیمت
1	اوون کے کھانوں کا انسائیکلوپیڈیا	زیب النساء	400/-
2	کھانے پکانے کا مکمل انسائیکلوپیڈیا	ساجد حسین قریشی	600/-
3	آرٹ آف مغل کزین (بہترین کھانے)	ساجد حسین قریشی	250/-
4	آرٹ آف سب کانٹینینٹل (بہترین کھانے)	ساجد حسین قریشی	200/-
5	Art of Mughal Quisine (بہترین کھانے)	ساجد حسین قریشی	250/-
6	Art of sub continental	ساجد حسین قریشی	200/-

نمبر	کتاب	مصنف	قیمت
7	سبزیاں اور پھل کا انسائیکلوپیڈیا	ساجد حسین قریشی	100/-
8	انسائیکلوپیڈیا آف پاستہ (مائیکرو ویو اور اوون کے کھانے)	ساجد حسین قریشی	300/-
9	شیف ذاکر کا دسترخوان	شیف ذاکر	220/-
10	راحت کا دسترخوان	راحت بیگم	300/-
11	ڈالڈا کھانوں کا انسائیکلوپیڈیا		600/-
12	منفرد چائنیز کھانے	ثمینہ سہیل نذر	130/-
13	ڈالڈا کا نعمت خواں	سعدیہ عابد	150/-
14	کچن بک	(کچن کے خوبصورت ڈیزائن)	380/-
15	مچھلی کے پکوان	ثمل مسعود	150/-
16	شوگر فری کھانوں کا مکمل انسائیکلوپیڈیا	جویرہ کامران	150/-
17	تکے کباب چانپیں، کوفتے، پسندے	ثمل مسعود	150/-
18	منفرد کھانوں کی منفرد ترکیبیں	روبینہ شاہ	150/-
19	بیکری کا انسائیکلوپیڈیا	روبینہ شاہ	150/-
20	200 ذائقوں میں مچھلی پکائیں معہ چائنیز کھانے	روبینہ شاہ	150/-
21	نئے چائنیز کھانے	بیگم سید	120/-
22	سبزیوں کے پکوان	ثمینہ شاہ	150/-
23	چاول کے پکوان	ثمینہ شاہ	80/-
24	بیکری گائیڈ (اردو انگلش)	اعجاز شیخ	150/-

فرحت عباس شاہ

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
☆ شام کے بعد (جلد اوّل)	165/-	☆ شام کے بعد (جلد دوم)	165/-
☆ شام کے بعد (جلد سوم)	165/-	☆ یاد آؤں اگر اداسی میں	120/-
☆ ہم اکیلے ہیں بہت	120/-	☆ محبت خوبصورت ہے	150/-
☆ تم اُداس مت ہونا	300/-	☆ مرا انتظار قدیم ہے	120/-
☆ آوارہ مزاج	150/-	☆ دُکھ بولتے ہیں	150/-
☆ جم گیا صبر مری آنکھوں میں	120/-	☆ کہاں ہو تم	120/-
☆ خطوں میں دفنایا ہوا جیون	120/-	☆ میرے ویران کمرے میں	120/-
☆ ملو ہم سے	120/-	☆	350/-
☆ محبت کی آخری ادھوری نظم	120/-	☆ اُداس شاموں میں اجاڑ رستے	120/-
☆ مت بول پیا کے لہجے میں	120/-	☆ مت بول پیا کے لہجے میں	120/-
☆ آ کسی روز کسی دکھ پہ اکٹھے روئیں	120/-	☆ اک بار کہو تم میری ہو	120/-

☆ Sarabi	300/-	☆ اکیسویں صدی کی پہلی نظم	120/-
☆ After Evening	150/-	☆ Love	300/-
☆ America My Friend	150/-	☆ الوداع پاکستان	110/-
☆ موت زدہ	110/-	☆ تیرے دکھ نے رستہ بنادیا	90/-
☆ باغی شاعر	90/-	☆ بارشوں کے موسم میں	120/-
☆ اور تم آؤ	120/-	☆ میرے ساتھ چل	100/-
☆ روگ	150/-	☆ من پنچھی بے چین	120/-
☆ محبت ذات ہوتی ہے	200/-	☆ آ لگا جنگل در و دیوار سے	120/-
☆ چاند پر زور نہیں	120/-	☆ ساتھ دینا ہے تو دے	120/-
☆ روز ہوں گی ملاقاتیں	120/-	☆ سرابی	150/-
☆ محبت گمشدہ میری	120/-	☆ آنکھوں کے پار چاند	120/-
☆ اے عشق ہمیں آزاد کرو	120/-	☆ ابھی خواب ہے	120/-
☆ سوال درد کا ہے	200/-	☆ دن نکلتا نہیں	150/-
☆ ہم جیسے آوارہ دل	200/-	☆ یہ عجیب میری محبتیں	450/-

کمپیوٹر و درسی کتب

-1	جاوا 2 (سرٹیفکیشن گائیڈ)	اعجاز احمد	240/-
-2	انفارمیشن ٹیکنالوجی	ارشد محمود	180/-
-3	C++ اور وژیول Ver.6	ارشد محمود	300/-
-4	A+ اے پلس مکمل ہارڈویئر گائیڈ	ارشد محمود	300/-
-5	پریکٹیکل نوٹ بک (23 دنوں میں ICS)	محمد متین خالد۔ محمد ارشد عرشی	180/-
-6	پرنسپلز آف کمپیوٹر سائنس (21 دنوں میں ICS)	محمد متین خالد۔ رضوان احمد شاہ	60/-
-7	کمپیوٹر وائرس	محمد متین خالد۔ ارشد محمود شاہ	70/-
-8	کمپیوٹر خود سیکھیں	محمد متین خالد	100/-
-9	کمپیوٹر کے مسائل اور ان کا حل	محمد متین خالد۔ مقصود شیخ	150/-
-10	مائیکروسافٹ ونڈوز انسٹالیشن گائیڈ	ارشد محمود شاہ	60/-
-11	مائیکروسافٹ ونڈوز نیٹ ورکنگ	ارشد محمود شاہ	60/-
-12	فراز آسان ونڈوز 98	ارشد محمود شاہ	60/-
-13	فراز آفس 4-2003	ارشد محمود شاہ	140/-
-14	فراز آٹو کیڈ 2004	ارشد محمود شاہ	60/-
-15	فراز ایکسل 4-2003	ارشد محمود شاہ	60/-

نمبر	کتاب	مصنف	قیمت
-16	عالمی انٹرنیٹ ڈائریکٹری	ارشد محمود شاہ	75/-
-17	انٹرنیٹ گائیڈ مع ویب ڈیزائننگ	اعظم شیخ	100/-
-18	انٹرنیٹ ڈائریکٹری (بڑی)	اعظم شیخ۔ محمد متین خالد	130/-
-19	انٹرنیٹ ڈائریکٹری (پاکٹ سائز)	اعظم شیخ۔ محمد متین خالد	60/-
-20	اسلام انٹرنیٹ پر	محمد متین خالد	120/-
-21	پاکستان انٹرنیٹ پر	اعظم شیخ۔ محمد متین خالد	120/-
-22	SCIENCE ON NET	اعظم شیخ۔ محمد متین خالد	100/-
-23	ای کامرس (مکمل گائیڈ)	مقصود شیخ	180/-
-24	ان پیج 2000	فرحان ڈار	100/-
-25	فلیش 5	اعظم شیخ	120/-
-26	انٹرنیٹ اور کمپیوٹر کی جدید ڈکشنری (اُردو اور انگریزی میں)	محمد متین خالد۔ مقصود شیخ	300/-
-27	فوٹوشاپ 7	رابعہ ارم شاہ۔ ڈاکٹر بشیر احمد شاہ	180/-
-28	کورل ڈرا 11 مکمل گائیڈ	ارشد محموشاہ	150/-
-29	کورل ڈرا 12 مکمل گائیڈ	ارشد محموشاہ	150/-
-30	فراز آسان کمپیوٹر گائیڈ	ارشد محموشاہ	160/-
-31	مائیکروسافٹ ورڈ XP	ارشد محمود شاہ	60/-
-32	مائیکرو میڈیا ڈریم ویور 2004	ارشد محمود شاہ	130/-
-33	مائیکروسافٹ ایکسس ڈیٹا بیس	رضوان احمد شاہ۔ نعمان احمد شاہ	150/-
-34	انڈین انٹرنیٹ ڈائریکٹری	مقصود خالد	120/-
-35	آٹو ٹیکنیشن	مقصود خالد	120/-
-36	اپنا موبائل فون خود مرمت کریں	سمیرا شاہ	150/-
-37	3/D سٹوڈیو میکس 6	سمیرا شاہ	120/-
-38	ڈاس مکمل گائیڈ	سمیرا شاہ	60/-
-39	ENCYCLOPEDIA OF FAQ COMPUTER / INTERNET PROBLEMS & SOLUTIONS	M.MATEEN KHALID	150/-
-40	Visual Basic 6.0	Noman A. Shah, Rizwan A.Shah	130/-
-41	Window XP *Professional*	Noman A. Shah, Rizwan A.Shah	150/-
-42	British English Grammar & Composition	نوید سنبل (For B.A, B.Com, B.Sc, BCS)	120/-

-43	S.Q.L(برائے M.C.S)	اعجاز احمد	210/-
-44	PL/S.Q.L (Oracle 6i)	اعجاز احمد	225/-
-45	Introduction to Information Technology (C,C++, Java, ASP)	M.Rizwan Jameel Qureshi	210/-
-46	Self Paced Training	Khalid Mahmood Mughal	210/-
-47	Introduction to Numerical Analysis	ڈاکٹر سکندر حیات خیات	80/-
-48	اولیول اُردو (مکمل سلیبس اے پیپر II)	محمد سہیل	150/-
-49	مطالعہ معاشیات (برائے ڈی کام O ڈی بی اے)	میاں عصمت اللہ	120/-

سیاسی کتب

1	قتل جمہوریت	چوہدری غلام رسول چیمہ	250/-
2	اور زنجیر ٹوٹ گئی	رائے نواز کھرل	250/-
3	ذوالفقار علی بھٹو (ایٹمی پاکستان کا بانی)	چوہدری غلام رسول چیمہ	300/-
4	سقوط بغداد	مقدر اقبال	600/-
5	طالبان کی واپسی	مقدر اقبال	500/-
6	شہید جمہوریت کا قاتل کون	فضل حسین اعوان	200/-
7	لندن پلان	ستار چوہدری	200/-
8	پاکستان کی کہانی (حضور پاکؐ کے سپاہی کی زبانی)	میجر (ر) امیر افضل خاں	500/-
9	اگر ایران پر حملہ ہوا......؟	مبین رشید	200/-
10	پارلیمنٹ کے خوبصورت چہرے	کامران راجپوت	250/-
11	دُنیا کی نامور شخصیات کے معاشقے	اعظیم شیخ	200/-
12	پاکستان لوٹنے والے ہاتھ	قیصر چوہان	400/-
13	ناموں کا گلدستہ	قیصر چوہان	200/-
14	SMS بڑا سائز (6 ٹائٹل)	قیصر چوہان	40/-
15	پارلیمنٹ سے بازار حسن تک پارٹ I	قیصر چوہان	300/-
16	پارلیمنٹ سے بازار حسن تک پارٹ II		300/-
17	اماں حوا سے اماں کونسلر تک	عارفہ صبح خان	250/-
18	نواز شریف جیتی بازی ہار گیا	حافظ شفیق الرحمان	200/-
19	پاکستان میں جمہوری حکومتیں قیام سے انجام تک	ظہیر احمد بابر	250/-

20	بیسوی صدی کے فوجی حکمران	مرتضیٰ انجم	200/-
21	متنازعہ ترین شخصیت پروفیسر طاہر القادری کی شخصیت کا تنقیدی جائزہ	محمد نواز کھرل	300/-
22	پاک امریکہ تعلقات	محمد جاوید	200/-
23	سیاست آئین اور عدالت	مرتضیٰ انجم	200/-
24	ادیبوں اور دانشوروں کے معاشقے	زاہد گوگی	200/-
25	یہ ہیں ہمارے حکمران؟	طاہر انجم	150/-
26	پاکستان تباہی کے دہانے پر	طاہر انجم	120/-
27	سیاستدانوں کے معاشقے	خالد چوہدری	200/-
28	خفیہ رپورٹیں	مقبول ارشد	250/-
29	جنسی لذت	منظر غنی چوہدری	100/-
30	شرافت کا ستون (میاں محمد شریف)	نواز کھرل	150/-
31	پکی نوکری؟	میاں علاؤالدین	180/-
32	میری زندگی	بل کلنٹن (مترجم: زاہد گوگی)	350/-
33	مائیکل جیکسن پاپ یا پاپی گلوکار	لئیق احمد	150/-
34	بدمعاش امریکہ	سید ناصر علی	220/-
35	پاکستان میں امریکی سازشیں	سید ناصر علی	220/-
36	صدام حسین	ڈاکٹر ندیم احمد	160/-
37	چیف جسٹس کی معطلی	ڈاکٹر ندیم احمد	160/-
38	انقلابی شاعری	انتخاب: امجد جاوید	150/-

ملک کے نامور قانون دان ایس۔ایم۔ظفر کی بہترین کتب

1	میرے مشہور مقدمے	ایس۔ایم ظفر	650/-
2	پاکستان بنام کرپشن عوام کی عدالت میں	ایس۔ایم ظفر	150/-
3	ڈکٹیٹر کون	ایس۔ایم ظفر	200/-
4	عوام پارلیمنٹ اسلام	ایس۔ایم ظفر	250/-
5	عدالت میں سیاست	ایس۔ایم ظفر	175/-

انگریزی کتب

-1	Quranic Topics(Vol:1)	Muhammad Sharif Baqa	500/-
-2	Quranic Topics (Vol:2)	Muhammad Sharif Baqa	500/-
-3	Quranic Advices	Fateh Muhammed Jallendhri	60/-
-4	A Pound of Flesh	S-Hamgah Saleem Gilani	80/-
-5	The Reconstruction of Religious thought In Islam	Allama Muhammad Iqbal (کے 7 مشہور و معروف خطبات)	150/-
-6	Hijra of Christian Calendars	Zia-ud-Din Lahori	220/-
-7	Management & People in Banking	Ch. Mushtaq Ahmad (بنکنگ کے امتحان کیلئے رہنما کتاب)	200/-
-8	TEENAGE TINGLINGS	Dr. Asif Mahmood Jah	120/-
-9	British English Grammar & Composition	Naveed Abdullah Khan Sumbal (For B.A, B.Com, B.Sc, BCS)	120/-

مکتبہ جمال

1	ذکر آزاد (مولانا ابوالکلام کی رفاقت میں ۳۸ سال)	مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی	250/-
2	تصورات قرآن (مولانا ابوالکلام آزاد)	مرتبہ: ڈاکٹر سید عبداللطیف	100/-
3	دیوان غالب (پاکٹ)	مرزا اسداللہ خاں غالب	100/-
4	دیوان غالب (فرہنگ کے ساتھ)	مرزا اسداللہ خاں غالب	250/-
5	کلیات اقبال (فرہنگ کے ساتھ)	علامہ محمد اقبال	700/-
6	عصر حاضر میں اسوہ رسول اکرم کی معنویت	پروفیسر ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسم	200/-
7	خطبات بمبئی	مولانا محمد منظور نعمانی	100/-
8	اسلام میں غلامی کی حقیقت	مولانا سعید احمد اکبر آبادی	200/-
9	اسلام کا نظریہ تاریخ	محمد مظہر الدین صدیقی	200/-
10	1857ء کی پہلی جنگ آزادی (واقعات حقائق)	میاں محمد شفیع	250/-
11	ہزارہ گزیٹیئر	ڈی۔ ایچ۔ واٹسن / پروفیسر افتخار احمد	300/-
12	تاریخ ہزارہ	ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی	250/-
13	دولت غزنویہ (سلطان محمود غزنوی اور ان کے جانشین)	مولانا محمود الرحمٰن ندوی	200/-
14	کشمیر تاریخ کے آئینے میں	پروفیسر محمد عارف	200/-

15	پاکستان سے اقبالستان تک	پروفیسر محمد عارف	250/-
16	نبی کریم ﷺ کی مبارک سنتیں	مولانا ابوالمظفر ظفر احمد قادری	120/-
17	فضائل درود شریف	مولانا محمد زکریا	100/-
18	فضائل رمضان	مولانا محمد زکریا	60/-
19	آداب الدعاء	مولانا محمد اجمل خان	150/-
20	کامیاب زندگی کا تصور	پروفیسر انور دل	100/-
21	اسلام کی دنیا	ایلمارتھ ہارڈر/ بشریٰ سہیل	100/-
22	گھریلو آزمودہ نسخوں کا انسائیکلوپیڈیا (قدیم حکماء کی تحقیقات کا نچوڑ)	سید امتیاز علی تاج	150/-
23	پروفیشنل بیوٹیشن بنیئے	آسیہ آرزو	130/-
24	بہار شباب	حکیم غلام محمود خان	120/-
25	وادی کاغان (تاریخ، لوگ، ثقافت، سیاحت)	منصب خان سحاب	200/-
26	مشرق کا سوئٹزر لینڈ (وادی سوات)	محمد پرویش شاہین	80/-
27	کافرستان کے رسم و رواج	محمد پرویش شاہین	80/-
28	سوات (کوہستان)	محمد پرویش شاہین	80/-
29	وادی دیر......کوہستان (تاریخ، ثقافت، سیاحت)	محمد پرویش شاہین	100/-
30	وادی چترال (تاریخ، ثقافت، سیاحت)	محمد پرویش شاہین	100/-
31	جہاں تین سلطنتیں ملتی ہیں	ای ایف نائٹ/ ظفر حیات پال	500/-
32	بروشو قبائل اور بروشال	سید محمد یحییٰ شاہ الحسینی	300/-
33	ہماری حقیقت (سائنس انسان اور کائنات)	محمد آفتاب	200/-
34	چھل بلبلے	محمد صدیق نتھیا	250/-
35	پہلا قدم	ڈاکٹر سائرہ محبوب	100/-

کتب مولانا ابوالکلام آزاد

☆	تذکرہ	250/-	☆	مسلمان عورت	120/-
☆	قول فیصل	120/-	☆	قرآن کا قانون عروج و زوال	100/-
☆	انسانیت موت کے دروازے پر	120/-	☆	صدائے حق	90/-
☆	رسول اکرم اور خلفائے راشدینؓ کے آخری لمحات	70/-	☆	اُم الکتاب	180/-
☆	غبار خاطر	250/-	☆	حقیقت الصلوٰۃ	80/-
☆	فیضان آزاد (منتخبات ابوالکلام آزاد)	70/-	☆	شہادت حسین رضی اللہ عنہ	120/-

☆ مولانا آزاد نے پاکستان کے بارے میں کیا کہا	100/-	☆ آزادی ہند	300/-
☆ مسئلہ خلافت	140/-	☆ ولادت نبوی ﷺ	90/-
☆ مقام دعوت	70/-	☆ فسانہ ہجر و وصال	50/-
☆ قرآن حکیم کی تین سورتیں (ترجمہ و تفسیر)	70/-	☆ اسلام میں آزادی کا تصور (الحدیث فی الاسلام)	100/-
☆ ارکان اسلام	250/-	☆ اصحاب کہف اور یاجوج ماجوج	120/-

کلاسیک شعراء کے دیوان

☆ دیوانِ حسرت (حسرت موہانی)	50/-	☆ دیوانِ سودا (مرزا محمد رفیع سودا)	50/-
☆ دیوانِ غالب (میرزا اسد اللہ خاں غالب)	50/-	☆ دیوانِ آتش (خواجہ حیدر علی آتش)	50/-
☆ دیوانِ مصحفی (غلام ہمدانی مصحفی)	50/-	☆ دیوانِ ذوق (شیخ محمد ابراہیم ذوق)	50/-
☆ دیوانِ جوش (ملیح آبادی)	50/-	☆ دیوانِ میر (میر تقی میر)	75/-
☆ دیوانِ مومن (حکیم مومن خان مومن دھلوی)	50/-	☆ دیوانِ حالی (خواجہ الطاف حسین حالی)	50/-
☆ دیوانِ داغ (فصیح الملک نواب مرزا داغ دھلوی)	50/-	☆ تلخیاں (ساحر لدھیانوی)	50/-

صفہ فاؤنڈیشن

1-	مسلمان خواتین کے نام اہم پیغام	عمر حیات قادری	20/-
2-	جرم توہین رسالت (فقہ حنفی کی روشنی میں)	مفتی محمد اقبال سعیدی	35/-
3-	قرآن اور روحانی علوم	حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ: مفتی محمد خان قادری	18/-
4-	وسعت علم نبوی	تصنیف: شیخ عبداللہ سراج الدین شامی ترجمہ: مفتی محمد خان قادری	25/-
5-	مسائل توسل و زیارت	تصنیف: شیخ زینی دحلان شافعی رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ: مولانا یٰسین اختر مصباحی	35/-
6-	خواب میں دیدار مصطفیٰ ﷺ کی بہاریں قیامت تک جاری ہیں	مصنف: ڈاکٹر عیسیٰ ابن عبداللہ مانع الحمیری ترجمہ: حضرت مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری	25/-

متفرق کتب

1	قصص الانبیاء مجلد	الحاج سراج احمد عادل	150/-
2	قصص الانبیاء مجلد		150/-
3	شہد حسن و صحت کیلئے	(مصنف: سیسل ٹونسلے) (مترجم: آغا اشرف)	24/-
4	شہد سے علاج	ڈاکٹر اقبال کاردار	24/-
5	طب نبوی	حافظ اکرام الدین صاحب واعظ	25/-

نمبر	کتاب	مصنف	قیمت
6	رسول ﷺ کے تین سو معجزات	سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلوی	28/-
7	خزینہ مشکل کشا	محمد حبیب قادری	200/-
8	چہار قل سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	سید آفاق حسین	60/-
9	کلمہ طیبہ سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	سید آفاق حسین	60/-
10	آیت کریمہ سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	سید آفاق حسین	60/-
11	موت کا منظر	خواجہ محمد اسلام	100/-
12	الصلوٰۃ الرسول	مولانا امتیاز احمد علوی	120/-
13	کتاب الشفا	مسعود مفتی	60/-
14	منفرد کھانوں کی منفرد ترکیبیں	روبینہ شاہ	150/-
15	بیکری کا انسائیکلو پیڈیا	روبینہ شاہ	150/-
16	200 ذائقوں میں چٹپٹی پکائیں معہ چائنیز کھانے	روبینہ شاہ	180/-
17	گھریلو ٹوٹکے	ثمینہ شاہ	130/-
18	بیوٹی کولیکشن	ثمینہ شاہ	120/-
19	بوڑھا اور سمندر (ناول)	ارنسٹ ہیمنگوے کا مشہور عالم ناول	90/-
20	جادو اور سحر کا قرآنی علاج	ڈاکٹر گلزار احمد	90/-
21	نئے چائنیز کھانے	مولفین: بیگم سید	120/-
22	سبزیوں کے پکوان	ثمینہ شاہ	150/-
23	چاول کے پکوان	ثمینہ شاہ	80/-
24	ستارے اپنے اپنی قسمت کے	حافظ مظفر محسن	100/-
25	دہشت زدہ گرد (ناول)	علی نواز شاہ	120/-
26	فیمیلی (ناول)	علی نواز شاہ	120/-
27	خوشگوار زندگی کے اصول	کاشف فراز احمد	100/-
28	اپنا علاج خود کریں	کاشف فراز احمد	120/-
29	کامیاب مستقبل کے راز	کاشف فراز احمد	150/-
30	شعر اور فن شعر	نثار اکبرآبادی	120/-
31	وارث لیکھا	پیر فقیر و پیر سپاہی	150/-
32	تاریخ کا سفر	ذوالفقار ارشد گیلانی	250/-
33	حکایات کا انسائیکلو پیڈیا	منصور بٹ	300/-
34	اسلام میں عورت کا مقام	ڈاکٹر ذاکر نائیک مترجم: سہیل بابر بیگ	120/-
35	خواتین کی اسلامی زندگی کے سائنسی حقائق	حکیم محمد طارق محمود چغتائی	200/-

36	تاریخ سندھ	عبدالحلیم شرر	300/-
37	مہاتما گاندھی	کے آر کرپلانی	200/-
38	قدیم تاریخ	ضیاءالدین اکمل	180/-
39	قرآن اور تصوف	ڈاکٹر میر ولی الدین	180/-
40	شہنشاہ اکبر	کرنل میلن	180/-
41	تساوو کے آدم خور	کرنل جے ایچ پیٹرسن ترجمہ: سید علاؤالدین	150/
42	خدا اور سائنس	آصف حسن	200/-
43	روحانیت اور علم الاعداد	ایس ایچ علوی	200/-
44	بہترین مزاحیہ شاعری	محسن اسحاق ورک	130/-
45	حضرت سلیمان کا خزانہ	ایچ رائیڈر ہیگرڈ ترجمہ: سید علاؤالدین	200/-
46	روح کا سفر	ایس ایچ علوی	200/-
47	قرآن اور جدید سائنس	ڈاکٹر حشمت جاہ	250/-
48	ذکر جب چھڑ گیا	زخمی کانپوری	300/-
49	ہندوستان پر مغلیہ حکومت	مفتی شوکت علی فہمی	300/-
50	اولیاء سندھ	اقبال احمد	120/-
51	ہندوستان پر اسلامی حکومت	مفتی شوکت علی فہمی	300/-
52	ارواح الجفر	مرزا محمود علی	300/-
53	مہاراجہ رنجیت سنگھ	نریندر کرشن سنہا ترجمہ: کیلاش چند چوہدری	180/-
54	سرخ سفید سیاہ	شفیع عقیل	300/-
55	بلوچ تاریخ اور عرب تہذیب	ڈاکٹر محمد اسماعیل دشتی البوشہری	450/-
56	محمد شاہ رنگیلا	قمر قریشی	200/-
57	داستان کہتے کہتے	زخمی کانپوری	300/-
58	خوش رہنے کا فن	ہز ہولینس دلائی لامہ ترجمہ: سید علاؤالدین	250/-
59	خطبات (والیم 1) ذاکر نائیک	ڈاکٹر ذاکر نائیک ترجمہ: سہیل بابر بیگ	350/-
60	کالک (ناول)	علی نواز شاہ	150/-

مکتبہ داستان کے تاریخی ناول

1	داستان ایمان فروشوں کی (تین جلد)	عنایت اللہ	840/-
2	شمشیر بے نیام (دو جلد)	عنایت اللہ	440/-
3	ایک اور بت شکن پیدا ہوا (اول)	عنایت اللہ	280/-
4	ایک اور بت شکن پیدا ہوا (دوم)	عنایت اللہ	200/-

5	ستارہ جو ٹوٹ گیا	عنایت اللہ	220/-
6	حجاز کی آندھی	عنایت اللہ	250/-
7	چاردیواری کی دنیا	عنایت اللہ	150/-
8	کشمیر کے حملہ آور اور پنڈی سازش کیس	عنایت اللہ	150/-
9	دمشق کے قید خانے میں	عنایت اللہ	200/-
10	کار، شلوار اور دوپٹہ	احمد یار خان	170/-
11	ایک رات کی شادی	احمد یار خان	170/-
12	داستان ایک داماد کی	احمد یار خان	170/-
13	لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ	عنایت اللہ	160/-
14	لہو جو ہم بہا کے آئے	عنایت اللہ	150/-
15	استانی اور ٹیکسی ڈرائیور	عنایت اللہ	180/-
16	جب میں تختہ بنی	عنایت اللہ	170/-
17	دو پلو کی کہانی	عنایت اللہ	170/-
18	ہماری شکست کی کہانی	عنایت اللہ	180/-
19	لاہور کی دہلیز پر	عنایت اللہ	170/-
20	روحانی مسرت جسمانی قوت	شبیر حسین	120/-
21	زندہ رہو جوان رہو	کیپٹن ڈاکٹر نصیر۔اے۔شیخ	120/-
22	میں کسی کی بیٹی نہیں	عنایت اللہ	180/-
23	ہیرے کا جگر	عنایت اللہ	170/-
24	الجھے راستے	عنایت اللہ	170/-
25	طاہرہ	عنایت اللہ	200/-
26	خاکی وردی لال لہو (اول)	عنایت اللہ	150/-
27	خاکی وردی لال لہو (دوم)	عنایت اللہ	150/-
28	پی آر بی بہتی رہے گی	عنایت اللہ	180/-
29	ڈوب ڈوب کے ابھری ناؤ	عنایت اللہ	270/-
30	پرچم اڑتا رہا	عنایت اللہ	180/-

طارق اسماعیل ساگر

☆ میں ایک جاسوس تھا	300/-	☆ بے نام سی عقیدت	250/-
☆ وطن کی مٹی گواہ رہنا	300/-	☆ چناروں کے آنسو	250/-
☆ کمانڈو	250/-	☆ کریک ڈاؤن	250/-

☆		قیمت	☆		قیمت
☆	کفارہ	250/-	☆	فالکن کون تھا	200/-
☆	ڈبل کراس	250/-	☆	گرفت	250/-
☆	را	250/-	☆	سازش	250/-
☆	آپریشن بلیوسٹار	180/-	☆	دھویں کی دیوار	200/-
☆	ریڈالرٹ	200/-	☆	جب دشمن نے للکارا	100/-
☆	ٹارگٹ پاکستان تھا	250/-	☆	بیس کیمپ	200/-
☆	شیری کانت	200/-	☆	کورٹ مارشل	250/-
☆	محاصرہ	250/-	☆	الاؤ	200/-
☆	اے راہ حق کے شہیدوں	300/-	☆	مسافت	250/-
☆	جاسوس کیسے بنتا ہے	300/-	☆	اسامہ بن لادن	200/-
☆	وادی لہورنگ	250/-	☆	حمودالرحمٰن کمیشن رپورٹ	300/-
☆	کارگل کرائسس	250/-	☆	کٹ آؤٹ	200/-
☆	کراس فائر	250/-	☆	ڈرگ مافیا	250/-
☆	بھارت ٹوٹ جائے گا	200/-	☆	وادی لہورنگ	250/-
☆	ٹارگٹ کہوٹہ	200/-	☆	پھندہ	200/-
☆	اور حصار ٹوٹ گیا	250/-	☆	بھٹکا ہوا راہی	250/-
☆	دہشت گرد	250/-	☆	شکنجہ	250/-
☆	دیوتا کی موت	120/-	☆	پاکستان عالمی سازش کے نرغے میں	300/-

نامور ناول نگار ایم۔ اے۔ راحت

نمبر	کتاب	مصنف	قیمت
1	گرین فورس	ایم۔ اے۔ راحت	
2	بھید	ایم۔ اے۔ راحت	
3	آتش زدہ	ایم۔ اے۔ راحت	
4	دیوتا کی واپسی	ایم۔ اے۔ راحت	
5	نشیب	ایم۔ اے۔ راحت	250/-
6	زہر	ایم۔ اے۔ راحت	

مطبوعات 7SKY پبلی کیشنز

نمبر	کتاب	مصنف	قیمت
1	میری زندگی	بل کلنٹن (زاہد گولی)	350/-
2	بابا گرونانک (تعلیمات، کلام اور حالات زندگی)	سردار جی سنگھ (مترجم: امیر علی خان)	250/-
3	مشہور عالمی شخصیات	کامران امجد۔ اورنگزیب	250/-

4	کباب پسندے چانپ	نمل مسعود	150/-
5	بہت یاد آنے لگے ہو	نجمہ مسعود	150/-
6	روحانیت اور جنسی لذت	گرواوشو	120/-
7	تمہارے اداس ہونے کے دن نہیں	نجمہ منصور	200/-
8	تاریخ فرعون	خواجہ حسن نظامی	250/-
9	SMS پاکٹ سائز (12 ٹائٹل)	محمد قیصر چوہان	25/-
10	قصص الانبیاء	حاجی سراج احمد عادل	130/-
11	سچا خواب نامہ	شیخ محمد حسین آزادی اجمیری	80/-
12	سیرت عائشہؓ	علامہ سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ	120/-
13	پاکستان ٹریول گائیڈ	مسعود مفتی	200/-
14	منفرد ہیئر سٹائل	نادیہ عامر	150/-
15	ناموں کا گلدستہ	محمد قیصر چوہان	200/-
16	SMS بڑا سائز (6 ٹائٹل)	محمد قیصر چوہان	40/-
17	تذکرہ الاولیاء	حضرت شیخ فریدالدین عطاء	150/-
18	کتاب الحج و عمرہ	الحاج اویس عمر	150/-
19	عورت کی حکمرانی اسلام کے آئینہ میں	علامہ فلک شیر	
20	لندن پلان	ستار طاہر	200/-
21	حج و عمرہ پاکٹ سائز	علامہ امتیاز احمد علوی	40/-
22	انسائیکلوپیڈیا آف اسلام	نجمہ منصور۔ مسعود مفتی	300/-
23	بیوٹی کیئر	صائمہ خالد	120/-
24	عورت اور مرد میری زندگی میں	خشونت سنگھ۔ زاہد گوگی	160/-
25	لبیک	ممتاز مفتی	120/-
26	مسائل بہشتی زیور	مولانا اشرف علی تھانوی	70/-
27	سلام قائد اعظم (سوالاً جواباً)	نجمہ منصور	60/-
28	تحفۃ العروس	علامہ محمود مہدی استنبولی	180/-
29	ہٹلر	مقصود شیخ	250/-
30	پاکستانی کھانوں کا انسائیکلوپیڈیا	نفیسہ بیگم	150/-
31	قدیم ترین، مجموعہ روحانی تعویذات	مسعود مفتی	200/-
32	ایس۔ ایم۔ ایس (چار بکس)	ادارہ	20/-

کتب ابلاغ پبلشرز			
1	سیرت ابن ہشام		350/-
2	بزرگ شہری		200/-
3	دیوان غالب		150/-
4	چادر صحرا		150/-
5	جلال و جمال		350/-
عالمی شہرت یافتہ کتب کے متراجم			
	کامیابی اور روحانی مسرت (ڈورس پوزی)	مترجم: حافظ مظفر محسن	250/-
	الفاظ کا جادو (جے۔وی۔سرنی)	مترجم: حافظ مظفر محسن	250/-
	ٹال مٹول کی عادات سے نجات (ریٹا ایمٹ)	مترجم: حافظ مظفر محسن	200/-
	ہندومت (شکنتلا جگن ناتھ)	مترجم: حافظ مظفر محسن	150/-
	چارلی چیپلن کی آپ بیتی	قیصر چوہان	300/-
	بااصول لیڈر شپ (سٹیفن آر۔کووے)	مترجم: حافظ مظفر محسن	250/-
	اعتماد کی قوت (سٹیفن آر۔کووے)	مترجم: حافظ مظفر محسن	200/-
	اہم کام پہلے (سٹیفن آر۔کووے)	مترجم: حافظ مظفر محسن	250/-
	اپنے گھر کا جم خانہ	مترجم: حافظ مظفر محسن	190/-
	مینار کی پکار	کینتھ گریگ مترجم: مسعود مفتی	150/-
	اسلامی معاشروں کی تاریخ	مترجم: مسعود مفتی	
	راہول ڈریوڈ (آپ بیتی)	مترجم: قیصر چوہان	
	کامیابی 30 دنوں میں چ	اے۔پی۔پریرا مترجم: امجد جاوید	150/-
	شیکسپیئر کے مشہور ڈرامے	شیما مجید	300/-
	مثالی کوچنگ	مترجم: حافظ مظفر محسن	300/-
	گڈ بزنس	مترجم: حافظ مظفر محسن 0	300/-
	انسانی تخلیق	ہارون یحییٰ	